

سَيِّدُ التُّبَّتِيَّةِ

المعروف به

تفسير أشرفي

جلد اول

الحآ - سيقول ۲ - تلك الرسل ۳

شيخ الاسلام المشايخ

سيد محمد مدني اشرفي جيلاني

ضياء القرآن پبليڪيشنز

لاهور - كراچي - پاڪستان

﴿جملہ حقوق بحق شیخ الاسلام ٹرسٹ (احمد آباد، انڈیا) محفوظ﴾

اشاعت ہذا بجا جازت شیخ الاسلام ٹرسٹ

’سیدالقیاس المعروف بہ تفسیر اشرفی‘ ﴿جلداول﴾

نام کتاب:

﴿الغایۃ﴾ محدث اعظم ہند، حضرت علامہ سید محمد اشرف جیلانی قدس سرہ

مفسر اول:

﴿سیدقول ۲﴾ شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی
﴿تلك الرسل ۳﴾

مفسر دوم:

﴿نیویارک، یو ایس اے﴾ منصور احمد اشرفی

کوڈیز این و
کمپیوٹرائزڈ کتابت:

پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

اشاعت اول:

محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ناشر:

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ملنے کے پتے

۰۴۲-۳۷۲۳۸۰۱۰ فیکس۔ ۰۳۷۲۲۱۹۵۳ فون۔ واٹس ایپ نمبر ۳۷۲۲۱۹۵۳

۰۴۲-۳۷۲۲۵۰۸۵ فیکس۔ ۰۳۷۲۴۷۳۵۰ فون۔ لاہور۔ اردو بازار، لاہور۔ ایم ایم مارکیٹ

۰۲۱-۳۲۲۱۰۲۱۲ فیکس۔ ۰۲۱-۳۲۲۱۰۲۱۱ فون۔ کراچی۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی۔ ایم ایم مارکیٹ



سید محمد مدنی اشرفی جیلانی



اجازت نامہ طبع و اشاعت برائے اردو تفسیر قرآن، بنام سیدالقیاس المعروف بہ تفسیر اشرفی (کال)

۱۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۲۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۳۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۴۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۵۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۶۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۷۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۸۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۹۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۱۰۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔



۱۱۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۱۲۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۱۳۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۱۴۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔
۱۵۔ یہ کتاب اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی اور شخص یا ادارہ ذمہ دار نہیں ہے۔

فہرست

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۷	عرض ناشر	﴿۱﴾
۱۵	مقدمہ	﴿۲﴾
۵۱	مختصر تذکرہ حضور صحت اعظم ہند قدس سرہ	﴿۳﴾
۵۵	مختصر تذکرہ حضور شیخ الاسلام دہلوی	﴿۴﴾
۶۰	منظور ہے گزارش احوال واقعی	﴿۵﴾
۶۳	پارہ ۱	﴿۶﴾
۶۳	سورۃ الاعراف ①	﴿۷﴾
۶۸	سورۃ البقرہ ②	﴿۸﴾
۸۱	زمین میں خلیفہ بنائے جانے کا ذکر	﴿۹﴾
۸۴	شیطان نے دونوں کو پھلسا دیا (حضرت آدم علیہ السلام) و حضرت حوا علیہا السلام	﴿۱۰﴾
۸۷	بنی اسرائیل کو انعامات یاد دلانے کا ذکر	﴿۱۱﴾
۹۱	بنی اسرائیل کو فرعونوں سے نجات دلانے کا ذکر	﴿۱۲﴾
۹۳	بنی اسرائیل کا گنہگار کو بت بنالینے کا ذکر	﴿۱۳﴾
۹۶	بنی اسرائیل پر من و سلوئی اترنے کا ذکر	﴿۱۴﴾
۹۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے پانی کے بارہ چشمے بہنے کا ذکر	﴿۱۵﴾
۹۹	بنی اسرائیل کے سبزی ترکاری وغیرہ مانگنے کا ذکر	﴿۱۶﴾
۱۰۲	بنی اسرائیل کے سروں پر کوہ طور کو اٹھالینے کا ذکر	﴿۱۷﴾
۱۰۳	بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کو انکی حرکت پر بندر بنا دینے کا ذکر	﴿۱۸﴾
۱۰۳	بنی اسرائیل کو گائے کے ذبح کرنے کے حکم کا ذکر	﴿۱۹﴾
۱۲۹	ہاروت و ماروت اور چادو سیکھنے سکھانے کا ذکر	﴿۲۰﴾
۱۳۱	مؤمنین کو مجلس نبوی ﷺ میں راعنا نہ کہنے کے حکم کا ذکر	﴿۲۱﴾
۱۳۷	مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنا لینے کے حکم کا ذکر	﴿۲۲﴾
۱۵۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خانہ کعبہ تعمیر کرتے وقت مکہ کے تعلق سے دعا کرنے کا ذکر	﴿۲۳﴾
۱۵۱	حضرت ابراہیم و اسماعیل کی حضور ﷺ کو اپنی ہی آل سے پیچھے جانے کی دعا کا ذکر	﴿۲۴﴾
۱۶۱	پارہ ۲	﴿۲۵﴾
۱۶۷	تہجد کے رکوع کی طرف پھیر دینے کا ذکر	﴿۲۶﴾

- ۱۷۰ ----- اہل کتاب کے پیغمبر اسلام ﷺ کو پہچاننے کا ذکر ----- ﴿۲۷﴾
- ۱۷۷ ----- ’تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا چرچا کروں گا‘ ----- ﴿۲۸﴾
- ۱۷۹ ----- ایمان والوں کو صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنے کا ذکر ----- ﴿۲۹﴾
- ۱۷۹ ----- جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے، اسکو مردہ کہنے کا ذکر ----- ﴿۳۰﴾
- ۱۸۱ ----- مصیبت پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہنے کا ذکر ----- ﴿۳۱﴾
- ۱۸۳ ----- صفا اور مردہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں ----- ﴿۳۲﴾
- ۱۸۸ ----- اللہ کے سوا کوئی معبود نہ ہونے کی مختلف نشانیوں کا ذکر ----- ﴿۳۳﴾
- ۱۹۳ ----- زمین میں سے حلال پاکیزہ چیزیں کھانے کا ذکر ----- ﴿۳۴﴾
- ۱۹۷ ----- چند چیزوں کے حرام ہونے کا ذکر ----- ﴿۳۵﴾
- ۱۹۹ ----- کتاب اللہ کے بدلے تھوڑی قیمت لینے والوں کا ذکر ----- ﴿۳۶﴾
- ۲۰۲ ----- اللہ کی محبت میں لوگوں پر مال خرچ کرنے کا ذکر ----- ﴿۳۷﴾
- ۲۰۶ ----- ایمان والوں پر قصاص لینے کے حکم کا ذکر ----- ﴿۳۸﴾
- ۲۰۹ ----- ایمان والوں پر وصیت کرنے کا ذکر ----- ﴿۳۹﴾
- ۲۱۳ ----- ایمان والوں پر روزہ فرض کئے جانے کا حکم ----- ﴿۴۰﴾
- ۲۱۸ ----- اللہ کے نزدیک ہی ہونے کا ذکر ----- ﴿۴۱﴾
- ۲۱۹ ----- روزوں کے تعلق سے مزید قوانین کا ذکر ----- ﴿۴۲﴾
- ۲۲۶ ----- اللہ کی راہ میں لڑنے کا ذکر ----- ﴿۴۳﴾
- ۲۳۰ ----- اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ذکر ----- ﴿۴۴﴾
- ۲۳۲ ----- حج و عمرہ ادا کرنے کا ذکر ----- ﴿۴۵﴾
- ۲۳۶ ----- ایمان والوں کو اسلام میں پورے پورے داخل ہونے کا حکم ----- ﴿۴۶﴾
- ۲۵۱ ----- پہلے سارے انسان ایک ہی امت تھے۔ پھر کیا ہوا؟ اس کا ذکر ----- ﴿۴۷﴾
- ۲۵۴ ----- کیا کیا اور کن کن پر خرچ کرنے کا حکم ----- ﴿۴۸﴾
- ۲۶۰ ----- شراب اور جوئے کے بارے میں حکم ----- ﴿۴۹﴾
- ۲۶۲ ----- قییموں کے بارے میں حکم ----- ﴿۵۰﴾
- ۲۶۳ ----- شرک والیوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم ----- ﴿۵۱﴾
- ۲۶۵ ----- حیض کے بارے میں احکامات کا ذکر ----- ﴿۵۲﴾
- ۲۶۹ ----- طلاق والی عورتوں کیلئے احکامات کا ذکر ----- ﴿۵۳﴾
- ۲۷۸ ----- ماؤں کے اپنی اولاد کو دودھ پلانے کا حکم ----- ﴿۵۴﴾
- ۲۸۱ ----- عورتوں کی مدت عدت کا ذکر ----- ﴿۵۵﴾
- ۲۸۵ ----- سب نمازوں اور درمیان والی نماز کی تکہبانی کا حکم ----- ﴿۵۶﴾

- ۲۹۱ ----- ﴿۵۷﴾ طاعون زدہ شہر سے موت کے خوف سے بھاگنے والوں کی موت کا ذکر
- ۲۹۲ ----- ﴿۵۸﴾ اللہ کو قرض حسد دینے کا ذکر
- ۲۹۶ ----- ﴿۵۹﴾ قوم عاد کا اپنے نبی سے اپنے لئے بادشاہ مقرر کر دینے کی خواہش کا ذکر
- ۲۹۸ ----- ﴿۶۰﴾ طاقت کو بادشاہ بنائے جانے کا ذکر
- ۳۰۰ ----- ﴿۶۱﴾ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بچے ہوئے تبرک کا ذکر
- ۳۰۳ ----- ﴿۶۲﴾ حضرت داؤد علیہ السلام کے جالوت کو قتل کر دینے کا ذکر
- ۳۰۷ ----- ﴿۶۳﴾ پارہ تلافی الرسول ۲
- ۳۰۷ ----- ﴿۶۴﴾ رسولوں کو ایک دوسرے پر بڑائی عطا فرمائے جانے کا ذکر
- ۳۱۵ ----- ﴿۶۵﴾ مؤمنین کو اللہ کی دی ہوئی روزی سے خرچ کرنے کا حکم
- ۳۱۶ ----- ﴿۶۶﴾ آیت الکرسی
- ۳۱۸ ----- ﴿۶۷﴾ دین میں کوئی زبردستی نہیں
- ۳۲۱ ----- ﴿۶۸﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حجت بازی کرنے والے کا ذکر
- ۳۲۲ ----- ﴿۶۹﴾ حضرت عمر علیہ السلام کو سو برس موت دئے جانے کا ذکر
- ۳۲۹ ----- ﴿۷۰﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواہش پر مردے زندہ کرنے والا واقعہ
- ۳۳۰ ----- ﴿۷۱﴾ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور ان کے بدلے ۷۰۰ ملنے کا ذکر
- ۳۳۳ ----- ﴿۷۲﴾ خرچ کر کے احسان نہ جتانے والوں کا ذکر
- ۳۳۵ ----- ﴿۷۳﴾ احسان رکھ کر اپنے صدقات کو ضائع نہ کرو
- ۳۳۶ ----- ﴿۷۴﴾ دکھاوے کیلئے خرچ کرنے والوں کا عمل ضائع ہو جانے کا ذکر
- ۳۳۸ ----- ﴿۷۵﴾ اللہ کی رضا چاہنے کیلئے خرچ کرنے والوں کا انعام
- ۳۴۱ ----- ﴿۷۶﴾ جو تم خود نہ پسند کرو، دوسروں کو وہ نہ دو
- ۳۴۲ ----- ﴿۷۷﴾ شیطان تمہیں محتاج ہونے سے ڈراتا ہے اور بے شرم بناتا ہے
- ۳۴۳ ----- ﴿۷۸﴾ علانیہ اور چھپا کر صدقات دینے کا ذکر
- ۳۴۶ ----- ﴿۷۹﴾ صدقات کن کن کیلئے ہیں
- ۳۴۹ ----- ﴿۸۰﴾ سود کے کھانے والوں اور سود کے تعلق سے احکامات
- ۳۵۵ ----- ﴿۸۱﴾ سود خوروں سے اللہ اور اس کے رسول کی جنگ کا اعلان
- ۳۵۶ ----- ﴿۸۲﴾ قرضدار کو مہلت اور معافی دینے کا حکم
- ۳۵۷ ----- ﴿۸۳﴾ قرض کے معاملات اور اسکے تعلقات کو لکھ لینے کا حکم
- ۳۶۲ ----- ﴿۸۴﴾ رہن، امانت اور اس کے تعلق سے گواہی کا ذکر
- ۳۶۵ ----- ﴿۸۵﴾ اللہ بفرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان کا ذکر
- ۳۶۶ ----- ﴿۸۶﴾ اللہ کسی پر اسکی سکت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا

- ۳۶۷ ----- ﴿۸۷﴾ ایک بہترین دعا کا ذکر
- ۳۶۹ ----- ﴿۸۸﴾ سورۃ آل عمران
- ۳۷۳ ----- ﴿۸۹﴾ اللہ ہی ماؤں کے پیٹ میں صورت بنشتا ہے
- ۳۷۳ ----- ﴿۹۰﴾ آیات حکمت و تشابہات کا ذکر
- ۳۷۷ ----- ﴿۹۱﴾ ایک بہترین دعا کا ذکر
- ۳۷۹ ----- ﴿۹۲﴾ کفر کرنے والوں کو انکے مال و اولاد اللہ سے نہ بچا سکیں گے
- ۳۸۱ ----- ﴿۹۳﴾ کافروں سے جنگ میں مسلمانوں پر اللہ کے ایک خاص کرم کا ذکر
- ۳۸۳ ----- ﴿۹۴﴾ عورتوں، بیٹوں اور تہہ بہ تہہ سونے چاندی کے ڈھیروں وغیرہ کی محبت ایک نظر فریب ہے
- ۳۸۶ ----- ﴿۹۵﴾ اللہ کی گواہی اور دوسروں کی گواہی، خود اللہ کے بارے میں
- ۳۸۸ ----- ﴿۹۶﴾ بیشک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے
- ۳۹۴ ----- ﴿۹۷﴾ ایک بہترین دعا سکھائی جا رہی ہے
- ۳۹۴ ----- ﴿۹۸﴾ اللہ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے رسوائی دے
- ۳۹۵ ----- ﴿۹۹﴾ مومنین کیلئے کافروں کو دوست نہ بنانے کا حکم
- ۳۹۹ ----- ﴿۱۰۰﴾ اللہ کی دوستی کے حصول کیلئے حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے چلنے کا حکم
- ۴۰۰ ----- ﴿۱۰۱﴾ آدم کو اور نوح کو، ابراہیم و عمران کی آل کو جن لینے کا ذکر
- ۴۰۲ ----- ﴿۱۰۲﴾ عمران کی اہلیہ یعنی حضرت مریم کی والدہ کی منت کا ذکر
- ۴۰۵ ----- ﴿۱۰۳﴾ حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر
- ۴۰۶ ----- ﴿۱۰۴﴾ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر
- ۴۱۲ ----- ﴿۱۰۵﴾ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کا ذکر
- ۴۱۳ ----- ﴿۱۰۶﴾ حضرت مریم علیہا السلام کو ایک بیٹے کی بشارت کا ذکر
- ۴۱۶ ----- ﴿۱۰۷﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تجزوات کا ذکر
- ۴۲۰ ----- ﴿۱۰۸﴾ سب اللہ سے فریب کھیلے، اور اللہ نے اسکا بہترین جواب دیا
- ۴۲۰ ----- ﴿۱۰۹﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچانے اور بلند کرنے کا ذکر
- ۴۲۴ ----- ﴿۱۱۰﴾ حضور ﷺ کا عیسا بیوں کو مہلبہ کی دعوت دینے کا ذکر
- ۴۳۵ ----- ﴿۱۱۱﴾ عہد نہ پورا کرنے والوں کا ذکر
- ۴۳۶ ----- ﴿۱۱۲﴾ کتاب کے الفاظ کو توڑ موڑ کر بیان کرنے والوں کا ذکر
- ۴۳۷ ----- ﴿۱۱۳﴾ کوئی نبی لوگوں کو اپنی بندگی کا حکم نہیں دیتا
- ۴۳۸ ----- ﴿۱۱۴﴾ حضور ﷺ کے بارے میں پیغمبروں کے حتیٰ وعدے کا ذکر
- ۴۴۲ ----- ﴿۱۱۵﴾ اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول نہیں کیا جائیگا
- ۴۴۴ ----- ﴿۱۱۶﴾ ایمان کے بعد کفر کرنے اور اس میں بڑھ جانے والوں کی تو بہ نامتبول

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ۔۔۔ اَمَّا بَعْدُ

عرض ناشر

اس اقرار کے بعد کہ نہیں ہے کوئی لالہ سوائے اللہ کے، تمام تعریفیں اسی کیلئے ہیں جو رَبِّ الْعَالَمِينَ ہے، جو الرَّحْمَن ہے، جو الرَّحِيم ہے، جسکے بہترین نام ہیں، اور بعد اس اقرار کے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ہیں، رَوْفٌ رَحِيمٌ ہیں اور خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ہیں، اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ رضائے الہی کے بغیر کوئی ہدایت پاسکے اور حب مصطفیٰ ﷺ کے بغیر کسی کا ایمان کامل ہو سکے، یہ ممکن نہیں۔ آخری نجات بھی غلامی رسول ﷺ ہی کا ثمرہ ہے۔

اس میں بھی شک نہیں کہ بلا تائید الہی و توفیق الہی دین کی ادنیٰ ہی بھی خدمت کوئی انجام دے سکے، یہ ممکن نہیں۔ نفوس قدسہ رکھنے والوں کو براہ راست اور نہ رکھنے والوں کو انکے وسیلے اور انکی دعاؤں سے جب تائید الہی حاصل ہو جاتی ہے، تو پھر دین اسلام کی مشکل ترین خدمت انجام دینا بھی انکے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ وہ کوئی بھی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتے اور خدمت دین کیلئے ہمہ تن گوش رہتے ہیں۔ اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ وہ ایسوں کے ذریعے امت مرحومہ کی رہنمائی فرماتا رہے۔ ﴿آمین﴾

بفضلہ تعالیٰ اراکین گلوبل اسلامک مشن نے بزرگان دین یعنی علماء حق کے قدموں سے وابستہ رہتے ہوئے دین اسلام یعنی کلام الہی، احادیث نبوی اور فقہ اسلامی کی ترویج و اشاعت کا ایک بیڑا اٹھایا۔ گیارہ سال قبل جب ہم نے نیویارک، امریکہ میں اس ادارے کی بنیاد رکھی، تو ظاہری طور پر کسی بزرگ ہستی یا علماء کرام کی سرپرستی حاصل نہ تھی۔۔۔ البتہ اپنے پیرومرشد، قبلہ چودھری محمد اقبال حمید سہروردی رحمہ اللہ کی صحبت میں گزارے ہوئے بچپن کے کچھ لمحات مشعل راہ ضرور تھے۔

ادھر مشن کو قانونی شکل دی، ادھر فیضان سہروردیہ نے دیکھیری کی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہاں ترتیب مسعود ملت، حضرت ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمہ، قائد اہلسنت، حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ، رئیس ائمہ عقیدین، شیخ الاسلام، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی، شیخ الحدیث، حضرت علامہ مفتی نصر اللہ خان صاحب افغانی، امام، کاظم، حضرت علامہ مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب

شیخ الحدیث جناب علامہ غلام جیلانی اشرفی صاحب، جناب علامہ مفتی محمد الیاس رضوی اشرفی صاحب اور دیگر بزرگان دین و مقتدر علماء اہلسنت کے قدموں سے وابستگی ہوتی چلی گئی۔

ان پیکرانِ اخلاص اور بزرگانِ عظام کی صحبت، شفقت، سرپرستی اور فیضانِ نظر کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ اس مشن نے تھوڑے ہی عرصے میں کافی کام کر لیا۔ ان بزرگوں سے جب ہم نے یہ بات سیکھ لی اور اس حقیقت کو جان لیا کہ اللہ ﷻ کے حبیب ﷺ نے مقامِ محبوبیت پر فائز ہونے کے باوجود ہر مشکل کا سامنا کیا اور خدا کے دین کو خدا کے بندوں تک پہنچایا، تو اب اگر ہم حضور ﷺ کی سچی غلامی کا دم بھرتے ہیں، تو زندگی کا کوئی لمحہ بھی دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے بغیر نہیں گزاریں گے۔

رب تعالیٰ نے کرم فرمایا اور ہم نے حضور شیخ الاسلام کی اجازت سے آپ کے والد بزرگوار حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کا اردو ترجمہ قرآن بنام 'معارف القرآن' شائع کیا اور ہزاروں کی تعداد میں علماء کرام اور عوام المسلمین کی خدمت میں تحفہ پیش کیا۔ حضور شیخ الاسلام کے قدموں سے وابستگی، آپ سے والہانہ محبت اور حد درجہ قربت اس بابرکت کام کیلئے ایک معاون ضرور بنی لیکن اصل محرک حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کا وہ عظیم کارنامہ تھا جو آپ نے اس ترجمہ قرآن کے تحت انجام دیا۔ امت مسلمہ پر یہ احسان عظیم اور اسکی افادیت ہماری نظروں میں ہمیشہ پیش پیش رہی اور ہمارے لئے اسکی ترویج و اشاعت ایک فرض عین بن کر رہ گئی جسے سب ہی نے سراہا۔

اس ترجمہ قرآن کی شان، اسکی اہمیت اور اہلسنت کو اسکی ضرورت، کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجدد دین و ملت، حضرت علامہ الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمایا، تو ارشاد فرمایا کہ، 'شہزادے آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ کلامِ الہی کی معرفت حبِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ حبِ مصطفیٰ ﷺ کی کیفیت جیسے جیسے ترقی کرتی جائیگی، اسکی روشنی میں کلامِ الہی کی معرفت بھی اتنی ہی بڑھتی جائیگی۔ قدرتی نظاروں کے ادراک کیلئے سورج کی چمکدار اور شفاف شعاعوں کے ساتھ ساتھ آنکھوں کی بینائی کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کی بھی عدم موجودگی یا کمی کی صورت میں صحیح ادراک حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہدایت کاملہ کیلئے کلامِ الہی اور حضور سرور کائنات ﷺ کی سچی محبت دونوں درکار ہیں۔

چونکہ کلام الہی لازوال ہے، اسکی ہدایت کبھی مدہم نہ پڑے گی اور اسکی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود کلام والے ہی نے لے رکھی ہے، لہذا سارا معاملہ اب ہمارے ہی عشق نبوی ﷺ کے درجات پر منحصر ہے۔ یعنی جتنا زیادہ ہم اپنے آپ کو حب مصطفیٰ ﷺ میں فنا کرتے چلے جائیں گے، کلام الہی کی اتنی ہی معرفت سے بہرہ ور ہوتے چلے جائیں گے۔۔۔ یہاں سے ایک نکتہ اور سامنے آیا کہ جب خود کلام الہی کی معرفت حاصل کرنے کیلئے حب رسول ﷺ کی اعلیٰ سے اعلیٰ منازل کو طے کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، تو دوسروں کو کلام الہی کے مفہوم سے متعارف کرانے کیلئے حضور ﷺ سے کس قدر محبت و الفت درکار ہوگی، اس بات کا اندازہ صرف اہل محبت، اہل درد و اہل نظر ہی لگا سکتے ہیں۔

جو اہل محبت اور اہل درد نہیں، انکی نظر مصحف قرآنی کے صفحات پر تحریر الفاظ قرآنی اور انکے ظاہری معنوں تک پہنچ کر رک جاتی ہے۔ جبکہ عشق نبوی سے سرشار غلامانِ رسول اور امت کا درد رکھنے والے وارثین رسول ﷺ، کلام الہی کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر ہدایت کے بیش بہا موتیوں کو برآمد کرتے ہیں۔ انہی سے کلام الہی کی معرفت اور ایمان کی دولت ہمارے ہاتھ آتی ہے جو دونوں جہانوں کی کامیابی و کامرانی سے ہمیں ہمکنار کرتی ہے۔

آئیے ایسے ہی صاحبانِ قلب و نظر کے قلموں سے نکلے ہوئے ان گوہر بیش بہا کالفتوں کے جاسے میں ہم بھی نظارہ کر لیں۔ پھر اگر ہم بھی صحیح معنوں میں عشق نبوی ﷺ سے سرشار ہو کر غلامی رسول ﷺ کی مبارک منزل تک پہنچ گئے تو کلام الہی کی اصل معرفت ہمیں بھی حاصل ہو جائیگی اور کلام الہی کی وہ معرفت جو حب نبوی ﷺ کے طفیل ہمارے نصیب میں آئیگی، وہ ہمارے حب میں دائمی چٹنگی کا باعث بنے گی اور ہمیں کمالِ ایمان کے درجہ تک پہنچا دیگی۔ پھر ہم اس دنیا کو صرف بقدر ضرورت استعمال کریں گے اور اسکے استعمال میں آنے سے بچ جائیں گے۔

اسی لئے رئیس المتکلمین، حضور محدث اعظم ہند علیہ السلام نے اٹھائیس سال محنت کر کے اردو ترجمہ قرآن مکمل فرمایا۔ میرے ادنیٰ خیال میں یہ ترجمہ قرآن، ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ بیک وقت تفسیر قرآن بھی ہے۔ معارف القرآن میں حضرت قبلہ گاہی کا اندازہ بیان اور شان الہی اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے لفظوں کا استعمال، کلام الہی کو سمجھنے میں حتی الامکان مدد دے رہا ہے۔ اور ترجمہ پوری آب و تاب کے ساتھ قرآن کریم کے مفہوم کو بیان کر رہا ہے۔

اسکے باوجود، ترجمہ قرآن مکمل فرمانے کے بعد محدث صاحب نے امت مسلمہ کی مزید

رہنمائی، اردو زبان کے قارئین کی آسانی، اور قرآن کریم کے مفہوم کو ذرا تفصیل اور ایک نئے انداز سے سمجھانے کیلئے تفسیر قرآن قلمبند کرنا شروع کر دی۔ تفسیر کا مطالعہ کرنے والا فوراً ہی حضرت کے منفرد انداز کا خود قائل ہو جاتا ہے۔ تفسیر میں ترجمہ کے الفاظ (قوسین میں رکھتے ہوئے) پر دینے کا منفرد انداز کلامِ الہی کے دل میں اتر جانے اور دماغ میں سما جانے کا سبب بنتا ہے۔ بلکہ قاری واقع کو چشم دید سا جان لیتا ہے۔ اس طرح آپ نے تین پارے اور چوتھے کے چند رکوع کی تفسیر ہی فرمائی تھی کہ اس دارِ فانی میں آپ کے قیام کا وقت پورا ہو گیا اور آپ مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو یہی منظور تھا کہ ایک عجیب اور منفرد انداز میں تفسیری کام کی داغ بیل تو محدث صاحب کے مبارک ہاتھوں سے ڈلوادی جائے مگر اسکو آگے بڑھانے اور (انشاء اللہ) پایہء تکمیل تک پہنچانے کیلئے شہزادہ محدث اعظم ہند، حضور شیخ الاسلام کو چین لیا جائے۔ بہر حال تلاش کے باوجود محدث صاحب کے تفسیر شدہ تین پاروں میں سے صرف پہلا پارہ ہی دستیاب ہو سکا جس کو اسی ادارے نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا۔

جب سے معارف القرآن اور تفسیر اشرفی (پہلا پارہ) شائع ہو کر منظر عام پر آیا، تو علماء کرام اور احباب کی دیرینہ خواہش پھر سے جاگ اٹھی کہ تفسیری کام کو محدث صاحب ہی کے انداز میں مکمل کر کے منظر عام پر لایا جائے۔ یہ جانتے ہوئے۔۔۔ یا یوں سمجھئے۔۔۔ اپنے انداز سے کے مطابق یہ خیال کرتے ہوئے، کہ اس تفسیری کام کو محدث صاحب ہی کے انداز میں آپ کے جانشین حضور شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی سے بہتر کوئی انجام نہیں دے سکتا، ہم نے حضرت کی ناکھتم ہونے والی اور ناکم ہونے والی مصروفیات کو مد نظر رکھتے ہوئے، محتاط انداز میں حضرت سے گزارش شروع کر دی کہ آپ ہی اس مبارک کام کیلئے وقت نکالیں۔

یہ حضرت کی ہم پر شفقت ہی ہے کہ ہماری درخواست کو آپ نے شرف قبولیت بخشا اور آپ کی بالغ نظری بھی کہ تفسیری کام کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے، اپنی مصروفیات کم سے کم کرتے کرتے وقت نکال ہی لیا، اور حضور محدث صاحب کے قلم کی یاد تازہ کرتے ہوئے، یعنی اپنے والد بزرگوار ہی کے تفسیری انداز میں، ترجمہ کو تفسیر قرآن میں پروتے ہوئے، اس مشکل کام کا آغاز کر ہی دیا۔

صرف پیکرانِ اخلاص، صاحبانِ قلب و نظر اور اہل علم و دانش ہی خوب جانتے ہیں کہ یہ کام آسان نہیں ہے۔ کئی تفسیر قرآن کو یکجا کر کے، موجودہ دور کے طلباء اسلام اور عوام المسلمین کی علمی

قابلیت اور قرآن فہمی کی دورِ حاضر کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے، انکو آسان الفاظ میں اور ترجمہ قرآن کو درمیان میں پروتے ہوئے کسی آیت کا مفہوم اس طرح بیان کر دینا کہ قاری کے دل و دماغ میں نقش ہوتا چلا جائے اور واقع کا منظر نظروں کے سامنے آتا دکھائی دے اور قاری تصور میں اپنے آپ کو واقع کے دوران حاضر سمجھتے ہوئے اس طرح مطالعہ کرتا چلا جائے کہ اسے یہ معلوم ہی نہ ہو سکے کہ کب تفسیر پر ذہنی شروع کی اور کب اختتام کو پہنچا۔۔۔ یہ کمال نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

اسکے باوجود حضرت کا یہ فرمانا کہ 'بس صرف یہ پرودینے والا عمل میرا ہے، حقیقت کے کتنا قریب ہوتے ہوئے بھی کس نفسی کے کس درجہ پر ہے، اس کا اندازہ لگانا میرے جیسے طالب علم کیلئے مشکل ہے۔' 'پرودینے والا عمل' ہی خوبصورت، خوش رنگ، خوشبو دار اور نازک پھولوں کو کبھی کلائی کے گہنوں، کبھی گلے کی مالاؤں اور کبھی ماتھے کے سہروں میں بدل دیتا ہے۔ یہ صرف پرونے والا ہی بہتر جانتا ہے کہ اسے ان پھولوں سے کلائی کا گہنا تیار کرنا ہے، گلے کی مالا بنانی ہے یا ماتھے کا سہرا، تو پھر وہ اپنے حساب ہی سے کہیں گلاب، کہیں موتیا، کہیں چینی اور کہیں گیند پرتا چلا جاتا ہے اور ان کو استعمال کرنے والا پرونے کے اس اہم عمل سے بے خبر اس محنت کی وجہ سے اپنی زندگی کے لمحات میں خوشیاں سمیٹ لیتا ہے۔۔۔ یہی پرودینے والا عمل موتیوں اور قیمتی پتھروں میں بھی کار فرما رہتا ہے جو جوہری کی دکانوں سے ہوتا ہوا خریداروں کو زینت بخشتا ہے۔۔۔ اور یہی پرودینے والا عمل یہاں بھی کار فرما ہے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں پھولوں کی جگہ اردو میں مفہوم قرآنی یعنی تفصیلات کا نام ربانی ہے جبکہ کلائی، گلے اور ماتھے کی جگہ مومنین کے قلوب و اذہان ہیں جن کو منور و جلی کرنا ہے۔

ایک طرف معارف القرآن ہے۔۔۔ جو محدث صاحب نے اردو ترجمہ قرآن کی شکل میں ڈھال کر رکھ دیا ہے جبکہ دوسری طرف مستند تفسیروں کا مجموعہ ہے جن میں آیات قرآنی کے شان ہائے نزول سے لیکر کلام ربانی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالے ہوئے مسائل و فضائل کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ اب رئیس اہل حقین، حضور شیخ الاسلام و المسلمین کو اپنے قلم گوہر ہار کے ذریعے رب تعالیٰ کی شان الوہیت و ربوبیت، شان احدیت و وحدیت، شان کن فیکونی، شان رحیمی و شان کریمی، شان ستاری و غفاری، شان جلالی و شان جمالی اور شان بے نیازی و غیرہ۔۔۔ حضور ﷺ کی شان محبوبیت، شان بندگی، شان رسالت، شان رحمت، شان خاتمیت، شان اولیت و آخریت اور شان فضیلت و غیرہ۔۔۔ دیگر انبیاء کرام و رسولان عظام کی شان نبوت و شان رسالت، صدیقین، شہداء و صالحین کی عظمت، مومنین کے

مقام یقین اور انکے انعامات، کافرین کے انکار اور انکے ابدی نقصانات، منافقین کی منافقت، انکے اندازِ منافقت اور انکا حشر، سب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک ایسی تفسیر مرتب کرنی ہے جو اپنے نام 'سید التفسیر المعروف پتفسیر اشرفی' کے عین مطابق ہو، اور جو عوام الناس کیلئے رہنمائی و ہدایت کا ذریعہ، طالبانِ علم کیلئے مشعلِ راہ اور علماء اہلسنت کیلئے منزل کا نشان بن جائے۔

مذکورہ بالا خصوصیات کی جامع تفسیر کا ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا اور ہم پر اللہ ﷻ کا احسان ہوا کہ اسکی توفیق سے حضور شیخ الاسلام نے دوسرے اور تیسرے پارے کی تفسیر مکمل فرمادی، اور ہمیں اسکی اشاعت کی اجازت مرحمت فرما کر دین اسلام کی مزید خدمت کا موقع دیا۔ اب انشاء اللہ قارئین خود بھی فیصلہ فرمائیں گے کہ پروئے کے اس عمل میں حضرت، اور اس کو خوبصورت انداز میں شائع کرنے میں ہم، کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ کتاب میں قارئین اور خاص کر طلباء کیلئے ہم نے ہر ہر آیت قرآنی کی تفسیر کو ترتیب قرآنی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ کر کے رکھ دیا ہے تاکہ مطالعہ میں آسانی رہے۔ درمیان تفسیر میں ترجمہ قرآن ﴿معارف القرآن﴾ کے الفاظ جو (توسین) میں رکھے گئے ہیں، انھیں ہم نے گہرا کر کے اجاگر کر دیا ہے تاکہ تفسیر میں ترجمہ پروئے کا منفرد انداز اور واضح ہو جائے۔

دورِ حاضر میں تو حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ اور حضور شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی بابرکت شخصیات تعارف کی محتاج نہیں، مگر معتبر تفسیرات قرآنیہ صرف اپنے اپنے دور ہی میں نہیں بلکہ آنے والے ادوار میں بھی مینارہ نور ہوتی ہیں اور انکا مطالعہ جاری رہتا ہے، مگر اگر انکے مصنفین کا تعارف ان کتابوں میں نہ ہو، تو ان شخصیات کی پہچان ماند پڑ سکتی ہے۔ اسلئے ہم نے تفسیر اشرفی کی اسی پہلی جلد میں اسکے مفسرین کرام کا مختصر اڈر کر دیا ہے، تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان بزرگوں سے متعارف رہیں۔

تفسیر کی سمجھ کو آسان بنانے کیلئے، ترجمہ و تفسیر کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کرنے کیلئے، معتبر و غیر معتبر اندازِ تفسیر سے متعارف کرانے کیلئے، تفسیر کے تعلق سے جن ضروری باتوں کا جاننا ضروری ہے انکو سمجھانے کیلئے اور زیر نظر تفسیر کی خصوصیات کی ایک جھلک دکھانے کیلئے اور اسکا اندازِ بیان روشناس کرانے کیلئے، ہم نے ایک دلچسپ اور پر مغز مضمون 'مقدمہ' کی صورت میں اس کتاب میں شامل کیا ہے، جسے نیوجرسی، امریکہ میں مقیم، نوجوان عالم دین، حافظ و مفتی، حضرت علامہ سید محمد فخر الدین علوی اشرفی صاحب جو دارالعلوم اہل سنت فیض الرسول، براؤں شریف، یوپی، انڈیا سے فارغ التحصیل ہیں، نے قلمبند فرمایا ہے۔ آپ مفسر مکرم حضور شیخ الاسلام و المسلمین مدظلہ العالی سے خلافت یافتہ بھی ہیں۔

ہمیں پوری امید ہے کہ قارئین کرام کو یہ بات ذہن نشین ہوگی کہ تفسیر اشرفی کی اشاعت ہمارے لئے کتنی بڑی سعادت ہے۔ اس سے پیشتر حضور شیخ الاسلام ہی کی کئی کتابیں ہم شائع کر چکے ہیں۔ اسکے علاوہ ہم اردو اور انگلش کا مزید اہم لٹریچر شائع کر رہے ہیں تاکہ آنے والی نسلوں کی رہنمائی ہو سکے اور امریکہ و یورپ وغیرہ کے غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کا کام با آسانی انجام دیا جاسکے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ قارئین تک ہم یہ تفسیر پہنچائیں مگر امریکہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے، شاید یہ جلدی ممکن نہ ہو کہ انڈیا، پاکستان، برطانیہ، ساؤتھ افریقہ اور کینیڈا کے کتب خانوں پر یہ کتاب دستیاب ہو سکے۔ لہذا ہم دلچسپی رکھنے والے قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ صفحہ ۲ پر دیئے گئے اداروں سے رابطہ قائم کر کے اس کتاب اور اسکی آئندہ جلدوں کے تعلق سے معلومات حاصل کریں۔

ہم ایک بار پھر حضور شیخ الاسلام والمسلمین است برکاتہم العالیہ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے تفسیر قلمبند کرنے کیلئے وقت نکالا اور ہمیں اسکی اشاعت کی اجازت عطا فرمائی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ حضور مفسر مکرم کی عمر اور صحت میں برکت ہو اور اس تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا ہو۔ ﴿۱۸﴾۔ ہم غازی ملت، شہزادہ حضور محدث اعظم ہند، حضرت علامہ سید محمد ہاشمی میاں اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، اور نبیرہ حضور محدث اعظم ہند، جناب سید محمد عربی میاں اشرفی جیلانی کے بھی شکر گزار ہیں کہ آپ ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں اور قیمتی مشوروں سے نوازتے ہیں۔۔۔ یہاں اماں جان، یعنی حضور شیخ الاسلام کی اہلیہ صاحبہ سیدہ، جنکا تقریباً ۸ ماہ قبل وصال ہو چکا، ذکر کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ پروردگار عالم انکے درجات بلند فرمائے کہ آپ وقتاً فوقتاً حضور شیخ الاسلام سے گزارش فرماتی رہتی تھیں کہ تفسیر کا کام شروع کیا جائے۔ اس پہلی جلد کی اشاعت پر آج اماں جان کی روح بہت خوش ہوگی۔

ہم اس تفسیر پر شاندار مقدمہ تحریر فرمانے کا وقت نکالنے کیلئے علامہ فخر الدین علوی صاحب کے بھی بیحد شکر گزار ہیں۔ اسکے علاوہ ہم مرہون منت ہیں: مولانا مفتی محمد ایوب اشرفی صاحب (بولن، یو کے) کے جنھوں نے پروف ریڈنگ میں ہماری مدد کی، اور جناب علامہ رضوان احمد صاحب نقشبندی کے اور جناب علامہ رجب علی نعیمی صاحب کے، جنکے قیمتی مشورے ہمارے لئے مشعل راہ ہوتے ہیں۔

اسکے علاوہ سید ریاض علی اشرفی صاحب (مہتمم صوت الشرق پبلک اسکول شاہ فیصل کالونی، کراچی، پاکستان) جناب مسرور علی قریشی صاحب (گھران اشاعت، لاہور)، جناب سلیم الدین صاحب (پنر)، اور جناب

عبد القادر صاحب بمعہ اہل خانہ اور جناب عزیز علی خان بھی ہمارے شکر یہ کے مستحق ہیں جو پاکستان میں طباعت سے لیکر پبلنگ اور ایکسپورٹ کے مراحل تک ہماری مدد کرتے ہیں۔

چونکہ یہ ادارہ ٹیم ورک کے اصولوں پر کام کرتا ہے، اسلئے یہ ضروری ہے کہ جناب شبیر اسماعیل پٹیل صاحب (بولٹن، یو کے) اور انکے صاحبزادے شریف پٹیل کا بھی شکر یہ ادا کر دیا جائے جو انگلینڈ میں مشن کیلئے مستعد رہتے ہیں۔ ہم مشن کے تمام اراکین جنکے ناموں کی لسٹ کافی طویل ہے، مگر خاص طور پر منصور احمد اشرفی جنھوں نے اس کتاب کی کمپیوٹر کتابت اور ڈیزائننگ کی، کے بے حد شکر گزار ہیں۔ اللہ ﷻ ان سب کی محنت کو شرف قبولیت بخشے ہوئے دارین کی فلاح نصیب فرمائے۔

ہمیں پوری امید ہے کہ بزرگانِ دین، علماء اہلسنت، طلباء اسلام اور دیگر قارئین کرام ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے کہ رب تبارک و تعالیٰ ہمیں دین اسلام کی بیش از بیش خدمت کرنے کے مواقع عطا فرماتا رہے اور حضور ﷺ کی سچی غلامی ہمیں نصیب فرمادے۔

﴿ اٰمِیْن ! بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَآلِہٖ وَاصْحَابِہٖ اٰجْمَعِیْنَ ﴾

ناچیز

چیز میں

محمد مسعود احمد

سروردی، اشرفی

گلوبل اسلامک مشن، ایک

نیویارک، یو ایس اے

۶ رجب، ۱۴۲۹ھ۔۔۔ برطانیہ۔۔۔ ۱۰ جولائی، ۲۰۰۸ء

ایک دلچسپ نوٹ: تفسیر اشرفی کی اس جلد اول میں قرآن کریم کی عربی عبارت اور اسکے ذیل میں اسکے اردو ترجمہ کے علاوہ یعنی متن تفسیر وغیرہ میں ۱۳،۸۳،۰۵۴ (تیرہ لاکھ تراسی ہزار چوں) حروف۔۔۔ ۱،۲۳،۸۶۶ (ایک لاکھ چوالیس ہزار آٹھ سو چھیانوے) الفاظ۔۔۔ ۱۰،۲۸۹ (دس ہزار دو سو نواسی) سطور۔۔۔ اور ۳،۸۳۶ (تین ہزار آٹھ سو چھتیس) حروف شامل ہیں۔ کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جا چکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے، تو ہمیں اطلاع دے کر قارئین شکر یہ کے مستحق ہوں۔ ﴿ ادارہ ﴾



نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ --- أَمَا بَعْدُ

قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۳۲﴾

صَدَقَ اللَّهُ الْعَظِيمُ وَصَدَقَ رَسُولُهُ الْكَرِيمُ

مُقَدِّمَةٌ

الْحَمْدُ لِلَّهِ! تفسیر اشرفی کی جلد اول جو پارہ التَّحْقِاقِ، سبقتوں، بتک الرسل کی تفسیر پر مشتمل ہے کی زیارت سے مشرف ہوا۔ جس میں پہلے پارے کی تفسیر مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند ﷺ کی عظیم الشان یادگار تفسیر قرآن ہے جبکہ دوسرے اور تیسرے پارے کی تفسیر حضور قبلہ گاہی ہی کے جانشین، حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی نے آپ ہی کے انداز کو جاری رکھتے ہوئے کی ہے۔ شہزادہ حضور محدث اعظم ہند، شیخ الاسلام والمسلمین مدظلہ العالی نے اس عالی شان تفسیر کا نام 'سید التفاسیر المعروف بتفسیر اشرفی' تجویز فرمایا، جو کہ نہایت ہی موزوں اور شان تفسیر کے عین مطابق ہے۔

عالی جناب محمد مسعود احمد سردہی اشرفی صاحب، چیئرمین، گلوبل اسلامک مشن انک، (نیویارک، یو ایس اے) کے گزارشات کو حکم سمجھ کر تفسیر کے چند اجزاء کا مطالعہ کیا اور موصوف ہی کے توسط سے زیر نظر تفسیر قرآن پر اپنے تاثرات قلمبند کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

اس سے قبل محدث اعظم ہند، سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ ہی کا بحیر العقول، اور نادر روزگار ترجمہ بنام 'معارف القرآن' کے تفصیلی مطالعہ کا موقع ملا، جسے مترجم قدس سرہ نے ۲۸ سالہ محنت شاقہ کے بعد قوم مسلم کو ایک بہترین تحفہ کے طور پر دیا۔ جس کے ابتدائی حصے کو دیکھ کر امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب، فاضل بریلوی قدس سرہ نے فرمایا تھا کہ:

شہزادے اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔

-- محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد آپ کے ترجمہ قرآن کو اعلیٰ خصوصیات کی سند دے رہا ہے۔ جو کہ شانِ ترجمہ کے عین مطابق ہے۔۔۔ 'معارف القرآن' کے حسن کلام کو ذہن نشین رکھتے ہوئے، زیر نظر تفسیر کا مطالعہ کرتے وقت، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قاری اردو میں 'تفسیر جلالین' پڑھ رہا ہے۔

تفسیر مذکور پر گفتگو کا آغاز کرنے سے پیشتر چاہتا ہوں کہ فن تفسیر سے متعلق کچھ ضروری باتیں اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر دوں تاکہ متعلقہ بحث کے سمجھنے میں آسانی رہے۔ علم تفسیر ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق، ان کے مدلولات، ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام، حالت ترکیب میں ان کے معانی اور ان کے تنمات سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کا موضوع کلام اللہ لفظی ہے کیوں کہ موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جائے اور علم تفسیر میں کلام لفظی کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جاتی ہے۔

وَقِيلَ مَوْضُوعُهُ آيَاتُ الْقُرْآنِ مِنْ حَيْثُ فَهَمَّ مَعَانِيهَا ﴿مادی﴾

علم تفسیر حاصل کرنا واجب کفایہ ہے جس سے مطلوب سعادت دارین ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ تفسیر القرآن، تاویل القرآن، تحریف القرآن۔ آئیے اب ان اصطلاحات کو لغوی، عرفی اور شرعی معنوں کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

مصباح اللغات، ۶۳۳: 'فَسَّرَ'۔۔۔ واضح کرنا، ظاہر کرنا۔ التفسیر (مصدر)، تاویل، کشف، وضاحت، بیان شرح۔

المعجم، ۴۵: 'فَسَّرَ'۔۔۔ واضح کرنا، مراد بتانا۔ التفسیر (مصدر)، تاویل، پردہ ہٹانا، وضاحت کرنا، بیان واضح۔

مصباح اللغات، ۴۴: 'أَوَّلَ'۔۔۔ لوٹنا، واپس کرنا۔ تاویل (مصدر) تفسیر کرنا، خیر و صلاح محسوس کرنا۔

المعجم، ۶۸: 'أَوَّلَ'۔۔۔ لوٹنا۔ تاویل (مصدر) کسی کی طرف واپس کرنا، کلام کی تفسیر کرنا۔ مصباح اللغات، ۱۴۷: 'حَرَفَ'۔۔۔ پھیرنا، جھکانا۔ التحریف (مصدر) قول کو اس کے

موقع سے پھیر دینا۔

المعجم، ۲۰۱: 'حَرَفَ'۔۔۔ پھیر دینا، جھکا دینا۔ التحریف (مصدر) اور بات کو بدل دینا، تبدیل کرنا۔

میر سید شریف لکھتے ہیں: تفسیر کا لغوی معنی ہے، کشف اور ظاہر کرنا۔۔۔ اور اصطلاح میں، واضح لفظوں کے ساتھ آیت کا معنی، مسائل کا استنباط، متعلقہ احادیث اور شان نزول بیان کرنا۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: کہ 'فَسَّرَ' کا معنی ہے، معقول کا اظہار کرنا۔ مفرد الفاظ کی تفسیر اور مشکل معنی کے بیان کو تفسیر کہتے ہیں۔۔۔ اور کبھی تفسیر پر تاویل کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اسی لئے خواب کی تعبیر بیان کرنے کو تفسیر و تاویل کہتے ہیں۔

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں: کہ کسی چیز کو 'جہالت' کی تاریکی سے نکال کر 'علم' کی روشنی میں لانا 'تفسیر' ہے۔ اور کسی لفظ کو اسکے اصل معنی سے دوسرے معنی پر محمول کرنا 'تاویل' ہے، جسکی وجہ ایسی دلیل ہو کہ اگر وہ دلیل نہ ہوتی تو اس لفظ کو اس کے ظاہر سے ہٹایا نہ جاتا۔

تفسیر و تاویل کا فرق:

جس لفظ کا ایک معنی ہو اسکو بیان کرنا تفسیر ہے، اور جس لفظ کے متعدد معانی ہوں تو دلیل سے کسی ایک معنی کو بیان کرنا تاویل ہے۔

امام ماثریدی فرماتے ہیں: کہ قطعیت سے یہ بیان کرنا کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے اور اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ سے یہ معنی مراد لیا ہے، یہ 'تفسیر' ہے۔ تو اگر کسی دلیل قطعی کی بناء پر یہ شہادت دی گئی ہے تو یہ تفسیر صحیح ہے۔ ورنہ 'تفسیر بالرائے' ہے، جو کہ منع ہے۔ اور لفظ کے کئی احتمالات ہیں۔ کسی ایک احتمال کو بغیر قطعیت اور شہادت کے متعین کرنا 'تاویل' ہے۔

ابوطالب نقاشی فرماتے ہیں: کہ تفسیر، لفظ کی حقیقت و مجاز کو بیان کرنا ہے۔ جیسے 'صِرَاطُ' کی تفسیر راستہ ہے اور 'صَبَبْتُ' کی تفسیر بارش۔ اور تاویل، لفظ کے باطن کو بیان کرنا ہے۔۔۔ مثلاً:

إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمُرْصَادِ ﴿۱۳﴾

بیشک تمہارا رب ضرور گھات میں ہے۔

۔۔۔ اسکی تاویل یہ ہے کہ اللہ نافرمانوں کو دیکھ رہا ہے اور اس سے انکو نافرمانی سے ڈرایا گیا ہے۔ تاویل میں دلیل قطعی سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ یہاں لفظ کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے یعنی رب کا گھات میں ہونا امر محال ہے، اسلئے اسکی تاویل دیکھنے سے کی گئی۔

مندرجہ بالا تعریفوں کو بغور مطالعہ کرنے سے تفسیر و تاویل کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اب مختصراً تحریف قرآن کو بھی سمجھ لیں۔۔۔ 'تحریف قرآن'۔۔۔ یہ ہے کہ قرآن کریم کے ایسے معانی و مطالب کو بیان کرنا جو کہ 'اجماع امت' یا 'عقیدہ اسلامیہ' یا 'اجماع مفسرین' کے خلاف ہو، یا خود تفسیر قرآن کے خلاف ہو اور 'معنی مشہورہ متواترہ' کو چھوڑ کر نیا معنی تجویز کرے۔ جیسے کہ مولوی قاسم نانوتوی نے 'خاتم النبیین' کے معنی بیان کئے 'اصلی اور عارضی'۔۔۔

حالانکہ امت کا اجماع اور احادیث متواترہ کا اتفاق اس پر ہے کہ 'خاتم النبیین' کے معنی 'آخری نبی' کے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد، کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ 'خاتم النبیین' کے معنی 'آخری نبی' کے علاوہ کچھ اور معنی تجویز کرنا، تحریف قرآن ہے جو کہ بقول فقہاء کفر ہے۔۔۔ علیٰ ہذا القیاس۔۔۔ موجودہ دور میں بے شمار ایسے نادار مترجمین و مفسرین ملیں گے جنہوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں تحریف و تبدیل کے ایسے ایسے گل کھلائے ہیں کہ یہود و نصاریٰ جیسے باغیان مذاہب نے بھی شرم سے اپنا منہ چھپالیا۔ بہتر ہے کہ ہم تفسیر و تاویل کے چند مراتب، ذہن نشین کر لیں تاکہ بعد کے مباحث میں دشواری نہ ہو۔

☆۔۔۔ تفسیر القرآن بالقرآن:۔۔۔ قرآن کریم کی تفسیر خود آیات قرآنی سے کرنا۔ یہ سب سے مقدم ہے۔

☆۔۔۔ تفسیر القرآن بالا حدیث:۔۔۔ احادیث رسول ﷺ سے قرآنی آیات کی تفسیر کرنا۔ حضور ﷺ صاحب قرآن ہیں، آپ کی تفسیر نہایت ہی اعلیٰ ہے۔

☆۔۔۔ تفسیر القرآن باقوال الصحابہ:۔۔۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے، بالخصوص خلفائے راشدین کی روایات سے تفسیر کرنا۔۔۔ بارگاہ رسالت ﷺ سے بلا واسطہ کتاب فیض و برکت کی وجہ سے ان نفوس قدسیہ کی تفسیر بھی نہایت معتبر ہیں۔

☆۔۔۔ تفسیر القرآن باقوال التابعین:۔۔۔ تابعین یا تبع تابعین کے اقوال سے قرآن کریم کی تفسیر کرنا، اگر بروایت صحیحہ ہے تو معتبر، ورنہ نہیں۔

۔۔۔ 'جمل علی الجلائین' میں ہے:

أَصْلُ التَّفْسِيرِ الْكَشْفُ وَأَصْلُ التَّوْوِيلِ الرَّجُوعُ وَعِلْمُ التَّفْسِيرِ عِلْمٌ عَنِ
 أَحْوَالِ الْقُرْآنِ مِنْ حَيْثُ دَلَّالَتِهِ عَلَى مُرَادِ اللَّهِ تَعَالَى بِحَسَبِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ
 ثُمَّ هُوَ قِسْمَانِ تَفْسِيرٌ وَهُوَ مَا لَا يُدْرِكُ إِلَّا بِالنَّقْلِ كَأَسْبَابِ النُّزُولِ وَتَّوْوِيلٌ
 وَهُوَ مَا يُمَكِّنُ إِدْرَاكَهُ بِالْقَوَاعِدِ الْعَرَبِيَّةِ وَهُوَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالذَّرَائِعِ وَالنَّبَرِ فِي
 جَوَازِ التَّوْوِيلِ بِالرَّأْيِ بِشُرُوطِهِ ذُوْنُ التَّفْسِيرِ إِنَّ التَّفْسِيرَ كَشْفٌ عَلَى اللَّهِ
 قَطْعٌ بِاللَّهِ عَنِّي بِهَذَا اللَّفْظِ بِهَذَا الْمَعْنَى وَلَا يَجُوزُ إِلَّا بِتَوْقِيفٍ وَلِذَا حَزَمَ
 الْحَاكِمُ بِأَنَّ تَفْسِيرَ الصَّحَابِيِّ فِي حُكْمِ الْمَرْفُوعِ وَالتَّوْوِيلِ تَرْجِيحٌ لِأَنَّ
 حَدَّ الْمُحْتِمَلَاتِ بِلَا قَطْعٍ

تفسیر کے لغوی معنی ہیں ظاہر کرنا اور تاویل کے معنی ہیں 'لوٹنا'۔۔۔ علم تفسیر، قرآن پاک کے ان حالات کا جاننا ہے، جو اللہ کی مراد کو بتائیں، طاقت انسانی کے مطابق۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو تفسیر، اور تفسیر وہ ہے جو بغیر نقل کے معلوم نہ ہو سکے، جیسے اسباب نزول۔ اور دوسری تاویل، اور تاویل وہ ہے جس کو عربی قواعدوں سے معلوم کر سکیں۔ پس تاویل کا تعلق فہم سے ہے۔ اور تاویل کے رائے سے جائز ہونے میں اور تفسیر کے رائے سے ناجائز ہونے میں، راز یہ ہے کہ تفسیر تو خدا کے پاک پر گواہی دینا ہے اور اس کا یقین کرنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کلمہ کے یہی معنی مراد لئے ہیں اور یہ بغیر بتائے جائز نہیں۔ اسی لئے حاکم نے فیصلہ کر دیا کہ صحابی کی تفسیر، مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ اور تاویل چند احتمالات میں سے بعض کو ترجیح دینے کا نام ہے وہ بھی بلا یقین۔

۔۔۔ 'مرقات'، شرح مشکوٰۃ: کتاب العلم فصل دوم، 'مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ هِزَابٌ' کے تحت ہے:

أَيُّ تَكَلَّمَ فِي مَعْنَاهُ أَوْ فِي قِرَائَتِهِ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهِ مِنْ غَيْرِ تَتَبُعِ أَقْوَالِ الْآ
 بِسْمَةِ مِنْ أَهْلِ اللُّغَةِ وَالْعَرَبِيَّةِ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِيَّةِ بَلْ بِحَسَبِ مَا يَفْتَضِيهِ عَقْلُهُ
 وَهُوَ مِمَّا يَتَوَقَّفُ عَلَى النَّقْلِ كَأَسْبَابِ النُّزُولِ وَالنَّاسِخِ وَالْمَنْسُوحِ

یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے معنی یا اسکی قراءت میں اپنی طرف سے کام کرے لغت اور زبان کے جاننے والے اماموں کے قول کی تلاش نہ کرے، شرعی قواعدوں کا

لحاظ نہ رکھے، بلکہ اس طرح کہہ دے جس طرح اس کی عقل چاہے، حالانکہ یہ معنی ایسے ہوں کہ جس کا سمجھنا نقل پر موقوف ہو، جیسے کہ شان نزول اور ناخ و منسوخ۔

اب مختصراً، طبقات مفسرین کا ایک سرسری طور پر جائزہ پیش خدمت ہے تاکہ زیر تبصرہ تفسیر کے صحیح حد و خال سامنے آسکیں۔

مفسرین کا پہلا طبقہ۔۔۔ تفسیر قرآن کریم میں ان مندرجہ ذیل اصحاب رسول ﷺ کی شخصیات بہت زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو موسیٰ اشعری، اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔۔۔ خلفائے راشدین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تفسیری روایات دیگر خلفاء سے زیادہ ہیں۔ حضرت ابن مسعود کی روایات حضرت علی سے زیادہ ہیں، اور حضرت عبد اللہ بن عباس کی مرویات بے شمار ہیں۔ بعض نا عاقبت اندیش لوگوں نے آپ سے منسوب ایک تفسیر بنام 'تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس' چھاپی ہے، جو کہ اغلاط سے پُر ہے اور آپ کی ذات والا صفات پر افتراء کے مترادف ہے۔ آپ کی تفسیری روایات وہ ہیں جو مستند کتب احادیث میں اسانید صحیحہ سے مروی ہیں۔

مفسرین کا دوسرا طبقہ۔۔۔ 'تابعین' کا ہے: جس میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردوں میں: مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، طاووس بن کيسان، عطاء بن ابی رباح۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حسب ذیل تلامذہ: علقمہ بن قیس، اسود بن یزید، ابراہیم نخعی، شعبی۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں: عبدالرحمن بن زید، مالک بن انس، حسن بصری، عطاء بن ابی مسلم خراسانی، محمد بن کعب قرظی، ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحی، ضحاک بن مزاحم، عطیہ بن سعید، قتادہ بن دعامہ سدوسی، ربیع بن انس، اسماعیل بن عبدالرحمن سدوسی، وغیرہم ہیں۔

مفسرین کا تیسرا طبقہ۔۔۔ ان بزرگوں کا ہے: جنہوں نے اقوال صحابہ و تابعین کو جمع کیا۔ منجملہ ان میں سفیان بن عیینہ، کعب بن جراح کوفی، شعبہ بن ججاج، یزید ابن ہارون سلمی، عبدالرزاق، آدم ابن ابی ایاس، اسحاق بن راہویہ، روح بن عبادہ، عبد اللہ بن حمید حتمی اور ابو بکر بن ابی شیبہ، وغیرہ شامل ہیں۔

مفسرین کا چوتھا طبقہ۔۔۔ اس میں: ابو جعفر محمد ابن جریر طبری، علی ابن ابی طلحہ، ابن ابی حاتم عبدالرحمان بن محمد رازی، ابو عبد اللہ محمد ابن ماجہ قزوینی، ابن مردویہ ابو بکر احمد بن موسیٰ اصفہانی، ابراہیم بن منذر وغیر ہم قابل ذکر ہیں۔

مفسرین کا پانچواں طبقہ۔۔۔ اس طبقہ میں وہ مفسرین شامل ہیں جنہوں نے اپنی تفسیروں میں اسانید کو حذف کر دیا۔۔۔ مثلاً: ابو اسحاق زجاج ابراہیم بن السری نحوی، صاحب معانی القرآن، ابو علی فارسی، ابو بکر محمد بن حسن المعروف بالقاسم الموصلی، مکی بن ابی طالب، ابو جعفر النحاس مصری، ابو العباس احمد بن عمار نهدوی۔

مفسرین کا چھٹا طبقہ۔۔۔ یہ طبقہ درحقیقت ان بزرگوں کا ہے، جنہوں نے قرآن کی راہ سے اٹھنے والی ہر گمراہی کا مردانہ وار مقابلہ کیا، چاہے وہ مناظرہ و فلاسفہ یونان کے اعتراضات ہوں یا یہود و نصاریٰ کے تخیلاتی مذاہب؛ دہریوں کی لادینیت ہو یا ہندوؤں کی بے عقلی و اصنام پرستی والا مذہب۔ ہر ایک میدان میں اپنے گمراہ قدرکار ہائے نمایاں پیش کر کے رہتی دنیا تک کیلئے ایک ریکارڈ قائم کر گئے۔ انہیں میں وہ تفاسیر بھی شامل ہیں جنہوں نے مذہب ائمہ اور مسلک صوفیاء کو اجاگر کر کے فقہاء اور متکلمین کے نظری اختلافات کی راہ سے اٹھنے والے تمام فتنوں کا سدباب کیا۔

اسلام کا ابر رحمت دنیا کے تمام براعظموں پر برسا اور مدتوں بعد لوگوں کے قلوب و اذہان کو، ایک خدا کی عبادت، ایک نبی کی اطاعت، ایک قبلہ اور ایک قرآن کے ماننے کا شرف ارزانی ہوا۔ بد قسمتی سے چند ناعاقبت اندیش لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر یا بے لفظ دیگر، اتحاد بین المسلمین، کو پارہ پارہ کرنے کیلئے قرآن کے ترجمہ اور تفسیر کی راہ لی۔ نتیجہ کے طور پر پنڈت دیانند سرسوتی، بانی آریہ سماج، جیسے لوگوں نے بھی طبع آزمائی کی۔ کوئی ایک شخص 'راما سنگھم' بھی گزرا ہے جو ابتدا ہندو اور بعد میں نصرانی ہو گیا تھا، اس نے بھی اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ اسلام اور بانی اسلام ﷺ کی ذات اقدس و اطہر کو نشانہ ہتھیادیا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، فتاویٰ رضویہ (جلد ۱ ص ۱۰۸)۔

اسکے علاوہ چار اللہ زخشری کی 'تفسیر کشاف' پر بھی ایک نظر ڈالیں۔ مصنف چونکہ 'معتزلی' ہے اس لئے پوری تفسیر پر رنگ اعتزال غالب ہے۔ اس سے قبل، تفسیر، منسوب بہ سیدنا ابن عباس، کی طرف اشارہ کر چکا ہوں، مسلمانوں کو گمراہ کرنے یا عالم اسلام میں ایک نیا رخندہ ڈالنے کیلئے اس کی نشرو

اشاعت بڑی شد و مد سے کی جا رہی ہے۔ نہ تو وہ آپ کی کتاب ہے اور نہ ہی وہ آپ سے ثابت۔ اسناد میں محمد بن مروان عن الکلی عن ابی صالح مروی ہے، جس کے بارے میں ائمہ دین کی صراحت ہے کہ یہ سلسلہ کذب (جھوٹ) ہے۔۔۔ ایضاً۔ یہی وہ وجوہات تھیں کہ جن کی بناء پر علماء حق، اہلسنت وجماعت نے۔۔۔

ع۔۔۔۔۔ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
 پر عمل پیرا ہو کر، نوک زبان و قلم سے ایسا حد فاصل کھینچ دیا کہ باطل
 آج بھی اپنے مرگھٹ میں سسک رہا ہے۔۔۔ اس خصوص میں:

☆۔۔۔ امام راغب اصفہانی نے قرآن کریم کے الفاظ کی لغوی تفسیر، بنام 'المفردات' کی اور ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فرمائے تین جلدوں میں، بنام 'معانی القرآن' تفسیر کی ہے۔

☆۔۔۔ بعض علماء نے قرآن کریم کے صرغی اور نحوی مباحث کو موضوع بنایا ہے۔ 'زجاج' کی

تفسیر بنام 'معانی القرآن'، علامہ واحدی نیشاپوری کی 'البیضا' اور علامہ ابو حیان محمد بن یوسف اندلسی کی 'البحر المحیط'، نو مخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ 'البحر المحیط' نحو کے علاوہ، دیگر علوم اور مباحث کی بھی جامع ہے۔

☆۔۔۔ بعض علماء نے واقعات و قصص کی طرف توجہ کی اور عوام الناس میں رائج، رطب

و یابس واقعات کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھ کر باطل افکار کی دھجیاں اڑا دیں۔ ان کو عقل و شرع کی عدالت میں لا کر حق کا رخ زیبانکھار دیا۔ ان مشاہیر میں علامہ خازن، اور علامہ ابواسحاق احمد بن محمد ثعلبی، صاحب تفسیر 'الکشف والبیان من تفسیر القرآن' بہت زیادہ مشہور ہیں۔

☆۔۔۔ فقہی مسائل کے استنباط و استخراج میں علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی بخصاص حنفی کی

تفسیر 'احکام القرآن' اور علامہ ابو عبد اللہ محمد ابن احمد مالکی قرطبی کی 'الجامع لاحکام القرآن' ہے جو تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ علامہ ابوالحسن ماوردی شافعی علیہ الرحمۃ کی 'الکتب والعیون' چھ جلدیں ہیں، اور

علامہ احمد جیون کی 'تفسیرات احمدیہ' بہت زیادہ مشہور ہیں۔

☆۔۔۔ عقائد و نظریات کے مباحث۔۔۔ نیز۔۔۔ گمراہ فرقوں کے رد میں، امام فخر الدین محمد

بن ضیاء الدین عمر الرازی کی 'تفسیر کبیر' مشہور ترین تفسیر ہے۔ اس میں معتزلہ، جبریہ، قدریہ، رافضیہ، اور خارجیہ وغیرہم فرقتہائے باطلہ کا زبردست رد، بہت ہی عمدہ طریقہ پر کیا ہے۔ امام رازی سے پہلے

ایسی جامع تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔ آپ کے انتقال کو آٹھ سو سال گزر گئے اور بعد میں بہت ساری تفسیریں لکھی گئی، لیکن امام رازی کی تفسیر کو کوئی تفسیر نہیں پہنچ سکی۔

☆۔۔۔ چند علماء نے صوفیاء کی حکایات، پند و موعظت، اور آداب و فضائل پر زور دیا۔ ان میں علامہ اسماعیل حقی کی 'روح البیان' بہت مشہور ہے۔ بعض علماء نے طریقت و معرفت کے رموز و اسرار کی طرف اشارہ کیا جو ارباب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں۔ ان میں محی الدین ابن عربی کی تفسیر 'معرائس البیان' بہت مشہور ہے۔

☆۔۔۔ متاخرین میں: علامہ سید محمود آلوسی حنفی کی 'روح المعانی' بہت عمدہ اور جامع تفسیر ہے جس میں صرف، نحو، بلاغت، قرأت، شان نزول اور عقائد سے بحث کی ہے۔ نیز فقہی مسائل میں فقہ حنفی کو ترجیح دی ہے۔ سید محمد قطب شہید نے 'فی ظلال القرآن' لکھی اور اس میں مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ علامہ طنطاوی نے 'الجواہر فی تفسیر القرآن' لکھی اور مضامین قرآن کو سائنس کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔

☆۔۔۔ اردو تفسیروں میں تفسیر اشرفی (زیر تبصرہ)، علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کی تفسیر 'البیان' (جو نہایت جامع تفسیر ہے۔ مگر اس کا صرف ایک پارہ لکھا جا سکا، کاش یہ تفسیر مکمل ہوگئی ہوتی تو یہ تفسیر تمام تفاسیر پر فائق ہوتی)، پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کی 'ضیاء القرآن' (جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں صوفیاء کے مسلک کو اجاگر کیا گیا ہے)، حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ کی 'تفسیر نعیمی' (جو بہت مبسوط تفسیر ہے۔ وہ گیارہویں پارے پر پہنچے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا)، علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مدظلہ کی تفسیر 'تبیان القرآن' (دو آخریں لکھی گئی تفسیر میں سب سے فائق ہے۔ موصوف نے مذاہب اربعہ، احکام، عقائد، شان نزول، اور دیگر کئی ضروریات و مباحث پر سیر حاصل گفتگو کی ہے)۔

اردو مترجمین و مفسرین میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جسکے تراجم و تفاسیر کی بواہعیاں ناقابل بیان ہیں۔ تاہم انکا مختصر تذکرہ، زیر تبصرہ تفسیر کے حسن کلام و آداب کو سمجھنے کیلئے، خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

۔۔۔ ابوالاعلیٰ مودودی کی 'تفہیم القرآن' چھ جلدوں پر محیط ہے۔ اس میں کئی مقامات پر مقام نبوت کے آداب و احترام کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اس طرح ایک اتنی کو اپنے نبی سے جو عقیدت و محبت

ہونی چاہئے، اس کا مصنف اس سے محروم ہے۔ یہ وہابی عقائد کی زبردست ترجمان ہے۔
 --- مفتی محمد شفیع کی 'معارف القرآن' آٹھ جلدوں میں ہے، جو درحقیقت اکابر علماء دیوبند کا شاہکار ہے۔ ترجمہ، شیخ محمود الحسن کا ہے۔ اور خلاصہ تفسیر، شیخ اشرف علی تھانوی کا بیان القرآن ہے۔
 بنام 'معارف و مسائل' تفسیر خود مفتی محمد شفیع کی ہے۔ اس میں دیوبندی رنگ کو خوب اجاگر کیا گیا ہے۔
 --- امین احسن اصلاحی نے 'تذکرہ قرآن' سے موسوم، 'فہم القرآن' کو نو جلدوں میں واضح کیا ہے۔ ادب جاہلیت کو بہت زیادہ اہمیت دیتے نظر آ رہے ہیں۔ احادیث، آثار صحابہ، اقوال تابعین اور متقدمین کی تفسیروں کا ذکر نہیں۔ صرف اور صرف، اپنی ذاتی رائے کو اہمیت اور با وزن بنانے میں ساری صلاحیت بروئے کار لاکر یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ۔۔۔

ع۔۔۔ مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔

اس طویل و عریض تمہید کے بعد آئیے زیر تبصرہ تفسیر مسمی بہ 'تفسیر اشرفی' کو بہ نظر غائر ملاحظہ فرمانے سے پہلے یہ جان لیں کہ تفسیر قرآن کیلئے کم از کم کتنے علوم و فنون کی ضرورت ہے؟۔۔۔

- ﴿۱﴾۔۔۔ علم لغت ﴿۲﴾۔۔۔ صرف و نحو ﴿۳﴾۔۔۔ معانی (بیان و بدیع)
 ﴿۴﴾۔۔۔ علم حدیث ﴿۵﴾۔۔۔ اصول فقہ ﴿۶﴾۔۔۔ علم کلام
 ﴿۷﴾۔۔۔ علم القراءۃ ﴿۸﴾۔۔۔ ناسخ و منسوخ کا علم

۔۔۔ یعنی آیات قرآنیہ کے وضعی معنی، اعراب و حرکات، فصاحت و بلاغت، حقیقت و مجاز، شان نزول، عام و خاص، مطلق و مقید، اوامر و نواہی اسکے ساتھ ہی آداب بارگاہ الوہیت و رسالت کا ہونا اور جاننا از حد ضروری ہے، کیونکہ مندرجہ بالا علوم سے نا آشنائی کی صورت میں بزرگم خویش 'مترجم و مفسر' خود گمراہ ہوگا اور قارئین کو بھی گمراہ کرے گا۔

قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر سے متعلق امام احمد رضا قادری، بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں 'قرآن عظیم کا پورا سمجھنا اور ہر جزئیہ کا صریح حکم اس سے نکالنا، عام کو نا مقدور ہے۔ اسلئے قرآن کریم نے دو مبارک قانون ہمیں عطا فرمائے۔۔۔ (اول)

۔۔۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔۔۔ ﴿۱۰۱﴾

'جو کچھ دیدیا تم کو رسول نے، تو لے لو اور جس سے روک دیا تمہیں، تو روک جاؤ' ﴿معارف القرآن﴾

--- اقول: لو، صیغہ امر کا ہے۔ اور امر، وجوب کیلئے ہے۔ تو پہلی قسم واجبات شرعیہ ہوئی۔۔۔ اور باز رہو، نہی ہے۔ اور نہی، منع فرمانا ہے۔ یہ دوسری قسم، ممنوعات شرعیہ ہوئی۔ حاصل یہ ہے کہ اگرچہ قرآن مجید میں سب کچھ ہے۔۔۔۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴿۸۹﴾

اے محبوب، ہم نے تم پر کتاب اتاری جس میں ہر شے، ہر چیز، ہر موجود کا روشن بیان ہے ﴿معارف القرآن﴾

--- مگر امت اسے بے نبی کے سمجھائے نہیں سمجھ سکتی۔۔۔۔۔ ولہذا فرمایا۔۔۔۔۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ﴿۹۰﴾

اے محبوب، ہم نے تم پر یہ قرآن مجید اتارا کہ تم لوگوں کیلئے بیان فرما دو جو کچھ انکی طرف اترا ہے ﴿معارف القرآن﴾
--- یعنی اے محبوب تم پر تو قرآن جمید نے ہر چیز روشن فرمادی، اس میں جس قدر امت کے بتانے کو ہے وہ تم ان پر روشن فرما دو۔ لہذا آیہ کریمہ اولیٰ میں، نَزَّلْنَا عَلَيْكَ فرمایا، جو خاص حضور کی نسبت ہے۔ اور کریمہ ثانیہ میں، نَزَّلَ إِلَيْهِمْ فرمایا، جو نسبت امت ہے۔۔۔۔۔

فَسَلِّطُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۹۱﴾

علم والوں سے پوچھو جو تمہیں نہ معلوم ہو ﴿معارف القرآن﴾

--- حاشیہ میں فرمایا اس آیہ کریمہ کے متصل ہی کریمہ ثانیہ ہے۔۔۔۔۔

إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۹۱﴾ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ

﴿۹۰-۹۱﴾

--- معالم التنزیل کے حاشیہ پر تحریر فرمایا:

أَقُولُ هَذَا مِنْ مَحَاسِنِ نَظْمِ الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ أَمَرَ النَّاسَ أَنْ يُسْأَلُوا أَهْلَ الْعِلْمِ بِالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ وَأَرْشَدُوا الْعُلَمَاءَ أَنْ لَا يَتَعَمَلُوا عَلَى أَذْهَابِهِمْ فِي فَهْمِ الْقُرْآنِ بَلْ تَرْجِعُوا إِلَى مَا بَيَّنَّ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ فَزَالِ النَّاسُ إِلَى الْعُلَمَاءِ وَالْعُلَمَاءُ إِلَى الْخَدِيثِ وَالْخَدِيثُ إِلَى الْقُرْآنِ وَإِنِّي إِلَى رَبِّكَ الْمُنْتَهَى فَكَمَا أَنَّ الْمُجْتَهِدِينَ لَوْ تَرَكُوا

الْحَدِيثَ وَرَجَعُوا إِلَى الْقُرْآنِ فَضَلُّوا كَذَلِكَ الْعَامَّةُ لَوْ تَرَ كُوا الْمُجْتَهِدِينَ
وَرَجَعُوا إِلَى الْحَدِيثِ فَضَلُّوا وَلِهَذَا قَالَ الْإِمَامُ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ أَحَدُ أئِمَّةِ
الْحَدِيثِ قَرِيبُ زَمَنِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ وَالْإِمَامِ الْمَالِكِ الْحَدِيثُ مُضَلَّةٌ إِلَّا
لِلْفُقَهَاءِ نَقَلَهُ عَنْهُمْ الْإِمَامُ ابْنُ الْحَاجِّ مَكِّيٌّ فِي مَدْخَلٍ

یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ عبارت قرآن عظیم کی خوبیوں سے ہے۔ لوگوں کو حکم دیا کہ علماء
سے پوچھو جو قرآن مجید کا علم رکھتے ہیں۔ اور علماء کو ہدایت فرمائی کہ قرآن کے سمجھنے میں اپنے
ذہن پر اعتماد نہ کریں بلکہ جو کچھ نبی ﷺ نے بیان فرمایا اسکی طرف رجوع لائیں۔ تو لوگوں کو
علماء کی طرف پھیرا اور علماء کو حدیث کی طرف اور حدیث کو قرآن کی طرف اور بیشک تیرے
رب ہی کی طرف انتہا ہے۔ تو جس طرح مجتہدین اگر حدیث چھوڑ دیتے اور قرآن کی طرف
رجوع کرتے تو بہک جاتے۔ یونہی غیر مجتہد اگر مجتہدین کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع
لائیں تو ضرور ہی گمراہ ہو جائیں۔ اسی لئے امام سفیان بن عیینہ نے کہا جو کہ امام اعظم و امام
مالک کے زمانہ کے قریب، حدیث کے اماموں میں سے تھے، فرمایا کہ حدیث بہت گمراہ کر
دینے والی ہے مگر فقہاء کو اسی ابن حاج کی نے مدخل میں نقل فرمایا۔

۱۸۵۷ء جس کو انگریز، غدر اور مسلمان، انقلاب کے نام سے جانتے ہیں، میدان سیاست
میں مغلیہ خاندان کا آخری چراغ بھی بجھ چکا تھا۔ لیکن اتنے مصائب و آلام کے باوجود مسلمانوں کا
رشتہ غلامی گنبد خضراء کے مکین مقدس ﷺ سے بہت گہرا تھا۔ یہ وہی مضبوط رشتہ تھا جہاں ہر مسلمان
اپنی ساری تلخیاں بھلا کر ایک دوسرے سے بے تکلیف ہو جایا کرتا تھا۔ مسلمان، جو سیاسی طور سے ٹوٹ چکے
تھے، لیکن اتحاد مذہب، اور اتحاد فکر کی وجہ سے، کسی بھی وقت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے تھے۔ انگریز
کی شاطرانہ چالیں محسوس کر رہی تھیں کہ اب اگر مسلمان متحد ہو گئے، تو ان کے عروج و اقبال کی ساری
کہانیاں، قصہ پارینہ بکری بکھر جائیں گی۔

لہذا 'divide and rule' کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے، نہ یہ کہ سیاسی، بلکہ مذہبی اور
فکری طور پر بھی انہیں توڑنے لگا۔ قرآن کریم کے اہم مقامات پر علماء دیوبند اور ان کے تابعین، تحریف
و تبدیلی کر کے انگریزوں کے دست و بازو بنے۔ نام نہاد علماء کے زبان و قلم سے امکان کذب باری

تعالیٰ، امتناعِ نظیر رسالت، علمِ غیب اور حاضر و ناظر، وغیرہ کے مسائل اٹھائے گئے۔ جس سے انگریزوں کو اپنی پالیسی کے بروئے کار لانے میں تقویت ملی اور وہ مسلمانوں کو آپس میں دست بہ گریباں کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن ایک فریق ایسا تھا جو انگریزوں کے قابو نہ آسکا اور اس کے سارے منصوبے خاک میں ملانے لگا۔۔۔ وہ کون لوگ تھے؟ وہ کیسے لوگ تھے؟۔۔۔ آئیے۔۔۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی زبانی معلوم کریں۔۔۔

۔۔۔ تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی قدیم روش پر قائم رہا۔ اور اپنے کو اہل السنۃ کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا، زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے۔
﴿حیاتِ شبلی: از علامہ سید سلیمان﴾

ان میں امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ اور دیگر علماء سرفہرست ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی زبان و قلم سے ایمان و عقائد کا زبردست تحفظ فرمایا۔ یہ ذاتِ خود میدانِ عمل میں اتر کر مسلمانانِ ہند کیلئے خطر طریق بنے۔ اور علماء، صوفیاء، مریدین، اور شاگردوں کی ایک جماعت تیار کی۔ اس خصوص میں آپ کے ہونہار تلامذہ نے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے انہیں خطوط کی نشاندہی فرمائی جو آقائے کائنات ﷺ اور آپ کے آل و اصحاب کا ہے۔

خداوندِ قدس کی ہزاروں رحمتیں ہوں، حضورِ محدثِ اعظم ہند قدس سرہ پر، کہ آپ نے مسلکِ اعلیٰ حضرت یا یہ لفظ دیگر مذہبِ اسلام پر اٹھنے والے ہر فتنوں کا، اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ، مردانہ وار مقابلہ کیا۔ آپ جان جو کھوں میں ڈال کر، آرام و آسائش سے کوسوں دور رہ کر، قومِ مسلم کی فلاح و بہبود کیلئے کوشاں رہے۔ چاہے وہ میدانِ علم و حکمت ہو یا تدبیر و سیاست، ہر جگہ اور ہر موڑ پر آپ 'مؤید من اللہ' ہی رہے۔ تا سیدہ الہی کا ہی شہرہ تھا کہ تقریباً پانچ ہزار غیر مسلموں نے آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ آپ نے لوگوں کے ایمان و عقائد کو سنوارنے کیلئے ترجمہ و تفسیر قرآن کی شکل میں ایک بہترین سرمایہ دیا، جو ضروریاتِ دین کی مکمل تعلیم ہے۔

ذیل میں آپ سے پیشتر کے نادار مترجمین و مفسرین کا، جنہوں نے رسولِ دشمنی میں کھلم کھلا قرآن کریم کی تحریف کی، مختصر ذکر کر دیا ہے۔ جن میں قاسم نالوتوی صاحب، ہانی دارالعلوم دیوبند، سرفہرست ہیں۔ اور ان کے قبہین میں مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی عبدالمجاہد دیوبادی، ڈپٹی نذیر

احمد، اور مودودی صاحب وغیرہ بہت ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مزعومات کو اسی نوح پر قائم رکھا ہے، جس پر بانی دارالعلوم دیوبند، رہ چکے ہیں۔ اساطین اہلسنت نے کئی بار انکی توجہ مبذول کرائی کہ اپنی ان حرکتوں سے باز آجائیں، اور اپنی تحریروں کو واپس لے لیں۔ اپنی کتابوں سے گستاخانہ اور کفریہ تحریریں حذف کر کے اللہ اور اسکے رسول سے معافی مانگ لیں۔ بجائے ندامت و پشیمانی کے، وہ تاویلاتِ باطلہ کا سہارا لے کر بیٹھ گئے اور آج تک اپنے انہیں جرموں پر ثابت اور قائم ہیں۔ ان متاخرین میں سب سے زیادہ بے باک، اور مسائل کی غلط بیانی میں سب سے زیادہ جری، ابو الاعلیٰ مودودی صاحب ہیں۔

بہتر تو یہ تھا کہ ہم ان نادار مترجمین و مفسرین قرآن کا ذکر ہی نہ کرتے، مگر دل یہ چاہتا ہے کہ اگر حقائق سامنے رکھ دیئے جائیں تو انصاف پسند قاری کیلئے حق کو پہچاننا مشکل نہ ہوگا اور زیر تبصرہ ترجمہ و تفسیر کی حسن و خوبی ابھر کر خوب سامنے آسکے گی۔ چونکہ ہم امریکہ کے ماحول میں رہ کر یہ تحریر پیش کر رہے ہیں اور اسی امریکہ میں ایسے نادار مترجمین و مفسرین قرآن کے آگے کار اور دائرۃ اثر میں رہنے والے لوگ، جس طرح سے لوگوں کے ایمان و عقائد کو مجروح کر رہے ہیں، اسکو سامنے رکھ کر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ، صبر کی آہ بھرتے ہوئے، انکے چند اقتباسات، ذیل میں ہم اپنے قارئین کے سامنے رکھتے چلیں۔ تاکہ ناداروں کی ذہنی ساخت اور لوگوں کو گمراہ کر دینے والی تحریروں سے عوام الناس آگاہ ہو سکیں۔۔۔ لہذا۔۔۔

مودودی صاحب کی تحریروں کے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں:

☆۔۔۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں تو بہن آمیز الفاظ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: 'کہ فرعون کا مطلب یہ تھا، کہ اگر واقعی موسیٰ علیہ السلام کو آسمان کے بادشاہ نے اپنی جانب سے اسکے ہاں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا، تو اسے خلعتِ شاہی ملا ہوتا اور فرشتوں کے پرے کے پرے اسکے ساتھ آئے ہوتے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ، ایک ملنگ ہاتھ میں لاشی لیے آکھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں رب الغلیمین کا رسول ہوں۔' ﴿ترجمان القرآن: مئی ۱۹۶۵﴾

☆۔۔۔ سیدنا یونس علیہ السلام پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے: 'قرآن کے ارشادات اور صحیفہ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ

دین کو سمجھتا ہی نہیں، اسے کم از کم ان مباحثِ نفسیہ سے کنارہ کش ہو کر، اپنے ایمان و عقائد کی خیر منانی چاہنے لگی۔ لیکن اپنی غلطیوں پر ندامت کے بجائے، اصرار دیکھ کر، سمجھ میں آ رہا ہے کہ۔۔۔

---ع--- کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔۔۔

خیال رہے کہ مودودی صاحب خود ہی نیم چڑھے وہابی ہیں لیکن ان کی شوخیاں یا۔۔۔ دیکھ کر اکابر علماء وہابیہ نے ان سے کنارہ کشی کر لی۔ ممکن ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد اور دیگر افراد بھی انکی کشتیوں سے چھلانگ لگا دیں۔

---سردست مودودی صاحب کے تعلق سے چند اکابر علماء دیوبند کے بیانات ملاحظہ فرمائیں:

﴿۱﴾۔۔۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ: 'میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں

کرتا۔' ﴿اشرف السواغ: صفحہ ۱۲﴾

﴿۲﴾۔۔۔ حسین احمد مدنی صاحب فرماتے ہیں کہ: 'اب تک ہم نے مودودی صاحب اور

ان کی جماعت، نام نہاد جماعت اسلامی کی اصولی غلطیوں کا ذکر کیا ہے جو انتہائی درجہ میں گمراہی ہیں۔ اب ہم ان کی قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کی کھلی ہوئی مخالفتوں کا ذکر کریں گے جن سے صاف ظاہر ہو جائیگا کہ مودودی صاحب کا کتاب و سنت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے۔ وہ نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ سنت کو مانتے ہیں۔ بلکہ وہ خلاف سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اسی پر لوگوں کو دوزخ میں ڈھکیلنا چاہتے ہیں۔' ﴿مودودی دستور اور عقائد: صفحہ ۲۶﴾

﴿۳﴾۔۔۔ قاری محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں: 'جماعت اسلامی کے جدید

فہمیات اور تفقہ کی فرعیات پڑھ کر افسوس ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نیا فقہ تیار ہو رہا ہے اور پرانے فقہ کا لباس اتار کر پھینکا جا رہا ہے۔' ﴿جماعت اسلامی کا شیش محل: صفحہ ۱۱﴾

ایسی زہر آلود فضا میں ایمان و عقیدہ کا شجر کبھی بار آور نہیں ہو سکتا، جب تک کہ کوئی شخص ان علماء راخنین کی تحریروں کو نہیں پڑھ لیتا جنکے سینے، محبت رسول ﷺ کا مدینہ ہیں۔ اور وہ منشاءِ خدا رسول۔۔۔ نیز۔۔۔ منشاءِ قرآنی پر عمل آگاہی رکھتے ہوں۔ آیات کی مراد، مطالبہ اور مفہم کی واقفیت۔۔۔ نیز۔۔۔ ذخیرہ احادیث و تفاسیر بھی ذہن نشین ہو، تاکہ 'مفسر و مترجم' ان آیات کا منشاء و مراد قارئین تک پہنچادے۔ یہ خیال رکھنا از حد ضروری ہے کہ ترجمہ نگار کے قلم و زبان سے ایسی بات نہیں نکلنی چاہئے

کہ جس سے آیات و احادیث کا اختلاف، یا آیات کا آیات سے تناقض، یا ترجمہ کی وجہ سے آیات و عقائد کا تصادم ہوتا ہو۔ ان تمام مقامات پر ایک موید من اللہ مترجم یا مفسر ہی ثابت قدم رہ سکتا ہے۔
--- آئیے زیر بحث تفسیر، تفسیر اشرفی کے چند ایمان افروز حصوں کو پڑھیں:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’اُوّاس سے کہیں، اے میرے اللہ! اے میرے پروردگار! اے میرے مہربان! اے میرے بخشنے والے! اے میرے مالک! ہم اقرار کرتے ہیں کہ (تجھی کو ہم پوجیں) یہ ہے ہمارا وہ عقیدہ، تو حید جس کو ہم نے کلمہ توحید سے پایا اور مانا۔ اور اسکے خلاف کو ہم شرک جانتے ہیں۔ بس توحید یہی ہے کہ تجھی کو ہم پوجیں۔ توحید نہ اس سے کم ہے نہ زیادہ۔ یا اللہ! ہمارا بھروسہ تجھی پر ہے (اور تیری ہی مدد چاہیں) یہ ہے ہمارا وہ توکل جو تو نے اپنے کرم سے عطا فرمایا۔ ہر مدد کرنے والے ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہمیں صاف نظر آتا ہے۔ اولیاء، انبیاء نے جو کچھ مدد فرمائی اور فرما رہے ہیں اور فرماتے رہیں گے، لیکن ہم نے ہر مدد میں تیری ہی مدد دیکھی۔ جس سے مدد مانگی تیرا سمجھ کر، تیری مدد کا مظہر جان کر۔ جو اس کے خلاف ہے تجھ پر توکل نہیں رکھتا۔

--- **إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ** کے تحت آپ فرماتے ہیں:

یا اللہ! ہمارا چلنا کیا اور ہم چل ہی کیا سکتے ہیں، بس اپنے کرم سے (چلا ہم کو) اس (راستہ) پر جو تجھ تک پہنچا ہے، موجود بھی ہے۔ بالکل (سیدھا) بھی ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس آیت کے تحت، کوئی کہتا ہے: ہمیں سیدھا راستہ دکھا (مودودی)، کسی نے کہا: تھلا ہم کو راہ سیدھی (محمود الحسن)، کسی نے لکھا: دکھا ہم کو راہ سیدھی (شاہ رفیع الدین)، کوئی بولا: ہم کو دین کا سیدھا راستہ دکھا (ڈپٹی نذیر احمد)۔۔۔ ہمیں تسلیم کہ ہدایۃ کے معانی میں اِنْصَالِ إِلَى الْمَطْلُوبِ اور اِرَاقَةَ الْعَطْرَيْنِ دونوں ہیں، مگر چونکہ یہاں ہدایۃ کی اضافت پروردگار کی طرف کی جارہی ہے جہاں زیادہ مناسب اِنْصَالِ إِلَى الْمَطْلُوبِ یعنی ’چلانا‘ ہے۔ یعنی جب ہم اسلام پر ہوتے ہوئے خدا سے دعا کریں گے، تو یوں کہنا کہ ’دکھا ہم کو سیدھا راستہ یا دکھا ہم کو

راہ سیدھی کے کیا معنی ہوں گے؟ ہمارا اسلام پر ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہمیں اپنے کرم سے سیدھا راستہ دکھا چکا۔ ہاں البتہ یہ دعا کرنا کہ اب ہمیں اس سیدھے راستے پر چلا بھیجے، تاکہ ہم منزل مقصود تک پہنچ جائیں، بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی حضرت کی تفسیر مذکورہ سے ظاہر ہے۔

--- عَذِيبُ الْمَعْصُوبِ عَلَيْهِمْ کے تحت فرماتے ہیں:

(نہ ان) یہودیوں اور یہود منشوں (کا) راستہ (کہ) قتل ناحق، توہین انبیاء، اور

ظلم کی وجہ سے (غضب فرمایا گیا جن پر)۔

یہود دنیا کی ایک تاجر قوم ہیں، تجارت کے علاوہ رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ بالعموم مفسرین الْمَعْصُوبِ عَلَيْهِمْ کی تفسیر میں یہود اور صَالِحِينَ کی تفسیر میں نصاریٰ کو لاتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون سا جرم ہے جسکی وجہ سے یہ قوم مستحق غضب ہوئی؟ ناچار مفسرین اسکے جواب میں خاموش ہیں۔ جبکہ محدث اعظم قدس سرہ مطالعہ قرآنی و احادیث نبوی ﷺ کا عطر تحقیق یوں پیش کرتے ہیں کہ، قتل ناحق، توہین انبیاء اور ظلم کی وجہ سے غضب فرمایا گیا۔ آپ پوری تفسیر پڑھتے چلے جائیں، مابین تو سین ترجمہ اور بقیہ حصہ تفسیر کا ہے۔ لیکن اس مختصری تفسیر میں ضروریات دین کا ہر مسئلہ ہمیں مل جاتا ہے۔

﴿۲﴾ --- سورہ بقرہ میں منافقین کے احوال و واقعات قرآن کریم کچھ اس طرح بیان فرماتا ہے:

وَإِذَا قَالُوا آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيْطَانِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ
إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَؤُونَ ۝ أَلَمْ يَسْأَلْهُمْ رَبُّهُمْ وَيَسْأَلْهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

﴿البقرہ: ۱۳﴾

اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض (بنار ہے تھے) انھیں۔ اللہ بنا رہا ہے اور وہ انھیں ڈھیل دے رہا ہے تو وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو رہے ہیں۔ ﴿مولوی عبدالماجد درر یادی﴾

تفسیر میں موصوف فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہوا کہ عوام منافقین جب تنہائی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دل و جان سے تو آپ ہی کے ساتھ ہیں، باقی مسلمانوں کے

بنانے کیلئے، ان کی سی کہہ دیتے ہیں۔۔۔ استہزاء کے معنی تمسخر کرنے، ہنسی اڑانے، اور بنانے کے، ہیں۔۔۔ **اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ** یعنی ان کے تمسخر کو انھیں پر پلٹے دیتا ہے۔ مجازات، سزا، معاوضہ کے موقع پر لغت عرب میں یہ مجاورہ عام ہے کہ جزائے فعل کو اصل فعل ہی کا نام دیدیا جاتا ہے۔ ائے يُجَازِيهِمْ جَزَاءَ لَهْزَوٍ (راغب) مثل قول **سُوا اللّٰهَ فَالْسُّوْمَ** ائے جَازًا هُمْ جَزَاءَ النَّسِيَانِ (ابن قتیبہ) جَزَا الْاِسْتِهْزَاءِ بِاسْمِهِ كَمَا جَزَوْا سَبِيحَةَ سَبِيحَةٍ (بیضاوی)۔۔۔

ہنسی اور تمسخر کا انتساب ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب قدیم صحیفوں میں برابر موجود ہے۔۔۔ تو اے خداوندان پر ہنسے گا تو ساری قوموں کو مسخرہ بنا دے گا (زبور: ۷۹: ۸) میں تمہاری پریشانی پر ہنسوں گا اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی تو میں ٹھٹھے ماروں گا (اشال: ۲۱: ۶)۔۔۔ یہ تھے جناب عبدالماجد دریابادی صاحب، جو ذاتِ باری ﷻ کی طرف 'بنانے' کی نسبت کر رہے ہیں۔ اور اپنے دعویٰ کو صحیح ثابت کرنے کیلئے دیگر آسمانی صحیفوں کا حوالہ بھی دے رہے ہیں۔

موصوف ہی کو نہیں بلکہ آپ کے دیگر ہم مذہب وہم مشرب علماء کو یہ خیال ضرور رکھنا چاہیے تھا کہ آپ ترجمہ و تفسیر قرآن کر رہے ہیں اردو زبان میں، جہاں ان لفظوں کا استعمال ایک شریف اور مہذب آدمی بھی اپنے لئے پسند نہیں کرتا، اسے آپ بارگاہ رب العزت کیلئے کیوں استعمال کر رہے ہیں؟ اور بجائے ندامت و پشیمانی کے، گستاخی میں اتنی جرات! کہ دیگر صحائف کا حوالہ بھی دے رہے ہیں۔ جن کے بارے میں آپ کے بھی سارے علماء متفق ہیں کہ وہ صحائف محرف ہیں۔

اسی جماعت کے ایک دوسرے ذمہ دار مترجم و مفسر جناب ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی ہیں۔ انھوں نے بھی اسی سے ملتا جلتا ترجمہ کیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک نے دوسرے کا چرہ کیا ہے۔ ترجمہ کی عبارت کچھ یوں ہے کہ۔۔۔ اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں اور جب تمہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف بناتے ہیں (یہ لوگ مسلمانوں کو کیا بنائیں گے حقیقت میں) اللہ انکو بناتا ہے اور انکو ذلیل دیتا ہے کسا بنی سرکشی میں پڑے ناک نوائے مارا کریں۔

محترم قارئین! مندرجہ بالا حصہ کو پڑھ کر اپنے خیالات کا اظہار کریں اور بتائیں کہ یہ چرہ بہ چہ ہے یا سرقہ؟ یا کچھ اور؟ خط کشیدہ عبارت کو پڑھیں اور۔۔۔

---ع--- کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

--- کہاں قرآن مجید، فرقانِ حمید، کلامِ رب العزّة اور کہاں ٹامک ٹوئے مارنا اور اللہ کا 'بنانا'؟
اب ذرا محدثِ اعظم ہند قدس سرہ کو ملاحظہ فرمائیں: آیات کے حقائق سے پردہ اٹھاتے ہیں کہ:
' (اور جب) کعب بن اشرف، ابو بردہ، ابن السواد شامی، عبدالدار چچی، اور عوف ابن عامری وغیرہ منافقین (طے) صدیق اکبر، فاروقِ اعظم، علی مرتضیٰ، وغیرہ (مسلمانوں کو) اور کہا کہ آپ تو صدیق ہیں، پیغمبرِ اسلام کے یارِ غار، بڑی شان والے ہیں۔ کیا کہنا ہے عمر کا، فاروق ہیں، کفر و کفار سے بیزار ہیں۔ اللہ اللہ! علی شیر خدا ہیں، حیدرِ کرار ہیں۔ اور علی مرتضیٰ کے کہنے پر، کہ تم بھی واقعی مسلمان ہو جاؤ (بولے ہم) تو سچائی کے ساتھ (ایمان لا چکے)۔ ہمارے اور آپ کے ایمان میں کوئی فرق نہیں (اور جب) وہی منافقین (اکیلے ہوئے) اور تہائی میں (اپنے شیطانوں) شریر سرداروں (کے پاس) پہنچے تو (کہنے لگے کہ) ہماری ان باتوں سے اثر نہ لو تم خوب جانتے ہو کہ (پیشک ہم تمہارے) ہی (ساتھ ہیں) اور ہمیشہ کے ساتھی ہیں۔ تم کو ہماری مذاق کی عادت معلوم ہے۔ مسلمانوں میں جو باتیں ہوئیں اس میں (بس ہم تو) ان سے اپنی عادت کے موافق (ہنسی مذاق کرنے والے ہیں) اور جو کچھ کہا مذاق میں کہا۔ یوں لوگ سمجھتے ہیں کہ ہنسی، مذاق کر کے مسلمانوں کو ذلیل کر رہے ہیں (حالانکہ اللہ خود ذلیل کرتا ہے انہیں) کہ دنیا میں مسخرے کہلائیں اور آخرت میں مسلمانوں کی جنت دیکھ دیکھ کر ذلیل ہوں (اور) اللہ ہنسی مذاق نہیں کرنے دیتا بلکہ (ڈھیل دیتا ہے انہیں کہ اپنی) بدزبانی، چھیڑ چھاڑ اور (سرکشی میں بھٹکتے رہیں) اور اپنی ذلت کا سامان زیادہ سے زیادہ جمع کرتے رہیں۔

کیا اس کو تائیدِ الہی نہ کہا جائے؟ کہ آپ لفظ استہزاء کی اتنی حسین توضیح پیش فرما رہے ہیں کہ جس سے نہ تو بارگاہِ الوہیت میں کہیں گستاخی ہو رہی ہے اور نہ ہی کہیں لفظوں کا غلط استعمال ہوا ہے۔ منظر کشی کچھ اس طرح فرما رہے ہیں جیسے کہ لوگوں کو چشم دید سا بتا اور سنا رہے ہیں۔ جس سے آیت کا حسن اور کلام کی معنویت کا نکھار دو بالا ہو گیا ہے اور دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ بارگاہِ رسالت کے بارے میں ان حضرات کا نظریہ کیا ہے؟ مندرجہ ذیل سطور کو پڑھ لیں اور اندازہ لگائیں کہ یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود۔

---ع---

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكَلَامًا مَهَارَعَدًا أَحِيثَ
شَتْمًا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾

اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو جو اور اس میں جہاں سے چاہو
خوب کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم گنہگاروں میں سے ہو جاؤ گے ﴿عبدالماجد دریابادی﴾

ترجمہ مذکورہ کے بعد تفسیر میں آیت کے آخری حصہ سے بحث کرتے ہوئے موصوف فرماتے
ہیں **مِنَ الظَّالِمِينَ** یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی
سے بڑھ کر کون سا ظلم اپنے آپ پر ہوگا؟ اسی غلطی والے مفہوم کا ایک اور مقام پر اعادہ کر رہے ہیں۔
--- من جملہ ان میں سے ---

وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى ﴿۳۶﴾

اور آدم سے اپنے پروردگار کا قصور ہو گیا سو وہ غلطی میں پڑ گئے ﴿عبدالماجد دریابادی﴾

وَلَقَدْ عَاهَدْنَا إِلَى آدَمَ مِنْ قَبْلِ قَسَمِي وَلَمْ يَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴿۳۷﴾

اور بہت زمانہ قبل ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو ان سے نفی ہو گئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی

مذکورہ بالا ترجمہ اور تفسیر پڑھ کر ایک عام قاری کیا یہ رائے قائم نہیں کرے گا کہ معاذ اللہ!
انبیاء کرام بھی گنہگار ہوتے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ترجمہ میں لفظ 'گنہگار' کا اضافہ، چہ معنی دارد؟
لفظ 'گنہگار' مذکورہ بالا آیت میں کس حصہ کا ترجمہ ہے؟ یہ خود ہی سورہ طہ کے ترجمہ و تفسیر میں واقعہ سیدنا
آدم **عَلَيْهِ السَّلَام** میں لکھتے ہیں کہ ہم نے، ان میں ارادہ ہی نہ پایا یعنی 'گناہ کا قصد انہوں نے کیا ہی نہیں'
--- یعنی جب تک عزم و ارادہ مفقود نہ ہو اس فعل کو گناہ نہیں کہا جاسکتا۔ بقول عارف رومی

بود آدم دیدہ نور قدیم۔۔۔ موعے دردیدہ بود کوہ عظیم

یعنی آدم **عَلَيْهِ السَّلَام** نور قدیم کی آنکھ تھے اور آنکھ میں اگر ایک بال بھی گر جائے تو آنکھ کی نزاکت
اسکو برداشت نہیں کر سکتی بلکہ وہ ہلکا سا بال یہاں پہاڑ سے جو جھل محسوس ہونے لگتا ہے۔

لیکن اسے کیا کہا جائے کہ بارگاہ نبوت کے آداب کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے ان حضرات کو شرک
کا آزار ستانے لگتا ہے۔

اس مقام پر یہ خیال بے ساختہ پریشان کرتا ہے کہ، کیا انبیاء کرام سے بھی گناہ سرزد ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں مختصر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ علامہ قرطبی نے بڑی عمدگی سے اس مسئلہ کو حل کیا ہے۔۔۔ فرماتے ہیں کہ:

إِنَّهُمْ مَعْصُومُونَ مِنَ الصَّغَائِرِ كُلِّهَا كِعَصْمَتِهِمْ مِنَ الْكِبَائِرِ أَجْمَعِهَا
یعنی تمام فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء جس طرح کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے
ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی پاک ہوتے ہیں۔

۔۔۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ان کی مطلق اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر ان سے گناہ کا ارتکاب ہو
سکتے تو ان کے گناہوں کی بھی اطاعت لازم آئیگی۔ جس سے ہدایت کا سارا نظام درہم برہم ہو جائیگا۔
اس پر بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم، احادیث اور روایات میں کئی مقامات پر ایسی
چیزیں منسوب ہیں جو گناہ ہیں، اور پھر ان امور پر انبیاء کی شدید ندامت اور استغفار بھی منقول ہے،
ایسی صورت میں عصمت انبیاء کا قول کیوں صحیح ہوگا؟

جو ابابعرض ہے کہ روایات احادیث میں سے تمام واقعات، اخبار آحاد سے مروی ہیں۔۔۔
اور یہ روایات ضعیف، وساقط الاعتبار ہیں۔ لیکن قرآن کریم میں انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف جو
عصیان، غواہت، یا ذنب، کی نسبت ہے وہ سہو، نسیان، ترک اولیٰ یا اجتہادی خطا پر محمول ہے۔ اور
انبیاء کرام علیہم السلام کا تو یہ اور استغفار، درحقیقت ان کا کمال تواضع، انکسار، اور اتسالی امر پر محمول
ہے۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں۔ عصمت انبیاء، کے تعلق سے مختصر قرآن کریم کا مطالعہ
کریں تو مندرجہ ذیل امور سمجھ میں آتے ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔ اگر انبیاء کرام سے عیاذ باللہ! صدور گناہ ہوتا، تو ان کی اتباع حرام ہوتی۔ جبکہ ان
کی اتباع واجب ہے۔۔۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ
لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۱﴾

اعلان کر دو کہ اگر دوست رکھتے ہو اللہ کو تو پیچھے پیچھے چلو میرے، دوست رکھے گا تم کو اللہ
اور بخشدے گا تمہارے گناہوں کو اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے ﴿عارف القرآن﴾

﴿۲﴾ --- جس شخص سے گناہ کا صدور ہو اس کی شہادت بلا تحقیق، قبول کرنا جائز نہیں۔ جبکہ اس پر اجماع امت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے۔
--- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَاءَكُمْ فٰسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا ﴿۲﴾

اے ایمان والو! اگر لے آیا تمہارے پاس کوئی فاسق کسی خبر کو، تو خوب تحقیق کر لو ﴿عارف القرآن﴾

﴿۳﴾ --- فاسق نبوت کا اہل نہیں۔۔۔ ارشاد ہے:

قَالَ لَا يَنْتَهِىٰ عَهْدِيْ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳﴾

فرمایا، نہ پہنچے گا میرا مضبوط عہد، اندھیر والوں کو ﴿عارف القرآن﴾

﴿۴﴾ --- اگر نبی سے، معاذ اللہ، گناہ صادر ہوں تو ان کو ملامت کرنا جائز ہوگا اور اس سے

نبی کو ایذا پہنچے گی۔ جبکہ انبیاء کرام کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔۔۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ

﴿۱۱۳﴾ ﴿۱۱۳﴾ 'بلاشبہ جو دکھ دے اللہ اور اسکے رسول کو، پھینکا دیا انہیں اللہ نے دنیا و آخرت میں' ﴿عارف القرآن﴾

﴿عارف القرآن﴾

﴿۵﴾ --- انبیاء کرام اللہ کے مخلص بندے ہیں۔۔۔ ارشاد ہے کہ:

وَ اذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرٰهِيْمَ وَ اسْحٰقَ وَ يعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِي وَالْاَبْصَارِ ۗ اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ

﴿۳۵﴾

'اور یاد کرو ہمارے بندے ابراہیم و اسحاق و یعقوب کو، بازوؤں والے

اور آنکھوں والے، بیشک کندن کر دیا تھا انہیں' ﴿عارف القرآن﴾

--- دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ:

قَالَ فِعْرَتِكَ لِأَعْيُوْبِيْكُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱﴾ (الْعِبَادُ مِنْكُمْ الْمُخْلِصِيْنَ) ﴿۲﴾

﴿۱﴾ ﴿۲﴾

'بولو پھر تو تیری عزت کی قسم، ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو، مگر تیرے کھرے بندوں کو' ﴿عارف القرآن﴾

﴿عارف القرآن﴾

﴿۶﴾ --- گنہگار لائق مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی عزت افزائی فرمائی ہے:

وَأَنَّهُمْ عِنْدَنَا لَكِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿ص: ۴۷﴾

’اور بیشک وہ ہمارے یہاں چنے ہوئے بہتر لوگوں سے ہیں‘ ﴿معارف القرآن﴾
 ﴿۷﴾۔۔۔ انبیاء کرام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اگر وہ خود گناہ کریں، تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا۔۔۔ ارشاد ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿الف: ۳۰﴾

’نہایت ناگوار ہے اللہ کے نزدیک کہ کہو وہ جسے خود نہ کرو‘ ﴿معارف القرآن﴾
 ۔۔۔ حالانکہ اللہ رب العزۃ، انبیاء علیہم السلام سے راضی ہے۔۔۔ ارشاد فرماتا ہے:

عَلِمَ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۚ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ﴿الحج: ۲۶﴾

’وہ غیب کا جاننے والا ہے۔ تو نہیں مکمل آگاہی دیتا غیب پر کسی کو، مگر جسے چن لیا رسول سے‘ ﴿معارف القرآن﴾
 ۔۔۔ اس آیت میں واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے اور نیکی کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے سے وہ راضی نہیں۔

﴿۸﴾۔۔۔ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ہوتا، تو وہ مستحق

عذاب ہوتے۔۔۔ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا ﴿النساء: ۱۳﴾

’اور جو نافرمانی کرے اللہ اور اس کے رسول کی، اور بڑھ جائے اس کی حد بندیوں سے،
 ڈال دے گا اس کو جہنم میں، ہمیشہ رہنے والا اس میں‘ ﴿معارف القرآن﴾

۔۔۔ اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام جہنم سے محفوظ اور مامون ہیں، اور ان کا مقام جنت
 خلد ہے۔

﴿۹﴾۔۔۔ انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے

تو انبیاء علیہم السلام سے بطریق اولیٰ گناہ صادر نہیں ہونگے۔ فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے
 عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے۔۔۔ ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۰۳﴾

’بیشک اللہ نے جن لیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو سارے جہان پر‘

﴿۱۰۳﴾ --- معاذ اللہ اگر انبیاء علیہم السلام معصیت کریں تو ہم پر معصیت کرنا واجب ہوگی، کیونکہ

انکی اتباع واجب ہے۔ جبکہ دوسرے دلائل سے ہم پر معصیت کرنا حرام ہے۔ سو لازم آئیگا کہ ہم پر معصیت کرنا واجب بھی ہو اور حرام بھی۔ اور یہ اجتماع ضدین ہے، جو کہ باطل ہے۔

’تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ‘

ان تمام اعتراضات اور جوابات سے بالاتر ہو کر، حضرت محدث اعظم قدس سرہ کا یہ ترجمہ اور

تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

(اور) حضرت آدم کا ادھر یہ واقعہ ہوا کہ (فرمایا ہم نے کہ اے آدم رہو) سہو (تم) خود (اور تمہاری بی بی) حوا بھی (جنت) سدا بہار باغ (میں)، یہ تم دونوں کا گھر ہے۔ (اور دونوں کھاتے رہو اس) جنت (سے بے کھلے) کوئی روک ٹوک نہیں ہے (جہاں چاہو) یہ سارا باغ تمہارا ہے (اور) اسکا خیال رکھو کہ (قریب نہ جانا) اور سایہ سے بچتے رہنا (اس) خاص گہیوں یا انگور کے (شجر کے) تم کو اسکی ہوانہ لگنے پائے کیوں (کہ) اسکے پاس پھلے تو (ہو جاؤ) گے (اندھیر والوں سے) تم نبی، معصوم ہو، نافرمانی تم سے متصور نہیں، مگر اپنے آرام کو چھوڑ دینا تمہارے لیے کیا کم اندھیر کی بات ہے؟

﴿تفسیر اشرفی﴾

--- انصاف سے بتائیں کہ کیا کوئی اعتراض بارگاہ الوہیت، یا بارگاہ رسالت میں وارد ہوتا

ہے؟ اور اس حسن تفسیر کی تعبیر کیلئے، نصرت خداوندی اور تائید ربانی سے، نیچے کا کوئی لفظ لغت میں ہے؟ ترجمہ و تفسیر قرآن میں جو چیز بہت ہی اہمیت کی حامل ہے وہ ہے نصرت خداوندی۔ اگر مترجم یا مفسر تائید ربانی سے محروم ہے تو وہ عربی سے اردو تو ہٹا لیاگا، لیکن مطالبہ قرآنی اور روح ترجمہ سے بہت دور ہوگا۔ اور ایسی تفسیروں کے مطالعہ سے قارئین کو کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ پہنچے گا۔ ---

پوری امید ہے کہ تفسیر ہذا کے قارئین اس تفسیر اشرفی کی خصوصیات کے قائل ہو چکے ہوں گے۔

اتنی شاندار تفسیر صرف پہلے پارے تک محدود رہتی، یہ تفسیر کے تعلق سے اردو زبان کے قارئین کی بد نصیبی ہی ہوتی کیونکہ تفسیر کا کام مکمل کرنے سے پہلے ہی حضور محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔۔۔

یہ ہماری اور اہل اسلام کی خوش نصیبی ہے کہ تفسیر اشرفی، کو پاپا یہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے پروردگار عالم نے اسی خانوادہ سے اس مقدس شخصیت کا انتخاب فرمایا جس کو دنیا نے نہ صرف شیخ الاسلام اور رئیس اکتفین مانا بلکہ عملاً یہ مشاہدہ کر لیا کہ حضرت مفسر موصوف عصر حاضر کے نائب غوث اعظم قدس سرہ ہیں۔۔۔ تفسیری مراحل کو اس عمدگی سے نبھایا جا رہا ہے جو حضرت محدث اعظم ہند قدس سرہ کا ہے۔

چنانچہ تفسیر کے مطالعہ کے دوران قاری کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ تفسیر اشرفی، کے دونوں مقدس مفسرین کی تفسیروں کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا جس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ حضرت مفسر زید مجہد بیک وقت جانشین ابوحنیفہ، فن حدیث کے بالغ نظر محدث، اور ساتھ ہی ساتھ غواص بحر معرفت ہیں۔۔۔ یہ طور کسی جوش عقیدت کے تحت سپرد قسطاس نہیں کی گئیں ہیں۔۔۔ آئیے چند مناظر کی سیر کرتے ہیں:

--- ﴿ ۱ ﴾ ---

﴿ ۱ ﴾ --- وَلَٰكِنَّ آيَاتِ الدِّينِ --- الی آخر الایة ﴿ البقرہ: ۱۳۵، ۱۳۶ ﴾: عبدالماجد دریابادی

صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔۔۔

’اور اگر آپ ان لوگوں کے سامنے جنہیں کتاب مل چکی ہے، ساری ہی نشانیاں لے آئیں، جب بھی یہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں۔۔۔ اور اگر کہیں آپ انکی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں بعد اسکے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے، تو یقیناً آپ بھی ظالموں میں شمار ہونگے۔‘ ﴿ صفحہ ۳۶ ﴾

﴿ ۲ ﴾ --- دیوبندی دنیا کے حکیم الامت شیخ اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں:۔۔۔

’اور اگر آپ اگلے نفسانی خیالات کو اختیار کر لیں، آپ کے پاس علم آنے پیچھے تو یقیناً آپ ظالموں میں شمار ہونے لگیں۔‘ ﴿ صفحہ ۵۶ ﴾

﴿۳﴾۔۔۔ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔۔۔

’اور اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے، انکی خواہشات کی پیروی کی، تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔۔۔ تفسیر میں موصوف رقم طراز ہیں، تمہارا کام تو یہ ہے کہ جو علم ہم نے تمہیں دیا ہے، سب سے بے پرواہ ہو کر صرف اسی پر سختی کے ساتھ قائم ہو جاؤ، اس سے ہٹ کر کسی کو راضی کرنے کی فکر کرو گے تو اپنے پیغمبری کے منصب پر ظلم کرو گے اور اس نعمت کی ناشکری کرو گے جو دنیا کا امام بنا کر ہم نے تمہیں بخشی ہے۔‘ ﴿تفسیر القرآن: صفحہ ۱۲۳﴾

کاش یہ مفسرین اپنی تفسیری کاوشوں کو منظر عام پر لانے سے پیشتر معتمد اور مستند تفاسیر سے تائیدی عبارت لے لیتے تو بہت اچھا ہوتا۔۔۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔۔۔ وجہ ظاہر ہے۔۔۔ کیونکہ آیات مذکورہ کے تعلق سے اگر تائیدی روایات لاتے، تو دنیائے اسلام پھر عشق رسول ﷺ کے سہارے ایک مرکز پر مجتمع ہو جاتی۔۔۔ لیکن ان حضرات کو وہ سب کچھ کرنا تھا جس سے امت مسلمہ افتراق و انتشار کا شکار رہے۔۔۔ آئیے چند معتمد تفاسیر کا مطالعہ کرتے چلیں۔

تفسیر جلالین۔۔۔ مذکورہ آیت کے تحت مفسر فرماتے ہیں:

الَّذِينَ اتَّيْتَهُمُ الْكِتَابَ يَعْزُبُونَ عَنْ مُحَمَّدٍ أَمْ لَا يَعْلَمُونَ كَمَا يَعْلَمُونَ أَبْنَاءَهُمْ بِنِعْمَتِهِ فِي كُتُبِهِمْ قَالِ ابْنُ سَلَامٍ: لَقَدْ عَرَفْتُهُ حِينَ رَأَيْتُهُ كَمَا أَعْرَفْتُ ابْنَئِي وَمَعْرِفَتِي لِمُحَمَّدٍ أَشَدُّ وَإِنْ لَمْ يَنْقَأْ مِنْهُمْ لِيَكْتُبُونَ الْحَقَّ نَعْتَهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ هَذَا الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ ﴿صفحہ ۲۸﴾

۔۔۔ صادی علی تفسیر الجلالین قولہ:

(وَمَعْرِفَتِي لِمُحَمَّدٍ أَشَدُّ) شَبَّحَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ لِأَنَّ مَعْرِفَتِي بِابْنِي ظَنِيَّةٌ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يُكُونَ مِنْ غَيْرِي وَإِنَّمَا مَعْرِفَتِي بِمُحَمَّدٍ فَهِيَ عَنِ اللَّهِ، وَأَيُّ خَيْرٍ أَصْدَقِي مِنْ خَيْرِ اللَّهِ؟ ﴿صفحہ ۱۲۵﴾

۔۔۔ حاہیہ الجمل علی الجلالین:

’قَالَ ذَلِكَ لَمَّا سَأَلَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ لَهُ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَنْزَلَ عَلَيَّ نَبِيَّ الدِّينِ اتَّيْتَهُمُ الْكِتَابَ الْآيَةُ فَكَيْفَ هَذِهِ الْمَعْرِفَةُ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ يَا

عَمْرٌ لَقَدْ عَرَفْتُهُ حِينَ رَأَيْتُهُ كَمَا أَعْرَفْتُ ابْنِي وَمَعْرِفَتِي بِابْنِي بِمُحَمَّدٍ أَشَدُّ
 مِنْ مَعْرِفَتِي بِابْنِي فَقَالَ عَمْرٌ: فَكَيْفَ ذَلِكَ؟ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ حَقًّا
 وَقَدْ نَعَتَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي كِتَابِنَا، وَلَا أَدْرِي مَا تَصْنَعُ النِّسَاءُ فَقَبَّلَ عَمْرٌ رَأْسَهُ
 وَقَالَ: وَفَقَّكَ اللَّهُ يَا ابْنَ سَلَامٍ فَقَدْ صَدَقْتَ قَوْلَهُ: (وَمَعْرِفَتِي لِمُحَمَّدٍ أَشَدُّ)
 أَيْ مِنْ مَعْرِفَتِي لِابْنِي لِأَنِّي لَسْتُ أَشْكُ فِي مُحَمَّدٍ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَمَّا وَلَدِي
 فَلَعَلَّ وَالِدَتُهُ خَانَتْ ﴿صفحہ ۱۷۹﴾

۔۔ ان تمام معتمد اور مستند تفاسیر کو مد نظر رکھتے ہوئے، حضرت مفسر زید مجہدہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

(اور اگر لاتے تم ان) بغض و عناد رکھنے والے یہودیوں (کے پاس جن کو) اللہ تعالیٰ (کتاب
 دے چکا ہے) پہلے ہی سے دے چکا ہے اور انھیں پوری حقیقت سے آگاہ فرما چکا ہے، اسکے باوجود
 جو تم سے رو بہ کعبہ ہونے کی حقیقت و حقیقت سمجھنے کی بات کرتے ہیں اور سمجھنے کا ارادہ نہیں رکھتے، ایک دو
 نہیں ساری کی (ساری نشانی) خواہ وہ از قسم معجزہ ہو۔۔۔ یا۔۔۔ حجت و برہان قاطع، اسکے باوجود وہ (نہ
 پیروی کرتے تمہارے قبلہ کی) اسلئے کہ وہ جو تمہاری پیروی نہیں کر رہے ہیں اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ کسی
 شبہ میں ہیں، جسکو حجت و دلیل سے زائل کر دیا جائے، بلکہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، ازراہ عناد، دشمنی کے
 طور پر کر رہے ہیں۔۔۔ حالانکہ۔۔۔ انھیں اپنی کتابوں سے یہ علم حاصل ہو چکا ہے کہ آپ حق پر ہیں۔

اپنے کو ناحق سمجھنے کے باوجود انکو یہ لالچ ہے کہ آپ انکے قبلے کو اپنا قبلہ بنا لیں، یہاں تک کہ
 انکے بعض نبی کریم ﷺ سے کہہ پڑے کہ اگر آپ ہمارے قبلہ پر ثابت ہو جائیں تو ہم آپ کو وہ نبی تسلیم
 کر لینگے جسکے ہم منتظر ہیں۔ مگر انکے اس طمع کی جزا اس فرمان سے کاٹ دی گئی کہ نہ تو وہ تمہارے قبلہ
 کے پیرو ہیں (اور نہ تم انکے قبلہ کے پیرو ہو)، گویا یہودیوں کا قبلہ اور تھا۔۔۔ اور۔۔۔ نصاریٰ کا اور۔۔۔ لیکن
 باطل ہونے میں دونوں متحد ہیں، گویا دونوں ایک ہیں۔ اب جو کسی باطل قبلہ کا پیرو نہیں تو وہ دونوں
 میں سے کسی کے قبلہ کا پیرو نہیں ہو سکتا (اور نہ خود ان میں سے ایک دوسرے کے قبلہ کا پیرو ہے)۔

یہود، نصاریٰ کے قبلہ کی طرف رخ نہیں کرتے اور نصاریٰ، یہود کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے۔
 جب یہ اپنے عناد و مخالفت پر اتنے متصلب ہیں کہ آپس ہی میں قبلہ کے معاملے میں ایک دوسرے کے
 مخالف ہیں، تو انکی مخالفت صرف آپ ﷺ ہی سے نہیں رہ گئی۔

۔۔۔ لہذا۔۔۔ اے محبوب آپ انکی مخالفت کا خیال نہ فرمائیں اور اپنے کو رنجیدہ خاطر نہ کریں۔ اے محبوب قبلہ کا معاملہ اتنا اہم اور نازک ہے کہ اگر۔۔۔ بفرض مجال۔۔۔ اس معاملے میں آپ نے بھی انکی خواہشوں کی پیروی کی تو آپکا بھی شمار اپنے اوپر زیادتی کرنے والوں میں ہو جائے گا۔۔۔ مگر چونکہ۔۔۔ آپ نبی ہیں اور نبی کی ذات صغائر سے بھی معصوم ہوتی ہے، تو اس سے ایسا جرم سرزد ہو، یہ تو ناممکن ہے۔۔۔ لہذا۔۔۔ آیت کریمہ میں اگرچہ خطاب کا رخ آپ کی طرف ہے، مگر مخاطب آپ کی امت ہے، جسکے آپ والی و مالک و نگہبان ہیں۔ (اور) اب (اگر کوئی تمہارا ہو کر) آپ کو اپنا نبی و رسول مان کر، آپ کا امتی ہو کر اور آپ کے دین پر ایمان لا کر (پیروی کرے ان) یہودیوں (کی خواہشوں کی) اور انکے کہنے پر کعبہ سے رخ پھیر کر بیت المقدس کو قبلہ بنا لے (بعد اسکے کہ آیا تمہارے پاس) کعبہ کے قبلہ ہونے اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا (علم) جسکو آپ نے سب تک پہنچا بھی دیا اور دلائل و براہین کے ساتھ واضح بھی فرمادیا، (تو بیشک وہ تمہارا) امتی (اس صورت میں) اطاعت رسول کی (حد سے) نکل کر نافرمانی کی حد میں داخل ہو جانے والوں اور خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے (بڑھ جانے والوں سے ہے)۔

(جن کو ہم نے کتاب دی ہے) علماء اہل کتاب (پہچانتے ہیں پیغمبر اسلام کو) کہ وہ نبی برحق ہیں، امام قبلتین ہیں، تمام آسمانی صحیفوں کی بشارتوں کا مرجع ہیں اور یہ پہچان ایسی ویسی پہچان نہیں، بلکہ ایسا پہچانتے ہیں (جیسے لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں) اسی لئے انھیں آپ ﷺ کی رسالت پر کسی طرح کا اشتباہ نہیں، جیسے انھیں اپنے بچوں کے تعلق سے کسی طرح کا شک و شبہ نہیں۔

انسان خود اپنے آپ کو بڑی مدت کے بعد پہچانتا ہے بخلاف اپنی اولاد کے، کہ انھیں پیدا ہوتے ہی پہچان لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام ؓ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ ہم اپنے بچوں سے زیادہ نبی کو جانتے ہیں، اسلئے کہ ہمیں محمد ﷺ کے نبی ہونے میں کبھی بھی شک نہیں ہوا۔ اسکے برخلاف بچوں کے تعلق سے ماں کی طرف سے خیانت کا امکان شک کا باعث ہو سکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم ؓ نے آپکی اس بات پر آپکی پیشانی کو چوم لیا۔

(اور بے شک ان) علماء اہل کتاب (میں سے ایک) بڑا (گروہ) جس نے اسلام قبول نہیں کیا، وہ حسد و عناد کے سبب بے وقوف عوام اور جاہل لوگوں سے (حق) نبی کے نبی برحق ہونے، کعبہ کو رب کا مقرر کردہ قبلہ قرار دینے، اور اپنی آسمانی کتاب میں مذکور نبی کریم کے اوصاف حمیدہ

(کو ضرور چھپاتا ہے)۔ وہ بھی لاعلمی میں نہیں بلکہ (جانتے بوجھتے)۔

ب

وَمَا أَهْلٌ بِهِ لَعْنٍ لِلَّهِ --- حرام فرمادیا ہے اس جانور کو --- جو ذبح کیا گیا غیر خدا کا نام لیتے ہوئے --- ترجمہ اور حسن تفسیر پر گزارشات پیش کرنے سے پیشتر میں یہ چاہوں گا کہ آیت مذکورہ میں مترجمین اور نادار مفسرین کی ناداریاں ملاحظہ ہوں ---

﴿۱﴾ --- اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو ---

﴿ترجمہ: موردی صاحب﴾

--- اس آیت کی تفسیر میں موصوف فرماتے ہیں کہ اس کا اطلاق اس جانور کے گوشت پر بھی ہوتا ہے جسے خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہے۔ اور اس کھانے پر بھی ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر بطور نذر کے پکایا جائے --- حقیقت یہ ہے کہ جانور ہو یا غلہ یا کوئی اور کھانے کی چیز، دراصل اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ ہی نے وہ چیز ہم کو عطا کی ہے۔ لہذا اعترافِ نعمت، یا صدقہ یا نذر و نیاز کے طور پر اگر کسی کا نام ان پر لیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اللہ ہی کا نام ہے --- اس کے سوا کسی دوسرے کا نام لینا، یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم خدا کے بجائے یا خدا کے ساتھ اسکی بالاتری بھی تسلیم کر رہے ہیں۔ اور اس کو بھی منع سمجھتے ہیں۔ ﴿صفحہ ۱۳۵﴾

﴿قارئین کرام مذکورہ بالا عبارت اور آیت کریمہ کے حکم میں تضاد واضح طور پر محسوس کر سکتے ہیں﴾

--- شیخ اشرف علی تھانوی صاحب اپنے ترجمہ قرآن میں اس مقام کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’اور ایسے جانور کو جو غیر اللہ کیلئے نامزد کر دیا گیا ہو۔ مولوی عبدالماجد دریابادی صاحب اس مقام پر اپنے شیخ کی موافقت میں لفظ بلفظ ساتھ دے رہے ہیں، ملاحظہ ہو: ’اور جو جانور غیر اللہ کیلئے نامزد کیا گیا ہو، حرام کیا ہے۔ --- یہ عبارت بہ نسبت پہلی کے زیادہ واضح ہے۔ ﴿

قارئین کرام مذکورہ بالا عبارات اور عبارت سے مستفاد احکام، مندرجہ بالا مفسرین کے ذہن و فکر کی مکمل عکاسی کر رہے ہیں ---

تفسیر جلالین ﴿صفحہ ۲۲﴾ اسی آیت کریمہ کے تحت ہے:

وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ أَى ذُبِحَ عَلَىٰ إِسْمِ غَيْرِهِ وَالْإِهْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ
وَكَانُوا يَرْفَعُونَهُ عِنْدَ الذَّبْحِ لِأَهْلِيهِمْ

جلالین کی مذکورہ بالا عبارت کے تحت جمل میں ہے ﴿صفحہ ۲۰﴾:

وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ مَا مَوْضُوعٌ بِمَعْنَى الَّذِي وَمَحَلُّهَا النَّصَبُ عَطْفًا
عَلَى الْمَعْنِيَةِ، وَبِهِ قَائِمٌ مَقَامُ الْفَاعِلِ لِأَهْلِ الْبَاءِ بِمَعْنَى فِي، وَلَا بُدَّ مِنْ حَذْفِ
مُضَافٍ أَى فِي ذَبْحِهِ لِأَنَّ الْمَعْنَى وَمَا صِيغَ فِي ذَبْحِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ
آیت مبارکہ کا ترجمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

’وآنچه آواز بلند کرده شود در ذبح وے بغیر خدا۔‘

علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس سے مراد وہ

ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ ﴿احکام القرآن، جلد اول، صفحہ ۱۲۵﴾

ان معتمد تفاسیر کی روشنی میں حضرت مفسر مغلطہ کی تفسیر، آیت کریمہ کا صحیح محل، اور قادر الکلامی

ملاحظہ ہو۔ (یہ یاد رہے کہ حضرت مفسر مغلطہ کی تفسیر کی تائید سورہ الانعام آیت ۱۱۸ وغیرہ سے بھی ہو رہی ہے)۔

حضرت فرماتے ہیں: (اور) اسکے سوا حرام فرمادیا (اس جانور) کے گوشت (کو جو ذبح کیا گیا) بتوں،

دیوی دیوتاؤں۔۔۔ الغرض۔۔۔ ذبح کے وقت ذبح کرتے ہوئے کسی بھی (غیر خدا کا نام لیتے ہوئے)۔

مختصر لفظوں میں حضرت مفسر مغلطہ کا معنی خیز مطلب اور اس سے مستفاد حکم بیان کرنا آپ کا وہ

عظیم کارنامہ ہے جس کا خراج ہر اہل علم و قلم سے آپ لیتے رہیں گے۔

--- ﴿ ج ---

قرآن کریم کی تفسیر کیلئے حضرت مفسر مغلطہ کا ایک اور دلنشین انداز بیان ملاحظہ ہو:

(اے ایمان والو! داخل ہو) جاؤ (اسلام میں پورے پورے) یعنی شریعت اسلامیہ کے

جملہ احکام کو دل سے قبول کر لو اور ان کو اپنی عملی زندگی میں داخل کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ شریعت کے انہیں

احکام کو اپناؤ اور ان پر عمل کرو جو تمہاری طبیعت کے موافق اور تمہاری خواہش کے مطابق ہوں اور ان

احکام کو نظر انداز کر دو اور ان پر عمل نہ کرو جو تمہاری خواہش کے مطابق نہیں۔

یاد رکھو کہ اسلام ایک مکمل دستور زندگی ہے، اس کے اپنے عقائد ہیں، اسکا اپنا دیوانی اور فوجداری قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اپنے نظریات ہیں، اور یہ انسان کی ذہنی، روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن اس کی برکتیں تب ہی رونما ہو سکتی ہیں، جبکہ اسے ماننے والے اسے پورا کا پورا اپنالیں، اور اس کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہو جائیں۔ یہاں اس بات کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ اسلام کو قبول کر لینے کے بعد بعض باتوں پر عمل کرنے کے تعلق سے سابق شریعتوں میں سے کسی شریعت کا لحاظ کیا جائے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن سلام جیسے عظیم صحابی بھی حضور آئیہ رحمت ﷺ سے ہفتہ کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور اسکے دودھ کی تحریم کے تعلق سے شریعت موسویہ پر عمل کرنے کی اجازت حاصل نہ کر سکے۔

--- الغرض --- اے ایمان والو! مکمل اسلام کو اپنالو اور اس پر ثابت قدم ہو (اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی) ان راستوں پر نہ چلو جو شیطان کے ہیں اور نہ اسکی اطاعت کرو کیونکہ وہ اپنے ٹیڑھے راستوں کی طرف تمہیں بلاتا ہے اور گندے وسوسے ڈالتا ہے اور وہ ایسا کیوں نہ کرے، اسلئے کہ (پیشک وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے)۔

--- ﴿ و ﴾ ---

سورہ مذکورہ کی آیت ۲۲۱ کے ضمن میں ملاحظہ ہو:۔۔۔

(اور) فرمایا (مت نکاح کرو شرک والیوں سے یہاں تک کہ ایمان لائیں) وہ مشرکہ حسن و جمال والی ہو۔۔۔ یا۔۔۔ دولت و ثروت والی ہو۔۔۔ یا۔۔۔ آزاد ہو۔۔۔ الغرض۔۔۔ کچھ بھی ہو مگر جب تک ایمان نہ لائے اس سے نکاح نہ کرو، (اور) اسکے برعکس (یقیناً ایمان والی لونڈی) خواہ وہ غریب ہو، خوبصورت نہ ہو، بایں ہمہ وہ (بہتر ہے) اس خوبصورت مالدار اور آزاد (شرک والی) کافرہ (سے، گو) وہ (شرک والی) کافرہ حسن و جمال اور کثرت مال کی وجہ سے، (تمہیں اچھی لگے)۔۔۔ یونہی۔۔۔ محتاط ہو جاؤ (اور اپنی لڑکیوں کو مشرکین کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کریں) سچے دل سے مسلمان نہ ہو جائیں (اور) جان لو کہ (بلاشبہ مسلمان غلام بہتر ہے) خواہ وہ خوبصورت نہ ہو اور مال دار نہ ہو (ہر مشرک سے گو وہ تمہیں) اپنے حسن و جمال اور مال و منال کی وجہ سے (اچھا لگے)۔

اس حقیقت کا سمجھ لینا تو ایک عام آدمی کیلئے بھی دشوار نہیں کہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جسمانی اور ذہنی قرب ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے عقائد، نظریات، افکار اور خیالات سے متاثر ہوتے ہیں، اسلئے کہ یہ خدشہ ہے کہ مشرک شوہر کے عقائد سے مسلمان بیوی متاثر ہو یا مشرک عورت کے نظریات سے مسلمان شوہر متاثر ہو اسلئے اسلام نے یہ راستہ ہی بند کر دیا۔ اگرچہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان شوہر یا بیوی سے مشرک شوہر یا بیوی متاثر ہو جائے، لیکن جب کوئی چیز نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہو، تو نقصان سے بچنے کو نفع کے حصول پر مقدم کیا جاتا ہے۔ اسلئے اسلام نے مسلمانوں اور سارے کافروں کے درمیان مناکحت کا معاملہ بالکل ہی منقطع کر دیا۔ ایمان کی سلامتی اور کفر کے خطرات سے بچنے کا یہی صاف اور سیدھا راستہ اور مناسب طریقہ ہے۔

اس میں جو حکمت ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ میاں بیوی میں وہ کون ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو اپنا ہم خیال بنانے چاہتا ہو، تو شادی ہو جانے کی صورت میں (وہ) شرک و کفر والیاں اور شرک و کفر والے (لوگ) اپنی باتوں سے۔۔۔ یا۔۔۔ اپنی محبت میں اسیر کر کے۔۔۔ یا۔۔۔ اپنی صحبت و قربت کا اثر ڈال کر اس کفر و شرک کی طرف (بلائیں) گے، جو تم کو (جہنم کی طرف) لے جانے کا سبب ہوگا۔ اور جب تک تم انکے پورے طور پر ہم خیال نہیں ہو جاؤ گے، اس وقت تک وہ لوگ مختلف نرم۔۔۔ یا۔۔۔ گرم طور و طریقہ اپنا کر تم کو کافر بنانے کی جدوجہد کرتے رہیں گے، (اور اللہ) تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے نبی اور پھر اپنے اولیاء کے ذریعہ تم کو (بلائے) اور بلاتا رہے گا اور ان عقائد حقہ اور اعمال صالحہ کی دعوت دے بھی رہا ہے اور دیتا بھی رہے گا، جو تمہیں (جنت اور بخشش کی طرف) لے جانے کے اسباب ہیں، خود اسکے (اپنے حکم) ارادہ (سے اور) اپنی شان کریمی سے (صاف صاف بیان فرمائے) حلال و حرام کے احکام کو واضح کر دینے والی (اپنی آیتوں کو لوگوں) کے فائدے (کیلئے) تا (کتاب) تو وہ کچھ (سبق لیں) اور نصیحت و ہدایت حاصل کریں۔

آیت مبارکہ کی توضیح و تشریح میں اسلاف کرام سے لیکر اب تک بہت ہی گرم و سرد، علمی اور قلمی معرکہ آرائی ہوتی رہی ہے۔۔۔ بعض علماء نے اس آیت کے عموم سے اہل کتاب کو نکال دیا ہے، لقولہ تعالیٰ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الدِّينِ اُولَٰئِكَ كَتَبَ چنانچہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں رہنے والے بہت سے حضرات نے اپنی رشتہ داریاں، شادی بیاہ و غیرہ شہریت کے حصول یا اپنی خواہشات کے پیش

--- مختصر لفظوں میں حضرت مفسر مدظلہ کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں: ---

'اس مقام پر قابل غور بات یہ بھی ہے کہ کسی کو زبردستی کسی ایسے کام کیلئے آمادہ کرنا اور اسکو مجبور کرنا جس میں درحقیقت اس کیلئے کوئی بھلائی نہ ہو، یہی وہ اکراہ ہے جو نا پسندیدہ ہے۔ اب اگر کسی ایسے کام کیلئے مجبور کیا جائے جس میں خیر ہی خیر ہے، تو یہ بظاہر صورتاً اکراہ تو ہے، مگر حقیقتاً اکراہ نہیں اور ظاہر ہے کہ دین اسلام از اول تا آخر خیر ہی خیر ہے، تو اس خیر کل کیلئے حقیقی اکراہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یوں بھی اس خیر کل کیلئے حقیقی اکراہ کی ضرورت نہیں۔---

ناظرین کرام! مذکورہ بالا گزارشات کو مد نظر رکھ کر اگر آپ حضرت کی اس مبارک تفسیر کا مطالعہ کریں گے، تو آپ حسن قرآنی کے جلوہ ہائے رنگارنگ سے اپنے قلوب و اذہان کو منور و مجلی فرمائیں گے۔ اور کیوں نہ ہو کہ اس تفسیر کے مفسر مدظلہ نے آیت قرآنی کو اپنے لفظوں میں اس طرح بیان فرمایا جس سے ایک عالم، منتہی طالب علم، ایک مفکر اور دانشور، ماہر وکیل، نکتہ شناس حج، قادر الکلام خطیب اور نباض فطرت شاعر، ہر شخص اپنے حسب استعداد استفادہ کر سکتا ہے۔ اور کرتا ہے۔۔۔ بانی ادارہ گلوبل اسلامک مشن، محمد مسعود احمد سہروردی، اشرفی کو پروردگار عالم جزائے خیر سے نوازے جنہوں نے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کو محسوس کیا اور عالم اسلام کیلئے عموماً اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے طلبہ کیلئے خصوصاً اپنی گونا گوں مصروفیات سے وقت نکال کر اس مایہ ناز تفسیر کی اشاعت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑہ اٹھایا۔۔۔

اس خصوص میں حضور شیخ الاسلام کی تحریروں کو جمع کرنا، کمپیوٹر کی کتابت کیلئے عزیزم منصور احمد اشرفی سلمہ کو تاکیدا بشما کر، ترجمہ قرآن اور تفسیر قرآن کو حسین ترین ڈیزائنوں میں تبدیل کرنا اور طباعت کے مراحل کو طے کرنے کیلئے بہ نفس نفیس پاکستان کا سفر کرنا، امریکہ کے دینی اور مذہبی حلقوں میں اہلسنت و جماعت کی نمائندگی کرنا یا بافظ دیگر حضور شیخ الاسلام کی نیابت کرنا، یہ وہ مہمات ہیں جنہیں سر کرنا عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔۔۔ علاوہ ازیں۔۔۔ جیلوں میں قیدیوں کو کتابوں کے ذریعے اسلام سے روشناس کرانا اور اپنے پُرہ از حکمت خطبات سے دعوت اسلام دینا۔ اسلام اور ہانی اسلام ﷺ پر اٹھنے والے سوالات کے مثبت اور دندان شکن جواب دینا، یہ موصوف کے وہ کارہائے نمایاں ہیں جو

لائق تعریف ہی نہیں، قابل تقلید بھی ہیں۔

درحقیقت حضور شیخ الاسلام کی عبقری شخصیت اور روحانی نیابت کیلئے ایسی ہی اہم شخصیت درکار تھی جسے ہم آسمانِ غیب سے پروردگارِ عالم کا عطیہ کہہ سکتے ہیں۔ ہم وابستگانِ سلسلہ کی دلی آرزو ہے کہ حضور شیخ الاسلام کا سایہء عاطفت تا قیامِ قیامت ہمارے سروں پر دراز رہے اور تفسیر کی تکمیل نیز آپ کے فیوض و برکات فزوں تر ہوں۔۔۔

اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بِجَاہِ حَبِیْبِكَ طه وَ یَس

فقیر، ابو الفضل

محمد فخر الدین علوی

۱۶ جمادی الثانی، ۱۴۲۹ھ۔۔۔ مطابق۔۔۔ ۵ جون، ۲۰۰۸ء



مختصر تذکرہ حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ

نام: سید محمد اشرفی جیلانی لقب: محدث اعظم ہند

ولادت: ۱۵ ذی القعدۃ ۱۳۱۱ھ --- بمطابق --- ۱۸۹۳ء یوم چہارشنبہ

جائے ولادت: قصبہ جاکس، رائے بریلی، یوپی، انڈیا

والد گرامی: رئیس الحکماء، حضرت علامہ سید نذیر اشرف فاضل کچھوچھوی قدس سرہ

والدہ ماجدہ: سیدہ محمدی خاتون بنت اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ

جد مکرّم: حضرت مولانا سید شاہ فضل حسین اشرفی جیلانی قدس سرہ

نانا جان: محبوب ربانی، مرشد الانام، اعلیٰ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ

آپ کی رسم فیمنزل اللہ ۱۹ ذی القعدۃ ۱۳۱۵ھ میں ہوئی۔ والدہ ماجدہ نے صرف چھ مہینے ہی میں بغدادی قاعدہ اور پارہ عم ختم کروایا۔ پھر اکتیس دن ہی میں باقی پارے بھی پوری روانی سے ختم کرادیئے۔ پانچ سال کی عمر میں آپ نے قرآن کریم ختم فرمایا۔ مزید بنیادی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی جو درس نظامیہ کے اعلیٰ پائے کے معلم تھے اور مشہور ترین طبیب حاذق بھی۔

آپ کی ذہانت اور فہم و ادراک باعث حیرت تھی جس پر اہل علم انگشت بدنداں تھے۔ آپ نے اعلیٰ تعلیم برصغیر کے مشہور مدرسہ نظامیہ فرنگی مٹلی، لکھنؤ میں پائی اور صرف چودہ سال کی عمر میں تمام درسیات نظامی و علوم عربیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر سند فضیلت حاصل کی۔ وہاں سے علیگزہ، پہلی بعیت، بریلی شریف اور پھر بدایوں کا رخ فرمایا۔ یوں آپ نے بحر العلوم حضرت علامہ مولانا عبدالباری علیہ الرحمہ فرنگی مٹلی، استاذ زمن حضرت علامہ مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی، حضرت علامہ مولانا وحسی احمد صاحب محدث سورتی قدس سرہ، اور حضرت علامہ مولانا مقتدر اعظم شاہ مطیع الرسول قادری قدس سرہ سے اکتساب فیض کیا۔ اور پھر علی گڑھی آچکوا قافلہ سالار عشق و وفا، اعلیٰ حضرت مجددین و ملت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلیوی قدس سرہ کی بارگاہ تک لے آئی، جہاں آپ نے جملہ علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل کی۔ اہل طور و تمدن نے آپ کو فرمایا کہ: ”تھے کہ یہی گھڑیاں میرے لئے سرمایہ حیات ہو گئیں۔“

علیگرہ میں منطق و فلسفہ کی کتابیں پڑھیں، پہلی بھیت اور بدایوں سے سند حدیث حاصل کی اور صرف سترہ سال کی عمر میں محدث اعظم ہند کا لقب حاصل کیا۔ آپ اپنے ناموں جان، سلطان المناظرین، شہزادہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں، حضرت اقدس مولانا سید احمد اشرف، اشرفی جیلانی قدس سرہ سے بیعت و خلافت یافتہ تھے۔ ۱۹۱۵ء میں بائیس سال کی عمر میں اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ کی پوتی اور اپنے ماموں جان اور مرشد برحق کی شہزادی کے ساتھ عقد نکاح ہوا۔

آپ نے عقلیات و نقلیات کے جملہ علوم و فنون میں امتیازی شان حاصل کرنے کے بعد ۱۹۱۳ء میں دلی میں علامہ سید محمد میر صاحب علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں مدرسہ الحدیث قائم فرما کر بارہ سال وہاں درس حدیث کا فریضہ انجام دیا۔ یہاں رسالہ فقہیہ، قانون شیخ جیمی کتابوں کے ساتھ ہی تصوف و طب کی بھی تدریس جاری رکھی۔ پھر آپ دہلی سے کچھ چھ مقدسہ تشریف لائے اور اپنے نانا قدس سرہ کے قائم کردہ جامعہ اشرفیہ میں منصب شیخ الحدیث پر مندرج ہوئے اور زمانہء طویل تک درس دیتے رہے۔ ساتھ ہی فتاویٰ لکھتے رہے۔ آپ نے ہرن میں کسی نا کسی انداز میں اپنی شان کے جوہر دکھائے۔

آپ نے پانچ ہجرتیں شریفین کی زیارت کی۔ اسکے علاوہ روحانی و تبلیغی سرگرمیوں کے تحت عراق، بیت المقدس، دمشق، مصر، یمن، عدن، سیلون، رنگون، برما، ڈھاکہ، کلکتہ، پاکستان، غزنی، کابل، اور ہندوستان کے کونے کونے کا طویل ترین سفر فرمایا۔ سال کے گیارہ ماہ مسلسل سفر میں گزارتے، صرف ماہ رمضان المبارک اور محرم الحرام کے آخری عشرہ میں کچھ چھ شریف قیام فرماتے۔

آپ نے دینی و قومی خدمات کے ضمن میں انجمنیہ اسلامیہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس، جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شریف، آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء، الجمیۃ الاشرفیہ کی صدارت اور الجمیۃ الاشرفیہ مبارکپور، دارالعلوم اشرفیہ بہرائچ، دارالعلوم فاروقیہ بنارس جیسے سینکڑوں تعلیمی اداروں کی تاسیس و سرپرستی فرمائی۔ جنوری ۱۹۲۲ء میں کچھ چھ شریف سے 'ماہنامہ اشرفی' جاری فرمایا اور شہسی، قادیانی اور وہابی تحریکات کی بیخ کنی کی۔ پانچ ہزار سے زائد غیر مسلموں کو دائرۃ اسلام میں داخل کیا اور لاکھوں بندگان خدا کو چہار سلاسل مقدسہ سے منسلک کیا۔ سو سے زیادہ کتابیں و رسالے تصنیف فرمائے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن عظیم کا سلیس اردو میں ترجمہ فرمانا ہے۔ اسکے علاوہ آپ کی پہلے پارے کی تفسیر بھی ہے جو منظر عام پر آچکی ہے اور یہاں بھی پیش نظر ہے۔

اس سے پہلے کہ آپ تفسیر قرآن مکمل فرماتے، ۱۶ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ بمطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء بروز دوشنبہ، آپکا وصال ہو گیا۔ آپکی نماز جنازہ امام اہلسنت، غوثِ زمان، شیخ المشائخ علامہ مولانا سید محمد مختار شریف، سجادہ نشین، خانقاہ اشرفیہ، کچھوچھو شریف، نے پڑھائی۔ آپ کچھوچھو شریف ہی میں آرام فرمائیں۔ آپکا سالانہ عرس ہر سال کچھوچھو شریف میں پورے وقار و احترام کے ساتھ ۱۵، ۱۶ رجب المرجب کو منایا جاتا ہے۔ رئیسِ محققین، حضور شیخ الاسلام والمسلمین، علامہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی دام نوسم علیہم السلام آپ کے جانشین ہیں۔

سید الواعظین، امام الخطباء، حضرت علامہ سید محمد محدث کچھوچھو شریف علیہ الرحمہ اپنے زمانے میں فائق الاقران رہے۔ عالم باعمل، حب نبوی ﷺ سے سرشار اور علمی وجاہت کا کوہِ گراں تھے۔ معاصرین نے بالاتفاق آپ کو محدثِ اعظم ہند کا خطاب دیا۔ خدائے پاک نے اس لقب کو اتنی شہرت بخشی کہ آپکا لقب آپ کے نام سے زیادہ مشہور ہوا۔ آپ شعر و سخن میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ آپکا مجموعہء کلام 'فروش پر عرش' آپکی فصاحت و بلاغت کی منہ بولتی تصویر اور عشق رسول ﷺ اور بزرگانِ دین کے ساتھ آپ کی والہانہ عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہندوستان کے گوشے گوشے میں تبلیغِ دین کیلئے تشریف لے گئے مگر ساتھ ہی ساتھ تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن کے صحیح مفہوم و مطلب سے دنیا والوں کو خبردار کرنے کی ضرورت کو سید محمد محدث علیہ الرحمہ نے شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ اور دینی و تبلیغی مصروفیتوں کے باوجود قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کا قصد فرمایا۔ ترجمہ فرمانے کا کیا نرالا انداز تھا، تبلیغی پروگرام میں کوئی کمی نہیں، ایک عالم اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہیں، مستند و معتمد علیہ تفسیر کا اچھا خاصا ذخیرہ جو انکے ساتھ رہتا ہے نگاہوں کے سامنے ہے، ترجمہ بولتے جا رہے ہیں، وہ لکھتا جا رہا ہے۔ ویننگ روم میں بیٹھے ہوئے ترجمہ لکھا رہے ہیں، گاڑی پر سفر کر رہے ہیں ترجمہ بول رہے ہیں، اور رمضان کے موقع پر مکان آئے ہوئے ہیں اور اس دینی کام میں مصروف ہیں۔ چھ ذی الحجۃ ۱۳۶۶ھ میں پورے قرآن کا ترجمہ ختم فرما کر تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ (ماہنامہ آستانہ: کراچی ۱۹۹۵ء صفحہ ۱۸۱ نمبر ۶)

آپ نے مسلمانوں کی رہنمائی کیلئے ملکی سیاست میں بھی حصہ لیا۔ ۱۳۶۵ھ میں بالاتفاق آل انڈیا سنی کانفرنس کے صدر چنے گئے۔ کانفرنس کے تحت اجیر شریف کے ایک خطبہ میں آپ نے فرمایا

’میں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ پاکستان بنانا صرف سنیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سنی کانفرنس ہی کریگی۔ اس میں سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے، نہ شاعری، اور نہ سنی کانفرنس سے غلو کی بناء پر ہے۔ پاکستان کا نام بار بار لینا جس قدر ناپاکوں کی چڑ ہے، اسی قدر ناپاکوں کا وظیفہ ہے۔ اور اپنا اپنا وظیفہ کون سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے پورا نہیں کرتا؟ اب رہا پاکستان، کارنسیاں است۔‘ ﴿مولانا محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس: مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۸ء، صفحہ ۳۰۶﴾

معارف القرآن پر تقدیم قلمبند فرماتے ہوئے، حضور مسعود ملت قدس سرہ فرماتے ہیں: ’اس وقت محدث کچھو چھوی علیہ الرحمہ کا سراپا سامنے ہے، آئیے ماضی کے جھروکے سے انکی زیارت کریں۔ خاندانی جاہ و جلال، بادشاہوں کی اولاد، مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کے چشم و چراغ، بلند و بالا قامت، گندمی رنگ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں، بھرواں داڑھی، سر پر تاج نما کلاہ سمنانی، تن بدن پر عبا اور قبا، ہاتھ میں عصائے دراز، زرنگار، مستانہ چال، جھوم کز چلتے ہوئے جب جلسہ گاہ میں تشریف لاتے تو معلوم ہوتا تھا کہ شیر کچھار سے نکل رہا ہو۔ بھیر چھتی چلی جاتی اور وہ آگے بڑھتے چلے جاتے۔ آواز ایسی جیسے ہاتف نبی عالم بالا سے بول رہا ہو، گفتگو کا ٹھہراؤ، تقریر کا چاؤ، باتوں کی گھن گرج اور گونج، جیسے بادل گرج رہا ہو، جیسے بجلی کرک رہی ہو، جیسے مینہ برس رہا ہو۔۔۔ دور سے دیکھے تو رعب و دبدبے سے دیکھانہ جائے، پاس بیٹھے تو باتوں سے پھول جھڑتے دیکھئے۔ مجان رسول کیلئے شبنم کی ٹھنڈک، گستاخان رسول کیلئے نشتر کی چھن۔۔۔ تقریر میں قرآنی اسرار و معارف کا دریا بہاتے، لوگ سن سن کر حیران و ششدر رہ جاتے۔ تقریر سے پہلے اپنے خاص انداز میں عربی خطبہ ارشاد فرماتے، ٹھہر ٹھہر کر، آہستہ آہستہ۔ نعت منشور کا سامبندھ جاتا، دل کھنچنے لگتے۔ روح پر کیف و سرور کا عالم تاری ہو جاتا۔ پھر تلاوت فرماتے، تقریر فرماتے، دھیرے دھیرے آگے بڑھتے یہاں تک کہ تقریر سے علم و دانش کے فوارے پھوٹنے لگتے۔ جب وہ تقریر کرتے محفل پر سناٹا چھا جاتا۔ کوئی باتیں کرتا نظر نہ آتا، سبھی انکو نکلی باندھ کر دیکھتے رہتے، گستاخان رسول ﷺ پر ہیبت طاری ہو جاتی، بلاشبہ سید محمد محدث کچھو چھوی علیہ الرحمہ معنوی جلال و جمال کا حسین پیکر تھے۔ پھر ان جیسا نہ پایا، پھر ان جیسا نہ دیکھا۔

﴿معارف القرآن، تقدیم، ۲۰۰۰ء، از ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد رحمہ اللہ علیہ﴾

محمد مسعود احمد سہروردی، اشرفی

مختصر تذکرہ حضور شیخ الاسلام و المسلمین دامت برکاتہم العالیہ

حضور شیخ الاسلام اپنے مجموعہء کلام کو اپنے والد بزرگوار کے نام انتساب کرتے وقت فرماتے ہیں۔۔۔ انکے نام جسکے فیضانِ نظر نے آدابِ زندگی اور خدمتِ لوح و قلم کا شعور عطا کیا۔۔۔ حضور شیخ الاسلام کی پوری حیات کا مطالعہ کرتے چلے جائیے، آپ محدثِ صاحب کے اسی فیضانِ نظر کو کار فرما پائینگے۔ تو آئیے ملاحظہ ہو مختصر تذکرہ حضور شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ۔

نام: سید محمد منی اشرفی جیلانی القاب: شیخ الاسلام و المسلمین و رئیس المحققین

ولادت: یکم رجب ۱۳۵۷ھ۔۔۔ بمطابق۔۔۔ ۲۸ اگست ۱۹۳۸ء

جائے ولادت: کچھو چھو شریف، ضلع فیض آباد، یوپی، انڈیا

والد بزرگوار: حضور سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ محدث اعظم ہند

والدہ محترمہ: مخدومہ سیدہ فاطمہ بنت سلطان المناظرین

نانا: سلطان المناظرین، شہزادہ اہلی حضرت اشرفی میاں، حضرت اقدس مولانا سید احمد اشرف، اشرفی جیلانی

دادا: رئیس الحکماء، حضرت علامہ سید نذر اشرف، فاضل کچھو چھو طیارہ

کچھو چھو شریف، علم و عرفان اور طریقت و معرفت کے اعتبار سے ایک ایسا علاقہ ہے، جہاں ایک سے ایک صوفی و عارف پیدا ہوئے جسکے فیوض و برکات کے قصے آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں۔ اسی سر زمین سے سید محمد منی اشرفی جیلانی کی شخصیت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

آپ کا سلسلہ نسب حضور غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتا ہوا مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا گھرانہ ویلیوں کا گھرانہ ہے، جہاں ظاہری علوم کے پیشوا ہمالیہ اور بالٹسٹی علوم کے ان گنت بحر بیکراں موجود ہیں۔ شجاعتِ حیدری، وفائے حسینی، شانِ دہلیگری، قوتِ جہانگیری، وصفِ بادشاہی، تاجِ سلطانی، کاغذِ سمنانی، سیاحت کے انداز، اور اشرفی لقب جہاں سے وراثت میں ملتے ہیں۔ خانوادہ اشرفیہ کے ہر فرد کو لیتے چلے جائیے، حقیقت کی روشنی میں جب انکے فضائل و کمالات کا مطالعہ کریں گے، تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی جائیگی کہ یہ گھرانہ جہاں شیخ الاسلام نے آنکھ کھولی، ہمیشہ ہی غیر معمولی طور پر روحانی اور علمی اہمیت و افادیت کا حامل اور تصوف و طریقت اور

معرفت و حقیقت کا مرکز رہا ہے۔ آپ کے والد ہوں یا دادا، آپ کے نانا ہوں یا انکے والد بزرگوار، آپ کی والدہ محترمہ ہوں یا دادی صاحبہ، سب آسمانِ اشرفیہ کے وہ چاند تارے ہیں جنکی چمک کبھی ماند نہ پڑیگی۔

خدائے علیم و خبیر جب اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کے دین کی خدمت کیلئے کسی کو چن لیتا ہے، تو انکو مددگار و معاون رفیقِ حیات بھی عطا فرماتا ہے۔ اللہ ﷻ کو محدث صاحب سے جب دین کی وہ خدمت لینا منظور ہوئی، جس میں وہ شروع سے لیکر حیات کے آخری لمحہ تک مصروف رہیں گے، تو انکو ایک ایسی رفیقہء حیات عطا فرمائی جائیں جو آپ کی اولادِ امجاد کی اس طرح تربیت و پرورش فرمائیں کہ جو اپنے والد کا مشن لیکر کامیابی سے آگے بڑھیں۔۔۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔۔۔ لہذا والدہ محترمہ کی آغوش میں حضور شیخ الاسلام کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ کی والدہ محترمہ انتہائی جاہ و جلال اور فضل و کمال کی خاتون تھیں۔ شہزادگان کی تعلیم و تربیت اور نظم و ضبط کی پاسداری میں مخدومہ سیدہ فاطمہ صاحبہ کا کلیدی رول رہا ہے۔ محدث صاحب تبلیغی سرگرمیوں کے تحت زیادہ وقت سفر میں یعنی گھر سے باہر رہتے مگر بچوں کی نگہداشت اور تربیت میں محترمہ مخدومہ صاحبہ نے کبھی کمی نہ آنے دی۔

یوں آغوشِ مادری سے ہوتے ہوئے آپ نے ابتدائی تعلیم جامعہ اشرفیہ، کچھوچھو شریف میں پائی اور پھر چودہ سال کی عمر میں والد بزرگوار نے دارالعلوم اشرفیہ، مبارکپور میں داخل کروادیا۔ یہاں آپ نے درسِ نظامی کے علاوہ عربی، فارسی، اردو کی بیشارت کتابیں پڑھیں اور اپنے استاد حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پورا پورا اکتسابِ فیض کیا۔ اسکے علاوہ آپ نے اسلامی فلسفہ اور سائنس کا بھی گہرا مطالعہ جاری رکھا۔ اس سلسلہ میں جامع معقولات حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمۃ اور مفکر اسلام علامہ مظفر حسن ظفر ادیبی صاحب علیہ الرحمۃ آپ کے استاد رہے۔

طالب علمی کے زمانے کا ہر لمحہ آپ نے گہرے مطالعے میں صرف کیا اور دوسرے معاملات سے کوئی خاص شغف نہیں رکھا۔ شعبان و رمضان کی چھٹیوں میں گھر آجانے کے باوجود آپ کے مطالعہ میں کوئی کمی نہ آتی تھی۔ ماہِ رمضان میں حضور محدث اعظم علیہ الرحمۃ کی گھر میں موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انکی زیر نگرانی تحصیلِ علم ہی میں اپنا وقت گزارتے تھے۔

اس مقام پر قارئین کو بزرگوں کی دورانہی، دینِ اسلام کی خدمت کو جاری رکھنے کی خواہش اور حقیقت حال کے انکشاف کا ذکر کرتے ہوئے ہم ایک اہم بات باور کرانی ضروری سمجھتے ہیں جو حیاتِ محدث اعظم رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ مولانا ذاکر حسین اشرفی، میں بحوالہ الخطبۃ الاشرفیہ موجود ہے:

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں نے فرمایا:۔۔۔ میری اسی ۸۰ برس کی کمائی میں صرف دو چیزیں ہیں جنکی قیمت کا اندازہ اگر آپ میری نگاہ سے کریں گے تو ہفت اقلیم کی تاجداری بیچ نظر آئے گی، یہ میری بڑی قیمتی کمائی ہے جس پر مجھ کو دنیا میں ناز ہے اور آخرت میں فخر ہوگا جسکو میں کبھی بھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتا تھا لیکن آج اعلان حق کیلئے میں اپنی ساری کمائی نذر کر رہا ہوں۔ میرا اشارہ پہلے اپنے نخت جگر اور نور العین مولانا الحاج ابو محمود سید احمد اشرف اشرفی جیلانی، پھر اپنے نواسہ و جگر پارہ مولانا الحاج ابو الحامد سید محمد محدث اشرفی جیلانی کی طرف ہے۔ ان دونوں کی ذات میری ضعیفی کا سرمایہ ہے۔ آج ان جگر کے ٹکڑوں کو نذر پیش کرتا ہوں کہ اعلان حق میں آخری ساعت تک سنت والہنت کی خدمت جو سپرد کی جائے اس میں میری تربیت و حقوق کا حق ادا کریں۔

محدث اعظم ہند نے خود بھی اس تربیت کا حق ادا کیا، اور اس کام کو مزید آگے بڑھانے کیلئے اپنے ہونے والے جانشین کو، کوہ ہمالیہ بنا کر کھڑا کر دیا اور وہ تمام آداب زندگی سکھادیئے۔ جنکی کل انکو 'لوح و قلم' کی خدمت میں ضرورت پیش آنے والی تھی۔ والد بزرگوار نے حضور شیخ الاسلام کو اپنی سنت پر عمل کرینا کا حکم دیتے ہوئے آپکے ماموں، نبیرہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ حضرت سید مختار اشرف، اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ المعروف بہ سرکار کلاں سے بیعت کا حکم دیا۔ اس بیعت کی بشارت حضور شیخ الاسلام بھی خواب میں پا چکے تھے۔ حضور سرکار کلاں قدس سرہ نے آپکو خلافت سے بھی نوازا۔۔۔۔۔ پھر کیا تھا۔۔۔۔۔ زمانے نے تھوڑے ہی عرصے میں ان دو عظیم ہستیوں 'محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ اور سرکار کلاں علیہ الرحمہ' کا حسین سنگم حضور شیخ الاسلام کے پیکر میں ملاحظہ فرمایا۔

ابھی آپکی طالب علمی ہی کا زمانہ تھا کہ ۱۶ جنوری ۱۳۸۱ھ کو والد ماجد نے اس جہان فانی سے کوچ فرمایا۔ اتنے بڑے سانحے کے باوجود صبر و رضا کے اس پیکر نے آغوشِ مادر میں ایک مرتبہ پھر پناہ لیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اپنے کوسنبالا، بلکہ پورے خانوادہ محدث اعظم ہند کی سرپرستی کو بخیر و خوبی انجام دیا۔ والد بزرگوار کے چہلم پر انکی جانشینی کا تاج زیب تن کرنے کے باوجود، آپ اپنی تعلیم کی تکمیل کیلئے جامعہ اشرفیہ مبارکپور لہو نے اور جنوری ۱۹۶۳ء میں وہاں سے فراغت پر سند حاصل کی۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء کو آپ کا نکاح دوست پور، ضلع سلطان پور کے سید اختر حسین صاحب کی صاحبزادی محترمہ سیدہ شمیمہ خاتون ہند علیہا سے ہوا۔ آپکا نکاح آپکے ماموں جان و پیر و مرشد حضور سرکار کلاں قدس سرہ نے پڑھایا۔ اپنے والد بزرگوار کی طرح حضرت نے اپنی حیات کا ہر لمحہ دین اسلام کیلئے وقف کر دیا جسکی

پوری تفصیل بیان کرنے کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔۔۔ جیسا کہ شہزادہ اور جانشین محدث اعظم ہند ہونے کی شان کے لائق تھا، آپ ایک ہی وقت میں منقولات و معقولات پر کامل دسترس رکھنے والے عالم، بین الاقوامی سطح کے خطیب اور تفقہ فی الدین میں منفرد، مندرشد و ہدایت کی زینت اور معتبر ادیب و شاعر بھی ہیں۔ جب آپ نے تبلیغ اسلام و خدمت مسلک حقہ کی غرض سے دنیائے خطابت میں قدم رکھا تو فن خطابت کو چار چاند لگاتے ہوئے جلد ہی اپنے کو صف اول کے خطیبوں میں شمار کروا لیا۔

خانقاہی ذمہ داریاں، انتظامات معمولاتِ آستانہ عالیہ، اندرون و بیرون ملک جس میں امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، ہالینڈ، ساؤتھ افریقہ، وغیرہ ممالک شامل ہیں کے سفر کی سالانہ مصروفیات، مریدین و معتقدین کے ایک جم غفیر کی ظاہری و باطنی تربیت کے انتظامات اور خاص طور پر انڈیا اور برطانیہ میں قائم شدہ محدث اعظم مشن کی سرپرستی اور دیکھ بھال، یہ وہ مصروفیات ہیں کہ جنہیں تمام تر خوش اسلوبیوں کے ساتھ سرانجام دینا، آج کے دور میں ایک بہت ہی بڑی کرامت ہے جو فضل خداوندی بوسیلاً حُبِ مصطفیٰ ﷺ آپ کو حاصل ہے۔

تبلیغی مساعی میں خطابت اور سفر کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ جب جب ضرورت پیش آئی اور موقع ملا، حضرت نے نوکِ قلم سے بھی دین متین اور مسلک حقہ کی خدمت کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور نہایت ہی محققانہ انداز میں معاملات کو سلجھا کر مسائل کا شرعی حل علماء امت اور عوام اہلسنت کے سامنے پیش کیا۔۔۔ چنانچہ غزالیؒ دوراں، حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ (بانی مدرسہ انوار العلوم، ملتان، پاکستان) نے آپ کی تصنیف، 'وڈیو اور ٹی وی کا شرعی استعمال' کے سلسلے میں آپ کو رئیسِ محققین کے خطاب سے نوازا۔

۱۹۷۳ء میں آپ نے برطانیہ کا تبلیغی دورہ شروع کیا۔ برسہا برس کی انتھک محنت کے بعد، جسکا ذکر یہاں طوالت کا باعث ہوگا، آپ نے دین اسلام کے تعلق سے برطانیہ کے بے آب و گیاہ صحراء کو سنت و اہلسنت کے ایک نخلستان میں تبدیل کر دیا۔ جہاں سینوں کی ایک مسجد اور مرکز بھی نہیں تھا اور وہابیت اور نہ جانے کیا کیا، لوگوں کے دلوں کی زمین کو بخر بنانے میں لگی ہوئی تھی، وہاں آپ نے ہزاروں نہیں، لاکھوں کے دلوں کو پھر سے حضور ﷺ کی محبت کا گنجینہ بنا دیا اور انکار شدہ غلامی ہمیشہ کیلئے مضبوطی سے گنبدِ خضریٰ سے منسلک کر دیا۔ آج سنی مراکز و مساجد جگہ جگہ بیشمار نظر آتے ہیں۔ انگلینڈ میں رہنے والے اور اس کاوش سے متاثر ہو کر یورپ کے دوسرے ملکوں کے مسلمان اور انکی نسلیں تادم

آخر حضور شیخ الاسلام کی مرہون منت رہیں گی۔۔۔ اس طرح آپ نے ہم شبیہ غوث الاعظم اعلیٰ حضرت اشرفی میاں ندس سرہ کی اس تربیت کا جو آپ کے والد بزرگوار سے ہوتی ہوئی آپ کے حصے میں آئی، مکاحقہ حق ادا کر دیا۔ محدث اعظم مشن جسکی شاخیں انگلینڈ میں جا بجا ہیں، آپکی سرپرستی میں دین اسلام کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں جنکے ذریعے محدث صاحب کا فیضان نظر حضور شیخ الاسلام کی دورانندیش تربیت کے وسیلے سے آپکے مریدین و معتقدین تک پہنچتا رہیگا۔

امریکہ اور کینیڈا ایک وسیع و عریض براعظم پر مشتمل ہے جہاں کام کرنے کیلئے علیحدہ سے ایک عمر خضر درکار ہے۔ حضور شیخ الاسلام نے ۱۹۹۰ء سے یہاں کا دورہ شروع کیا اور بڑے بڑے شہروں میں جا کر اپنی خطابت کا لوہا منواتے ہوئے یہاں بھی سنیت کا گلشن آباد کرنے کیلئے تخم ریزی کر دی ہے اور اسی فیضان نظر سے جس سے آپکو خدمت لوح و قلم کا شعور ملا، ایسے خلفاء کو سیراب کر دیا ہے جو انشاء اللہ ایک دن یہاں ایک نئی دنیا بسا دیں گے۔ گلوبل اسلامک مشن پر حضور شیخ الاسلام کے کرم کی تفصیل آپ عرض ناشر میں پہلے ہی ملاحظہ کر چکے ہیں۔۔۔ اس مضمون کا عنوان مختصر تذکرہ شیخ الاسلام ہے ورنہ آپکے تعلق سے حقیقت کی روشنی میں دفتر کے دفتر پڑکئے جاسکتے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ آپکی خطابت سے دل کو منور و مجلیٰ فرمانے کے ساتھ ساتھ آپکی کتابوں سے بھی اپنے ایمان و عقیدہ کو تقویت بخشنے۔

وہ کون سی نگاہیں ہوتی ہیں جن سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔۔۔ وہ کون سا حسن ہوتا ہے جو ہمیشہ کیلئے آنکھوں میں سما جاتا ہے۔۔۔ وہ کون سا اخلاق ہوتا ہے جو دل میں ہمیشہ کیلئے گھر کر لیتا ہے۔۔۔ وہ کون سا کردار ہوتا ہے جو انسان کو ہمیشہ کیلئے اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔۔۔ وہ کون سا رنگ ہوتا ہے جس میں ہر ایک اپنے کورنگ لینے کی خواہش کرتا ہے۔۔۔ وہ کون سا کلام ہوتا ہے جو انسان سنتے ہی کلام والے پرفریت ہو جاتا ہے۔۔۔ وہ شان والا کون ہوتا ہے جسکی غلامی شاہی سے افضل ہوتی ہے۔۔۔ اور وہ کون سا چہرہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آ جاتا ہے۔۔۔ ان سب سوالات کے جوابات حاصل کرنے کیلئے حضور شیخ الاسلام و المسلمین کی دست بوسی و قدم بوسی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری عمریں بھی آپکے نصیب کر دے کہ بیکار چیزیں کسی کام آجائیں۔۔۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزۃ حضور شیخ الاسلام کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور تفسیر خدا کی تکمیل کے راستے سے ہر مشکل کو دور فرمادے۔

﴿ آمین! ینجاء النبی الکریم و آلہ و أصحابہ أجمعین ﴾

محمد مسعود احمد سروری اشرفی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

منظور ہے گزارش احوال واقعی

حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا وَ مُسْلِمًا

والد بزرگوار مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ العزیز نے اپنے ترجمہ قرآن الموسوم بہ معارف القرآن کی تکمیل کے بعد اس پر خود ہی تفسیری حاشیہ نگاری کا ارادہ فرمایا اور پھر حاشیہ نگاری میں بھی ایک جدید اسلوب کی طرح ڈالی اور اس طرح تین پارے مکمل فرمائے۔ اس میں سے بھی ہمیں صرف ایک ہی پارہ مل سکا۔ باقی دو پارے کیا ہوئے؟ کہاں گئے؟ کس نے دبا لیا؟ یہ خدا ہی بہتر جانے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کم از کم ایک پارہ کا تفسیری حاشیہ ہم کو حاصل ہو گیا۔ جس کو گلوبل اسلامک مشن، ایک نیویارک، یو ایس اے کے شائع کر کے ہمیشہ کیلئے محفوظ کر لیا۔

اس ایک پارہ ہی کا دیکھ لینے والا حاشیہ نگاری کے سلسلے میں حضور قبلہ کا ہی قدس سرہ کی طرز تحریر اور اسلوب نگارش سے اچھی طرح واقف ہو جاتا ہے۔ پھر اسکی روشنی میں کوئی صاحب علم اس کام کو آگے بڑھا سکتا ہے اور پورے معارف القرآن کی اس نیچ پر تفسیر مکمل کر سکتا ہے۔۔۔ ہاں۔۔۔ یہ ضرور ہے کہ یہ محنت کا کام ہے اور اس کیلئے کافی فرصت درکار ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ اپنی عدیم الفرستی اور کثرت مشاغل کے باعث میں نے اس کام کو محسن و خوبی انجام دے سکے والے جن جن دوسرے مقتدر علماء کرام سے اس کام کی گزارش کی، تو سب نے اپنی عدیم الفرستی کے سبب اس عرض کو قبول کرنے سے اپنی معذرت پیش فرمادی۔

میں نے اپنے برادر طریقت، عزیز القدر، محمد مسعود احمد، سروردی، اشرفی سلمہ کو بھی ذمہ داری دی کہ آپ پاکستانی جلیل القدر علماء کرام میں سے کسی سے بھی یہ کام کرا سکیں تو ضرور کرائیں۔ مگر وہ تو میرے ہی پیچھے بڑ گئے اور مجھ جیسے عدیم الفرست خانہ بدوش اور پرندوں کی زندگی گزارنے والے جو کبھی اس شاخ پر، کبھی دوسری شاخ پر اڑتا پھرنے سے اصرار کرنے لگے کہ یہ کام میں ہی شروع کروں اور اپنی بات میں زور پیدا کرنے کیلئے یہ بھی کہہ گئے کہ پاکستان کے بھی بہت سارے علماء

کرام کی خواہش ہے کہ یہ کام میں ہی انجام دوں۔ انھوں نے صرف زبانی عرض ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنی اس بات کو تفسیر اشرفی، پہلا پارہ میں چھپوا بھی دیا۔

اب جو اسکود کیجھتا ہے تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ 'تفسیر کا کام کہاں تک ہوا؟' سب کو میں یہی جواب دیتا رہا کہ ابھی تو میں نے شروع بھی نہیں کیا۔ آخر میں مجھے سوچنا پڑا کہ یہ جواب میں کب تک دیتا رہوں گا، پھر میں نے اس کام کیلئے فضا بنانی شروع کر دی۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ میں نے اپنے طوفانی سفر کو کافی حد تک مختصر کر دیا اور دھیرے دھیرے اور بھی مختصر کر دینے کا موڈ بنا لیا ہے۔۔۔ فی الحال۔۔۔ جلسہ و جلوس سے اپنے کو الگ کر لیا ہے۔ اب سوچ لیا ہے کہ ادھر ادھر کا خاموش اور صرف احباب سے ملنے و ملانے والا دورہ بھی اس انداز سے کرنا ہے کہ اپنے تحریری کام میں رکاوٹ نہ ہو۔

یہ تو رہا گفتگو کا ایک رخ، جس سے میری عدم الفرستی اور پھر اس سے کسی نہ کسی حد تک چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کا اظہار ہوتا ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ اس کا دوسرا رخ جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ میری علمی بے بضاعتی ہے۔ مجھ جیسا ایک عوامی خطیب، جس کے مخاطبین میں علوم دینیہ سے بے بہرہ لوگوں کی کثرت ہوتی ہے، اس سے ان مدرسین اور مصنفین کا کام لینا، پڑھنا پڑھانا، لکھنا لکھانا، جن کی فطرت ثانیہ بن گئی ہو اور جن کے شب و روز علوم و فنون پر مشتمل کتابوں کے مطالعہ میں گزر رہے ہوں، یقیناً ایک حیرتناک اور پوری ناہوسکتے والی خواہش کے سوا کچھ نہیں۔

ایسی صورت میں احباب کے اصرار کے جواب میں میرے لئے صرف یہی گوشہ دکھتا ہے کہ میں بنام تفسیر اپنی طرف سے نئی تحقیقات و تاویلات کرنے سے گریز کروں اور صرف معتبر تقاسیر سے نقل اقوال پر اکتفاء کروں۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ اس تفسیری حاشیہ نگاری میں میں نے مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ کر رکھا ہے۔

۱۔۔۔ کہیں کہیں معتبر تقاسیر کا خلاصہ پیش کیا ہے اور کہیں کہیں اس کا پورا اقتباس من و عن نقل کر دیا ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس میں جو کچھ ہے وہ کسی نہ کسی تفسیر سے ماخوذ ہے۔

۲۔۔۔ فقہی، کلامی اور فنی بحثوں کو نہیں چھیڑا۔ اسلئے کہ بنیادی طور پر یہ کاوش ان کیلئے ہے جو اباب فضیلت نہیں ہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔ متوسط درجے کی علمی صلاحیت رکھتے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ بالکل ہی علم نہیں رکھتے۔

۳۔۔۔ اختلافی احکام و مسائل میں حنفی فقہ کو سامنے رکھ کر وضاحت کی گئی ہے۔ دلائل و

براہین سے حتی الامکان گریز کیا گیا ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔ مقصد صرف قرآن کریم کی تفہیم ہے۔۔۔ لہذا۔۔۔ اس قدر اختصار نہیں کہ بات واضح نہ ہو سکے اور اس درجہ تفصیل نہیں کہ آیات کو سمجھنے کے تعلق سے جسکی ضرورت نہیں۔

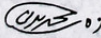
۔۔۔ المختصر۔۔۔ میرا یہ تفسیری حاشیہ دراصل معتبر کتب تفسیر کا میرا حاصل مطالعہ ہے، جسکے گہر ہائے آبدار کو میں نے مخدوم الملت قدس سرہ کے اسلوب نگارش کی پیروی کرتے ہوئے ترجمہ معارف القرآن کی لڑیوں میں پرودیا ہے۔ بس صرف یہ پرودینے والا عمل میرا ہے، باقی اس میں جو کچھ ہے وہ سب جلیل القدر مفسرین کی تحقیقات و ارشادات ہیں۔

میں نے کتب تفسیر میں سے جن جن سے استفادہ کیا ہے، اس میں سے کسی بھی کتاب کا حوالہ نہیں پیش کیا ہے۔ اسلئے کہ انکی تحقیقات پر مکمل اعتماد کر لینے کے بعد اور ان کو اپنے قلم سے پیش کر دینے کے بعد اب وہ خود، ہمارے اپنے مسلک کا حصہ ہو گئیں۔ تو جو مجھ پر اعتماد کریں گے وہ بغیر حوالہ اسے قبول فرمائیں گے اور جن کو اس تفسیری حاشیہ کی کسی بات پر اعتراض ہوگا، تو انکے اعتراض کا تیر براہ راست میرے سینے پر لگے گا اور وہ خود اکابرین سے نامزد کر کے بدگمان ہونے سے بچ جائیں گے۔

اب میں اپنے تمام قارئین اور احباب و اکابرین سے گزارش کرونگا کہ وہ میری صحت و عافیت کیلئے دعا فرماتے رہیں تاکہ جو کام میں نے شروع کیا ہے وہ ہوتا رہے اور اسکی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ آئے۔۔۔ نیز۔۔۔ رب کریم جو کچھ میں کر چکا ہوں اسے قبول فرمائے اور میرے لئے توشہ آخرت بنائے اور آگے باقی کام کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ﴿امین﴾

يَا مُجِيبَ السَّالِئِينَ بِحَقِّ طَهٍ وَ يَسِّ بِحَقِّ نِ وَ صَ وَ بَحْرُ مَتِ حَبِيبِكَ وَ نَبِيِّكَ
سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ أَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ
بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔

نقطہ
فقیر اشرفی و گدائے جیلانی

ابوالحزمہ  اشرفی جیلانی غفرلہ

جائشین مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

قرآن پاک کی سب سے پہلی سورہ، جس کا نزول مکہ معظمہ میں ہوا، اور کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی ہوا۔ اس میں سات آیتیں، ستائیس کلمے اور ایک سو چالیس حروف ہیں۔ جس کی کوئی آیت نہ ناخ ہے نہ منسوخ۔۔

اس کا نام سورہ فاتحہ ہے۔۔۔ کہ ایک روایت میں وحی کا سلسلہ اسی سے شروع ہوا ہے۔

دوسرا نام: فاتحہ الکتاب ہے۔۔۔ کیونکہ قرآن کریم اسی سے شروع کیا گیا ہے۔

تیسرا نام: اہم القرآن ہے۔۔۔ کیونکہ سارے قرآن کے مضامین کی بنیاد اس میں لکھی گئی ہے۔

چوتھا نام: سورہ کثر ہے۔۔۔ کیونکہ سارے قرآن کی دولت کا خزانہ یہی ہے۔

پانچواں نام: سورہ کافیہ ہے۔۔۔ یعنی نماز میں دوسری سورتوں کے بدلے میں اس کو پڑھنا کافی

ہے، لیکن اسکے بدلے میں کسی سورہ کو نہیں پڑھا جاسکتا۔

چھٹا نام: سورہ وافیہ ہے۔۔۔ کہ جب یہ سورہ نماز میں پڑھی جائے گی تو پوری پڑھی جائے گی، صرف

دو تین آیتوں پر اکتفا نہ کیا جائے گا۔

ساتواں نام: سورہ شافیہ ہے۔۔۔ کہ اس کو پڑھ کر دم کرنے سے بیماریاں دور ہوتی ہیں۔

آٹھواں نام: سورہ شفا ہے۔۔۔ وہ یہ ہے کہ اس سے شفا ملتی ہے۔

نواں نام: سبع مثانی ہے۔۔۔ کیونکہ سات آیتیں ہیں اور نماز کی ہر رکعت میں اکی تکرار ہوتی رہتی

ہے۔ دسواں نام: سورہ نور ہے۔۔۔ کہ اس کے سارے مضامین نور ہی نور ہیں۔

گیارہواں نام: سورہ رقیہ ہے۔۔۔ کیونکہ زہر کے اتارنے میں یہ سورہ کریمہ منتر کا کام کرتی ہے۔

بارہواں نام: سورہ حمد ہے۔۔۔ کیونکہ اسکی ابتداء حمد الہی سے ہے۔

تیرہواں نام: سورہ دعا ہے۔۔۔ کیونکہ اس میں بہترین دعاء سکھائی گئی ہے۔

چودھواں نام: سورہ تعلیم المسئلہ ہے۔۔۔ کیونکہ بے شمار مسائل عقائد و اعمال کے اس میں موجود ہیں۔ اور تمامی مسائل کی اس میں بنیاد رکھی گئی ہے۔

پندرہواں نام: سورہ مناجات ہے۔۔۔ کیونکہ اس سورہ کریمہ کا سارا مضمون بندے کی اپنے رب سے مناجات ہے۔

سولہواں نام: سورہ تفویض ہے۔۔۔ کیونکہ اس سورہ کریمہ میں بندہ اپنے آپ کو بالکل اپنے رب کے سپرد کر دیتا ہے۔

سترہواں نام: سورہ سوال ہے۔۔۔ کیونکہ بندہ اس سورہ شریفہ کی تلاوت کے وقت پورا سائل ہو جاتا ہے۔

اٹھارہواں نام: ام الکتاب ہے۔۔۔ کیونکہ ہر آسانی کتابوں کا جوہر اس میں ہے۔

انیسواں نام: فاتحہ القرآن ہے۔۔۔ کیونکہ قرآن کی ابتداء اسی سے ہے۔ یہ نام اور دوسرا نام فاتحہ الکتاب ایک ہی وجہ سے ہے۔

بیسواں نام: سورہ صلوات ہے۔۔۔ کیونکہ نماز اس کے بغیر نہیں ہوتی ہے۔

۱
رُكُوعُهَا

رُكُوع ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

۷
آيَاتُهَا

آیات سات

ایسی نامور سورہ شریفہ کو یوں کہئے کہ قرآن پاک کی تلاوت کو، میں شروع کرتا ہوں (نام سے اللہ کے) جو بہت (بڑا مہربان) اپنے سب بندوں پر ہے۔ اور مسلمانوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔ اس نے اپنے کرم سے ہم کو یہ سکھلایا اور سورہ کریمہ کو یوں شروع فرمایا کہ کہا کرو کہ:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ①

• ساری حمد اللہ ہی کیلئے پروردگار سارے جہانوں کا •

(ساری) خوبیاں، اچھائیاں، برتریاں، (حمد) صرف مخصوص (اللہ ہی کیلئے) ہے۔ خواہ وہ میری حمد ہو یا دوسروں کی، گناہ گاروں کی ہو یا نیکو کاروں کی، اولیاء کی ہو یا انبیاء کی، یا پیکر حمد سید الانبیاء کی۔ وہ اللہ جو پالنے والا اور (پروردگار) اس جہاں کا، اُس جہاں کا، غرض (سارے جہانوں کا) ہے۔

الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ②

• بڑا مہربان بخشنے والا •

اور اپنے سب بندوں پر (بڑا مہربان) ہے اور مومن ہو یا کافر، سب پر مہربانی فرماتا ہے اور قیامت کے دن مسلمانوں میں گناہ گاروں کو وہی (بخشنے والا) ہے۔

مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ③

• مالک روز جزا کا •

وہی ہے جو قیامت کے دن سب کو دکھائی پڑے گا کہ وہی اور صرف وہی (مالک روز جزا کا) ہے اور کوئی اس دن ملکیت کا دعویدار نہیں ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿۱۰﴾

• تجھی کو ہم پوجیں اور تیری ہی مدد چاہیں

آؤ! اس سے کہیں، اے میرے اللہ، اے میرے پروردگار، اے میرے مہربان، اے میرے بخشنے والے، اے میرے مالک، ہم اقرار کرتے ہیں کہ (تجھی کو ہم پوجیں) یہ ہے ہمارا وہ عقیدہ تو حید جس کو ہم نے کلمہ تو حید سے پایا اور مانا۔ اور اسکے خلاف کو شرک جانتے ہیں۔ بس تو حید یہی ہے کہ تجھی کو ہم پوجیں۔ تو حید نہ اس سے کم ہے نہ کچھ زیادہ۔ یا اللہ! ہمارا بھروسہ تجھ ہی پر ہے (اور تیری ہی مدد چاہیں) یہ ہمارا وہ توکل ہے جو تو نے اپنے کرم سے عطا فرمایا۔ ہر مدد کرنے والے ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہمیں صاف نظر آتا ہے۔ اولیاء، انبیاء نے جو کچھ مدد فرمائی اور فرماتے ہیں اور فرماتے رہیں گے، لیکن ہم نے ہر مدد میں تیری ہی مدد دیکھی۔ جس سے مدد مانگی تیرا سمجھ کر، تیری مدد کا مظہر جان کر۔ جو اسکے خلاف ہے تجھ پر توکل نہیں رکھتا۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱۱﴾

• چلا ہم کو راستہ سیدھا

یا اللہ! ہمارا چلنا کیا اور ہم چل ہی کیا سکتے ہیں، بس اپنے کرم سے (چلا ہم کو) اس (راستہ) پر جو تجھ تک پہنچا ہے۔ موجود بھی ہے۔ بالکل (سیدھا) بھی ہے۔

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿۱۲﴾

• راستہ ان کا کہ انعام فرمایا تو نے جن پر

وہ (راستہ انکا) راستہ ہے جو آج نیا نہیں ہے۔ اس پر چلنے والے چلا گئے۔ اور ایسا سیدھا ہے، کہ وہ تجھ تک پہنچے اور ایسا پہنچے (کہ انعام فرمایا تو نے جن) کے خدا رسیدہ ہونے (پر) اور تیرے انعام فرمانے ہی سے جانا کہ وہ راستہ اچھا ہے۔ وہ تیرے انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین کا راستہ ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿١٠﴾

نہ ان کا غضب فرمایا گیا جن پر اور نہ گمراہوں کا •

(ندان) یہودیوں اور یہود منشیوں (کا) راستہ (کہ) قتل ناحق، توہین انبیاء اور ظلم کی وجہ سے
(غضب فرمایا گیا جن پر) (اور نہ) عیسائیوں اور عیسائیت نواز، اللہ کو چھوڑ دینے والے (گمراہوں کا)
اور تیرے غضب فرمانے اور گمراہ قرار دینے سے ہی، ہم نے جاننا کہ یہ راستہ برا ہے۔

اے اللہ اس دعا کو قبول فرمائے!

۲۰
رُكُوعُهَا

رکوع ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشے والا

۲۸۶
آیَاتُهَا

آیات ۲۸۶

قرآن کریم کی اس سورہ کو جو مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی، سوا اَلْفَوْا یَوْمًا سے تُرْجَعُونَ تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی، اس میں (۲۸۶) دو سو چھیالیس آیتیں، (۲۰) چالیس رکوع، (۶۱۲۱) چھ ہزار ایک سو اکیس کلمے، (۲۵۵۰۰) پچیس ہزار پانچ سو حرف ہیں۔ اس میں ہزار کاموں کا حکم ہے، ہزار باتوں سے روکا گیا ہے، ہزار حمتیں سکھائی گئی ہیں اور ہزار خبریں دی گئی ہیں، جسکے پڑھنے میں بڑی برکت ہے، شیطان اس سے بھاگتا ہے، اسکے پڑھنے سے قرآن ہمیشہ یاد رہتا ہے، جسکی آیتیں قبر کے سرھانے اور پانچٹی پڑھنے کا حکم ہے۔ اور زمانہ حجاج ابن یوسف میں دوسری سورتوں کے ساتھ اس کا بھی نام رکھا گیا اور اس کو سورہ بقرہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں گائے کا ایک ایسا اہم واقعہ موجود ہے جو دوسری سورتوں میں نہیں ہے۔ ایسی مبارک سورہ کی تلاوت کی جاتی ہے (نام سے اللہ کے) جو بہت (بڑا مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مسلمانوں کی خطاؤں کو (بخشنے والا) ہے۔

آلَمَ

• الم

جسکی ابتداء یوں ہے کہ عربی زبان میں حروف ہجا میں سے (الم) بھی ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

وہ کتاب کہ کسی قسم کا شک نہیں جس میں، ہدایت ہے ڈر جانے والوں کیلئے •

اور رسول کریم ﷺ سے جو وعدہ فرمایا گیا تھا، کہ تمہیں ایک انمٹ کتاب دوں گا اور بنی اسرائیل سے بھی یہ وعدہ ہو چکا تھا جس کے وہ منتظر تھے، اور مدینہ طیبہ میں بہت آباد تھے۔ بس (وہ) شاندار (کتاب) یہی قرآن کریم ہے اور یہی ایک ایسی کتاب ہے (کہ) جسکے کلام الہی ہونے میں، تحریف سے پاک ہونے میں، تبدیل سے مبرا ہونے میں، حد اعجاز تک پہنچنے میں، معجزہ ہونے میں (کسی قسم

کا شک نہیں) شک کا کوئی جنس اس میں نہیں پایا جاتا۔ جو اس میں کسی قسم کا شک رکھتا ہے، تو یہ شک رکھنے والے کا جرم ہے۔ یہی کتاب ہے (جس میں) شک کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ فرمان ہدایت ہے، بلکہ خود سراپا (ہدایت ہے) ہر اللہ سے (ڈر جانے والے کیلئے) خواہ وہ آج موجود ہوں یا آئندہ ڈر جانے والے ہوں۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ

جو مان جائیں بے دیکھے اور ادا کرتے رہیں نماز کو

وَمَا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۱۰﴾

اور اس سے جو دے رکھا ہے ہم نے، خرچ کریں •

انکی پہچان یہ ہے کہ (جو مان جائیں) اللہ کو، فرشتوں کو، جنت و جہنم کو، آسمانی کتابوں کو، تمام اللہ کے رسولوں کو، قیامت کے دن کو، حشر کو شکر کو، ثواب و عذاب کو (بے دیکھے) اپنے نبی سے ان غیبوں کو سنا، غیب کا علم ہوا اور پھر اسے تسلیم کر لیا۔ لیکن ایمان ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ نیک کام بھی کریں (اور ادا کرتے رہیں نماز کو) (اور) صرف جسمانی عبادت ہی کافی نہ سمجھیں، بلکہ (اس) مال (سے جو دے رکھا ہے ہم نے) جس کو ہم نہ دیتے تو وہ کسی تدبیر سے نہ پاتے، ہماری راہ میں (خرچ کریں) زکوٰۃ دیں، صدقہ دیں۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

اور جو مان جائیں جو کچھ اتارا گیا تمہاری طرف اور جو کچھ اتارا گیا تمہارے پہلے۔

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۱۱﴾

اور آخرت پر وہی یقین بھی رکھیں •

(اور جو) اسے بھی (مان جائیں) جو کچھ اتارا گیا تمہاری طرف) اے میرے رسول! یعنی قرآن شریف کے کسی نقطے سے، اور تمہاری شریعت کے کسی مسئلے سے جنہیں انکار نہ ہو (اور) اُسے بھی مان لیں (جو کچھ اتارا گیا تمہارے پہلے) کہ وہ سب اللہ کا نازل کردہ ہے۔ گو اس میں تحریف کر دی گئی ہے، اور

قرآن کریم انکا ناخ ہو گیا ہے (اور) ان میں یہ خصوصیت بھی ہو کہ (آخرت پر) کہ قیامت ہوگی، حساب و کتاب ہوگا، ثواب و عذاب ہوگا، اور اسکی ساری تفصیلات پر (وہی یقین بھی رکھیں)۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾

وہ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے، اور وہ ہی کامیاب ہیں •

(وہ) ہی (ہیں) جو (ہدایت پر) ہیں۔ اور یہ دولت انہیں کا حصہ ہے (اپنے پروردگار کی طرف سے) اور ان پر خدا کا یہ فضل ہے کہ (وہی کامیاب ہیں) نجات پائے ہوئے ہیں اور با مراد ہیں۔ یہ ساری خوبیاں عبداللہ ابن سلام اور انکے اصحاب ہی میں نہیں، بلکہ تمام اصحاب رسول ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔ اور یہی اہل جماعت کا دین و مذہب ہے۔

إِنَّ الدِّينَ كُفْرًا وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾

بیشک جنھوں نے جہنم کا کفر کیا کیا سیکساں ہے ان پر، کیا ڈرایا تم نے انہیں یا نہ ڈرایا انہیں، وہ ماننے والے ہی نہیں •

(بیشک) مدینہ کے یہودیوں میں سے کعب ابن اشرف اور یحییٰ ابن اخطب، وجدی ابن اخطب وغیرہ اور مکہ کے بت پرستوں میں سے عقبہ و شیبہ و ولید وغیرہ، غرض (جنھوں نے) بھی (جہنم کا کفر کیا) کہ کافر ہی جیئیں اور کافر ہی مریں (سیکساں ہے ان پر) کوئی حالت ہو (کیا ڈرایا تم نے انھیں یا نہ ڈرایا انھیں) خواہ اللہ کا ڈرایا انھیں سناؤ، خواہ نہ سناؤ، تمھیں تو تبلیغ کا ثواب ملا، لیکن وہ نفع پانے سے محروم ہی رہے۔ کہ (وہ ماننے والے ہی نہیں) ماننے کی اہلیت وہ کھو چکے ہیں اور سچائی قبول کرنے کی صلاحیت بر باد کر چکے ہیں۔

حَتَّمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ

مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعت پر، اور ان کی آنکھوں پر گہرا پردہ ہے،

وَأَنَّهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۲﴾

اور انہیں کیلئے عذاب ہے بہت بڑا •

ان کو سمجھ لو کہ (مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر) کہ دل قبول حق سے محروم ہو گیا ہے (اور)

انکی ساعت پر) کہ آواز حق سننے سے بہرے بن گئے ہیں (اور ان کی آنکھوں پر گہرا پردہ ہے) اندھوں کو حق سوجھائی نہیں پڑتا (اور انہی) جیسوں (کیلئے) خدا کا (عذاب ہے) وہ بھی معمولی عذاب نہیں، بلکہ (بہت بڑا) جسکی سختی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَيَأْتِيهِمْ الْآخِرُ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝

اور عامیوں میں سے کوئی کوئی کہتا ہے کہ "مان چکے ہم لوگ اللہ کو اور پچھلے دن کو حالانکہ نہیں ہیں وہ ماننے والوں سے (اور) جاہلوں (عامیوں میں سے) جو سوجھ بوجھ نہیں رکھتے (کوئی کوئی) مثلاً عبد اللہ ابن ابی اور جد بن قیس اور معبذہ ابن قشیر وغیرہ بکثرت رہتا ہے، اور یہ زبان سے (کہتا ہے کہ مان) تو (چکے) ہم لوگ اللہ کو) اس پر ایمان لے آئے (اور پچھلے دن کو) قیامت پر بھی ایمان لا چکے (حالانکہ) سچ یہ ہے کہ (نہیں) ہیں وہ ماننے والوں سے) ماننا بدل کا کام ہے، زبان کا نہیں ہے۔ جو انکی زبان پر ہے، اسکا دل میں کوئی اثر ہی نہیں ہے۔

يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَالدِّينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور مسلمانوں کو۔ اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنے آپ کو، اور محسوس نہیں کرتے۔ وہ تو بس (دھوکا دینا چاہتے ہیں اللہ کو) اور سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے رسول پاک کو دھوکا دیا، تو بس، اللہ کو دھوکا دیا (اور مسلمانوں کو) صدیق اکبر، فاروق اعظم و دیگر صحابہ کو (اور) واقعہ یہ ہے کہ وہ (نہیں) دھوکا دیتے مگر اپنے آپ کو) اپنے فریب میں خود ہی پھنسے ہیں (اور) پلٹے سرے کے احمق ہیں کہ وہ اسکو (محسوس) ہی (نہیں) کرتے) کہ اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے، اس سے انکی دل کی باتیں کیسے چھپ سکتی ہیں۔ اپنے پیغمبروں کو اس نے انکے دلوں کے خطرے سے آگاہ کر رکھا ہے، تو انہیں بھی کیا دھوکا ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کو انکے رسول ﷺ نے انکا سارا حال بتا دیا ہے۔ تو جب وہ کچھ چھپا ڈھکار کھتے نہیں، تو دھوکا کس کو دیں گے۔

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرْهُنٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرْهُنًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ هِيَ سَاكِنَةٌ بِكُنُوزٍ ۝

انکے دلوں میں تھامی ہے، تو بڑھانے دیا انہیں اللہ نے تھامی میں باور انہیں کیلئے عذاب ہے ڈکھ والا، کہ وہ جھوٹ بولتے تھے

بات یہ ہے کہ (انکے دلوں میں) کفر و نفاق کی (بیماری ہے) جنم سے، (تو بڑھنے دیا انھیں اللہ نے) انکے جی بھر (بیماری میں) کہ بیمار ہونا ہی چاہتے ہیں، تو خوب بیمار ہیں (اور انہیں) جیسوں (کیلئے) خدا کا (عذاب ہے)۔ کیسا؟ کہ (دکھ والا) دردناک، یہ سزا بالکل ٹھیک ہے، کیوں (کہ وہ جھوٹ بولتے) رہتے (تھے) اور بالکل غلط اپنے کو مسلمان کہتے تھے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿۱۱﴾

اور جب بھی کہا گیا ان کے بھلے کو کہ نہ فساد ڈالو زمین میں، بولے کہ ”ہمیں تو درستی کرنے والے ہیں“ (اور جب بھی کہا گیا) یہودیوں وغیرہ سے (ان) ہی (کے بھلے کو) کہ امن وامان سے رہیں (کہ نہ فساد ڈالو) اپنی (زمین میں) اور آبادی میں۔ تو جواب میں (بولے کہ ہمیں تو) امن کے حامی اور لیڈر اور وطن کی (درستی کرنے والے ہیں)۔

الَّا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلٰكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲﴾

• سن لو کہ بیشک! وہی فسادی ہیں، لیکن وہ محسوس نہیں کرتے

خبردار، (سن لو! کہ بیشک وہی) اور صرف وہی (فسادی ہیں) گڑبڑ چاتے رہتے ہیں (لیکن وہ محسوس نہیں کرتے) سو جھ بوجھ بالکل نہیں رکھتے۔ جانور کیا، پتھر کی طرح بے حس محض ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنْتُمْ كَمَا اٰمَنَ السُّفٰهَاءُ ﴿۱۳﴾

اور جب بھی کہا گیا انکے بھلے کو کہ ”مان جاؤ جیسا مان چکے سب لوگ“ بولے ”کیا ہم مانیں جیسا کہ مانا ہے بیوقوفوں نے؟“

الَّا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفٰهَاءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾

• سن رکھو! کہ بلاشبہ وہی بیوقوف ہیں، لیکن نادانی کرتے ہیں

(اور جب بھی کہا گیا) اور سمجھایا گیا (انکے بھلے کو) کہ اللہ کے عذاب سے بچ جائیں (کہ) اب تم بھی (مان جاؤ) ایمان قبول کر لو (جیسا مان چکے) عبد اللہ ابن سلام اور انکے ساتھی (سب لوگ) تو جواب میں (بولے) کہ (کیا ہم مانیں) ایمان لے آئیں اسی طرح، (جیسا کہ مانا ہے) ان سب (بیوقوفوں نے) عقل و علم والوں کو بیوقوف قرار دے رہے ہیں۔ کان کھول کر

(سن رکھو کہ بلاشبہ وہی) اور ہاں وہی (بیوقوف) و احمق (ہیں، لیکن) وہ خود ہی (نادانی کرتے ہیں) اور اپنی جہالت دکھاتے ہیں۔

وَإِذْ أَلْفُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا إِلَىٰ شَيْطَانِهِمْ

اور جب ملے مسلمانوں کو، بولے "ہم ایمان لا چکے" اور جب اکیلے ہوئے اپنے شیطانوں کے پاس،

قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ﴿۷۳﴾

کہنے لگے کہ "بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں بس ہم تو ہنسی مذاق کرنے والے ہیں"۔

(اور جب) کعب ابن اشرف، ابو بردہ اسلمی، ابن السواد شامی، عبدالدار جمحی اور عوف ابن عامری وغیرہ منافقین (ملے) صدیق اکبر، فاروق اعظم، علی مرتضیٰ وغیرہ (مسلمانوں کو) اور کہنے لگے کہ اھا! آپ تو صدیق ہیں، پیغمبر اسلام کے یار غار، بڑی شان والے ہیں۔ کیا کہنا ہے عمر کا، فاروق ہیں، کفر و کفار سے بیزار ہیں۔ اللہ اللہ علی شیر خدا ہیں، حیدر کرار ہیں۔ اور علی مرتضیٰ کے کہنے پر کہ تم بھی واقعی مسلمان ہو جاؤ (بولے ہم) تو سچائی کے ساتھ (ایمان لا چکے) ہمارے اور آپ کے ایمان میں کوئی فرق نہیں (اور جب) وہی منافقین (اکیلے ہوئے) اور تنہائی میں (اپنے شیطانوں) شریر سرداروں (کے پاس) پہنچے تو (کہنے لگے کہ) ہماری ان باتوں سے تم اثر نہ لو، تم خوب جانتے ہو کہ (بیشک ہم تمہارے) ہی (ساتھ ہیں) اور ہمیشہ کے ساتھی ہیں۔ تم کو ہماری مذاق کی عادت معلوم ہے۔ مسلمانوں میں جو باتیں ہوئیں اس میں (بس ہم تو) ان سے اپنی عادت کے موافق (ہنسی مذاق کرنے والے ہیں) اور جو کچھ کہا مذاق میں کہا۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہنسی مذاق کر کے مسلمانوں کو ذلیل کر رہے ہیں۔

أَلَيْسَ تَسْتَهْزِئُونَ بِهِمْ وَيَسْتَهْزِئُونَ فِي طَعْنِيَّاهُمْ يَعْهَبُونَ ﴿۷۴﴾

اللہ خود ذلیل کرتا ہے انہیں اور ذلیل دیتا ہے انہیں کہ اپنی سرکشی میں جھکتے رہیں

حالانکہ (اللہ خود ذلیل کرتا ہے انہیں) کہ دنیا میں مسخرے کہلائیں اور آخرت میں مسلمانوں کی جنت دیکھو کچھ کمزور ذلیل ہوں (اور) اللہ ہنسی مذاق نہیں کرنے دیتا، بلکہ (ذلیل دیتا ہے انہیں کہ اپنی) بدزبانی، پھیل چھاڑ اور (سرکشی میں جھکتے رہیں) اور اپنی اہل سنت کا سامان زیادہ سے زیادہ جمع کرتے رہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۖ لَمَّا رَعَتْ حٰجْرٰثَةُ

یہ وہ ہیں جنہوں نے خرید لیا گمراہی کو ہدایت کے بدلے، تو نہ لاکھ دو یا آگے تمہارت نے

وَمَا كَانُوا هُمُ الْكَافِرِينَ ﴿۷۴﴾

اور نہ تھے وہ اس راہ سے آگاہ •

(یہ) سارے کافر (وہ ہیں جنہوں نے خریدا) کفر اور (گمراہی کو، ہدایت کے بدلے) اللہ نے جو ہدایت فرمائی اس کو دے ڈالا اور جس کو گمراہی بتایا اسے خرید لیا (تو) اس کا انجام یہ ہوا کہ (نہ) فائدہ دیا ان کی تجارت نے) اور بالکل خسارے میں پڑ گئے (اور) خسارہ کی وجہ ظاہر ہے کہ (نہ تھے وہ اس) تجارتی (راہ سے آگاہ) نہ ان کو یہی معلوم تھا، کہ ہدایت کتنی قیمتی چیز ہے اور نہ اس کا اندازہ تھا، کہ گمراہی میں کتنے عیب ہیں۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ

ان کی مثال جیسے اس کی مثال، جس نے روشن کی آگ، تو جب خوب روشن کر دیا اُسکے سب گرد و پیش کو، چھین لیا اللہ نے اُنکی روشنی کو

وَوَكَرَهُمْ فِي ظُلْمٍ لَا يَبْصُرُونَ ﴿۷۵﴾

اور چھوڑ دیا انہیں اندھیریوں میں کہ انہیں کچھ نہ سوجھے •

(ان کی مثال جیسے) بالکل (اس) شخص (کی مثال) ہے (جس نے) اندھیرا مٹانے کیلئے (روشن کی آگ) کہ اسکی روشنی میں چلے (تو) اس روشنی نے (جب خوب روشن کر دیا) اور اچھی طرح چمکا دیا (اس کے سب گرد و پیش کو) ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی، جس طرح کہ اسلام نے اپنے نور سے سارے عالم کو منور فرمادیا، کہ اچانک (چھین لیا) اور ضبط کر لیا (اللہ نے ان کی روشنی کو) (اور) ہر طرف سیاہی دوڑ گئی اور اندھیرا چھا گیا، تو (چھوڑ دیا انہیں) اللہ تعالیٰ نے اسی (اندھیریوں میں) تا (کہ انہیں) راستہ (کچھ) بھی (نہ سوجھے) فتح اسلام پر کچھ رائے ہو اور عارضی شکست پر کچھ رائے، حق بات پر جتنے رہنا نہ بھائے۔

صَلُّوا بِنُورِ عَمِّي فَهُمْ لَا يَبْصُرُونَ ﴿۷۶﴾

بہرے، گونگے، اندھے، تو وہ نہیں ہیں باز آنے والے •

ان کے کان ہیں، لیکن جب پیغام حق سننے کا حق ادا نہیں کرتے، تو (بہرے) ہیں۔ حق کا سچا اقرار نہیں کرتے، تو (گونگے) ہیں۔ حق کو دیکھ نہیں سکتے، تو (اندھے) ہیں (تو وہ) سچائی کی طرف آنے کی استعداد کھو چکے ہیں اور کبھی بھی اپنی گمراہیوں سے (نہیں ہیں باز آنے والے)۔

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَّجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ
 یا جیسے بارش ہو آسمان سے، جس میں تاریکیاں ہیں اور کڑک ہے اور چمک ہے، ٹھونسنے لیتے ہیں اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں

مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُخِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۷۵﴾

کڑکے سے موت سے بچنے کو، اور اللہ گھیرے میں لیے ہوئے ہے کافروں کو

(یا) اسے یاد کرو! کہ دو شخص مدینہ طیبہ سے مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگے اور راستے میں بارش، بجلی، کڑک اور تاریکی میں پھنس گئے۔ اور لوٹ کر اپنی پریشانیاں بیان کیں۔ کہ کان میں انگلیوں کی ڈاٹ لگانے پر بھی پناہ نہ ملتی تھی۔ اور ہم اگر اپنے کفر پر رہتے تو موت سے چھٹکارا نہ ملتا اور اسی حال میں مر جاتے۔ بس یہود، منافقین اور کفار کی یہی مثال ہے، کہ (جیسے بارش ہو آسمان سے) جیسے اسلام ہی اللہ تعالیٰ کی بارشِ رحمت ہے (جس میں تاریکیاں ہیں) جس کو کفر و ضلالت کی تفصیل سمجھو (اور کڑک ہے) حق میں ہیبت ہوتی ہے (اور چمک ہے) کہ ہدایت کی راہ روشن ہوتی ہے۔

اب جو کفار اس میں پھنسے، تو انکا یہ حال ہے کہ (ٹھونسنے لیتے ہیں اپنی انگلیوں کو) ڈاٹ لگانے کیلئے (اپنے کانوں میں) بار بار کے (کڑکے سے) ہیبت اسلام اور شوکت دین کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس میں انھیں اپنی موت نظر آتی ہے۔ اسی لئے وہ بدحواسی کی حرکت کرتے ہیں (موت سے بچنے کو) ڈر لگا ہے، کہ کہیں مر نہ جائیں (اور اللہ) اپنے (گھیرے میں لئے ہوئے ہے) اور اس طرح سے (کافروں کو) گھیرے ہے کہ انکے نکل بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا

بجلی چمکنے لیتی ہے آنکی آنکھوں کو، جب تیز روشنی ڈالی ان کیلئے چل پڑے اس میں، اور جب اندھیرا ڈالا ان پر کھڑے رہ گئے،

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّا اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۷۶﴾

اور اگر چاہتا اللہ یقیناً ہمیں اپنی آنگلی سماعت اور آنکی آنکھیں۔ بے شک اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے

وہ اس حال میں ہیں کہ (بجلی چمکنے لیتی ہے ان کی آنکھوں کو) چکا چوند سے آنکھیں اندھی ہوئی جارہی ہیں (جب) بجلی کوندی اور (تیز روشنی ڈالی، ان) کے دکھائی پڑنے (کیلئے) تو وہ قدم (چل پڑے اس) کی روشنی (میں اور جب) کوند جاتی رہی اور بجلی نے بچھ کر (اندھیرا ڈالا) اور تاریکی چھا گئی (ان پر) تو کھڑے کے (کھڑے رہ گئے) (اور) یقیناً آنگلی بے ایمانیاں اور بد اعمالیاں اسکی

مستحق تھیں، کہ (اگر) ان کو سزا دینے کیلئے (چاہتا اللہ) تو (یقیناً چھین لیتا) اور ختم کر دیتا سخت کڑکوں سے (ان کی سماعت) کو، تو وہ بہرے ہو جاتے (اور) بجلیاں کوندا کر (ان کی آنکھیں) تو وہ اندھے ہو جاتے۔ کیونکہ اللہ کے چاہنے پر کونسی روک ہو سکتی ہے۔ جبکہ (بیکب اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر) جو کچھ وہ چاہ لے، سب پر (قدرت والا ہے) اُس کو کر سکتا ہے۔ بے اُسکے چاہے، کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور اسکے چاہنے پر سب کچھ ہو سکتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اُس کے جیسا کوئی دوسرا ہو یا اس میں جھوٹ وغیرہ کا عیب ہو، تو ایسا ہونا محال ہے۔ کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ چاہتا ہے کہ یکتا رہے، ہر عیب سے پاک رہے، تو ایسا ہونا ضروری ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦﴾

اے لوگو، پوجو اپنے پروردگار کو جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور انہیں جو تمہارے پہلے ہوئے، کہ امید رکھ سکو کہ ڈرنے لگو گے۔ (اے) مومن و کافر سب (لوگو پوجو) اور صرف (اپنے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کو) پوجو، کہ اسکے سوا کوئی الہ و معبود نہیں ہے۔ نہ ہو سکتا ہے۔ معبودیت کا اعتقاد رکھ کر، اُس کا قرب چاہنے کیلئے جو کرو، وہی تمہاری پوجا ہے۔ تم اپنے پالنے والے اللہ کے احسانات تو دیکھو، کہ وہی ہے (جس نے پیدا فرمایا تمہیں) (اور) صرف تمہیں کو نہیں بلکہ (انہیں) بھی (جو تمہارے پہلے) ساری کائنات میں پیدا (ہوئے) ہیں۔ اس عبادت کی بدولت، تم اس قابل ہو گے (کہ امید رکھ سکو، کہ ڈرنے لگو گے) اور خدا کا خوف تمہارے دل میں پیدا ہو جائے گا۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فَرِاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو قبۃ، اور اتارا آسمان سے پانی کو،

فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَدَاءً وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

پھر نکالا اس سے کئی پھل غذا تمہارے لیے، تو نہ بناؤ اللہ کیلئے مد مقابل جب کہ تم خوب جان رہے ہو۔

یہ تمہارا پروردگار ہی ہے (جس نے بنایا) اپنے لئے نہیں، اُسے کیا ضرورت ہے؟ بلکہ (تمہارے لئے) اپنے کرم سے (زمین کو فرش) کہ ساری زمین تمہاری آنکھوں کے سامنے بچھی ہوئی ہے (اور آسمان کو قبۃ) بے ستون کا گنبد (اور) پھر کرم پر کرم ہے، کہ (اتارا) برسایا بادلوں کو بنا کر

(آسمان کی طرف (سے پانی کو) اور اتنا ہی نہیں بلکہ (پھر نکالا) پیدا فرمایا (اُس) بارش (سے کئی) طرح طرح کے مختلف (پھل) تاکہ کھانا اور (غذا) مہینا فرمادے (تمہارے لئے) (تو) دانائی سے کام لو۔ اور ہرگز (نہ بناؤ) اپنی من گڑھت سے (اللہ کیلئے) کوئی بھی (مدِّ مقابل) برابری والا (جب کہ تم) خود بھی اچھی طرح سے (خوب جان رہے ہو) کہ خالق کی برابری کا کوئی مخلوق ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جس کو تم برابر والا بنائے ہو، سب اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں۔

وَاِنَّ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ

اور اگر ہو تم کسی شک میں اس سے جو اتنا رہم نے اپنے خاص بندہ پر، تو لے آؤ ایک ہی سورت اس کی طرح،

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۰

اور ہائی دواپنے ساختہ مددگاروں کی، اللہ کو چھوڑ کر، اگر تم ہو سچے •

(اور اگر ہو تم) اے منکر و! کسی قسم کے (کسی شک میں اُس) قرآن کی طرف (سے)

(جو اتنا رہا) ہے (ہم نے اپنے خاص بندہ محمد، رسول اللہ ﷺ پر) جو اپنے بندہ ہونے میں بے مثل

دیکھتا ہے۔ جس کی عہدیت تک دوسرے کی رسائی نہیں (تو) پھر سامنے آؤ، اور ذرا (لے) (تو) آؤ)

پورا قرآن نہیں، بلکہ بس (ایک ہی سورت) فصاحت و بلاغت، حکمت و روحانیت، تقدیسِ رفعت،

غیب کی خبر دینے میں (اُس) قرآن کی کسی سورت (کی طرح) (اور) تمہاری جان، اپنی طاقت

سے، یہ باہر ہو تو اس مشکل میں خوب (دہائی دو) اور معبود جان کر پکارو، فریاد کرو، اور مدد مانگو (اپنے

ساختہ) معبودوں (مددگاروں کی) جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے (اللہ کو چھوڑ کر) اُس معبودِ برحق

کی معبودیت سے منحرف ہو کر۔ (اگر) قرآن و رسول و معبود پر جب سے انکار کر دینے میں (تم ہو)

اے دنیا بھر کے کافر و! (سچے)۔

فَاِنَّ لَكُمْ تَفْعَلُوْا وَلٰن تَفْعَلُوْا فَاْتَفُوْا النَّارَ الَّتِيْ وَوَعَدَهَا النَّاسُ

پس اگر تم نہ کر سکتے۔ اور ہرگز نہ کر سکو گے، تو ڈرو آگ کو، جس کا عہد من انسان

وَالْحِجَابَةُ ۚ اَعَدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ ۝۱۱

اور عظیم مورتیاں ہیں، تیار کر رکھی گئی ہے کافروں کیلئے •

(پس) یاد رکھو کہ (اگر تم نہ کر سکتے) (اور) یہ بھی یاد رکھو، ہم صاف بتائے دیتے ہیں کہ قیامت

تک تم (ہرگز نہ کر سکو گے) (تو) تم خود ہی اپنی ہڈیوں، بوٹیوں پر رحم کھاؤ اور (ڈرو) جہنم کی (آگ کو) جو بھڑک رہی ہے۔ (وہ) جہنم (جسکا) جلانے کیلئے (ایندھن) تم (انسان) ہو (اور) تمہاری (سنگین) مورتیاں ہیں) جن کو پوجنے کیلئے تم نے تراش لیا ہے۔ اس جہنم کی آگ کو یہ نہ سمجھنا، کہ ابھی آئندہ پیدا کی جائیگی۔ بلکہ وہ تو پہلے ہی سے (تیار کر رکھی گئی ہے) تم سب (کافروں کیلئے)۔ اس میں کوئی بد نصیب مسلمان، اگر کسی بد اعمالی سے گیا، تو بالآخر نکال لیا جائیگا، اور کافروں کا تو وہ گھر ہی ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
اور خوش خبری دو انہیں جو مان گئے اور کئے کرنے کے لائق کام، کہ بیشک انہیں کیلئے ہیں جنتیں، بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں۔

كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ
جب دئے گئے اس میں سے کوئی پھل غذا کو، کہہ پڑے کہ یہ وہی ہے جو دئے گئے تھے ہم پہلے سے،

وَأَنْوَابِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَنْزَارٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ^{۱۰}

حالانکہ دئے گئے تھے وہ ہم شکل۔ اور انہیں کیلئے اس میں یہ بیاں ہیں پاک دامن، اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اس موقع پر کافر لوگ بھی سن لیں (اور) خاص طور پر (خوش خبری) سنا (دو) مسلمانوں کو (انہیں جو مان گئے) اللہ اور رسول کو (اور) اسی پر نہیں رہ گئے۔ بلکہ کام (کئے) اور کیسے کام کئے؟ جو (کرنے کے لائق کام) ہیں۔ جس میں نالائق اور بدی نہ ہو۔ بلکہ نیک ہی نیک ہو۔ ایسے لیاقت والوں سے کہہ دو (کہ بیشک) (انہیں کیلئے ہیں) بغیر کسی پریشانی کے (جنتیں) سدا بہار باغ، کیسے شاداب، (کہ بہہ رہی ہیں جن کے) درختوں اور مکانات کے (نیچے) شراب، شہد، دودھ، پانی، کی بے مثل (نہریں) اسکے پھلوں کا یہ حال ہے کہ (جب دیئے گئے) اور انہوں نے پایا (اُس) جنت (میں سے کوئی پھل) اور یہ پھل دیا گیا انکی (غذا کو) کہ خوب جی بھر کے کھائیں اور مزے پائیں، تو بے ساختہ وہ (کہہ پڑے کہ یہ) پھل تو بالکل ٹھیک (وہی) پھل (ہے جو) ابھی ابھی (دیئے گئے تھے ہم) اور ہم اُسکو کھا چکے ہیں، (پہلے) ہی (سے) (حالانکہ) واقعہ یہ ہے کہ جو پہلے (دیئے گئے تھے وہ) اور وہ کھا بھی چکے، وہ اور تھا اور یہ اور ہے۔ البتہ دونوں (ہم شکل) ہیں تاکہ نئی نئی شکل کو دیکھ کر کسی پھل کے کھانے میں ازراہ بشریت جھجک نہ ہو اور نیا نیا ذائقہ پا کر اور زیادہ خوشی ہو۔ اور جنت میں مکانات، نہریں، پھل، یہی نہیں ہیں، بلکہ (اور) بھی ساز و سامان ہے۔

چنانچہ (انہی) جنتیوں (کیلئے اُس) جنت (میں یہاں ہیں) حوریں اور انکی دنیا والی نیک بیبیاں، سب کی سب خوبصورت، نیک سیرت، پاکیزہ، زنا نہ نجاتوں سے (پاکدامن) (اور) جنت کو کبھی فنا نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ رہے گی۔ اور (وہ) جنتی بھی فنا نہ ہوں گے بلکہ (اُس) جنت (میں) یہ جنتی لوگ (ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَعِجِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةٌ فَمَا تُوقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا

بے شک اللہ قابلِ شرم نہیں قرار دیتا اس کو کہ ضرب المثل بیان فرمائے مچھری، بلکہ اس سے بڑھی کہ پس جو مسلمان ہیں

فَيَعْلَمُونَ أَنَّ الْعَشْرَ مِنَ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا

وہ تو جانتے ہیں کہ بیشک یہ ٹھیک ہے انکے پروردگار کی طرف سے، اور جو کافر ہے تو وہ پوچھا کرتے ہیں کہ کیا مطلب رکھا اللہ نے اس

مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝

ضرب المثل سے، وہ گمراہی میں رہنے دیتا ہے اس سے بہتروں کو اور ہدایت دیتا ہے بہتروں کو، اور نہیں گمراہی میں رہنے دیتا، مگر نافرمانوں کو۔

اور اے یہودیو، منافقو، کافرو! قرآن میں ضرب المثل دیکھ کر منہ کیا بگاڑتے ہو؟ اور اعتراض

کیوں کرتے ہو؟ ضرب المثل بیان کرنا، موعظ و نصیحت اور تعلیم و حکمت اور درس و عبرت میں مؤثر اور

اہل بیان کا دستور چلا آ رہا ہے۔ اور (بیشک اللہ) تعالیٰ بھی (قابلِ شرم نہیں قرار دیتا) اور قابلِ تجھک

نہیں جانتا، (اس) بات (کو کہ ضرب المثل بیان فرمائے) بڑی چیز کی، یا چھوٹی چیز کی، یہاں تک کہ

(مچھری، بلکہ اس سے) بھی (بڑھی) چڑھی کی، روشنی بارش کی، خواہ کبھی ٹکڑی کی، (کہ پس) اسکے

سننے والوں میں (جو مسلمان ہیں) اللہ و رسولوں کو مان چکے ہیں (وہ تو) بغیر کسی شک و شبہ کے (جانتے

ہیں کہ بیشک (یہ) مثال بالکل (ٹھیک ہے) اور یہ (انکے پروردگار) ہی (کی طرف سے) ہے۔

(اور جو کافر ہے) اور اللہ و رسول کے انکار پر یہ جتے رہے، ان سے اسکا کچھ جواب تو ہو نہیں

سکتا۔ (تو وہ) منہ بگاڑ کر (پوچھا کرتے ہیں کہ کیا مطلب رکھا) ہے (اللہ نے اس ضرب المثل) کے

بیان کرنے (سے)۔ ضرب المثل میں کیا رکھا ہے؟ یہ تو بیکاری بات ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ (وہ) اللہ تعالیٰ

(گمراہی میں رہنے دیتا ہے)، (اس) قرآن کے انکار کر دینے کی وجہ سے، بہتروں کو) کہ اپنی گمراہی

میں پڑے ہیں۔ (اور ہدایت) بھی (دیتا ہے، بہتروں کو) جو ہدایت کی تڑپ رکھتے ہیں (اور) دستور

الہی یہ ہے کہ (نہیں گمراہی میں رہنے دیتا مگر) بس (نافرمانوں کو) چونکہ کہانیں اور نہ سنا قبول کریں۔

اور ہر فرمان کا انکار ہی کرتے رہیں اور اُس کے خلاف ہی چلیں۔

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ

جو توڑتے رہیں اللہ کے عہد کو اس کے مضبوط ہونے کے بعد، اور کاٹتے رہیں

مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۸۰﴾

اس کو، حکم دیا اللہ نے جسکے لئے کہ ملایا جائے، اور فساد ڈالیں زمین میں، وہی خسارہ والے ہیں •

اور (جو توڑتے رہیں) دوسروں ہی کے نہیں بلکہ خود (اللہ کے عہد کو) اللہ سے عہد کریں اور

پھر توڑ بھی دیں (اس کے مضبوط ہونے) اور پکا عہد کر لینے (کے بعد) یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ

نے بڑی تاکید شدید فرمائی ہے۔ (اور) یہ بد عہد، اسی پر صبر نہ کریں بلکہ (کاٹتے رہیں) (اس) چیز

(کو) (حکم دیا اللہ نے جس کیلئے کہ ملایا جائے)، نہ رشتوں کی پرواہ، نہ مسلمانوں کی دوستی کا لحاظ، نہ

انبیاء علیہم السلام اور کتب آسمانی کا۔ جمعیت بندی، فرقہ تراشی ہی کرتے رہیں (اور) ان سب پر، ان کا

مشغلہ یہ ہے کہ (فساد ڈالیں زمین میں) شورش اور فتنہ سے، سنسنی پیدا کر کے امن عامہ میں خلل

ڈالیں، کہ اہل وطن رسول پاک تک نہ جائیں، اور قرآن نہ سنیں، اور تباہ بنے رہیں۔ وہ سب کا نقصان

چاہتے ہیں حالانکہ وہ کسی کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ وہ اپنی ان حرکتوں کے سبب سے بس خود (وہی خسارہ

والے ہیں) نہ دنیا میں چین پائیں، نہ آخرت میں نجات ملے، تو سارا نقصان انھیں کا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَهْوَاءًا قَلِيلًا قَلِيلًا تَمْتَمُونَ ﴿۸۱﴾

کیسے منکر ہو اللہ کے، حالانکہ تم بے جان تھے، توحیات دی تمہیں، پھر موت دے گا تمہیں، پھر جلانے گا تم کو

تَمْتَمُونَ ﴿۸۱﴾

پھر اسی کی طرف لوٹانے جاؤ گے •

اے کافرو! بڑے تعجب کی بات ہے کہ آخر تم لوگ (کیسے منکر ہو اللہ کے) (حالانکہ) تم کو

سوچنا چاہئے اور دیکھ بھی رہے ہو کہ (تم) مردہ اور جسم (بے جان تھے) آگ، پانی، مٹی، ہوا، میں

تھے۔ پھر غذا بنے۔ پھر خلطوں کی صورت پائی۔ پھر نطفہ کی شکل ہوئی۔ تو تھڑا سے بوٹی اور بوٹی سے

سارا جسم ہوا۔ مگر کیا اللہ کی قدرت ہے کہ جسم میں جان نہ تھی (تو) اس نے جان عطا کی اور (حیات دی

تمہیں) اور ظاہر ہے کہ جو زندہ کر سکتا ہے، وہ مار بھی سکتا ہے۔ چنانچہ (پھر) وہی (موت دے گا تمہیں)

اور بے مارے جلانے والا مار کر بھی جلا سکتا ہے۔ چنانچہ قبر میں سوال کرنے کیلئے، اور حشر میں حساب

کتاب کیلئے (پھر) اللہ تعالیٰ (جلائے گاتم کو)۔

غرض (پھر) پھر اگر (اسی کی طرف) تم لوگ سب کے سب (لوٹائے جاؤ گے) یہ ہونا ہے۔ خواہ تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے۔ اور بھلا مسلمانو! تم کیسے ان اندھے کافروں کی طرح اللہ کا انکار کر سکتے ہو۔ ان کافروں کو سوچو یا نہ سوچو، مگر اللہ کے فضل سے تم کو تو صاف نظر آ رہا ہے، کہ جسم بے جان تھے، تو زندہ ہوئے، پھر مرنا ہے، پھر زندہ ہو گے اور اپنے رب کے پاس لوٹو گے۔ اور اسکی نعمتوں کو جی بھر کر خوب لوٹو گے۔ تم سے انکار کی امید رکھنا کافروں کی بڑی حماقت ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ

وہ ہے جس نے پیدا فرمایا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب۔ پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف، تو ہموار کیا انہیں

سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۵﴾

سات آسمان۔ اور وہ ہر معلوم کا علم والا ہے •

سب کو یاد رکھنا چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ (وہ ہے جس نے پیدا فرمایا) اپنے لئے نہیں، بلکہ (تمہارے لئے جو کچھ) جمادات، نباتات، حیوانات، وغیرہا (زمین میں ہے) سب کا (سب) اور (پھر) اسے چاہا کہ آسمان پیدا فرمائے، تو (توجہ فرمائی آسمان) کے پیدا کرنے (کی طرف) اور پیدا فرمایا (تو) یونکہ (ہموار کیا انہیں) ٹھیک ٹھیک کنفی میں (سات آسمان) (اور) اب کس کوشہ ہو سکتا ہے کہ ساری مخلوق کو ایسی حکمتوں کے ساتھ پیدا فرمانے والا، اتنی عظیم قدرت والا، جو ہے (وہ) یقیناً (ہر معلوم کا) جس سے علم متعلق ہو سکے، جاننے والا اور اس کا (علم) رکھنے والا ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا

اور جب فرمایا تمہارے پروردگار نے فرشتوں کیلئے کہ "وہاں میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ" عرض کرنے لگے کہ "کیا بنائے گا

مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ

تو اس میں جو فساد مچائے اس میں اور خون ریزی کرے۔ حالانکہ ہم پاکی بیان کریں تری حمد کے ساتھ

وَلَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶﴾

اور تقدیس کرتے رہیں تیری، فرمایا "وہاں میں جانا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے" •

(اور) اگر بھولے ہو، تو یاد کرو (جب) کہ (فرمایا) تھا (تمہارے پروردگار) اللہ تعالیٰ (نے)

اور اعلان فرمایا تھا (فرشتوں کیلئے) کہ وہ جان لیں اور جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیں۔ اعلان یہ تھا (کہ بیشک میں) اب پیدا فرمانے والا ہوں اور (بنانے والا ہوں زمین میں) برسر زمین (ایک خلیفہ)، جو میرے احکام کو جاری کرے اور حکومت و تصرف میں میری نیابت کرے۔ تو سارے فرشتے دریافت حکمت کیلئے (عرض کرنے لگے) کہ یہ اعلان ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ کیوں (کہ کیا بنائے گا) اور پیدا فرمائے گا (تو اس) زمین (میں) ایسے کو (جو فساد مچائے اور خون ریزی کرے)؟ جیسا کہ تو نے پہلے جنوں کو پیدا فرمایا تھا، جن کی فساد انگیزی و خون ریزی پر تیرا عذاب نازل ہو چکا ہے، اور تیرے حکم سے ہم انکو پہاڑوں اور جزیروں میں ڈھکیل کر رکھ چکے ہیں۔ اسکا تو ہمیں خیال بھی نہیں ہو سکتا۔ اور خلیفہ تو وہ ہو سکتا ہے جو ہر وقت تیری یاد میں لگا رہے۔ تسبیح و تقدیس اور تیری حمد کے سوا اسکا کوئی کام نہ ہو۔ تو پھر ہمارے ہوتے، کون خلیفہ ہوگا؟ (حالانکہ) ہمارا دائمی مشغل یہ ہے کہ (ہم پاکی بیان کریں تیری حمد کے ساتھ) سبحان اللہ، الحمد للہ، ہمارا رات دن کا وظیفہ ہے (اور) ہر گھڑی ہم (تقدیس کرتے رہیں تیری) 'سبوح، قدوس' کی رٹ لگاتے رہیں۔ فرشتوں کے اس بیان پر اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) کہ خلافت کا استحقاق صرف عبادت ہی پر ہے یا علم و دانائی پر بھی ہے؟ اور میرے خلیفہ سے کیسے کیسے شاندار کام ہوں گے، اسکا علم تم سے کتنا زیادہ ہوگا، اسکی خبر تم کو نہیں ہے۔ اور (بیشک میں جانتا ہوں جو کچھ) بھی (تم نہیں جانتے)۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ

اور سکھادیا آدم کو سب کے نام، سارے کے سارے، پھر پیش کیا ان کو فرشتوں پر، پھر فرمایا کہ "بتاؤ دو مجھے ان سب کے نام

هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۰﴾

• اگر ہو سچے •

چنانچہ اس حقیقت کو نمایاں فرمانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم پر کرم فرمایا۔ (اور) انکی برتری کیلئے (سکھادیا آدم کو) جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، آسمان و زمین کی تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے (سب کے نام) ایک ایک چیز دکھا کر، کیا نام ہے اسکا، کیا کام ہے اسکا، کیا انجام ہے، ہر ایک کے خواص (سارے کے سارے) بتادیا، یاد کرا دیا، (پھر) اپنی قدرت کاملہ سے (پیش کیا ان) سب (کو فرشتوں پر) ان کو سب دکھایا (پھر فرمایا کہ) ذرا (بتاؤ دو مجھے ان سب) چیزوں (کے نام) الگ الگ (اگر) اس خیال میں، کہ تم سے زیادہ علم والا مخلوق میں کوئی نہ ہوگا تم لوگ (ہو سچے)۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰﴾

عرض کرنے لگے ”پاکی ہے تیری، نہیں ہے کچھ علم ہمیں مگر جو کچھ سکھادیا تو نے ہمیں بے شک تو ہی علم والا حکمت والا ہے“۔
سارے فرشتے (عرض کرنے لگے) یا اللہ (پاکی ہے تیری) ہر عیب سے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ (نہیں ہے کچھ علم ہمیں) نہ علم پر ہم کو ناز ہے۔ ہمیں کسی بات کی خبر نہیں (مگر جو کچھ سکھادیا تو نے ہمیں) ہم کو جو کچھ معلوم ہوا وہ تیری تعلیم سے معلوم ہوا۔ تو کچھ نہ بتاتا، تو ہم کچھ بھی نہ جانتے۔ تو نے جو کچھ بتادیا، اس کو تیری عطا سے ہم نے جانا (پیشک تو ہی علم والا) ہے کہ سارا علم تیرا ہے۔ اور تعلیم تیری مرضی پر ہے۔ جس کو جو چاہے تو سکھادے، بتادے اور علم والا بنائے، اس بارے میں تیرا انتخاب حکمت سے خالی نہیں۔ اور تو ہی (حکمت والا) بھی (ہے)۔

قَالَ يٰۤاٰدَمُ اٰلِۂٖ ذٰلِکَ وَرَبِّۂٖ اَنْتُمْ فَلَمَّا اٰتٰہُمْ بِاَسْمَآئِۂٖ ۗ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَکُمْ ﴿۱۱﴾

فرمایا کہ ”اے آدم بتا تو دو انہیں ان سب کے نام۔“ تو جب بتادیا انہیں ان سب کے نام، فرمایا ”کیا نہیں فرمادیا تھا میں نے تمہیں کہ

اِنَّ اَعْلٰکُمْ غِیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاَعْلٰکُمْ مَا تُبْدُوْنَ ۗ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ ﴿۱۱﴾

بلاشبہ میں ہی جانتا ہوں غیب کو آسمانوں اور زمین کے، اور جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو“۔

اب اللہ تعالیٰ نے (فرمایا کہ اے آدم) تم (بتا تو دو انہیں) اور فرشتوں کو سکھادو (ان سب)

چیزوں کے) (مفضل، الگ الگ (نام) اور کام وغیرہ۔ چنانچہ حضرت آدم نے بتایا (تو جب بتادیا

انہیں ان سب چیزوں کے نام) وغیرہ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) کہ اے فرشتو! کیا نہیں

فرمادیا تھا میں نے (پہلے ہی تمہیں) کہ کسی کو غیب کا علم کسی اور طریقہ سے ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک

میں نہ بتادوں۔ کیوں (کہ بلاشبہ میں ہی جانتا ہوں غیب کو آسمانوں کے (اور زمین کے) جس کو

میں نے نہیں بتایا، اس کا غیب دانی کا دعویٰ جھوٹا ہے، وہ نجومی ہوں، یا کابن ہوں، کچھ بھی ہوں۔ اور

جن کو واقعی غیب کا علم حاصل ہوا، جیسے حضرت آدم کو دکھ رہے ہیں، تو وہ میرے سکھانے، بتانے،

عطا فرمانے سے ہوا (اور) اے فرشتوں! میں اسے بھی (جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو) صاف

صاف زبان سے کہہ کر، کہ انسان فتنہ فساد ڈالے گا (اور جو کچھ چھپاتے ہو) دل میں، یہ سوچ کر کہ

خلافت کے مستحق تم ہی ہو سکتے ہو، تم سے افضل کوئی نہیں ہے۔

وَاذْقُنَا لِلْمَلِكَةِ اسْجُدًا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ

اور جب حکم دیا ہم نے فرشتوں کیلئے سجدہ کرو آدم کو، تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے،

أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۸۴﴾

• اُس نے انکار کیا اور بڑا بنا، اور ہو گیا کافروں سے

(اور) ہاں تم یاد کرو اس واقعہ کو (جب حکم دیا) تھا (ہم نے فرشتوں) کو، انکی بہتری (کیلئے)،

اور فرمایا تھا کہ (سجدہ کرو آدم کو، تو سب نے سجدہ کیا) فرشتوں میں سے کسی ایک نے بھی سرتابی نہ کی۔

اور سو یا پانچ سو برس تک سجدہ میں پڑے رہے (سوا ابلیس کے) کہ ملائکہ تک پہنچنے کو پہنچا، مگر جب یہ حکم

سنا، تو کھڑا کھڑا رہ گیا اور سجدہ کرنے سے صاف (اس نے انکار کیا اور) باوجودیکہ بڑا نہ تھا، مگر غرور

میں آ کر (بڑا بنا)، جسکے نتیجہ میں مردود و ظہر (اور ہو گیا کافروں سے) ایک نبی کی عظیم سے انکار کیا تو

کافر ہو گیا۔ کہ یہ انکار، توہین ہے۔ اور نبی کی توہین، کفر ہے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا

اور فرمایا ہم نے کہ اے آدم، رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور دونوں کھاتے رہو اس سے بے کھلے جہاں چاہو،

وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۵﴾

• اور قریب نہ جانا اس شجر کے، کہ ہو جاؤ اندھیر والوں سے

فرشتوں اور ابلیس کا اس طرف یہ واقعہ ہوا (اور) حضرت آدم کا ادھر یہ واقعہ ہوا کہ (فرمایا

ہم نے کہ اے آدم رہو) سہو (تم) خود (اور تمہاری بی بی) حوا بھی (جنت) سدا بہار باغ (میں) یہ تم

دونوں کا گھر ہے (اور دونوں کھاتے رہو اس) جنت (سے بے کھلے) کوئی روک ٹوک نہیں ہے (جہاں

چاہو) یہ سارا باغ تمہارا ہے (اور) اس کا خیال رکھو کہ (قریب نہ جانا) اور سایہ سے بچتے رہنا (اس)

خاص گیہوں یا انگور کے (شجر کے) تم کو اس کی ہوا نہ لگنے پائے۔ کیوں (کہ) اس کے پاس پھلے،

تو (ہو جاؤ) گے (اندھیر والوں سے)۔ تم نبی معصوم ہو، نا فرمانی تم سے متصور نہیں، مگر اپنے آرام کو

چھوڑ دینا تمہارے لئے کیا کم اندھیر کی بات ہے۔

فَازْلِمَا الشَّيْطَانَ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهَا وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ

پس پھسلا دیا دونوں کو شیطان نے اس سے۔ تو نکالا دونوں کو اس گھر سے جس میں وہ تھے۔ اور حکم دیا ہم نے کہ نیچے اتر جاؤ،

بَعْضُ عَدُوِّ وَلكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١٠٠﴾

تمہارا بعض بعض کیلئے دشمن ہے۔ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانہ اور رہن جہن ہے کچھ مدت تک •

ابلیس سے حضرت آدم کا آرام میں رہنا دیکھنا نہ گیا، اس کی برداشت سے باہر ہو گیا، کہ حضرت آدم کو رفیقہ حیات، بی بی حوا ملیں اور دونوں جنت کی بہاروں میں عیش کر رہے ہیں۔ اس نے ان دونوں سے ملنے کی راہ نکالی اور دروازہ جنت پر دونوں کو اپنی ترکیبوں سے پالیا۔ اور پہلے بی بی حوا، پھر حضرت آدم سے، گندم نما جو فروش بن کر، بولا کہ آپ اس درخت کا پھل کھالیں۔ اسکا پھل کھانے والا ہمیشہ جنت میں رہے گا اور صف ملائکہ میں داخل ہو جائے گا۔ ورنہ آپ لوگ 'ملاءِ اعلیٰ' سے دور کر دیئے جائیں گے اور مقام قرب چھن کر، جتلائے فراق ہوں گے۔ اس پر اس نے اللہ کے نام پاک کی قسم بھی کھالی۔

حضرت آدم کی شان پاک کے خلاف تھا کہ وہ 'ملاءِ اعلیٰ' کے فراق کو پسند فرماتے اور یہ بھی پسند نہیں ہو سکتا تھا کہ کسی قسم کھانے والے کو جھوٹا فرمادیں۔ چنانچہ معصومانہ نیک نیتی کے ساتھ ابلیس کے کہے کو خیر خواہی پہنچی قرار دیا۔

اس طرح ابلیس اپنی چال چلا گیا (پس پھسلا دیا) پھسلا پھسلا کر (دونوں کو شیطان) مردود (نے) (اس) جنت یا شجر (سے) حضرت آدم تو بے گناہ کے بے گناہ ہی رہے۔ انکی نیت کسی گناہ کہ نہ ہوئی، نہ ہو سکتی تھی۔ یہ (تو) شیطان کی حرکت نے (نکالا دونوں کو اس گھر) جنت (سے) (جس میں وہ تھے) مگر شیطان اپنے اصل مقصد میں ناکام رہا۔ اُسکی اس آرزو کو خاک میں ملا دیا گیا کہ وہ جھوٹ بول کر سچا حضرت آدم و حوا کی نگاہ میں رہ جائے۔ اس بات کو دکھادیا گیا (اور حکم دیا ہم نے کہ بیچے) زمین پر تم سب لوگ، جو اس کہنے میں شریک تھے، کہ درخت کا پھل کھانے والا ہمیشہ یہیں رہے گا۔ اور جس نے اسکو کسی وجہ سے مان لیا تھا، اب یہاں سے نکل کر (اتر جاؤ) اور اپنی آنکھوں سے شیطان کا جھوٹ دیکھو۔ اور اپنی زندگی کے واقعات میں خود تجربہ و مشاہدہ کر لو، کہ (تمہارا بعض بعض کیلئے دشمن ہے) تاکہ کبھی اس جھوٹ، شیطان کے کہے کو نہ مانو۔

ابلیس کی یہ آرزو بھی پوری نہ ہوئی کہ حضرت آدم کو کہیں بھی ٹھکانہ نہ ملے اور نہ یہی آرزو پوری ہوئی کہ انہیں جنت میں آنا میسر نہ ہو (اور) صاف کہہ دیا گیا کہ (تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے) سارے آسمان اور تارے زمین ہی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور زمین، آدم و بی بی آدم کیلئے پیدا کی گئی

ہے (اور) یہ خیال نہ کرنا کہ زمین پر ہمیشہ رہنا ہے اور جنت سے آدم و بنی آدم کی ہمیشہ کے لئے محرومی ہے۔ بلکہ وہاں بس (رہن سہن ہے) برائے نام، صرف (کچھ) قدرے قلیل (مدت تک) کیلئے۔ چاروں کی زندگی کے بعد پھر جنت کا دروازہ ہر مستحق کیلئے کھلا ہے۔

فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۗ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۰﴾

- پس پالیا آدم نے اپنے پروردگار سے خاص کلمے۔ تو درگزر فرمایا انھیں۔ بے شک وہی درگزر فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ حضرت آدم تو زمین پر پہلے وہاں اترے جس کو لوگ جزیرہ 'سراندیپ' یا 'لنکا' کہتے ہیں اور بی بی حوا وہاں اتریں جس کو جدہ کہا جاتا ہے۔ اور فراقِ ملاءِ اعلیٰ میں حضرت آدم اتاروئے۔۔۔ اتاروئے کہ دنیا میں سب سے زیادہ رونے والے حضرت یعقوب اور سارے دنیا بھر کے رونے والوں کے مجموعہ سے بھی زیادہ رونے، جس پر صدیاں گزر گئیں۔ تین سو برس تک آسمان کی طرف آنکھ نہ اٹھائی۔ اگلے قدم سے زمین کی بار بڑھ گئی اور زمین کے پھول مہکے، مگر حضرت آدم کا جی نہ بہلا۔

یہ ادا بندگی کی ایسی پسندیدہ ہوئی کہ انکی مقبولیت ظاہر کر دی گئی (پس پالیا آدم نے) اچھی طرح سے سیکھ لیا اور یاد کر لیا (اپنے پروردگار سے) تھوڑے سے چند (خاص کلمے) اور کہنے لگے کہ:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۳۱﴾

أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ أَنْ تَغْفِرَ لِي اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ

بِحَبَابِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَكَرَّمَ أَمْتَهُ عَلَيْكَ أَنْ تَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنا کا ڈال ڈالا اور اگر تو نے نہ بخشا ہم کو، اور رحم نہ فرمایا ہم پر، تو ہم ہوں گے گھائے والوں سے میں محمد ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے بندہ محمد ﷺ کے وسیلہ اور ان کی بزرگی کے طفیل کہ میری لغزش کو معاف فرمادے

انھیں یاد آ گیا تھا کہ جب انکے بدن میں روح داخل ہوئی اور آنکھ کھلی تو ساق عرش پر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی لکھا تھا۔ لہذا انکی وجاہت و کرامت کا وسیلہ پکڑا (تو) اپنے محبوب کا وسیلہ سن کر اللہ تعالیٰ نے (درگزر فرمایا انھیں) جمعہ کے دن انکی توبہ سچی تھی، خوشامد، نہ امت، عزم ترک کے ساتھ توبہ بھی، اور ایسی توبہ پر (پیشک وہی) اللہ تعالیٰ (درگزر فرمانے والا) اور (بخشنے والا ہے)۔

فَلَنَاهُمْ طَوَامِنَهَا جَمِيْعًا ۚ فَاَمَّا يَاْتِيْنَكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ

ہم نے حکم دیا کہ نیچے اتر جاؤ اس جنت سے سب کے سب۔ پھر اگر آئے تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت تو جس نے

تَبِعَ هُدَاى فَلَآ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۰﴾

پیروی کی میری ہدایت کی، تو نہ کوئی خوف ہے اُس پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں۔

اتارنے کے موقع پر (ہم نے) یوں (حکم دیا) تھا (کہ نیچے) زمین پر (اتر جاؤ اس جنت)

کی بلندی (سے) صرف حضرت آدم و بی بی حوا ہی نہیں، بلکہ انکے دشمن بھی (سب کے سب) (پھر)

یاد رکھو ہم قانون ہدایت برابر بھیجتے رہیں گے۔ لہذا (اگر آئے تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت) جو

میرے انبیاء لاتے رہیں گے (تو) یاد رکھو کہ (جس نے پیروی کی) غلام بن کر نبی کے پیچھے رہا، اور

تعمیل کرتا رہا (میری ہدایت کی، تو نہ کوئی) آئندہ کیلئے (خوف ہے اس پر) کسی خطرہ کا اندیشہ ہی نہیں

(اور نہ وہ) کسی گذشتہ بات پر (رنجیدہ ہوں) انکی دنیا بھی بھلی اور آخرت بھی بھلی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرَ وَاذْكُرْ بَايْتِنَا الَّذِيْنَ كَفَرْنَا هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور جنہوں نے انکار کر دیا اور جھٹلایا ہماری آیتیں، وہ جہنم والے ہیں، وہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

(اور جنہوں نے انکار کر دیا اور جھٹلایا ہماری آیتیں) احکام و کتب، صحیفوں، انبیاء اور رسولوں،

انکے معجزوں کو نہ مانا تو وہ کافر ہیں۔ اور جتنے کافر ہیں (وہ جہنم والے ہیں) اور صرف چند روزہ نہیں بلکہ

(وہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں) ان کی نجات ہی نہ ہو سکے گی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَتِيْ الَّتِيْ اٰنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْ

اے اولاد یعقوب یاد کرو میری نعمت کو! جو انعام فرمایا تھا میں نے تم پر اور پورا کرو میرا عہد،

اَوْفُوْا بِعَهْدِكُمْ ۗ وَاِلٰىٰى فَاذْهَبُوْا ﴿۲۲﴾

کہ میں پورا کروں تمہارا عہد۔ اور بس بھی کو تو ذرا کرو۔

(اے اولاد یعقوب) یہودیوں، میرا احسان مانو اور (یاد کرو میری) دی ہوئی (نعمت کو) (جو)

محض اپنے کرم سے (انعام فرمایا تھا میں نے تم) یہودیوں (پر) اب بھی اگر تم اپنا نفاذ اری کارو یہ بدل دو

(اور پورا کرو میرا عہد) جو میں نے مشبوطی کے ساتھ تم سے لیا تھا، تو یاد رکھو (کہ میں) بھی (پورا کروں)

تمہارا عہد) جو میں نے تم سے وعدہ فرمایا تھا۔ (اور) تمہاری ساری بد عہدی کی بنیاد اس پر ہے کہ مجھ سے نڈر ہو چکے ہو۔ اگر وفادار بننا منظور ہو تو (بس مجھ ہی کو تو ڈرا کرو) پھر تمہیں کسی کا ڈر نہ رہ جائیگا۔

وَأَمْوَالَكُمْ بِمَا أَنْزَلْتُكُمْ مَصَدَقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرِيهَا

اور مان جاؤ جو کچھ اتارا میں نے تصدیق کرنے والا اس کا جو تمہارے پاس ہے، اور نہ ہوسب سے پہلے انکار کرنے والے اس سے۔

وَلَا تَسْتَوُوا بِالَّذِينَ نَسَبُوا وَلَا بِالنَّفْسِ الْفَاسِقِينَ

اور نہ لومیری آیتوں کے بدلے تمہوڑی قیمت۔ اور مجھی کو تو ڈرتے رہو ●

(اور) کب تک انکار پر ضد کرتے رہو گے۔ اگر اپنا بھلا چاہو، تو (مان جاؤ جو کچھ اتارا میں نے) یہی قرآن جو میرے رسول پر اتارا گیا۔ کیسا قرآن؟ جو تصدیق کرنے والا اس) توریت (کا جو تمہارے پاس) حضرت موسیٰ کا دیا ہوا (ہے)۔ دونوں میں توحید الہی و نعت رسول پاک برابر موجود ہے اور شرعی قوانین ملتے جلتے ہیں (اور) تمہارے لئے مناسب یہی ہے کہ (نہ ہوسب) کافروں (سے پہلے) محض دشمنی کی بنا پر (انکار کرنے والے اس) قرآن و توریت و پیغمبر اسلام وغیرہ (سے)۔

مشرکین مکہ نے انکار کیا تو نادان تھے، ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہ تھی۔ تم جان بوجھ کر انکار کرو گے، تو دانستہ منکرین کی ابتدا کرو گے۔ اور اپنی ٹولی میں جو تمہاری وجہ سے انکار کریں گے، انکی فہرست کا سرنامہ تمہارا نام ہوگا۔ اور اپنی نسل کیلئے، جو تمہاری وجہ سے کفر پر رہ جائیں گے، تم پہلی بنیاد بنو گے (اور) یہ تمہارا رویہ کتنا برا ہے کہ چار چار سیر جو اور چار چار چاروں کیلئے توریت میں تحریف کرو۔ نعت رسول پاک نکال دو اور میرے رسول کو دجال بنا کر توریت میں جو ذکر دجال ہے اس کا مصداق ٹھہراؤ۔ امیروں کی خاطر سے قانون شریعت بدل کر ان سے آسانی برتو۔ اور غریبوں پر سختی کرو۔ اور صرف چندہ وصول کر کے پیٹ بھرنے کی لالچ میں پیغمبر اسلام کا کہانہ مانو۔ اور ڈر جاؤ کہ اس طرح تمہاری چندہ خوری جاتی رہے گی۔

اس کمینہ پن اور مجرمانہ زندگی کو چھوڑ دو، اور اب سے (نہ لومیری آیتوں کے بدلے) دنیاوی

(تمہوڑی قیمت) کہ ساری دنیا بھی آخرت کے مقابلہ میں ایک بے مقدار بے حقیقت چیز ہے (اور)

اے کعب ابن اشرف اور اے سارے یہودیو، تم ایک دوسرے کو ڈرو اور نہ بھوک اور منصب کو ڈرو، تم

اپنا بھلا چاہو تو بس، (مجھی کو تو) ہمیشہ ڈرتے رہو) کہ پھر ہر خوف سے محفوظ ہو جاؤ گے اور میرا خوف

تم کو میرے رسول کا نیاز مند بنادے گا۔

وَلَا تَكْتُمُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَانْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۰﴾

اور نہ ملاؤ حق کو باطل سے۔ اور نہ چھپاؤ حق کو، جب کہ تم جان بوجھ رہے ہو۔

(اور) ہوش سے کام لو۔ اور کبھی (نہ ملاؤ حق) میرے رسول (کو باطل) (دجال) (سے) (اور)

حق پوشی بہت بڑا جرم ہے۔ تم لوگ (نہ چھپاؤ حق) نعت رسول (کو) (جب کہ) بے خبر نہیں ہو بلکہ (تم جان بوجھ رہے ہو) اور ایسا جانے ہو کہ ان ہی رسول کے وسیلہ سے اپنی فحتمندی کی دعائیں کرتے تھے اور فحتمند ہوتے تھے۔ اب انکے قدم آگئے تو تم نادانی کرنے لگے۔

وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۲۱﴾

اور ادا کرتے رہو نماز کو اور دیتے رہو زکوٰۃ کو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

(اور) اللہ کے فرائض اب سے پورا کرتے رہو، یوں کہ (ادا کرتے رہو) پابندی کے ساتھ

(نماز کو) (اور) سال بسال (دیتے رہو زکوٰۃ کو) نماز تو پڑھو (اور رکوع کرو) مگر تنہا مناسب نہیں، بلکہ (رکوع کرنے والوں) کی جماعت (کے ساتھ)۔

أَتَاْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾

کیا حکم دیتے ہو لوگوں کو نیکی کا اور بھول جاتے ہو خود اپنے کو، حالانکہ تم تلاوت کرو کتاب کی، تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے۔ تم لوگ بھی عجیب ہو۔ جب اے کعب ابن اشرف اور سارے یہودیو، تم سے پوچھا گیا، رسول پاک کے بارے میں تو پہلا جواب تمہارا یہ تھا کہ لوگو یہ رسول برحق ہیں، انکی اتباع کرو۔ اور جب تمہارے اتباع کی نوبت آئی تو مکر گئے۔ تو (کیا حکم دیتے ہو) دوسرے (لوگوں کو نیکی کا) کہ اتباع رسول کریں اور نیک ہو جائیں (اور) اپنے حق میں (بھول جاتے ہو خود اپنے کو) اور اتباع کے بجائے انکار کرتے ہو (حالانکہ) تم جاہل نہیں ہو بلکہ (تم تلاوت) کیا (کرو) اپنی (کتاب) تو ریت (کی)۔ اس نادانی کا کیا لہکا تا ہے (تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے)؟ معمولی انسان کی سمجھ بوجھ بھی کھو چکے ہو۔

وَأَسْتَوْصُوا بِالضَّمِيرِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّلَاةِ إِلَّا عَلَى الْمُشْرِكِينَ ﴿۲۳﴾

اور عدا مت کو صبر سے اور نماز سے۔ اور بے شک وہ ضرور بوجھ ہے مکر شیع والوں پر۔

(اور) یاد رکھو کہ تم کو ہر حال میں مددگار کی ضرورت ہے۔ تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ ہر حال میں (مدد مانگو) خواہش کو دبا کر، پابندی شریعت کو برداشت کر کے، گناہوں سے بچنے کی مشقت قبول کر کے، روزہ رکھ کر، اور ہر قسم کے (صبر سے اور نماز) کی پابندی (سے) خواہ کتنا ہی گراں گزرے۔ اگر صبر و نماز کو اپنا مددگار بنا لیا اور ایسے صابر اور نمازی ہو گئے کہ تم صبر و نماز کے پیکر بن گئے، تو اب تم کو مددگار کی تلاش نہ ہوگی بلکہ مدد کے متلاشی تم کو تلاش کریں گے۔ (اور) نماز میں گرانی کون سی ہے؟ ہاں (پیشک وہ ضرور) گراں گزرتی ہے اور (بوجھ ہے) کابلوں اور بے خونوں کے حق میں (مگر خشوع والوں پر) بالکل آسان اور پھول کی طرح ہے۔ انکی بندگی فروتنی و بجز پسندی کو بھلی لگتی ہے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ آيَاتِنَا فَلْيُؤْمِرُوا بِرَأْيِهِمُ الْيَوْمَ لِيَرْجِعُونَ ۝

جو سمجھیں کہ بے شک وہ ملنے والے ہیں اپنے پروردگار کے اور بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں •

یہ خشوع والے وہ ہیں (جو) خوب اچھی طرح سے (سمجھیں) بوجھیں، یقین کریں (کہ) پیشک (انہیں مرنا ہے، پھر حشر کے دن اٹھنا ہے، اور اس دن (وہ ملنے والے ہیں) لذت دیدار پانے کیلئے (اپنے پروردگار کے) حضور (اور) انہیں اس دنیا کی تنگی میں ہمیشہ گرفتار رہنا نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے فضل سے (پیشک وہ) بالآخر (اسی) اللہ تعالیٰ (کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

يُنَبِّئُ اسْرَائِيلَ اذْكَرُوا لِعِمَّتِي الْبَيْتِ الْعَمَّتِ عَلَيْكُمْ وَاِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

اے اولاد یعقوب! یاد کرو میری نعمت کو، جو انعام فرمایا تھا میں نے تم پر اور بے شک میں نے ہی بڑھایا تھا تم کو زمانہ بھر پر •

(اے اولاد یعقوب) یہود یو! (یاد کرو میری) اس (نعمت) و احسان (کو) بھی (جو انعام فرمایا تھا میں نے تم) لوگوں کے بزرگوں (پر) (اور) تمہارے پاس پُدرم سلطان بود کی جو حکایتیں ہیں، تو خوب سمجھ لو کہ (پیشک میں نے ہی بڑھایا تھا) اور بلند رتبہ کیا تھا (تم) لوگوں کے بزرگوں (کو) انکے (زمانہ بھر پر) کہ انبیاء و سلاطین ہوتے تھے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

اور ڈرو اس دن کو کہ نہ بدلہ ہو کوئی کسی ناکس کا کچھ، اور نہ قبول کی جائے کسی ناکس کی سفارش،

وَلَا يُلِيْ خُدْمَهَا عَدَلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۲۰﴾

اور نہ لی جائے اس ناکس سے رشوت، اور نہ وہ مدد دے جائیں

(اور ڈرو) اور سوچ کر تھمز او (اس) قیامت کے (دن کو) جس دن مسلمانوں کو کیا پڑی ہے

کہ تمہاری کوئی بگڑی بنائے۔ تمہارے عوض کچھ بھگتے۔ تم خود اپنی آنکھ سے دیکھ لو گے (کہ) قیامت

کے دن (نہ بدلہ ہو کوئی) مسلمان (کسی ناکس) کافر (کا کچھ) اور اگر تم میں سے ایک نے دوسرے

کی سفارش کی، تو تم سب لوگ ناکس کے ناکس ہو (اور) تم دیکھو گے کہ قیامت کے دن (نہ قبول کی

جائے کسی ناکس) کافر (کی) کوئی (سفارش) کہ ہر کافر شفاعت کرنے اور شفاعت کئے جانے سے

محروم ہے۔ (اور) اگر تم اپنی کچھریوں کا انداز دیکھ کر خیال کرو کہ رشوت سے کام چل جائے گا، تو یاد

رکھو قیامت کے دن تم خود دیکھو گے، کہ (نہ لی جائے اس ناکس) کافر (سے) کوئی (رشوت) گواپنے

برابر کا ہیرا، یا قیمتی سے قیمتی چیز دینا چاہے، (اور) اسکا بھی موقع نہ ہوگا کہ تمہیں مددگاروں کی کمک پہنچے،

کیونکہ کافروں کیلئے یہ طے ہے، کہ نہ کسی کی مدد کر سکیں اور (نہ وہ مدد دے جائیں)۔

وَأَذِّنْ لَكُمْ فِتْنَةً أَلْ قُرْعَانَ يَسُومُونَكُمُ سَوَاءَ الْعَذَابِ يُذِخُّونَ آهْنَاءَكُمْ

اور جب نجات دلائی تھی ہم نے تم کو فرعونوں سے۔ جو دیا کریں تم کو برا دکھ، ذبح کر دیا کریں تمہارے بیٹوں کو

وَيُكْفِيُونِ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۲۱﴾

اور زندہ رکھ چھوڑیں تمہاری عورتوں کو، اور تمہاری اس حالت میں آزمائش دی تمہارے پردہگاری طرف سے بہت بڑی

اسے یہودیوں! یاد کرو (اور) میرا احسان مانو۔ کتنا بڑا ہمارا کرم تھا (جب نجات دلائی تھی ہم

نے تم) لوگوں کے مورثوں (کو) ظالم اور بے رحم (فرعونوں) ولید ابن مصعب، شاہ مصر کے حوالی موالی

(سے) تمہیں معلوم ہے کہ فرعون مصر میں سے اس فرعون نے، جو حضرت موسیٰ کے زمانہ کافر فرعون کہلاتا

ہے اور جس کی عمر چار سو برس کی ہوئی، اس نے خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ چلی

جس نے قوم فرعون، قبیلوں کے گھر چھوٹک دئے اور بنی اسرائیل، اولاد یعقوب کے گھر محفوظ رہے

اور اس کو تعبیر دی گئی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لاکا ہوگا، جو قوم فرعون کو تباہ کر دے گا۔ اور بنی اسرائیل

کو بلند رتبہ بنا دے گا۔

چنانچہ اپنے کرتا دھرتا لوگوں سے مشورہ کر کے، اس نے چاہا کہ اسرائیل میں جوڑ کا پیدا ہو وہ قتل کر دیا جائے۔ ایک سال کے بچے چھوڑے جائیں تو دوسرے سال کے بچے مار ڈالے جائیں۔ چنانچہ اس نے یہی کیا۔ اور ساری قوم کی یہ پہچان ہو گئی کہ (جو دیا کریں تم کو برادکھ) دکھ تو سبھی برے ہیں، مگر وہ ہر دکھ سے برادکھ پہنچاتے رہے۔ انکے اس بے رحمانہ ظلم کو دیکھو کہ (ذبح کر دیا کریں) بے دریغ (تمہارے بیٹوں کو) اور ترس نہ کھائیں (اور زندہ رکھ چھوڑیں) اپنی لونڈی بنانے کیلئے (تمہاری) قوم کی (عورتوں کو) (اور) سمجھ لو کہ (تمہاری اس) سب (حالت میں) وہ زمانہ عیش و عشرت ہو یا عہد تکلیف و مصیبت ہو (آزمائش) تمہاری ہوتی (رہی) (تمہارے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کی طرف سے) اور آزمائش معمولی نہیں، بلکہ (بہت بڑی)، اندازہ سے باہر۔

وَإِذْ قَرَّبْنَا بَعْضَ الْبَحْرَيْنِ لِيُفْتِنَ إِسْرَائِيلَ وَأَنَّهُ سَرَبَ فِي الْبَحْرِ فُرْعُونَ وَآلُ فِرْعَوْنَ وَآلُ مَرْيَمَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ

اور جب پھاڑ دیا تھا ہم نے تمہارے سب دریا کو تو بچا لیا ہم نے تمہیں اور ڈبو دیا ہم نے فرعونوں کو، اور تم دیکھ رہے ہو (اور) اے یہود یو! ہمارا کتنا بڑا احسان ہوا تھا (جب) بنی اسرائیل کو لے کر حضرت موسیٰ مصر سے ہجرت کر کے چلے جا رہے تھے اور فرعونوں نے انکو پکڑنے کیلئے فرعون کی سرکردگی میں دھاوا کیا تھا۔ اور راستہ میں جب وہ دریا پڑا، جسکا نام 'بحر قلزم' ڈو دیا، اسف ہے، بنی اسرائیل ڈر رہے تھے کہ پیچھے فرعون کی لاکھوں فوج ہے اور سامنے دریا ہے اور حکم الہی سے حضرت موسیٰ نے اپنا عصا مارا، تو سب نے دیکھا کہ اس وقت (پھاڑ دیا تھا ہم نے تمہارے) موروثوں کے (سبب) کہ بے خوف نکل جائیں اور ایسا پھاڑ تھا (دریا کو) کہ دونوں جانب پانی کی دیوار تھی جسکے درمیان خشک زمین چار فرسخ کی نکل آئی تھی (تو بچا لیا ہم نے تمہیں)۔ فرعون اور سارے فرعون، جو لاکھوں تھے، سامان جنگ کے ساتھ زرگھوڑوں پر سوار تھے، دریا کا یہ نقشہ دیکھ کر فرعون نے ڈیگ ماری کہ میری ہیبت سے دریا پھٹ گیا ہے۔ مگر کسی کی ہمت اس میں اترنے کی نہ پڑتی تھی۔ جبرئیل امین ایک مادہ گھوڑی پر نمودار ہوئے اور دریا میں اترے، تو فرعون کا گھوڑا ابھی روکے نہ رکھا اور پھاند پڑا۔ پھر بے تحاشہ سارے فرعونوں کے گھوڑے بھی کود پڑے (اور) دریا کے دونوں کناروں کو ملا کر (ڈبو دیا ہم نے) سارے (فرعونوں کو) وہ کچھ بہت دور نہیں جا چکے تھے۔ اتنے فاصلہ پر وہ ڈبوئے گئے تھے کہ تمہاری نگاہ ان تک پہنچے (اور تم) انہیں ڈوبتے ہوئے اپنی آنکھ سے خود (دیکھ رہے ہو)۔

وَاذْوَءَنَا مَوْسَى الْكَرْبَعَيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۰﴾

اور جب کہ وعدہ دیا ہم نے موسیٰ کو چالیس رات کا۔ پھر بت بنا لیا تم نے گوسالے کو ان کے بعد، اور تم اندھیر والے ہو۔ (اور) اے یہودیو! اس واقعہ کو بھی سوچو اور یاد کرو (جب کہ وعدہ دیا) تھا (ہم نے موسیٰ کو) کہ (چالیس رات کا) چلہ کر کے کوہ طور پر آؤ اور ہمارا فرمان لے جاؤ (پھر) قبیلہء سامرہ کا سنار 'میخا' نام نے سب کے زیورات کو جو قبیلوں سے ملے تھے کہہ کہہ کر اکٹھا کیا کہ یہ مال غنیمت ہے اور شریعت موسیٰ میں مال غنیمت کا استعمال حرام ہے۔ اور اس گوسالہ پرست قوم کے آدمی نے زیورات کو گلا کر گوسالہ کا بت بنایا۔ اس نے ایک مرتبہ یہ بھی دیکھا کہ روح الامین گھوڑے پر سوار ہیں اور گھوڑے کی ٹاپ جہاں پڑتی ہے، زمین کا ذرہ ذرہ زندگی پا جاتا ہے۔ وہ خاک اسکے پاس تھی جس کو گوسالہ کے بت میں ڈال دی، تو وہ آواز دینے لگا۔ اور اُس کو اُس نے الہ موسیٰ قرار دیکر، حضرت ہارون اور اُنکے بارہ ہزار رفیقوں کے سوا (بت بنا لیا تم) سب (نے) اس (گوسالے کو) حضرت موسیٰ کی موجودگی میں نہیں، بلکہ (انکے) طور پر جانے کے تیسرے یا چوتھے عشرہ کے (بعد) (اور تم) خود اپنے ہی حق میں بڑے ہی (اندھیر) ڈال دینے (والے ہو)۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۱﴾

پھر معاف فرما دیا ہم نے تم سے اس کے بعد۔ کہ اب شکر گزار ہو۔

اب ہمارا کرم دیکھو کہ (پھر) جب حضرت موسیٰ کوہ طور سے مع الواج توریث کے لوٹے اور اس واقعہ کو دیکھا اور جلال سے بھر گئے اور ہمارے حکم سے تمہارا قتل عام ہونے لگا تو حضرت موسیٰ سے دیکھا نہ گیا اور دست بدعا ہوئے تو (معاف فرما دیا ہم نے) اور سزا اٹھائی (تم سے اس) تمہارے جرم شدید، بت پرستی (کے بعد) (کہ) بارہا نافرمانی کر چکے اور سزا پاتے رہے، (اب) تو (شکر گزار) ہو جاؤ۔

وَإِذْ آتَيْنَا مَوْسَى الْكِتَابَ وَالْقُرْآنَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۲﴾

اور جب کہ دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق باحق کا امتیاز، کہ تم لوگ اب اور راست پر آ جاؤ۔

(اور) اے یہودیو! اس سلسلہ میں اس واقعہ کو یاد کرو (جبکہ وہی) تھی (ہم نے) کوہ طور پر بلا کر (موسیٰ کو کتاب) توریث، جس میں ہدایت و ضلالت کی تفصیل ہے (اور حق، باحق کا امتیاز) ہے (کہ) ابھی تک (تم لوگ) بھٹکتے رہے ہو۔ تو (اب راہ راست) پا کر اس (پر آ جاؤ)۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا

اور جب کہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے کہ اے میری قوم بے شک تم نے اندھیر کر دیا خود اپنے لیے اپنے بت بنالینے سے گوسالہ کو، تو متوجہ ہو جاؤ

إِلَىٰ بَارِيكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِيكُمْ

اپنے پیدا کرنے والے کی طرف، کہ قتل کر ڈالو اپنوں کو۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

پس توبہ قبول فرمائی تمہاری، بیشک وہی توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا ہے۔

(اور) اسی واقعہ کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ (جب کہ) کوہ طور سے واپسی پر گنو سالہ پرستی دیکھی تھی تو (کہا) تھا (موسیٰ نے اپنی قوم کے) فائدہ کے (لئے) اور اعلان کیا تھا (کہ اے میری قوم بیشک تم نے) بہت بڑا (اندھیر کر دیا خود اپنے لئے) کسی کا کچھ نہ بگڑا، خود تمہارا بگڑا، تمہارے (اپنے بت بنالینے سے) تصویر (گنو سالہ کو) ایسا مشرکانہ جرم کر ڈالا ہے (تو) اس کے سوانحیات کی کوئی صورت نہیں کہ (متوجہ ہو جاؤ اپنے پیدا کرنے والے) اللہ تعالیٰ (کی طرف)۔ سچے دل سے توبہ کرو اور اسکے حکم کے سامنے گردن ڈالو۔ (کہ قتل کر ڈالو) اپنے ہاتھ میں تلوار لیکر خود (اپنوں کو)۔ ہر گنو سالہ پرست گردن جھکا کر کھڑا ہو جائے اور جو اس جرم میں نہ تھا وہ گردن کا ثنا چلا جائے۔

توبہ کا (یہ) طریقہ رہ گیا ہے جو نہایت (بہتر ہے تمہارے لئے) اسی میں تمہارا بھلا ہے کسی اور کے نہیں، بلکہ خود (تمہارے پیدا کرنے والے) اللہ تعالیٰ (کے نزدیک) کیونکہ ایمان لانے کے بعد تم گنو سالہ پرستی کے سبب مرتد ہو چکے۔ اور مرتد کی سزا اللہ تعالیٰ کے نزدیک، باوجود توبہ کے قتل ہے۔ چنانچہ مجرموں نے ایسا ہی کیا اور دوزانوں بیٹھ کر گردن جھکا دی اور قتل عام ہوتا رہا۔ مگر کسی نے سر نہ اٹھایا نہ جنبش کی، یہاں تک کہ ستر ہزار کو، ان بارہ ہزار نے، جو حضرت ہارون کے ساتھی تھے اور گنو سالہ پرستی میں شریک نہ تھے، قتل کر ڈالا۔ اس منظر سے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کے رحم و کرم میں جوش آ گیا۔ دست بہ دعا ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اب بچے ہوؤں پر رحم فرمائے (پس) بنی اسرائیل کے اس توبہ کے انداز اور حضرت موسیٰ و ہارون کی دعا کی بدولت (توبہ قبول فرمائی تمہاری) اللہ تعالیٰ نے۔ مقتولوں کو شہادت کا درجہ بخشا اور جو بچ گئے انھیں معاف فرمادیا اور بخش دیا (بیشک وہی) اللہ تعالیٰ (توبہ قبول فرمانے والا، بخشنے والا ہے) جسکی توبہ وہ نہ قبول فرمائے تو پھر کون قبول کرے اور جسکی توبہ وہ قبول فرمائے اُسے کوئی رو نہیں کر سکتا۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرًا

اور جب تم لوگ بولے تھے کہ اے موسیٰ ہرگز نہ مانیں گے ہم آپ کو، یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ کو علانیہ،

فَأَخَذْنَاكُمْ ذُئْبَةً وَمِثْلَهُ مَنظُرُونَ ﴿۱۰﴾

پس پکڑا تم لوگوں کو کڑکٹی بجلی نے، اور تم دیکھ رہے ہو۔

(اور) اس واقعہ کا اہم حصہ وہ بھی ہے (جب) اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ نے ستر آدمیوں کو چنا تھا۔ اور ان سے روزہ رکھوا کر، کپڑے پاک صاف کرانے کے بعد، کوہ طور پر لیکر چلے کہ گنو سالہ پرستوں کیلئے عذرخواہ ہوں۔ وہاں پہنچتے ہی ایک ابر کا پایہ کھڑا ہو گیا جس میں حضرت موسیٰ داخل ہو گئے اور ان ستر لوگوں کو بھی بلایا جو اس میں داخل ہوئے اور سجدہ میں گر پڑے۔۔۔ حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔

اس وقت اگلے چمکتے چہرہ پر نگاہ ڈالنا بشر کی طاقت سے باہر تھا، لہذا پردہ ڈال لیا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سب نے سنا، مگر اے یہودیوں کو کتنی بڑی یہ تمہاری شرارت آ بانی ہے کہ (تم لوگ بولے تھے کہ اے موسیٰ) آج ہم اس مقام میں ہیں جہاں پہنچ کر کوئی آدمی دل سے مان جانے کے سوا آپ کے خلاف شک بھی عمر بھر نہیں کر سکتا۔ مگر ہم لوگوں کو پوچھئے تو صاف بات یہ ہے کہ (ہرگز نہ مانیں گے ہم آپ کو)۔ اے حضرت موسیٰ (یہاں تک کہ) اپنی انہی آنکھوں سے اسی مقام پر اچھی طرح (ہم دیکھ لیں) گے (اللہ تعالیٰ) (کو علانیہ) صاف صاف، جیسے ہم ایک دوسرے کو دیکھا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کلام الہی سن کر بھی، حضرت موسیٰ کے نہ ماننے کی دھمکی اجتہادِ جب کی مجرمانہ بغاوت اور سرکشی تھی۔ (پس) اس جرم کی سزا میں (پکڑا تم لوگوں کو کڑکٹی) ڈراؤنی، جھلسا دینے والی (بجلی نے) جس میں پڑ کر تم لوگ اس طرح مر گئے، کہ ایک ایک مرتے جا رہے ہو (اور تم) ایک دوسرے کو مرتے ہوئے (دیکھ) بھی (رہے ہو)۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْهُمُ ابْنَةَ مُوسَىٰ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿۱۱﴾

پھر اٹھایا ہم نے انہیں بعد تمہاری موت کے، کہ اب شکر گزار ہو۔

تم تو اس قابل نہ تھے کہ تم پر ترس کھایا جاتا۔ مگر حضرت موسیٰ کو خیال آیا کہ یہاں سے تمہا تو م کے پاس جا کر کیا صورت ہوگی۔ انہوں نے انکار کی کافرانہ دھمکی کا کچھ خیال نہ کیا اور تم سے کام لیکر

دست بہ دعا ہوئے۔ یہ دعا مقبول بندہ کی دعائیں۔ چنانچہ قبول ہوئی (پھر) کیا تھا۔ حضرت موسیٰ کے کہنے سے (اٹھایا) زندہ کھڑا کر دیا (ہم نے تم کو بعد تمہاری موت کے) کہ بالکل مر چکے تھے، حکمت یہ تھی (کہ) ابھی تک کفر ان نعمت کرتے رہے ہو۔ تو (اب) کسی طرح (شکر گزار ہو) جاؤ۔

وَضَلَلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَانزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلْوٰی ط كَلُوْا مِنْ

اور ساتبان کیا ہم نے تم پر ابر کو، اور اتار تم پر من اور سلویٰ کو، کہ کھاؤ

طَبِيْبَتٍ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَلُوْا اَنْفُسَكُمْ يٰظٰلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

پاکیزہ چیزوں سے جو دیا ہم نے تمہیں، اور انھوں نے نہیں اندھیر میں ڈالا ہم کو، لیکن وہ لوگ خود اپنے کو اندھیر میں ڈالتے تھے • (اور) مصر سے دوبارہ نکلنے، دریا سے پار ہونے پر یہ واقعہ کا حصہ بھی خاص ہے کہ جب تم لوگ اے یہودیو! ایک چٹیل گرم میدان میں پہنچے، جہاں نہ کوئی سایہ تھا، نہ کچھ کھانے کو تھا۔ تم اس سفر سے یوں ہی گھبرائے ہوئے تھے اور مصر کی جدائی کا قلق رکھتے تھے، کہ فرعونینوں کے بعد اس پر مفت کا قبضہ کر چکے تھے، اور چین کر رہے تھے۔ چنانچہ قدم قدم پر حضرت موسیٰ سے ایسے سوالات کرتے تھے کہ کسی طرح یہ سفر ملتوی ہو جائے۔ اس عذابی گرم چٹیل کو پا کر تم کو موقع ملا کہ واپسی کیلئے عذر کرو۔ کہ نہ یہاں سایہ ہے نہ کچھ کھانے کو ہے۔

چنانچہ تم نے یہ کہہ بھی ڈالا (اور) تمہارے عذر کو ختم کرنے کیلئے حضرت موسیٰ کی دعا سے (ساتبان) کی طرح سایہ گستر (کیا ہم نے تم) لوگوں کے موروثوں (پر) سفید رنگ کے (ابر کو)۔ یوں دھوپ سے پناہ دی (اور) تمہارے کھانے کو کچھ نہ تھا تو (اتار تم) لوگوں کے موروثوں (پر) بے مشقت کی غذا (من) ترنجبین شیریں کی طرح ایک چیز (اور) بیروغیرہ کی طرح پرند (سلویٰ کو) اس حکم کے ساتھ (کہ کھاؤ) اور بس کھاؤ (پاکیزہ چیزوں) من و سلویٰ (سے جو دیا ہم نے تمہیں) اور کھانے کے سوا کچھ اٹھا کر نہ رکھو۔ روز جو ملے کھا جایا کرو۔ ہاں سینچر کے دن تم کو کچھ نہ ملے گا۔ مگر جو کوا تانا ملے گا کہ سینچر کیلئے رکھ دو گے، تو تمہارا کام چل جائے گا۔ اور کسی دن بھی دوسرے دن کیلئے مت رکھنا۔ مگر اے یہودیو! تم سے اس بارے میں بھی صبر نہ ہو سکا اور تمہارے موروثوں نے روزانہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ جو دوسرے دن سڑ جاتا تھا اور کھانے کی سڑنے کی ابتدا انہی سڑی لوگوں سے پڑی۔

بالآخر من و سلویٰ کی نعمت بے مشقت سے محروم ہو گئے۔ کتنی بڑی بات اندھیر کی ان سے ہوئی،

لیکن ہمارا کیا بگڑا (اور) سچ یہ ہے، کہ (انہوں نے) اس حرکت سے (نہیں) اندھیر میں ڈالا ہم کو) اور وہ ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں (لیکن) ہاں (وہ لوگ خود اپنے کو) اپنے کرتوت سے (اندھیر میں ڈالتے تھے) اور خود اپنی بنی کو بگاڑتے تھے۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَلَكَؤَامِنًا حَيْثُ شِئْتُمْ دَعْوًا إِذْ ادْخَلُوا الْبَابَ سُبْحَانًا

اور جبکہ حکم دیا ہم نے کہ داخل ہو جاؤ اس آبادی میں پھر کھاتے رہو اس سے جہاں چاہو بے کھٹکے، اور داخل ہو روزانہ میں سجدہ کرتے ہوئے،

وَقُولُوا حِطَّةٌ نَعْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَسَاوِدُ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور عرض کرو کہ معافی ہو، ہم بخش دینگے تمہاری خطاؤں کو، اور قریب ہے کہ ہم زیادہ دیں احسان والوں کو۔

(اور) اس سفر نامہ کا یہ حصہ یاد رکھو کہ حضرت موسیٰ کا منشاء تھا کہ شہر اریحا کو جس پر قوم عاد میں سے بچے ہوئے 'عمالقہ' آباد تھے اور 'عوج بن عنق' انکا حکمراں تھا۔ اسکو بنی اسرائیل فتح کر کے وہاں سے کفر کو مٹا کر آباد ہو جائیں اور سرزمین شام کے سبزہ زاروں میں چین کریں۔ اور یہ بھی منشاء تھا کہ شہر بیت المقدس میں، جوان کا قبلہ تھا، حاضر ہوں اور آج تک شامت اعمال سے جو خطائیں کرتے رہے ہیں اس پر مغفرت کے طالب ہوں۔ چنانچہ یاد کرو (جب کہ) اس منشاء کی تکمیل کیلئے (حکم دیا ہم نے کہ) اے بنی اسرائیل بے دھڑک (داخل ہو جاؤ اس) شہر کی (آبادی میں) (پھر) مالکانہ شان سے (کھاتے رہو اس) کی پیداوار (سے) جس وقت اور (جہاں چاہو بے کھٹکے) کوئی روک ٹوک نہیں (اور داخل ہو) تو بہ کے (دروازہ میں) عاجزانہ شکل میں (سجدہ کرتے ہوئے) (اور) یوں (عرض کرو) دعا مانگو (کہ معافی ہو)۔ یہی لفظ کہو یا استغفار ایسی کرو، بسم اللہ شریف، کلمہ، تو حید، پڑھو کہ تمہاری معافی ہو جائے۔ تمہارے اس انداز بندگی کو دیکھ کر (ہم بخش دینگے تمہیں) اور معاف کر دیں گے (تمہاری خطاؤں کو) اتنا ہی کرم نہیں بلکہ اگر تم لوگ سراپا اخلاص و پیکر احسان ہو گئے تو ہم یہ کرینگے کہ (اور) زیادہ کرم فرمائیں گے۔ اے یاد رکھو کہ (قریب ہے کہ ہم زیادہ دیں احسان والوں کو)۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ

تو بدل ڈالا جنہوں نے اندھیر کر رکھا تھا، بات کو اسکی دوسری بولی جو سوسانی گئی تھی انہیں، تو اتنا ہم نے ان پر

ظَلَمُوا إِجْزَاءً مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝

جنہوں نے اندھیر کیا تھا، عذاب کو آسمان سے، کہ وہ نافرمانی کرتے جا رہے تھے۔

مگر بنی اسرائیل شرارت پر اتر آئے (تو) اس وعدہ و کرم سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا بلکہ سرکشی کرتے ہوئے (بدل ڈالا جنھوں نے اندھیر کر رکھا تھا) ہماری (بات کو) ہماری تعلیم کے خلاف (اسکی دوسری بولی سے جو سکھائی گئی تھی انھیں)۔ حکم ہوا تھا حِطَّةَ، کا، وہ مسخروں کی طرح حِطَّةَ، حَبَّةٌ فِیْ شَعْرَةٍ، گیہوں گیہوں بالیوں کے دانے بننے لگے (تو) اس نافرمانی پر (اتارا ہم نے ان) ظالموں (پر) (جنھوں نے) اس قسم کا (اندھیر مچایا تھا عذاب)، طاعون (کو آسمان سے) جس سے ستر ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔ یہ سزا اسلئے دی گئی (کہ وہ نافرمانی کرتے جا رہے تھے) بار بار نافرمانی کرتے جا رہے تھے۔ بار بار نافرمانی کرتے، حکم کے خلاف چلتے۔

وَإِذْ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَا عَشَرَ نَبِئًا

اور جبکہ پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے، تو فرمایا ہم نے کہ مارو اپنے عصا سے پتھر کو۔ پس پھوٹ نکلے اس سے

عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرِبَهُمْ كَوُوا وَاشْرُوا مِن

بارہ چشمے۔ ٹھیک جان لیا سب لوگوں نے اپنے اپنے گھاٹ کو۔ کھاتے رہو اور پیتے رہو

رَبِّ رَبِّكَ وَلَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ

اللہ کی روزی سے، اور نہ پھرتے رہو زمین میں فساد مچاتے

(اور) اس ناپاک حرکت سے کسی طرح باز نہیں آتے تھے۔ ریگستان میں پانی نہ تھا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے عرض کیا کہ ہم پیاس سے مرے جا رہے ہیں، تو یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی درخواست سن کر (جب کہ پانی مانگا موسیٰ نے) اور پانی کیلئے دعا کی (اپنی قوم کیلئے) کہ انھیں پانی دیا جائے (تو فرمایا ہم نے کہ) یہ تمہارے پاس بارہ ابھار رکھنے والا پتھر ہے تم (مارو اپنے عصا سے) اس (پتھر کو) حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔

(پس پھوٹ نکلے اس) پتھر (سے) ہر ابھار سے ایک ایک، کل (بارہ چشمے) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اور فطرت ایسی تھی کہ ایک گھاٹ سے سب پانی پینے پر اکٹھا نہیں ہو سکتے تھے۔ لہذا حضرت موسیٰ کے معجزے سے ہر قبیلہ کیلئے عصا مارنے پر پانی نکل آتا اور پھر خشک ہو جاتا تھا۔ جب پانی پہلے ٹپکے، پھر بہنے لگے، تو بغیر کسی اختلاف کے (ٹھیک جان لیا) تھا (سب) بنی اسرائیل کے (لوگوں نے) ہر قبیلہ نے (اپنے اپنے گھاٹ کو) جہاں سے وہ پانی لیا کریں۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا

کہ من و سلویٰ کو خوب (کھاتے رہو) (اور) اپنے اپنے گھاٹ سے سیراب ہو کر پانی (پیتے رہو) اس میں تمہاری تو کچھ بھی کمائی اور مشقت کا دخل ہی نہیں ہے، بلکہ یہ سب کچھ (اللہ کی روزی سے) ہے (اور) اپنی چال چلن ٹھیک کر لو اور آئندہ (نہ پھرتے رہو زمین میں فساد مچاتے) کہ جہاں جاؤ سنسنی پیدا نہ کرو، اور بھلے مانسوں کی طرح زندگی گزارو۔ مگر اے یہودیو! تم اس کھانے پینے کی بے مشقت نعمت کی قدر نہ کر سکتے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامِ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا

اور جب عرض کیا تھا تم نے کہ اے موسیٰ ہرگز نہ صبر کریں گے ہم ایک غذا پر، تو پکارے ہمارے لیے اپنے پروردگار کو کہ نکالے

ثَبْتِ الْأَرْضِ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصِلِهَا

ہمارے لیے جو اگا کرتی ہے زمین، ساگ اور گلڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔

قَالَ اسْتَبِدُّ لَوْ أَنَّ الذِّئْبَ يُؤَدِّي بِالذِّئْبِ هُوَ خَيْرٌ لَّاهِبَطُوا مِصْرًا فَإِنَّ

انہوں نے کہا کہ کیا بدل کر لینا چاہتے ہو اس کو جو کمتر ہے اس سے جو بہتر ہے؟ اترو مصر کسی شہر میں تو بے شک

لَكُمْ نَأْسَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءَؤُا وَيَغْضَبُ مِنَ اللَّهِ

تمہارے لیے ہے جو بگھمتم نے مانگا۔ اور چھاپ دی گئی ان پر رسوائی اور غربت، اور لو نے وہ غضب الہی میں۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَا

یہ اس لیے کہ بلاشبہ وہ انکار کرتے رہے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے انبیاء

بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكُمْ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ

• کوناقن۔ یہ غضب اس لیے کہ گناہ کیا انہوں نے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

(اور) تم کو یاد کرنا چاہئے (جب عرض کیا تھا) اس عیش و عشرت کے خلاف (تم) لوگوں کے

مورثوں (نے) اور کہا تھا (کہ اے موسیٰ) نہ تو کلیم اللہ، نہ تو رسول اللہ، بلکہ جیسے ایک دوسرے کا نام

لے کر پکارتے ہیں۔ اسی بدتمیزی اور بے تعظیسی کے ساتھ پکارا اور کہا کہ (ہرگز نہ صبر کریں گے ہم

ایک قسم کی (غذا پر) کہ بس اسی پر ہمیشہ اکتفا کریں (تو) دعا کیجئے اور (پکارے ہمارے) فائدہ

کے (لئے) اللہ تعالیٰ (اپنے پروردگار کو کہ) پیدا فرمایا کرے اور (نکالے ہمارے لئے) وہ کھانے کی

چیزیں (جو) آسمان سے نہیں گرتی ہیں، بلکہ اُسے (اگا یا کرتی ہے زمین) وہ کہ پیداوار ہو، جیسے

(ساگ) پات (اور کلڑی) کھیرا (اور گےہوں) جو (اور مسور) ماش (اور پیاز) لہسن وغیرہ۔ حضرت موسیٰ کو تمہاری جدت پسندی کیسے پسند آتی (انہوں نے) تمہاری اصلاح کیلئے (کہا کہ) ذرا سوچو تو کہ کیا مانگا رہے ہو؟

(کیا بدل کر لینا چاہتے ہو اس) زمین کی پر مشقت پیداوار (کو جو) پسینہ بہا کر، بوٹی گلا کر، دھوپ سہ کر، بھوکے رہ کر، پیدا کی جاتی ہے۔ اور (کمتر ہے اس) مفت آسانی نعمت (سے جو) بالکل بے مشقت ہے اور (بہتر) بھی (ہے)۔ تم لوگوں کا دماغ ایسا ہی ٹل گیا ہے تو جاؤ (اترو) ہمارے (مصر) میں غرض (کسی شہر میں) (تو) ہل بیل سے لگو، کھیت جو تو، (پیشک) وہاں محنت و مشقت کرنے پر (تمہارے لئے) وہ ترکاری، اناج پیدا ہونے والی (ہے جو کچھ) زمین کی پیداوار مجھ سے (تم نے مانگا) ہے۔

ایسے بد بخت، بد تمیز، آسمانی برکتوں سے گھبرا اٹھنے والی قوم، یہود، کو سخت سزا دی گئی (اور) چھاپ دی گئی ان (یہودیوں (پر) دنیا میں (رسوائی)۔ عالم کی نظر میں ذلیل رہیں۔ اور جو کام کریں اس میں رسوا ہوں۔ بے کسی سہارے کے کہیں پناہ نہ پائیں (اور غربت) کہ فتنوں پر کمائی اڑادیں اور چین کی روٹی نہ کھاسکیں (اور) اتنا ہی نہیں، بلکہ اپنے بُرے کرتوت سے (لوٹے وہ) یہودی (غضب الہی میں) ان پر اللہ تعالیٰ کی پھینکا رہے (یہ) سزا انکو (اسلئے) دی گئی (کہ بلاشبہ وہ) ہمیشہ سے (انکار کرتے رہتے تھے) اور اب بھی انکار کرتے رہتے ہیں (اللہ کی آیتوں کا) حضرت موسیٰ سے لے کر پیغمبر اسلام تک، اور توریت سے لیکر قرآن پاک تک، کسی کو بھی نہ مانا اور نہ مانتے ہیں۔

(اور) کیسے ظالم و مجرم ہیں کہ، ماوشا کا کیا ذکر ہے، یہ لوگ (قتل کرتے) رہتے تھے (انبیاء کو) مثلاً حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت شعیب وغیرہ کو۔ حد ہو گئی کہ ایک دن میں ستر ستر انبیاء کو شہید کر ڈالا (ناحق)۔ جو کسی طرح حق ہو ہی نہیں سکتا اور جسکے حق و جواز کیلئے کوئی راہ نہیں نکل سکتی (یہ) اللہ کا (غضب اسلئے) ہے (کہ) اللہ و انبیاء کا (گناہ کیا) تھا (انہوں نے)۔ اللہ کے حکم کو نالتے تھے اور انبیاء کو اپنے جیسا بشر قرار دے کر پکارتے، انکے قتل کو عوام کے قتل کے برابر جانتے، انکی نبوت کی برتری معمولی چیز سمجھتے (اور) ہر بات میں (حد سے بڑھ جاتے تھے)۔

یہودیوں کی شرارتوں اور کافرانہ خباثتوں کا جو کچھ تذکرہ ہو چکا ہے یا قرآن میں آئندہ ہو، اسکو سن کر کافروں کا کوئی طبقہ یہ نہ سمجھ لے کہ اب ان کیلئے رحمت خداوندی سے مایوس

ہو جانے کے سوا کوئی راہ نجات کی باقی نہیں رہی ہے۔ یہ تذکرے صرف اسلئے ہیں کہ اس قسم کی کافرانہ جراتوں سے کوئی دوبارہ کام نہ لے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ سب کیلئے کھلا ہوا ہے، جو چاہے مستحق بجز رحمت کو حاصل کر لے اور نجات پا جائے۔ یہ اسلام اور اسلام کے پیغمبر، اسی رحمت و نجات کا پیغام اور پیغمبر ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّبِيَّانَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

بے شک مسلمان قوم اور یہودی قوم اور عیسائی قوم اور صابی قوم، جو اب واقعی مان گیا اللہ اور پچھلے دن کو

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۰۱﴾

اور کئے کرنے کے لائق کام تو انہیں کیلئے ہے انکا ثواب انکے رب کے پاس، اور نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں۔ چنانچہ (پچھلے مسلمان قوم) نام کے مسلمان ہوں یا کام کے (اور یہودی قوم) سچے ہوں یا جموں (اور عیسائی قوم) کچے ہوں یا کچے (اور صابی قوم) نیچری، لاندہب ہوں یا کوئی کفری دین کے پابند ہوں، غرض کوئی کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو ان میں سے (جو) (اب) پیغمبر اسلام کے آنے کے بعد، ان کا پیغام من کر، قبول کر کے اسی کی روشنی میں (واقعی) سچے دل سے (مان گیا اللہ) تعالیٰ کو، جو اسلام کا سب سے پہلا سبق ہے اور جس پر سارے اسلام کی تعمیر ہے (اور پچھلے دن) روز قیامت (کو) جو اسلامی تعلیم میں باب عقائد کا آخری مسئلہ ہے۔ غرض اسلام کی تعلیم کو اول سے آخر تک قبول کر لیا۔ اور یقین کر لیا کہ اللہ واحد و یکتا ہے، اسکے سوا کوئی نہ قدیم ہے، نہ معبود ہے، اس نے ہماری ہدایت کیلئے انبیاء بھیجے۔ انبیاء تک اس کا پیغام لے کر فرشتے آتے ہیں۔

انبیاء کے پاس صحیفے، کتابیں اتریں، نیکی و بدی کا پیدا کرنے والا وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ سب کو مرنے کے بعد اٹھنا ہے اور قیامت کے دن حساب کتاب ہوگا۔ جنتی جنت، جہنمی جہنم پائیں گے۔ مگر ان ایمانیات کو مان کر نہیں رہ گیا بلکہ اس نے حسن عمل دکھایا (اور کئے) تو (کرنے کے لائق کام) کئے جیسے حضرت سلمان فارسی، کہ تلاش حق کو نکلے، تو یہودیوں میں بے، بیسائیوں میں گھسے، دہریوں سے ملے، یہاں تک کہ اسلام کو پایا۔ اور کچے سچے مسلمان ہو گئے۔

اسی طرح جو اہل باطل سے پختہ مسلمان ہو جائے اور جو پختہ ہی مسلمان ہو، وہ ایمان ہی پر موت پا جائے، کہ ہر نجات سب کیلئے اسی خاتمہ بالخیر پر ہے (تو) اس کی گذری ہوئی ہے دینی یا

بدیہی کی پکڑ نہ ہوگی اور اس کی بدی وقتنہ پردازی کی سزا نہ دی جائے گی بلکہ انکے اسلام قبول کرنے کے بعد (انھیں کیلئے ہے ان کا ثواب) ایمان و حسن عمل کا (ان کے رب کے پاس) اسلام انکے نامہ اعمال کی سیاہی کو اس طرح وھودے گا کہ اب انکے زمانہ جاہلیت کے کروت کا تذکرہ کرنا بھی جائز نہ رہے گا (اور) اب (نہ کوئی) آئندہ کا (خوف ہے ان پر) کہ قیامت کے دن کچھ بھگتنا پڑے (اور نہ) اب (وہ) کسی گذری زندگی کے خیال سے (رنجیدہ ہوں) اور جن لوگوں نے پیغمبر اسلام کو پایا، جیسے حضرت سلمان فارسی و حضرت ابوذر غفاری وغیرہ انکی خوش نصیبی تو ظاہر ہی ہے۔

لیکن جس نے نہ پایا تھا اور مر گیا، مگر تلاش حق میں وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اللہ تعالیٰ کو مان گیا۔ اور قیامت کے دن کو تسلیم کر لیا اور کسی پیغمبر سے باخبر نہ ہو سکا، جیسے حبیب نجار، قیس ابن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، بحیرا رہب وغیرہ۔ جو لوگ اس تقریباً چھ سو برس کے اندر تھے، جبکہ وحی کا آسمان سے اترنا ایک قلم بند تھا تو وہ جس حد تک پہنچے اس کا تقاضہ ہے کہ باب نجات ان کیلئے بند نہیں ہے۔

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ

اور جبکہ لیا تھا ہم نے تم لوگوں کا مضبوط عہد اور اٹھا کر دیا تمہارے اوپر طور کو، کہ لو جو کچھ دے رکھا ہے ہم نے تمہیں مضبوطی سے

وَأَذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۰۲﴾

اور یاد کرو لو جو کچھ اس میں ہے، کہ تم ڈرنے لگو۔

(اور) اے یہودیو! یاد کرو (جب کہ) تمہارے مورثوں سے (لیا تھا ہم نے تم لوگوں) کے مورثوں (کا مضبوط) تاکید شدید کے ساتھ (عہد) (اور) عہد لینے کا طریقہ یوں اختیار کیا کہ (اٹھا کر کر دیا) فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اٹھائیں اور کر دیں (تمہارے) مورثوں کے سروں کے (اوپر طور کو) فرشتے پہاڑ کو اٹھائیں اور سروں پر لٹکائیں (کہ) اگر اے بنی اسرائیل اپنا بھلا چاہتے ہو اور پہاڑ سے پس جانا نہیں چاہتے، تو بس ابھی ابھی لے (لو جو کچھ دے رکھا ہے ہم نے تمہیں) کتاب توریت و شریعت موسیٰ کو پوری (مضبوطی سے) کہ نہ کبھی ایمان میں خلل آنے پائے، اور نہ عمل میں کوئی خامی ہو (اور) اچھی طرح سے (یاد کرو) رٹ لو، سمجھ لو، سیکھ لو، (جو کچھ اس میں) موجود (ہے) اس میں تمہارا ہی بھلا ہے (کہ تم) اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ سے (ڈرنے لگو)۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ قَرْنَ بَعْدَ ذَلِكَ فَمَا كَانَ فِعْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةً لِّكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿١٠٣﴾

پھر پلٹ گئے تم اس کے بعد۔ تو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت، ضرور تم ہوتے خسارہ والوں سے • اس وقت تو اے یہودیو، تم نے اپنی جان بچانے کیلئے عہد کر لیا، لیکن (پھر پلٹ گئے تم اس) عہد و معاہدہ (کے بعد) نہ تو ریت کی پرواہ کی، نہ شریعت کا پاس کیا، اور غنڈہ پن کرنے لگے۔ اس جسارت پر اگر تم کو فوراً جہنم میں جھونک دیا جاتا تو تم اس کے پورے مستحق ہو چکے تھے مگر یہ (تو) جب ہوتا کہ (اگر نہ ہوتا اللہ) تعالیٰ (کا) یہ (فضل تم پر) بھی کہ عذاب جہنم کو حشر پر رکھ دیا ہے۔ اور دنیا میں توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ (اور اس) اللہ تعالیٰ (کی رحمت) خاتم الانبیاء ورحمۃ للعالمین کی ذات، جن کی موجودگی میں عذاب کا زمین پر آنا بند ہو گیا ہے، تو (ضرور) اے یہودیو (تم ہوتے) نہایت بدتر (خسارہ والوں سے)۔ تم سے بڑھ کر کوئی گھائے میں نہ ہوتا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِرِينَ ﴿١٠٤﴾

اور یقیناً تم جان چکے ہو انہیں، جو عد سے بڑھ گئے تھے تم میں سے سبچ کے بارے میں، تو فرما دیا ہم نے انہیں کہ "ہو جاؤ بندر ذلیل" • (یقیناً تم جان چکے ہو انہیں) اور تمہیں انکا علم یقین حاصل ہے (جو عد) قانون (سے بڑھ گئے تھے تم میں سے) اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، جس سے کھیا کرتے تھے (سبچ کے بارے میں)۔

قانون تھا کہ سبچ کے دن چھلی کا شکار نہ کیلو، انہوں نے دیکھا کہ سبچ ہی کے دن مچھلیاں دریا کے کنارے آ کر اچھلتی ہیں اور پھر دوسرے دن سے جمعہ تک پانی کی تہہ میں چھپی رہتی ہیں۔ انہوں نے جمعہ کے دن دریا کے کنارے کنارے گڈھے کھودے اور دریا سے گڈھوں تک نالیاں بنادی۔ سبچ کے دن مچھلیاں اچھلتی نالیوں کے راستے سے گڈھوں میں گرتی تھیں اور اتوار کے دن وہ لوگ جا کر مچھلیوں کو پکڑتے اور کام میں لاتے۔ انکی ہستی کا نام ایلیہ تھا۔ اُس میں اس مسئلہ میں تین جماعتیں تھیں۔ ایک ان نیکو کاروں کی، جو خود شکار اس طرح نہ کھیلتے اور کھیلتے والوں کو منع کرتے تھے۔ دوسری ان بزدلوں اور غفلت شعاروں کی، کہ کو خود نہ کھیلتے، مگر کھیلتے والوں کو منع نہ کرتے۔ تیسری ان فتنوں اور نافرمان سرکشوں کی، جو بے دھڑک یہ شکار کھیلتے، اور سمجھتے کہ ہم قانون کے اندر اندر جرم کر رہے ہیں۔ ابتداء میں تو وہ چاہتے رہے کہ قانون کے اندر ہی یہ جرم رہے، لیکن جرم نے اپنی خاصیت دکھائی تو اب یہ دیکھ کر کہ انکی کوئی پکڑ نہ ہوئی، سبچ کے دن ہی آزادانہ شکار کھیلتے لگے۔ اس پر حضرت داؤد نے دعائے عذاب کی۔

اور بالآخر ہوا (تو) یہ ہوا کہ (فرمادیا ہم نے انہیں) ان دس ہزار کو چھوڑ کر جو نیکو کار تھے (کہ) تم انسانیت چھوڑ چکے ہو، تو انسانی شکل بھی چھوڑ دو، اور (ہو جاؤ) اسی وقت (بندر) کی شکل میں (ذلیل) رسوائے عالم لوگ، تمہاری ذلت پر انسانیت کو شرم آتی ہے۔

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۰۳﴾

تو بنا دیا ہم نے اس کو عبرت ان کیلئے جو موجود ہوں اور جو بعد کو ہوں اور نصیحت ڈر جانے والوں کیلئے •

وہ لوگ بندر ہو گئے اور تین دن تک زندہ رہ کر مر گئے (تو بنا دیا ہم نے اس) واقعہ مسخ صورت (کو) درس و (عبرت ان) (بستیوں) (کیلئے جو) اس وقت (موجود) و (آباد) (ہوں اور جو) اس عہد کے (بعد کو) (آباد) (ہوں) (اور) اس میں بہت بڑی (نصیحت) ہے اللہ تعالیٰ سے (ڈر جانے والوں)، سچے مسلمان ہو جانے والوں (کیلئے) کہ ان سے ایسی بے جا بات نہ ہو، کہ اللہ تعالیٰ کا حکم توڑیں، یا توڑنے والوں کو منع نہ کریں۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبُحُوا بَقَرَةً ۗ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُرُوقًا ۗ

اور جبکہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے کہ بیشک اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کہ ذبح کر دو گائے کو، بولے، ”کیا آپ بناتے ہیں ہمیں سحر؟“

قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۱۰۴﴾

جواب دیا، کہ ”پناہ مانگتا ہوں اللہ سے کہ میں ہو جاؤں نادانوں سے“ •

(اور) اور یہودیوں، عامیل کا واقعہ مشہور ہی ہے، کہ جس عورت سے اس نے شادی کی، اسے کا چچا زاد بھائی بھی اسے اپنے لئے چاہتا تھا، اپنی ناکامی پر جھلایا اور عامیل کو بے گناہ قتل کر ڈالا۔ اسے اس بات کی بھی لاج لہتی تھی کہ عامیل سرمایہ دار ہے، اس کی دولت کا وہ اس کے بعد حقدار ہے۔ جس سے خوب عیش کرے گا۔ اس قتل نے تمام بنی اسرائیل میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ قاتل خود تو مدعی بن گیا، اور سارے قبیلوں میں ایک دوسرے پر الزام رکھنے کا فتنہ بڑھ گیا۔

بالآخر معاملہ حضرت موسیٰ کے فیصلہ میں آیا۔ تو تم کو یاد ہوگا (جبکہ) فیصلہ کیلئے (کہا موسیٰ نے اپنی قوم) کی بھلائی (کیلئے کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (حکم دیتا ہے تمہیں) اے سارے بنی اسرائیل (کہ) ذبح کر دو گائے کو (اور اسکی بوٹی مقتول کے جسم سے مس کر دو، وہ خود زندہ ہو کر قاتل کا پتہ بتا دے گا۔ بنی

اسرائیل یہ سن کر اچنبھے میں پڑ گئے اور زبان نبوت کی پاکیزگی کے خلاف (بولے) کہ (کیا آپ بنا تے ہیں ہمیں مسخرہ)؟ مذاق کر رہے ہیں؟ گائے اور اسکی بوٹی سے، اور قاتل کے پتہ چلانے سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے؟ حضرت موسیٰ نے انکی اس شوخی کا مقدس (جواب دیا) (کہ) معاذ اللہ (پناہ مانگتا ہوں اللہ) تعالیٰ (سے) اس بات سے (کہ میں ہو جاؤں نادانوں سے) اور مذاق کرنے لگوں اور فیصلے کے موقع پر سوال کا اسکے موافق جواب نہ دوں۔ تم لوگ یقین رکھو کہ تمہارے سوال کا وہی جواب ہے، جو خدا کا حکم میں نے تم کو سنا دیا ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِصٌ وَلَا يَذْكُرُ

سب کہنے لگے کہ پکارے ہمارے لیے اپنے پروردگار کو کہ بیان فرمادے ہمیں کہ وہ کیسی ہو۔ جواب دیا کہ بیشک وہ فرماتا ہے کہ

عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ فافعلوا ما تؤمرون ﴿۲۰﴾

وہ ایسی گائے ہے کہ نہ بڑھی بہلا ہے اور نہ بچھیا اور ہے، جو ان دونوں کے درمیان۔ اب کر ڈالو جو کچھ حکم دے گئے ہو۔

اگر بنی اسرائیل میں اطاعت کی سعادت ہوتی تو وہ کسی گائے کو ذبح کر کے حضرت موسیٰ کے اس معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تماشا دیکھ لیتے۔ مگر روح اطاعت کے مردہ ہونے اور گائے ذبح کرنے سے بچ نکلنے کی شامت سوار ہوئی تو (سب کہنے لگے کہ پکارے ہمارے لئے) اور کہنے (اپنے پروردگار کو کہ) گائے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، تو یہ بھی صاف صاف (بیان فرمادے ہمیں کہ وہ) گائے (کیسی ہو)؟ سوال کا انداز ظاہر کرتا ہے کہ جواب میں کچھ مزید پابندی بڑھادی جائے تاکہ بیجا سوال کی عادت چھوٹے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اس سوال کا (جواب دیا کہ بیشک وہ) اللہ تعالیٰ (فرماتا ہے کہ وہ) جسکے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے (ایسی گائے ہے کہ نہ بڑھی بہلا ہے) کہ جوانی سے اتر گئی ہے اور بچہ نہ دیا (اور نہ بچھیا اور ہے) کہ ابھی کا بچن ہونے کے قابل نہ ہو۔ بلکہ (جو ان دونوں کے درمیان) بہت زیادہ پوچھ گچھ چھوڑ دو اور (اب کر) ہی (ڈالو جو کچھ تم حکم دیئے جاتے ہو) اور نیلے بہانے سے باز آ جاؤ۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ

سب نے عرض کیا کہ پکارے ہمارے لئے اپنے پروردگار کو کہ بیان فرمادے ہمیں کہ کیا رنگ ہے اسکا۔ جواب دیا کہ

فَاعْرِضْ لَوْنَهَا تَسْرُّ النَّظِيرِينَ ﴿۱۰۶﴾

پیشک وہ فرماتا ہے کہ پیشک وہ گائے ہے زرد رنگ والی، تیز ہے اسکارنگ، بھلی لگتی ہے دیکھنے والوں کو۔ کاش وہ کسی جوان گائے کو ذبح کر ڈالتے تو وہی کافی ہوتا۔ مگر شامت اس کو کہتے ہیں کہ پھر ایک سوال نکالا اور (سب نے عرض کیا کہ پکارے) اور دوبارہ کہئے (ہمارے لئے اپنے پروردگار کو) تا (کہ) وہ (بیان فرمادے ہمیں کہ) جوان گائیں بہتری ہیں۔ ہمیں جسے ذبح کرنے کا حکم ہے، آخر (کیا رنگ ہے اسکا)؟ ایسے ضدیوں کو مزید پابند کرنے کیلئے حضرت موسیٰ نے (جواب دیا کہ پیشک وہ) اللہ تعالیٰ (فرماتا ہے کہ پیشک وہ) گائے ایسی (گائے ہے) کہ رنگت میں وہ (زرد رنگ والی) ہے اور زردی میں (تیز) گہرا (ہے اس کارنگ) جو کوئی اسے دیکھتا ہے تو (بھلی) خوبصورت (لگتی ہے دیکھنے والوں کو)۔

قَالُوا ادْعُ لِنَارِكَ يَبْتَلِنَا مَا هِيَ إِلَّا الْبَقْرُ تَشْبَهُ عَلَيْنَا

سب بولے کہ پکارے ہمارے لئے اپنے پروردگار کو کہ بیان فرمادے ہمارے لئے کہ کون سی وہ گائے ہے،

وَلَا تَأْكُلُ إِلَّا شَاءَ اللَّهُ لَمْ يَهْتَدِ وَن ﴿۱۰۷﴾

پیشک گائے مشتبہ ہو گئی ہے ہم پر، اور یقیناً ہم اگر اللہ نے چاہا ٹھیک راہ پا جانے والے ہیں۔

اگر اس موقع پر کسی زرد رنگ کی گائے وہ ذبح کر ڈالتے تو کام ہو جاتا۔ مگر شامت پر شامت آئی، تو پھر سہ بارہ سوال کی سوچھی اور (سب بولے کہ پکارے ہمارے لئے اپنے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کو) (کہ) ہم سے گائے ذبح کروانی ہے تو بالکل صاف (بیان فرمادے ہمارے لئے کہ) آخر (کون سی وہ گائے ہے) جس کو ہم ذبح کریں۔ کیونکہ زرد تیز رنگ کی بھی کئی گائیں ہیں اور (پیشک) جس کو ذبح کرنا ہے وہ (گائے مشتبہ ہو گئی ہم پر) ہمیں اس خاص گائے کا ایسا مکمل پتہ دے دیا جائے کہ پھر دوسری گائے میں اس کا نشان نہ ملے (اور یقیناً) اگر اس خاص گائے کا نشان مل گیا تو (ہم، اگر اللہ نے چاہا، ٹھیک راہ) کو جلد (پا جانے والے ہیں) اور جو حکم دیا گیا ہے اسکی تعمیل کرنے والے آپ ہم کو دیکھیں گے۔

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ كَذَلِيقِ الْأُولَى تُبَشِّرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ

جواب دیا کہ بیشک وہ فرماتا ہے - وہ گائے ہے نہ جفاکشی والی کہ جوتے زمین اور نہ سینچے کھیت کو، تندرست،

لَا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا إِنَّ اللَّهَ جَدَّتْ بِالْحَقِّ فَمَاذَا يَقْعَلُونَ ﴿۱۰۷﴾

کوئی داغ نہیں جس میں، سب بولے اب لائے آپ ٹھیک بات، پھر سب نے ذبح کیا اسے، اور تیار نہ تھے کہ کریں

ان سوالات کی بھرمار اور شوخیوں کا جواب یہی تھا، کہ انکو ایسا پابند کر دیا جائے کہ سوال کرنے

کا مزہ پا جائیں اور چونکہ اس سوال میں 'انشاء اللہ' بھی انکی زبان پر آ گیا ہے، اسکی برکت سے

اب جو جواب دیا جائے وہ ایسا آخری جواب ہو کہ پھر انھیں کوئی سوال سوچائی نہ دے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ نے (جواب دیا کہ بیشک وہ) اللہ تعالیٰ (فرماتا ہے کہ وہ) صرف ایک

ہی گائے ہے جو اپنی بیان کردہ عمر اور رنگت کے باوجود ایسی (گائے ہے) جو (نہ) تو (جفاکشی والی)

ہل میں چلنے والی ہے (کہ جوتے زمین) کو (اور نہ) سینچائی اور آپاشی کے کام میں لگائی گئی ہے کہ

(سینچے کھیت کو) بالکل تیار (تندرست) ہے۔ اسکے جسم میں ایک رنگ کے سوا (کوئی داغ) دوسرے

رنگ کا (نہیں) ہے (جس میں)۔

یہ گائے صرف ایک تھی اور وہ ایک مرد صالح کے یتیم کی تھی۔ جب اس کا آخری وقت

ہوا اور بچہ کی یتیمی میں کام آنے کیلئے اسکے پاس اس گائے کے سوا کچھ نہ تھا۔ تو اس نے

اپنے اللہ کے سپرد اس بچہ کو کیا اور کہا کہ یا اللہ یہ گائے اس بچہ کیلئے چھوڑ کر اس کو تیرے

حوالے کرنا ہوں۔ وہ بچہ ماں کی پرورش میں رہا اور ماں کی اطاعت میں بے مثل ثابت ہوا۔

اسکے بڑے ہونے پر ماں نے بتایا کہ جنگل میں جا کر اپنی اس گائے کو لے آئے، جو اسکے

باپ نے اس کیلئے چھوڑا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ بچہ جنگل گیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر گائے کو آواز

دی، تو وہ آگئی۔ گائے کی آواز ظاہر کرتی تھی کہ وہ بچے کو اوپر سوار کرانا چاہتی ہے۔ مگر چونکہ

ماں نے اس کا حکم نہ دیا تھا، لہذا وہ سوار نہ ہوا۔ اسکی اس ادا نے گائے کو محض کر دیا۔ ایک دن

ماں نے لڑکے سے کہا کہ اس گائے کو نرغ بازار پر تین دینار میں بیچ ڈالو۔ مگر جو خریدار ہو

اس سے کہہ دینا کہ ماں کی مرضی پر اس خریدار فرشتہ کا داروہ دار ہے۔

بازار میں ایک فرشتہ ملا اس نے تین کے بجائے چھ دینار قیمت لگائی، مگر اس شرط پر کہ

ماں کی مرضی پر موقوف نہ رکھے۔ لڑکے نے نہ مانا، اور ماں سے سارا حال جا کے کہا، اس نے کہا کہ چھ دینار میں بیچو، مگر پھر بھی معاملہ میری مرضی پر ختم ہوگا۔ بازار میں پھر فرشتہ ملا اور بارہ دینار قیمت لگائی۔ مگر اس شرط پر کہ ماں کی مرضی پر موقوف نہ رکھو۔ لڑکے نے اس کو نہ مانا اور پھر ماں سے سارا ماجرا جا کر کہہ دیا۔ ماں نے کہا، اب تم اس فرشتے سے جا کر کہو کہ میں اس گائے کو بیچوں یا نہ بیچوں؟ چنانچہ لڑکے نے یہی کیا اور فرشتے نے بتایا کہ اس کو بنی اسرائیل خریدیں گے، حضرت موسیٰ کی ضمانت میں بیچو اور قیمت میں اس قدر سونا لوجو گائے کی کھال کو بھر دے۔

اس گائے کو بنی اسرائیل نے پایا تو (سب بولے) کہ اے حضرت موسیٰ (اب لائے آپ ٹھیک) ایسی (بات) کہ ہم ذبح کی جانے والی گائے کو بغیر کسی شبہ کے پا گئے۔ انھوں نے دام پوچھا، تو اس کی کھال بھر سونا لڑکے نے بتایا۔ وہ کرتے تو کیا کرتے، ساری قوم کی دولت اکٹھا کی اور خود فقیر ہو گئے اور کھال کو سونے سے بھر دینے کو منظور کر لیا، جس کی ضمانت حضرت موسیٰ نے لی۔ اس طرح وہ گائے بنی اسرائیل کی ملکیت ہو چکی تو (پھر سب نے ذبح کیا اُسے) حالانکہ ان کے بار بار کے سوال سے (اور) گائے کی قیمت حد سے زیادہ بڑھ جانے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ (تیار نہ تھے کہ) اس کام کو (کریں)۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادْرَأْتُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۵﴾

اور جبکہ قتل کر ڈالنا تھا تم نے ایک جان کو پھر ایک دوسرے پر ٹھیلنا تم نے اس بدلے میں، اور اللہ ہے ظاہر فرمانے پر اسے جو تم چھپاتے تھے۔ (اور) اے یہودیو! یہ واقعہ قتل 'عامیل' ہی کا ضروری حصہ ہے کہ (جب کہ قتل کر ڈالنا تھا تم) لوگوں کے ایک فرد 'عامیل' کے پچازاد بھائی (نے) اسی 'عامیل' کی (ایک جان کو) پھر قتل ہی نے خون کا دعویٰ کیا اور دوسروں کو قاتل بتایا۔ جن کو قاتل بتایا تھا وہ اوروں کو قاتل بتانے لگے اور بنی اسرائیل کے تمام قبیلوں میں یہ نزاع فتنہ بن گئی۔ کیسی مجرمانہ چال تھی، کہ قتل کیا (پھر ایک دوسرے پر ٹھیلنا تم نے)۔ ہر ایک جرم سے بری بننے لگا اور دوسرے کو مجرم بتانے لگا (اس) قتل کے (بارے میں) انکا مقصد تو یہ تھا کہ قاتل چھپا کا چھپا رہ جائے (اور اللہ ہے ظاہر فرمانے پر اسے جو تم) لوگ (چھپاتے تھے)۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بَعْضَهَا كَذَلِكَ يُعَى اللّٰهُ الْمَوْتَىٰ

پس حکم دیا ہم نے کہ مارو مقتول کو اسکے ایک ٹکڑے سے، اسی طرح زندہ فرمادے اللہ مردوں کو،

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۰۹﴾

اور دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں کہ اب تم عقل سے کام لو۔

منشاء الہی تھا کہ قاتل کو ظاہر ہی کر دیا جائے (پس حکم دیا ہم نے کہ) گائے کو ذبح کر کے (مارو مقتول) کی لاش (کو اس) گائے (کے) گلے، زبان، دچی یا کسی عضو کے (ایک ٹکڑے) اور بوٹی (سے)۔ جب بنی اسرائیل نے یہی کیا تو عامیل زندہ ہو گیا اور اپنے قاتل، چچازاد بھائی کا نام بتایا اور سب نے دیکھ لیا کہ مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ جو لوگ مرنے کے بعد زندگی کو نہیں مانتے، بنی اسرائیل کی یعنی شہادت سے یقین کر لیں کہ (اسی طرح زندہ فرمادے اللہ) تعالیٰ (مردوں کو) انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات سے دنیا میں اور اپنی قدرت کاملہ سے حشر کیلئے (اور) اللہ تعالیٰ (دکھاتا ہے تمہیں) اے یہودیو، اس قسم کی (اپنی نشانیاں کہ) ابھی تک حماقت کرتے رہے تو (اب) سے (تم عقل سے کام لو) اور بے عقلی چھوڑ کر اس کے وفادار کامل ہو جاؤ۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَكُنْتُمْ كَالْجَحَاثَةِ أَوْ أَشَدَّ قَسْوَةً وَإِن مِنَ الْحِجَابَةِ

پھر سخت ہو گئے تمہارے دل اس کے بعد تو وہ جیسے پتھر ہیں، بلکہ اور زیادہ سخت۔ اور بے شک کچھ پتھر ہیں

لَمَا يَكْفُرُ مِنْهُ إِلَّا نَهْرٌ وَإِن مِنْهَا لَمَا يَشْفُقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِن مِنْهَا

کہ پھوٹ نکلتی ہیں جن سے نہریں۔ اور بیشک کچھ پتھر ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں تو نکل پڑتا ہے اس سے پانی۔ اور بیشک کچھ پتھر

لَمَا يَحْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۱۰﴾

ہیں کہ گر پڑتے ہیں اللہ کے خوف سے۔ اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو تم کرو۔

مگر اے یہودیو کیسی بد بختی تمہاری ہے کہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھا مگر (پتھر) بھی (سخت) ہو گئے تمہارے دل اس کے بعد تو وہ (دل نہیں بلکہ) جیسے پتھر ہیں (اور پتھر کیا) بلکہ اور زیادہ سخت۔

پتھر کے عقلی حقائق میں آیا ہے کہ پتھر اسلام پر ایمان لایا، ان کا گلہ پڑھا، ان پر صلوات و سلام عرض

(اور) اتنا تو ساری دنیا دیکھتی ہے کہ (بیشک کچھ پتھر ہیں) اس قسم کے فیض رساں (کہ پھوٹ نکلتی

ہیں جن سے نہریں) پتھر میں شکاف پڑا، اس سے پانی کا دہانہ نکلا، اور بڑھ کر نہر کی صورت میں ہو گیا

(اور بیشک کچھ پتھر) اس قسم کے (ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں) اور شکاف پڑ جاتا ہے (تو) رِس رِس کر (نکل پڑتا ہے اس سے پانی) اور اس سے بھی لوگ کچھ نہ کچھ فائدہ پاتے ہیں (اور بیشک کچھ پتھر) اس قسم کے (ہیں) کہ گو پانی کا کوئی فیض ان میں نہ ہو مگر وہ اپنے خالق و مالک کو ایسا ڈرتے رہتے ہیں (کہ) اس کا حکم پا کر (مگر پڑتے ہیں) چوٹی سے وادی میں گرتے پڑتے آ جاتے ہیں (اللہ کے خوف سے) (اور) تمہارے دل ایسے گئے گذرے ہیں کہ جن میں سوا غفلت، کچھ نہیں ہے۔ اے غافلوا! تم غفلت سے کام لو تو اس کو سمجھ رکھو کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ ہرگز (غافل اس سے جو) بھی (تم) کیا (کرو) وہ تمہاری ہر چال کو جانتا ہے۔

اَكْتَفَعُونَ اَنْ يُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللّٰهِ

تو کیا تم لوگ لالچ کرتے ہو اسکی کہ یہ سب مان جائیں تمہیں؟ حالانکہ بیشک انکی جمعیت والے تھے کہ سنا کریں اللہ کے کلام کو،

ثُمَّ يَخْرُجُونَ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

پھر کچھ کا کچھ کر دیں اس کو اسکے بعد کہ وہ سمجھ چکے ہیں اسے، اور وہ دانستہ کیا کریں •

اے مسلمانو! بولو (تو) کہ (کیا) اپنے پیغمبر کی امید کی طرح (تم لوگ) بھی (لالچ کرتے ہو اسکی) اور جی جان سے چاہتے ہو (کہ یہ سب) یہودی لوگ (مان جائیں تمہیں) اور تمہاری طرح سے مسلمان ہو جائیں (حالانکہ) حضرت موسیٰ کے ساتھ طور پر جو ۷/۱ ستر لوگ گئے تھے ان سے لیکر آج تک یہودیوں کی خمیر دیکھ رہے ہو کہ (بیشک ان) ہی (کی جمعیت) اور پارٹی (والے تھے) اور ہیں (کہ) سننے کو تو (سنا کریں اللہ کے کلام) تو ریت (کو) مگر۔

(پھر) جس سے رشوت پائیں اسے اسکی جیسی بتائیں اور جس سے کچھ نہ پائیں اسکو دھمکی کی بات سنائیں اور تو ریت والی بات سب سے چھپا ڈالیں۔ یوں (کچھ کا کچھ کر دیں اس) تو ریت (کو) اور یہ حرکت نا سمجھی میں نہیں، بلکہ (اس کے بعد کہ وہ سمجھ) بھی (چکے ہیں اسے) کہ تو ریت میں کچھ ہے اور وہ کچھ اور بک رہے ہیں (اور) انکا یہ رویہ کسی غلط فہمی سے بھی نہیں ہے بلکہ (وہ) یہ سب (دانستہ) خوب جان بوجھ کر ان حرکتوں کو (کیا کریں)۔

وَإِذْ أَلْفُوا الَّذِينَ أَمَّنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بِعَضُدِهِمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا أَتَمَدَّ

اور جب طے مسلمانوں کو کہنے لگے کہ ہم ایمان لا چکے۔ اور جب اکیلا ہوا انکا کوئی کسی کے پاس، کہنے لگے کہ کیا بتا دیا کرتے ہو

ثُمَّ يَوْمَهُمْ يَمَازُجُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ لِيَخْلُجُوهُمْ بِهِمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۲۰﴾

انھیں جو کچھ کھولا اللہ نے تم پر، تاکہ ہر اداں تم کو اس سے تمہارے پروردگار کے یہاں، تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے۔

(اور) زمانہ، نزول قرآن میں سب کا چشم دید ہے کہ (جب) یہ یہودی کہیں بھی (طے

مسلمانوں) صحابہ رسول (کو) تو (کہنے لگے کہ ہم) تو تمہاری طرح (ایمان لا چکے) اور پیغمبر اسلام

کو مان لیا، وہ حق ہیں، تم لوگ حق پر ہو، انکے فضائل و خصائص صاف صاف تو ریت میں موجود ہیں،

جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تو مسلمانوں سے کہا (اور جب اکیلا ہوا انکا کوئی کسی کے پاس) تو اس

تنہائی کی صحبت میں انکے سردار لوگ (کہنے لگے کہ) تو ریت میں پیغمبر اسلام کے جو فضائل ہیں اس کو تم

کیوں ان لوگوں سے کہہ دیا کرتے ہو، یہ تمہاری کتنی بڑی غلطی ہے۔ سو چونکہ (کیا بتا دیا کرتے ہو انھیں

جو کچھ کھولا) صاف صاف (اللہ) تعالیٰ (نے تم پر تاکہ) وہ لوگ حجت پڑیں اور دلیل لائیں اور

(ہر اداں تم کو اس سے) اس دنیا سے لیکر (تمہارے پروردگار کے یہاں) تک (تو کیا) ہار خود چاہتے

ہو، اور (عقل سے کام نہیں لیتے)۔

أُولَٰئِكَ يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُرْسُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۲۱﴾

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپائیں اور جو کچھ ظاہر کریں۔

کوئی ان یہودیوں سے پوچھے کہ (کیا یہ لوگ) اتنا بھی (نہیں جانتے کہ) وہ چھپائیں یا

ظاہر کریں، اگر کوئی نہیں جانتا تو (بیشک اللہ) تعالیٰ تو (جانتا ہے جو کچھ) بھی (وہ چھپائیں) فضائل

محمد ﷺ کو (اور جو کچھ) بھی عوام اسے (ظاہر) کر دیا (کریں)۔ اسی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ان

باتوں کی اطلاع دیدی اور پیغمبر نے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا، تو اب یہودیوں کے چھپانے سے کیسے کچھ

چھپ سکتا ہے۔ وہ صرف اپنے جاہل عوام ہی کو دھوکے میں رکھ سکتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَقَانِي وَانْ هُمْ إِلَّا يَطْنُونَ ﴿۱۰﴾

اور انکے بعض ان پڑھ ہیں، نہیں سمجھتے کتاب کو مگر رٹے ہوئے الفاظ اور اوہام اور وہ نہیں ہیں مگر یہ کہ وہ ہم پرستی کریں •
(اور ان) یہودیوں (کے) اندر (بعض) ایسے بھی ہیں جو بالکل (ان پڑھ ہیں)، نہ لکھنا
جانیں نہ پڑھنا وہ لوگ ذرا بھی (نہیں سمجھتے کتاب) توریت (کو)، کہ آخراں میں کیا فرمایا گیا ہے
اس بارے میں۔ ان کے پاس کچھ بھی سرمایہ نہیں ہے، (مگر) بس زبان پر (رٹے ہوئے) بعض
توریت کے (الفاظ) (اور) چالاک سرداروں کے دماغ میں ڈالے ہوئے (اوہام) جسکی کوئی سند
نہیں، محض بے تحقیق باتیں ہیں۔ (اور وہ) جاہل لوگ کچھ بھی تو (نہیں ہیں مگر) ان کا کام (یہ) رہ
گیا ہے (کہ) بے دلیل سنی سنائی باتوں پر (وہم پرستی) کیا (کریں)۔ یہ جاہل تو اپنی جہالت کی
بہ ضرور ہی بھگتیں گے۔

قَوْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا

تو ہلاکی ہے انکے لیے جو لکھیں کتاب کو اپنے ہاتھوں سے، پھر دعویٰ کریں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ لیں اسکے بدلہ
پہ ثمنًا قليلاً قَوْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۱۱﴾

تھوڑی سی قیمت، تو ہلاکی ہے انکے لیے اس سے جو لکھا انکے ہاتھوں نے، اور ہلاکی ہے انکے لیے اس سے جو کمائی کریں •
مگر جن لوگوں نے فریب دے رکھا ہے۔ انکا حشر (تو) سخت عذاب اور (ہلاکی ہے ان کے
لئے جو) توریت کے اصل الفاظ کو بدل دیں اور اس کے بجائے (لکھیں) اپنے جی سے (کتاب)
توریت (کو اپنے) ہی (ہاتھوں سے) جس کو ان سے پہلے کسی ہاتھ نے توریت میں نہیں لکھا تھا۔
مثلاً۔ توریت میں تو یہ مضمون لکھا تھا کہ پیغمبر آخراں ماں کا حلیہ ہے، موزوں قد، روشن خد، چشم سرگیں،
زلف عنبریں، یہودیوں نے اس کو توریت سے کاٹ کر یہ مضمون لکھ دیا کہ، دراز قد، کچی آنکھ، پریشاں
بال، جو توریت میں دجال کا حلیہ بتایا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ دجال حلیہ پیغمبر کا ہو ہی نہیں سکتا۔ عوام یہود
چونکہ اُس حلیہ کو، پیغمبر اسلام میں نہیں پاتے تھے، لہذا آپ کو پیغمبر آخراں ماں نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اور
یہی یہودی سرداروں کا، اس تحریف سے منشا بھی تھا۔ مگر کتنی بڑی جسارت تھی کہ لکھیں خود ہی اپنے دل
سے (پھر دعویٰ کریں کہ یہ) ہماری من گڑھت نہیں ہے، بلکہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ہی کہا
گیا (ہے)۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے عوام ان کے قابو سے باہر نہ ہو سکیں، اور وہ اپنے دستور کے موافق

ان سے چندہ وغیرہ خوب کماتے کھاتے رہیں۔

چنانچہ ساری یہ بحرمانہ حرکتیں اسی لئے تھیں (تاکہ لیں اسکے بدلہ) دنیا کی (تھوڑی سی) ذلیل و بے مقدار (قیمت)۔ پیٹ پالنے اور روپیہ کمانے کا یہ کتنا بڑا طریقہ ہے (تو) سخت عذاب اور (ہلاکی ہے اُن کیلئے اُس) مضمون کی وجہ (سے جو) بالکل غلط (لکھا اُن) یہودیوں (کے ہاتھوں نے) (اور) سخت عذاب و (ہلاکی ہے اُن) یہودیوں (کیلئے اُس) اُن کی آمدنی (سے جو) وہ اس طریقہ سے (کمائی کریں)۔

وَقَالُوا لَنْ نَمَسَّنَا النَّارَ اِلاَّ اَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا

اور کہہ گزرے کہ ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو آگ، مگر چند دن کو، پوچھو کہ کیا لے رکھا ہے تم لوگوں نے اللہ کے یہاں کوئی عہد؟

فَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدًا اَمْ تَقُولُونَ عَلٰى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾

تو اب ہرگز نہ خلاف فرمائے گا اللہ اپنے عہد کو، یا بک رہے ہو اللہ پر جس کو تم خود نہیں جانتے •

حرکتیں تو اسی قسم کی کمینہ پن کی ہیں (اور) اس پر مزاج ایسا ہے کہ اپنے لئے ڈیک لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ بھی (کہہ گزرے کہ ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو) جہنم کی (آگ) (مگر) بس گنتی کے (چند دن کو) جو کم سے کم سات دن اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن۔

سات دن اس حساب سے، کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے، ہر ہزار میں سے ایک دن لیا جائے گا۔ اور چالیس دن اس حساب سے، کہ ہمارے مورثوں نے جس چلہ میں گنو سالہ پرستی کی تھی وہ چالیس دن تھی۔ لہذا زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہم کو جہنم میں رہنا ہوگا۔ پھر اس سے نکال لئے جائیں گے۔ بعض چالیس کا حساب یوں بتاتے تھے کہ ہمارے مورثوں کی ایک خطا پر اللہ تعالیٰ نے چالیس دن تک عذاب دینے پر قسم کھائی ہے۔ بس اسی قسم کو اتارنے کیلئے، وہ ہم کو صرف چالیس دن جہنم میں رکھے گا اور پھر جنت دے دیا۔

ان فرضی حساب بتانے والوں سے ذرا یہ تو (پوچھو کہ) اے یہودیو! یہ تو بتاؤ کہ (کیا لے رکھا ہے) اور اقرار کر لیا ہے (تم لوگوں) اور تمہارے مورثوں (نے اللہ) تعالیٰ (کے یہاں کوئی) وعدہ، و (عہد) و پیمان۔ تو ریت بھر میں کہیں کوئی اس کا نشان بھی ہے، شریعت موسیٰ میں کہیں اس کا کچھ پتہ بھی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے عہد کر لیا (تو اب ہرگز نہ خلاف فرمائے گا اللہ) تعالیٰ (اپنے عہد کو)۔ اس

میں شک نہیں کہ عہد الہی کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا، ورنہ وہ عہد جھوٹ ہو جائے گا اور جھوٹ کا امکان بھی وعدہ الہیہ میں نہیں ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ وعدہ و عہد، تم کو کس دلیل سے معلوم ہوا؟ (یا) سچی بات تو یہ ہے کہ (بک رہے ہو) محض بے دلیل، بے ثبوت (اللہ تعالیٰ پر) ایسی من گڑھت بات، (جس) کے ٹھیک ہونے (کو تم خود) بھی (نہیں جانتے)۔ جاہلوں کو تو کسی بات کا بھی علم نہیں اور جو علم والے ہیں وہ اپنی من گڑھت کو خوب جان رہے ہیں۔ اور ڈیگ کی درنگی کے بارے میں وہ علم کہاں سے رکھیں۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ

ہاں ہاں جس نے کمایا برائی کو اور گھیر لیا اُسے اس کے جرم نے، تو وہ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۳﴾

• جہنم والے ہیں۔ وہی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے •

(ہاں ہاں) جنتی، جہنمی، کو اللہ تعالیٰ سے سننا چاہتے ہو، تو اس کا فرمان سنو، کہ (جس نے) اپنے کسب و خواہش سے (کمایا) شرک و کفر کی (برائی کو) (اور) اس سے کبھی باز نہ آیا، بلکہ (گھیر لیا) اسے (اسکے جرم) کفر و شرک (نے) جس سے مرتے دم تک چھٹکارا نہ ملا، اور شرک و کفر کی وجہ سے اسکے کسی فعل کو نیک نہ قرار دیا گیا (تو) اے یہودیو! اپنے انجام کو کہ (وہ جہنم والے ہیں)۔ اور ایسے نہیں کہ چند روز اس میں رہ کر پھر نکل پڑیں، بلکہ (وہی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے)۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۴﴾

• اور جو مسلمان ہو گئے اور کئے کے قابل کام، وہ جنت والے ہیں۔ وہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں •

(اور) اے یہودیو! سنو کہ تم کو جنت سے کیا واسطہ، وہ تو ان کیلئے ہے (جو مسلمان ہو گئے) یہودیت، نصرانیت، بت پرستی اور ہر قسم کے کفر و شرک کو ٹھکرایا، اور جو غیر اسلام کے وفادار ہو گئے۔ ان کو مانا (اور) ان کی ہدایت پر چلے اور (کئے) ایسے کام جو (کئے کے قابل کام) ہیں۔ ایسے نیکوں والے (وہ) ہیں، جو صحیح طور پر (جنت والے ہیں) (وہی) اور صرف وہی (اس) جنت (میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ

اور جب کہ لیا ہم نے مضبوط عہد اولاد یعقوب کا کہ نہ پوجیں اللہ کے سوا، اور ماں باپ سے

إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَكُلُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ۚ أَتَيْتُمَا

بھلائی کرنے کا، اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں سے، اور بولا کہ لوگوں کی بھلائی کیلئے اچھی بولی، اور ادا کرتے رہو

الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ ثُمَّ تَوَكَّلْتُمْ إِلَّا لِقَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۱۰﴾

نماز کو، اور دیتے رہو زکوٰۃ کو۔ پھر پلٹ گئے تم لوگ مگر تھوڑے تم میں سے، اور تم لوگ روگردانی کرتے رہنے والے ہو۔

(اور) اے یہود یو! یاد کرو (جبکہ لیا) تھا (ہم نے) پختہ اور (مضبوط عہد) سارے (اولاد

یعقوب کا)۔ عہد قدیم سے لیکر آج تک، یہودیوں کو سخت تاکید کے ساتھ حکم دیا تھا (کہ نہ پوجیں اللہ

کے سوا)۔ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے، اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

(اور) معبود برحق کے اس حق کو ادا کرنے کے ساتھ، حکم دیا گیا تھا کہ (ماں باپ سے) جو

تمہاری پیدائش اور وجود کے وسیلہ ہیں (بھلائی کرنے کا)۔ غلام بنے رہو، فرماں برداری کرو، حاضر

خدمت رہو، ادب آداب بجالاؤ، حاجتیں پوری کرتے رہو، انکے غم و غصہ کو سہو، اور خود انکی کسی سختی پر اُف

نہ کرو، فرائض و واجبات کے سوا، جسکو وہ چھوڑنے کو کہیں چھوڑ دو، اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو، تو انکے

ہر فرمان کی تعمیل کرو، وہ گنہگار ہوں تو سلیقہ کے ساتھ انکو گناہ سے بچنے کی تلقین کرو، وہ معاذ اللہ کافر ہوں،

تو نرمی کے ساتھ انکو مسلمان بنانے کی ہر کوشش کو انجام دو، (اور) انھیں ماں باپ کی وجہ سے جو رشتہ

دار ہوں، ان رشتہ داروں اور (قرابت والوں) سے بھی نیک برتاؤ کرو، کہ تمہارے ماں باپ کے رشتہ

دار ہیں۔ (اور) اسی کے ساتھ (قییموں) سے اچھا سلوک کرو۔ جو نابالغ ہیں اور باپ کا سایہ سر سے

اٹھ گیا ہے۔ اب اسکا کوئی باپ جیسا مربی و خیر خواہ نہ رہا، تو تم لوگ سب اسکے باپ بن جاؤ۔

(اور) اسی کے ساتھ (مسکینوں سے) بھی نیک سلوک کرتے رہو، کہ وہ تو اب خانماں برہاد

اور نادار ہونچکے ہیں۔ ان کی خبر گیری تم سب کو کرنی ہے (اور) یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی بولی پر قابو رکھو۔

اور (بولا کرو) تو (لوگوں کی بھلائی کیلئے) بولا کرو۔ جس بولی کو کہا جاسکے کہ (اچھی بولی) ہے، جمالی

کی بولی بہت رسول کی بولی، تعلیم شاعرانہ اللہ کی بولی، خوف الہی پیدا کرنے والی بولی، تسلی کی طرف جھکا

دینے والی بولی، برائیوں سے نفرت پیدا کر دینے والی بولی، اللہ تعالیٰ کا نام لو، تو صرف اللہ صاحب نہ

کہا کرو، کہ اتنا تو ہر کافر بھی کہہ دے گا، بلکہ کم سے کم اللہ تعالیٰ تو کہو۔ رسول کا نام لو، تو صرف نبی صاحب

نہ کہو، کہ اتنا تو ہر کافر بھی کہہ دیتا ہے، بلکہ درود شریف اور بلند خصوصیات والے الفاظ سے نام لو۔ اور انکی خوبیوں کی برتری بیان کرتے رہو، چھپانے کی کوشش نہ کرو۔

(اور) بھلائی کرنا اور اچھی بولی بولنا اس کو تو تم خود بھی جانتے ہو، اسکی تفصیل تمہارے عرف و رواج میں موجود ہے، اور تمہارا عرف ہی حجت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بارے میں تمہارا جاہلانہ دستور، بالکل غلط ہے۔ اسکا طریقہ یہی ہے کہ (ادا کرتے رہو نماز کو) جس طرح انبیاء ادا کرتے رہے۔ (اور دیتے رہو زکوٰۃ کو) جس طرح ہماری شریعتوں میں حکم ہے۔ تم لوگوں نے ان احکام کو پایا اور عہد بھی کیا، مگر (پھر پلٹ گئے تم لوگ) سب کے سب، (مگر تھوڑے تم میں سے) جیسے عبد اللہ ابن سلام اور انکے رفقاء (اور) تمہاری سرشت کی تاریخ ہے۔ ظاہر ہے کہ (تم لوگ) ہمیشہ سے (روگردانی کرتے رہنے والے ہو) بغیر روگردانی کے تمہارا جی نہیں بھرتا۔

وَلَا تَأْخُذْ بَعِثَاتِكُمْ لَأَسْفُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرَجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ

اور جبکہ لیا ہم نے مضبوط عہد تمہارا کہ نہ بہاؤ خون اپنوں کا، اور نہ نکال باہر کر دیا کرو تم اپنوں کو اپنی

دیار کرو تم انقدر تمہارے و انکم تشهدون ﴿۱۰﴾

آبادیوں سے۔ پھر اقرار کر لیا تم نے اور تم خود چشم دید ساجانتے ہو •

(اور) اے یہودیو! یاد کرو (جب کہ لیا) تھا (ہم نے) تاکید شدید کے ساتھ (مضبوط عہد تمہارا) تمہارے مورثوں کے زمانے سے اب تک، (کہ نہ بہاؤ خون اپنوں کا)۔ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو (اور نہ نکال باہر کر دیا کرو تم اپنوں کو) نہ تو کسی کو اسکے گھر سے زبردستی نکالو، نہ ایسا ظلم کرو کہ وہ مجبور ہو کر نکل جائے (اپنی آبادیوں سے)۔

اگر باہم خونریزی و ظلم پر آؤ گے تو اتفاق کی جگہ باہمی نفاق پیدا ہوگا، اور قومی شیرازہ بکھر جائے گا۔ پھر دشمن چاہے گا اس سے فائدہ اٹھا کر ساری قوم کو بالے لگا، اور تم سے کچھ کرتے نہ بنے گا۔ تم نے ان احکام کو سنا (پھر اقرار) بھی (کر لیا تم نے) کہ ان احکام کی پوری پابندی کی جائے گی (اور) اے یہودیو! یہ واقعہ ایسا ہے کہ اپنے بارے میں (تم خود) ہی دیکھ رہے ہو اور اپنے مورثوں کے بارے میں اس کو (چشم دید ساجانتے ہو) اس کی روایت تمہارے پاس تو آخر کے ساتھ موجود ہے: جس سے انکار کرنا، آنکھ دیکھے سے انکار کرنے کے، برابر ہے۔

ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرَجُونَ فَرِيقًا مِّنْكُمْ مِّن ديارِهِمْ

پھر تمہیں وہ ہو کر قتل کروا ہوں گے، اور نکال باہر کرتے رہو ایک فریق کو اپنے ان کی بستیوں سے۔

تُظْهِرُونَ عَلَيْهِم بِالْآيِمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِن يَأْتُوكُمُ اسْرِي تُلْفِدُوهُمْ وَهُوَ

مدد کرتے رہو ان کے خلاف گناہ اور ظلم میں۔ اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی، مال دے کر چھڑا لیتے ہو انہیں، حالانکہ

فُحْرَكُمْ عَلَيْهِمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفْتُو مُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ

حرام ہے تم پر ان کا نکال باہر کرنا۔ تو کیا مانا کرو کچھ کتاب کو، اور انکار کر دیا کرو کچھ کا؟

فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ الْإِخْزَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ

تو کیا سزا ہے اس کی جو کرے یہ تم میں سے، مگر سوائے دنیاوی زندگی میں، اور قیامت کے دن

يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا لِلَّهِ بِعَاقِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۱۷﴾

ڈھکیل دیے جائیں سخت تر عذاب کی طرف۔ اور نہیں ہے اللہ بے خبر اس سے جو کرتے رہو۔

مگر اب یہ دیکھو کہ (پھر تمہیں وہ ہو) کہ مدینہ میں دو جمعیت قائم ہے۔ ایک بنی اوس کی، دوسری

بنی خزرج کی۔ اور دینی طور پر تم کو ان دونوں سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ تم اہل کتاب ہو، وہ بت پرست

ہیں۔ تمہارا دین انبیاء لے کر آئے، ان کا دین ان کے دماغی ادھام کی پیداوار ہے۔ ایسے کھلے ہوئے

اغیار سے محض نفع دینا، اور تمنائے نمائندگی کیلئے تمہارا طریقہ یہ ہے کہ تم میں کچھ لوگ بنی نضیر ہیں اور کچھ

لوگ بنی قریظہ ہیں۔ ان میں سے بنی نضیر، خزرج کی پارٹی کے ممبر بن گئے اور بنی قریظہ نے بنی اوس کی

پارٹی میں داخلہ کرا لیا۔ بنی اوس اور بنی خزرج میں دھینچکاشتی، جھگڑا لڑائی، اٹھاپنک، پہلے ہی جاری تھا۔

جب دیکھو میدان جنگ سامنے ہے اس میں تم لوگ اپنی پارٹی کے حق میں، اپنے دین

کو بھلا کر رہے اور جنگ میں تم نے اس کی پرواہ نہ کی، کہ۔۔۔ تمہارے ہاتھ سے تمہارے دین کو ماننے

والا قتل نہ ہو۔ بلکہ مشرکین کے ساتھ تم بھی عادی ہو گئے (کہ قتل کروا ہوں کو) اپنے ہاتھ سے خود اپنے

دین والے کو قتل کر ڈالو (اور نکال باہر کرتے رہو ایک فریق کو) جو خود تمہارے (اپنے) دین کا ہے

(ان کی بستیوں) اور گھروں (سے) اور بھرمانہ عادت کے مطابق (مدد کرتے رہو) اپنی اپنی مشرک

پارٹی کی (ان) بچھارے اپنے دین والوں (کے خلاف گناہ) حکم الہی توڑنے (اور) ان مشرکین کے

(ظلم) کرنے (میں)۔

مشرکین کے رنگ میں رنگ اٹھے ہو اور انکے جو روٹم کے آلہ کار بن چکے ہو (اور) خاتمہ

جنگ پر (اگر آئیں تمہارے پاس قیدی) کوئی یہودی جس کا دین تمہارا دین ہے، اور جس کو چھڑانا تمہارے لئے دینی حکم ہے، تو اس وقت تم کو اپنا دین یاد آتا ہے، اور (مال دے کر چھڑا لیتے ہو انھیں)۔ اور ڈینگ مارتے ہو کہ حکم تورات سے یہ مالی قربانی کرتے ہو (حالانکہ) اگر تم میں کتاب الہی کا کچھ بھی پاس ہوتا، تو اس میں تو صاف موجود ہے کہ (حرام ہے تم پر انکا) سرے سے (نکال باہر کرنا) ہی۔ تو پھر تم نے انھیں کیوں ستایا اور ظلم کرنے لگے، کہ انھیں قیدی ہونا پڑا (تو) اے یہودیو! (کیا) تم لوگوں نے یہی رویہ پسند کر لیا ہے کہ (مانا کرو کچھ) مسئلوں میں (کتاب) تورات (کو) جس کے ماننے اور کرنے میں تمہارے ذاتی مفاد اور جمعیت کے مفاد کو چنداں نقصان نہ ہو، (اور انکار کر دیا کرو کچھ) مسائل (کا) جس میں تمہیں اپنی ذاتی غرض اور جمعیت کی غرض بگڑتی نظر آئے۔

یہ طریقہ اسی کا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حرامِ قطعی کو حلال جانے، اور حرامِ قطعی کو حلال جاننا کفر ہے۔ (تو) اے یہودیو! تم ہی بتاؤ کہ (کیا سزا ہے اس) مجرم کافر (کی جو) کافروں کے میل جول سے حرامِ قطعی کو حلال جان کر (کرے یہ) خطرناک جرم (تم) یہودیوں آسمانی دین رکھنے والوں (میں سے) انکی سزا کیا ہو سکتی ہے؟ (مگر) یہ کہ (رسوائی) میں پڑے رہیں اپنی (دنیاوی زندگی میں)، نگاہوں سے گرجائیں اور کافروں کی خوشامد، غلامانہ کرتے رہیں۔

چنانچہ بنی قریظہ کی جمعیت قتل ہوئی اور قید میں ڈالی گئی۔ اور بنی نضیر کی پارٹی جلاوطن ہو گئی۔ یہ حشر تو دنیا میں ہوا (اور قیامت کے دن) ان کی سزا یہی طے ہے، کہ (ڈھکیل دیئے جائیں) جہنم کے (سخت تر عذاب کی طرف) (اور) اے یہودیو! تم کس بھول میں پڑے ہو اور کیا سمجھ رہے ہو، کہ تمہارے کربوت پر اللہ تعالیٰ کی نظر نہیں ہے؟ یاد رکھو! کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (بے خبر اس) تمہارے کردار (سے جو) بھی تم (کرتے رہو)۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ اسْتَرَوْا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَحْتَفُونَ

وہ ہیں جنہوں نے مولیٰ دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے، تو نہ ہلکا کیا جائے گا

عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۱۱۸﴾

• ان سے عذاب اور نہ وہ مدد کئے جائیں

اس کو تمہارے ایک ایک کام کی پوری خبر ہے۔ سب لوگ اچھی طرح پہچان لیں، کہ ایسے

نامہ اعمال والے (وہ ہیں جنہوں نے مول) لے (لیا دیا وی زندگی کو آخرت کے بدلے)۔ دنیا کی لذت اور آخرت کی لذت جمع کیسے ہو۔ انہوں نے آخرت کی لذت کو چھوڑ دیا اور دنیا کی لذت کو خریدا۔ یہاں کا آرام و اقدار پسند کیا اور وہاں کی راحت سے بے پرواہ ہو گئے۔ (تو) جو انکا جی چاہتا ہے وہی برتاؤ ان سے آخرت میں کیا جائے گا۔ کہ (نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب) آخرت کو (اور) چونکہ وہ کفر پسندی سے کافر ہو چکے اور کافر اس دن نہ کسی کی مدد کر سکیں اور (نہ وہ مدد کئے جائیں) لہذا بے یار و مددگار رہیں گے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَفَقِينَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ

اور یقیناً ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور لگا تار بھیجے ہم نے ان کے بعد بہت رسول۔ اور دیں ہم نے عیسیٰ فرزند

مَرْيَمَ الْبَتُولِ وَإِيذْنَهُ لَهُ نُورُ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْتَكُوا

مریم کو روشن نشانیاں اور تائید فرمائی ہم نے انکی روح القدس سے۔ تو کیا جب لایا تمہارے پاس کوئی رسول وہ جس کو نہیں چاہتا

أَنْفُسَكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَمَرِيقًا كَذَّابَةٌ وَمَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۲۰﴾

تم لوگوں کا نفس، تم لوگ فرور کرنے لگے۔ تو کسی کو تم نے جھٹلایا، اور کسی کو شہید کر ڈالا۔

(اور) اے یہودیو! ہمارا کرم بالائے کرم دیکھو، کہ (یقیناً ہم نے دی موسیٰ کو کتاب) تورات،

ایک ایک آیت یا ایک ایک سورت کی طرح نہیں، بلکہ ایک ہی دفعہ میں پوری تورات دیدی (اور)

انکی شریعت کو چلاتے رہنے کیلئے (لگا تار بھیجے ہم نے) یکے بعد دیگرے آتے رہے (ان کے بعد)

حضرت یوشع بن نون اور حضرت اشوئیل و حضرت داؤد اور حضرت سلیمان و حضرت ایلیا و حضرت حزقیل

و حضرت الیاس و حضرت یونس و حضرت زکریا و حضرت یحییٰ وغیرہ (بہت)، تقریباً چار ہزار (رسول)

اور جب وقت آیا کہ شریعت موسیٰ کی مدت ختم کر دی جائے اور دوسری شریعت بھیجی جائے تو ہم نے

اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ کو پیدا فرمایا۔

(اور دیں ہم نے) انہیں حضرت (عیسیٰ فرزند مریم کو) مردوں کو زندہ کرنے، انہوں اور

کوڑھیوں کو تندرست کرنے، غیب کی خبر بتانے، انجیل کی برکت لانے کی (روشن نشانیاں اور تائید

فرمائی ہم نے ان کی) اور قوت بخشی (روح القدس سے)۔ انکا روح اللہ لقب ہوا، اور روح الامین

انکے ہر وقت، یوم ولادت سے تینتیس برس کی عمر تک، جب کہ وہ آسمان پر اٹھائے گئے، ساتھ رہے۔

مگر اے ظالم یہودیو! تم اپنی شامت پر شامت دیکھو کہ کسی طرح تم اپنے انکار کی عادت کو نہ چھوڑ سکتے۔ (تو تمہارے موروثی نامہ اعمال سے خود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ (کیا جب) بھی (لایا تمہارے پاس کوئی) بھی (رسول وہ) خدا کا پیغام (جس کو) کسی طرح (نہیں چاہتا تم لوگوں کا نفس) تو (تم لوگ) عادی ہو گئے ہو کہ بس فوراً (غور کرنے لگے) اور پیغام لانے والوں کو دیکھا (تو کسی کو تم نے جھٹلادیا اور) زیادہ زور دکھانے پر آؤ تو (کسی کو شہید کر ڈالو؟)۔

وَقَالُوا قَوْلُنَا عَلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۰﴾

اور کہتے لگے کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں۔ بلکہ ملعون کیا ان کو اللہ نے انکے کفر کی وجہ سے، تو کچھ ہی انکے ایمان لائیں • (اور) ہر نبی کے پیغام کو اور پیغمبر اسلام کے پیغام کو سن کر کچھ نہیں تو، یہی (کہتے لگے کہ) ہمیں آپ اپنا پیغام کیوں بیکار سنا تے ہیں۔ کیونکہ (ہمارے دل) تو (غلاف میں ہیں)، وہاں تک کسی پیغام کے گھسنے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے اور اس میں خود سارے علم بھرے ہوئے ہیں۔ انکی یہ بکواس تو بے معنی ہے (بلکہ) سچ تو یہ ہے کہ (ملعون کیا) اور اپنی رحمت سے محروم قرار دیا (انکو اللہ تعالیٰ نے) خود (انکے کفر) کی کمائی (کی وجہ سے) (تو) ہمیشہ یہی ہوگا کہ دوسری قوموں کے اعتبار سے، تعداد میں، یہودیوں میں سے (کچھ ہی انکے ایمان لائیں) تو لائیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ

اور جب آگئی انکے پاس کتاب، اللہ کے پاس سے تصدیق کرنے والی انکی جو انکے پاس ہے، اور وہ تھے پہلے سے کہ فتح طلب کیا کریں

عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ فَلَمَّا جَاءَهُمْ قَاعَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۱۲۱﴾

ان پر جنہوں نے کفر کیا تھا، تو جب آگیا انکے پاس جن کو پہچان چکے تھے تو انکار کر دیا انکا۔ تو پھنکارا ہے اللہ کی انکار کر دینے والوں پر • (اور) یہودی فطرت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ (جب آگئی ان کے پاس کتاب) قرآن کریم (اللہ تعالیٰ کے پاس سے)، وہ ایسی کتاب ہے جو (تصدیق کرنے والی) ہے (اس) توریت (کی جو ان) یہودیوں (کے پاس) حضرت موسیٰ کی دی ہوئی (ہے)۔ (اور وہ) یہودی (تھے) اس زمانے کے (پہلے) ہی (سے کہ) جنگ کے وقت ہر مصیبت میں (فتح) و نصرت (طلب کیا کریں ان) سارے اپنے دشمن قبائل، اسد و غطفان و مزنیہ و جھفیہ وغیر ہم مشرکین (پر) (جنہوں

نے کفر کیا تھا) اور یوں دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! ہماری مدد فرما، نبی آخر الزماں کے وسیلہ سے، جنگی نعت شریف تو ریت میں موجود ہے۔ یا اللہ! ہماری مدد فرما، اور فتح دے، نبی امی کے صدقہ میں۔ اور مشرکین کو دھمکیاں دیتے تھے کہ نبی آخر الزماں جلد تشریف لارہے ہیں، تاکہ ہماری تصدیق فرمادیں۔ اس وقت ہم تم کو اس طرح قتل کر ڈالیں گے جیسے قوم عاد و ارم قتل کئے گئے تھے۔

یا تو ان کا یہ اچھا حال تھا کہ پیغمبر اسلام کا وسیلہ پکڑتے، انکا صدقہ مانگتے، ان کی آمد آمد کا تذکرہ علی الاعلان کرتے، یا (تو) اب یہ بُرا حال ہے کہ (جب آ گیا) پیغمبر اسلام (انکے پاس جن کو) یہ یہودی پہلے ہی سے خوب (پہچان چکے تھے تو) دیدہ و دانستہ (انکار کر دیا انکا) (تو) ایسے ناہنجاروں کو اسکے سوا کیا کہا جائے، کہ (پھنکار ہے اللہ) تعالیٰ (کی) ان سب (انکار کر دینے والوں) اور ہٹ دھرم یہودیوں (پر)۔

بِسْمَا اسْتَرَوَاهُ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَكْفُرُوا بِمَا اَنْزَلَ اللهُ بَعِيًّا اَنْ يُنَزَّلَ اللهُ

کتنا برادام ہے وہ کہ خرید انھوں نے جس سے اپنے نفس کو، یہ کہ انکار کر دیا کریں اسکا جو اتارا اللہ نے! حسد میں اسکے کہ اتارتا ہے اللہ

مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءٌ وَبَغْضَبٍ

اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں سے۔ تو ہو گئے غضب بالائے

عَلَى غَضَبٍ وَبَلْكَفَرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ⑩

غضب میں۔ اور انکار کرنے والوں ہی کیلئے عذاب ہے رسوائی والا ●

یہودیوں کا (کتنا برادام ہے) یہ کیسی بد قسمتی ہے، کون سا دام (وہ کہ خرید انھوں نے جس) دام (سے اپنے نفس کو) اور اسکی قیمت میں (یہ) کیا کریں (کہ انکار کر دیا کریں اسکا جو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے) محض بے دلیل، صرف اس (حسد میں) اور (اس) جلن (کے) سبب (کہ) وہ چاہتے کہ جو نبی ہو، وہ انہیں کی قوم بنی اسرائیل میں ہو۔ اور بنی اسماعیل وغیرہ میں کبھی نہ ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اسکا پابند بنانا چاہتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا کوئی کیسے پابند کر سکتا ہے۔ اسکا دستور یہ ہے کہ (اتارتا ہے اللہ) تعالیٰ اپنے پیغام کو (اپنے فضل سے جس پر) بھی وہ (چاہے اپنے بندوں) میں (سے)۔

یہودیوں کے اس کافرانہ بے ہجہ انکار میں، ایک تو اللہ تعالیٰ کو پابند کرنے کا کفر ہے، دوسرے صرف اسی ہجہ سے کلام الہی کا انکار، کافرانہ طرز عمل ہے۔ پھر پیغام الہی کا انکار کسی ہجہ سے بھی ہو، خود

کفر ہے۔ پھر اس میں نبی کی نبوت کا انکار ہے، وہ بھی خود کفر۔۔۔ نبی میں ایک نہیں کتنے انبیاء کا انکار ہے، جو کفروں کا ایک بڑا مجموعہ ہے۔ (تو ان کفر بالائے کفر کی وجہ سے سارے یہودی (ہو گئے غضب بالائے غضب میں) دنیا و آخرت میں۔ (اور) یوں تو عذاب فاسقوں پر بھی ہو سکتا ہے، لیکن ان (انکار کر دینے والوں ہی کیلئے) اس قسم کا (عذاب ہے) جو (رسوئی والا) ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا آتَاكُمُ اللَّهُ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ مَا آتَانَا اللَّهُ مَا آمَنَّا بِهِ

اور جب کہا گیا انکے بھلے کو کہ مان جاؤ جو کچھ اتارا ہے اللہ نے، جواب دیا کہ ہم مانتے ہیں جو کچھ اتارا گیا ہم پر اور انکار کرتے ہیں

بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ

جو کچھ اسکے سوا ہے، حالانکہ وہ حق ہے تصدیق کرنے والا اسکے لئے جو انکے پاس ہے۔ جواب دو کہ پھر کیوں شہید کرنے کے عادی ہو

أَنْبِيََاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

اللہ کے نبیوں کو پہلے سے، اگر تم تھے بڑے ایمان والے؟

(اور) اس ڈھٹائی کو کیا کہا جائے کہ (جب) بھی (کہا گیا ان) یہودیوں (کے بھلے کو) اور سمجھایا گیا (کہ) تم بھی (مان جاؤ) سب مسلمانوں کی طرح (جو کچھ) قرآن میں (اتارا ہے اللہ) تعالیٰ (نے)۔ تو اللہ تعالیٰ سے نڈر ہو کر یہودیوں نے (جواب دیا کہ ہم) بس وہی (مانتے ہیں جو کچھ) توریت میں (اتارا گیا) ہے (ہم) بنی اسرائیل (پر) (اور انکار کرتے ہیں) قرآن سے اور (جو کچھ) بھی (اس) توریت (کے سوا ہے)۔ (حالانکہ وہ) قرآن، بلاشک و شبہ (حق ہے) یہودی لوگ خود بھی دیکھ رہے ہیں کہ قرآن پاک (تصدیق کرنے والا) ہے (اس) توریت و شریعت موسیٰ (کیلئے) جو انکے پاس) حضرت موسیٰ کے زمانے سے (ہے)۔ اے پیغمبر اسلام انکی اس بولی کا (جواب دو کہ) بڑے توریت و شریعت موسیٰ کے ماننے والے رہے ہو، تو یہی بتا دو کہ (پھر کیوں) زمانہ موسیٰ سے (شہید کرنے کے عادی ہو اللہ) تعالیٰ (کے نبیوں کو پہلے) ہی (سے) (اگر) واقعی (تم) اپنے دعویٰ کے مطابق (تھے بڑے ایمان والے)۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۝

اور یقیناً آئے تمہارے پاس موسیٰ روشن نشانیاں، پھر بت بنا لیا تم نے تو سوا کہ ان کے بعد، اور تم لوگ اندھیر والے ہو

(اور) اے یہودیو! کیا بھول گئے کہ (یقیناً لائے تمہارے پاس موسیٰ) ہماری دی ہوئی (روشن نشانیاں) کھلے کھلے احکام، صاف صاف معجزات، تو (پھر) کیا تم نے کسی کو مانا؟ تم نے تو یہ کیا کہ (بت بنا لیا تم نے گنوسالہ کو انکے) طور پر جانے کے (بعد) تم تو حضرت موسیٰ کے بھی کافر ہی رہے (اور) تمہاری موروثی تاریخ سے ظاہر ہے کہ (تم لوگ) عادی طور پر (اندھیر والے ہو) بے اندھیر چائے تمہارا جی نہیں بھرتا۔

وَاذْخُرْنَا مِمَّا قَالُوا وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاَسْعُوا

اور جبکہ لیا ہم نے مضبوط عہد تمہارا اور اٹھا کر دیا تمہارے اوپر طور کو، کہ لو جو کچھ دیا ہے ہم نے تمہیں مضبوطی سے اور کان لگاؤ،

قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاَشْرَيْنَا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ

سب بولے کہ سنا ہم نے اور نہیں مانا، اور پلا دیے گئے اپنے دلوں میں گنوسالہ اپنے کفر کی وجہ سے۔

قُلْ بِسْمِائِمْ اَمْرُكُمْ بِهٖ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ

کہہ دو کہ کتابرا ہے حکم دیتا ہے تمہیں جس کا تمہارا ایمان، اگر تم ایمان والے ہو۔

(اور) اے یہودیو! کتنے بڑے ڈھیٹ ہو، یاد کرو (جب کہ لیا) تھا (ہم نے) تاکہ شدید کے ساتھ (مضبوط عہد تمہارا اور) طریقہ یہ برتا کہ (اٹھا کر دیا تمہارے) موروثوں کے سروں کے (اوپر طور کو کہ) اپنی خیریت چاہتے ہو تو بس لے (لو جو کچھ دیا ہے ہم نے تمہیں) حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے، خوب اچھی طرح (مضبوطی سے اور) ہمارے پیغام پر اچھی طرح (کان لگاؤ) نور سے سنو، اس پر عمل کرو، ورنہ ابھی تم کو پس کر رکھ دیا جائے گا۔ یہ سر پر فرشتوں کا پہاڑ کو اٹھا کر لے آنے کا نقشہ، ایسا تھا کہ کوئی اور ہوتا تو اس کا دل مل جاتا، اور وہ مخلص بندہ بن جاتا، مگر اے یہودیو! ذرا اپنے باپ دادا کو دیکھو، کہ اس موقع پر بھی (سب بولے) تو یہ بولے (کہ) پہاڑ کے ڈر سے سننے کو تو خوب (سنا ہم نے) (اور) اگر ماننے کو کہئے، تو ہمارے قول و فعل سے ظاہر ہے کہ ہم نے (نہیں مانا) (اور) اصل بات تو یہ تھی کہ (پلا دیئے گئے) تھے بنی اسرائیل (اپنے دلوں میں) گویا انکی ٹھنی میں (گنوسالہ) پرستی پڑ گئی تھی محض (اپنے کفر کی وجہ سے)۔ یہودیوں سے یہ بھی ان کی ایمانی ڈیک کے جواب میں (کہہ دو کہ) اگر تمہارا یہ طرز عمل، بہ تقاضائے ایمان تھا، تو (کتنا بڑا) کام (ہے)، وہ کام، (حکم دیتا ہے تمہیں جس کا تمہارا ایمان، اگر تم ایمان والے) بنتے (ہو)۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ

پوچھو کہ اگر ہے تمہارے ہی لیے دارِ آخرت اللہ کے پاس خالص، سب کو چھوڑ کر،

فَتَسْمَوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۰﴾

تو آرزو کرو مرنے کی، اگر ہو سچے •

یہ یہودیوں نے خوب بے پرکی اڑا رکھی ہے کہ آخرت کی نجات صرف انھیں کیلئے ہے۔ اور کوئی نجات نہ پائے گا۔ بھلا ان سے (پوچھو کہ اگر ہے) صرف (تمہارے ہی لئے دارِ آخرت) کا عیش (اللہ) تعالیٰ (کے پاس) بلا شرکتِ غیرے (خالص) تمہارے لئے (سب) لوگوں (کو چھوڑ کر) تو پھر موت کا نام سن کر کیوں جھجک جاتے ہو؟ کیوں اس دعا پر، مسلمانوں کے سامنے آ کر راضی نہیں ہوتے۔ کہ یا اللہ! جو ناحق پرہوا سکی موت آ جائے اور کیوں نہیں موت کی تڑپ رکھتے ہو، تاکہ عیشِ آخرت جلد پا جاؤ۔ تمہیں (تو) چاہیے کہ (آرزو کرو مرنے کی اگر) اپنے دعوے میں تم لوگ (ہو سچے)۔ مرنے کا شوق مسلمانوں میں دیکھو کہ راہِ خدا پر مرنے کیلئے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں اور اس کیلئے دعائیں کرتے ہیں۔ اور زندگی صرف اتنے کیلئے پسند کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں جمع کر لیں اور زیادہ سے زیادہ توبہ کی دولت حاصل کر لیں۔

وَلَنْ يَتَسَمَوْا أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۱۱﴾

اور ہرگز آرزو نہ کریں گے اسکی کبھی ان جرموں کے سبب جو پہلے کر چکے ہاتھ۔ اور اللہ جاننے والا ہے اندھیر مچانے والوں کو • (اور) رہے اس بارے میں یہودی، تو ہم غیب کی خبر دیئے دیتے ہیں کہ (ہرگز) وہ لوگ (آرزو نہ کریں گے اس) موت (کی کبھی) کیوں؟ تو (ان جرموں کے سبب جو پہلے) ہی (کر چکے) تھے، (ان کے ہاتھ) (اور) وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہے۔ وہ یاد رکھیں کہ (اللہ جاننے والا ہے) ان سب (اندھیر مچانے والوں کو)۔

وَلَيَجِدُنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرَ أَلْفَ

اور ضرور پاتے رہو گے تم انکو سب سے زیادہ لالچی زندگی پر۔ اور ان سے جنہوں نے شرک کر رکھا ہے، چاہتا ہے ہر ایک انکا کاش زندہ رکھا جائے

سَنَةٌ وَمَا هُوَ بِمُزْحَجِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

ہزار سال۔ حالانکہ دور کرنے والا نہیں ہے اس کو عذاب سے معمر ہو جانا۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے جو کچھ کرتے ہیں۔
 (اور) یہ بھی غیب کی خبر سن لو، کہ اے مسلمانوں ہمیشہ (ضرور پاتے رہو گے تم ان) یہودیوں
 (کو سب) جہان بھر (سے زیادہ لالچی زندگی پر) (اور) یہ لالچ زندگی کی (ان) بت پرستوں (سے)
 بھی ہوتی رہے گی (جنہوں نے شرک کر رکھا ہے)۔ ان دونوں قوموں کا حال یہ ہے کہ (چاہتا ہے
 ہر ایک شخص (ان کا کہ کاش) وہ کبھی نہ مرے اور (زندہ رکھا جائے) کم از کم (ہزار سال) تک۔
 مشرکین عجم نے تو اپنا سلام بنا رکھا تھا کہ 'زہ ہزار سال' (حالانکہ وہ کتنا بھی جنیں، پھر بھی (دور کرنے
 والا نہیں ہے اس کو عذاب) الہی (سے) بخش اس کا (معمر ہو جانا)۔ (اور) زیادہ جینے سے کیا ہوتا
 ہے، کیا وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ جائیں گے؟ یاد رکھیں کہ (اللہ) تعالیٰ (دیکھنے والا ہے) انکی عمر کو نہیں
 بلکہ (جو کچھ) وہ (کرتے ہیں)۔ سارا مد اعمل پر ہے، عمر پر نہیں ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا

کہہ دو کہ کون ہے دشمن جبرئیل کا، کہ بے شک اس نے تو اتارا اس کو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے، جو تصدیق کرنے والا ہے

بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۱﴾

اس کا جو اسکے آگے ہے، اور ہدایت اور خوش خبری ہے مان جانے والوں کیلئے۔

کیسے احمق ہیں یہودیوں میں سے، عبد اللہ ابن مسعود یا اور اسکی بات ماننے والے لوگ، جو
 حضرت جبرئیل کو اپنا دشمن اس بنا پر کہتے ہیں کہ قوم یہود پر جتنے عذاب آئے، وہ حضرت جبرئیل
 ہی لائے۔ یہودیوں نے اپنے نبی سے سن لیا تھا کہ بیت المقدس کی فلاں قوم میں ایک شخص
 پیدا ہوگا جو لوٹ لے گا، اور یہودیوں کا قتل عام کرے گا۔ وہ لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام بخت نصر تھا۔
 یہودیوں نے چاہا کہ اسکو بچھین ہی میں مار ڈالیں، لیکن جب، سب پر ارادہ قتل اس تک
 پہنچے، تو جبرئیل تھے جنہوں نے اس کو قتل سے بچالیا۔ اور ہالا خراکے ظلم سے یہودی خانمان
 برباد ہو گئے۔ اب بھی وہ جبرئیل ہی ہیں جو پیغمبر اسلام کے پاس آ کر ہماری رسوائی کی داستان
 بتا جاتے ہیں، اور ہمارے ہمید کو کھول دیتے ہیں۔ ہم لوگ تو میکائیل کو پسند کرتے ہیں اور
 جبرئیل کو جہنم کا اپنا دشمن جانتے ہیں۔ چونکہ ہمارے ضد میں وہ قرآن لیکر آتے ہیں، تو ہم
 دشمن کی لائی ہوئی کتاب کو نہ مانیں گے۔

ان احمقوں سے اے پیغمبر اسلام (کہہ دو کہ) اے یہودیو! آخر تم میں سے (کون ہے دشمن جبرئیل) کی معصوم ذات (کا)۔ آج تک جبرئیل نے جو کچھ کیا، از خود نہیں کیا، اپنے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالاتے رہے اور اب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے قاصد ہی ہیں۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتے بلکہ دیکھ لو (کہ بیشک اس) جبرئیل (نے تو اتارا اس) قرآن (کو) پڑھتے، سمجھاتے، یاد کراتے ہوئے، (تمہارے دل) حفظ منزل (پر) اپنی خود رائی سے نہیں بلکہ (اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے)، تو ان سے دشمنی حماقت ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہوئی، اور پھر حضرت جبرئیل یہودیوں کے خلاف کیا لا رہے ہیں۔ وہ قرآن لائے تو ایسا (جو تصدیق کرنے والا ہے اس) توریت و انجیل و زبور و صحف انبیاء (کا جو اسکے) بہت (آگے) سے اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا (ہے)۔

اپنی تصدیق کو لیکر آنے والے کو اپنا دشمن کہنا، پلے سرے کی کافرانہ حماقت ہے (اور) اس قرآن میں کوئی گتھی اور تار کی نہیں ہے، بلکہ وہ سراپا (ہدایت) ہے (اور) اس میں عذاب کا شائبہ بھی نہیں ہے، بلکہ عذاب سے بچانے کی ہر تدبیر اس میں ہے۔ وہ تو صاف صاف (خوشخبری ہے) سارے (مان جانے والوں کیلئے) ہدایت و بشارت کو عذاب سمجھنا، نرے پاگل کافر کا کام ہے۔ ذرا یہودیوں کی اس چال بازی کو دیکھو کہ اپنا دشمن نہ خدا کو زبان سے کہیں، نہ فرشتوں کو، نہ رسولوں کو، اور نہ میکائیل کو، صرف جبرئیل کو دشمن کہتے ہیں۔ حالانکہ جبرئیل کی دشمنی جس سبب سے بتاتے ہیں اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے بھی دشمن ہیں۔ اور فرشتوں، رسولوں، اور جبرئیل کے ساتھ میکائیل اور سارے مقربان بارگاہ الہی کے بھی دشمن ہیں۔ ایک اللہ کے پیارے کا دشمن، سب کا دشمن ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ

جو ہوا دشمن اللہ اور اسکے فرشتوں اور اسکے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا،

فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿۱۰۰﴾

تو بے شک اللہ دشمن ہے نہ ماننے والوں کا •

ان یہودیوں کو بتا دو کہ تم میں سے (جو) بھی (ہو) دشمن اللہ تعالیٰ (اور اسکے) تمام (فرشتوں اور اسکے) سارے (رسولوں اور) خاص طور پر (جبرئیل اور میکائیل) کا کہ ان میں سے ایک کی بھی دشمنی دوسرے کے ساتھ دشمنی ہے (تو) خوب سمجھ رکھو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ بھی (دشمن ہے نہ ماننے والوں کا)۔

اللہ والے جتنے ہیں سب ایسے کافروں کے دشمن ہیں۔ یہودیت، اولیاء اللہ کی عداوت پر چل رہی ہے اور اولیاء اللہ کی عزت و دشمنان اولیاء کی عداوت سے ہے۔ حضرت عمر کا یہ بیان بالکل ٹھیک ہے، جب کہ وہ حسب عادت اپنی جائداد کی نگرانی کو جاتے ہوئے راستہ میں یہودیوں کے مدارس کے پاس ٹھہر گئے۔ اور یہودی انکو دیکھ کر کہنے لگے کہ مسلمانوں میں ہمارا محبوب تم میں سے زیادہ کوئی نہیں، ہماری بڑی آرزو ہے کہ آپ یہودی ہو جائیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ میرے ٹھہرنے سے یہ نہ سمجھنا کہ مجھ کو تم سے کچھ بھی محبت، یا اسلام کی طرف سے ذرا بھی شبہ ہے۔ میں تو اسلئے ٹھہر جاتا ہوں کہ تم بولو اور میں سنوں، اور میرا ایمان بڑھتا جائے، کیونکہ تم کو نعمت شریف بتانی پڑتی ہے اور پیغمبر آخر الزماں کا تذکرہ کرنا پڑتا ہے۔ اور تم تو ریت کے ان مضامین پر مزید اطلاع پا جاتے ہیں۔ یہودیوں نے ان سے کہا کہ ہمیں قرآن وغیرہ سے کوئی بحث نہیں، ہم تو جبرئیل کے لائے ہوئے پیغام کو سننا بھی نہیں چاہتے، وہ ہمارے دشمن ہیں۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ جبرئیل کا دشمن، اللہ اور سارے اللہ والوں اور میکائیل کا بھی دشمن ہے۔ قرآن بھی انکے اس بیان کو ٹھیک قرار دیتا ہے۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿۳۰﴾

اور یقیناً اتارا ہم نے تمہاری طرف روشن آیتوں کو اور نہ انکار کریں ان کا مگر نافرمان لوگ •

(اور) ابن صوریہ، یہ کیا کہتا ہے؟ کہ قرآن میں کوئی پیغام ایسا نہیں، جو ہماری کتاب میں ہو، اور اس میں صاف صاف باتیں ہیں، حالانکہ (یقیناً اتارا ہم نے تمہاری طرف) قرآن میں صاف صاف (روشن آیتوں کو) کہ اندھوں کو بھی اسکی روشنی سوجھائی دے (اور) کسی کیلئے انکار کی کوئی گنجائش نہ رہے، یہاں تک کہ سارے جہاں میں (نہ انکار کریں ان) آیات (کا مگر) بس ضدی کافر (نا فرمان لوگ) جو ہر فرمان کا انکار کر دینے کے سوا شغل نہیں رکھتے۔

أَوْ كَلِمًا عَهْدًا وَعَهْدًا تَبَدَّلَ بَيْنَ قَوْمٍ مِّنْهُمْ بَلْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿۳۱﴾

اور کیا جب جب عہد کیا انہوں نے کسی معاہدے کا، توڑ پھینکا اس کو ایک جمیعت نے ان کی لکھا گئے جبر سے ماننے ہی نہیں (اور) مالک ابن صفیہ کس قدر منہ پھٹ بے شرم ہے، کہتا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں کیلئے ہمارے

پاس کوئی عہد و معاہدہ نہیں ہے، کہ کوئی ان لوگوں سے پوچھے کہ (کیا) یہی طے کر رکھا ہے انھوں نے کہ (جب جب) کوئی (عہد کیا انھوں نے کسی) بھی (معاہدہ کا) تو بس یہی کرتے رہے کہ (توڑ پھینکا اس) عہد (کو) اس طرح کہ (ایک جمعیت) اور ٹولی (نے ان کی) تو معاہدہ جان کر، مان کر، توڑ ڈالا، جو باقی بچے انھوں نے یہی نہیں کیا (بلکہ ان کے) اندر جو (بہتیرے) اور اکثریت والے کہے جاتے ہیں، انکی بے ایمانی بھی بڑھی چڑھی ہے کہ وہ معاہدہ ہونے کو (مانتے ہی نہیں)۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ

اور جبکہ آگیا انکے پاس رسول، اللہ کے یہاں سے، تصدیق کرنے والا اس کا جو انکے ساتھ ہے تو پھینک ڈالا ایک جمعیت نے جو

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كَتَبَ اللَّهُ ذُرِّيَّتَهُمْ ظُهُورَهُمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۰﴾

دے جا چکے تھے کتاب، اللہ کی کتاب کو اپنے پس پشت، گویا وہ جانتے ہی نہیں •

(اور) سارے یہودی کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں اب آنے والے ہی ہیں، جو ہماری تصدیق فرمائیں گے، لیکن (جب کہ) اللہ تعالیٰ کے فضل سے (آگیا) قدم پاک (انکے پاس رسول) کا (اللہ تعالیٰ کے یہاں سے) کیسا رسول؟ (تصدیق کرنے والا اس) توریت (کا جو ان) یہودیوں (کے ساتھ) اور پاس موجود (ہے) (تو پھینک ڈالا ایک جمعیت) اور ٹولی (نے) اس قوم یہود سے (جو دے جا چکے تھے کتاب)، اور اہل کتاب کہلاتے تھے۔

پھینکا تو کس کو پھینکا؟ (اللہ تعالیٰ کی) نازل کی ہوئی (کتاب کو، اپنے پس پشت) جنھوں نے توریت کے ان عہدوں کو توڑا جو نبی آخر الزماں کے بارے میں تھے۔ وہ توریت کے توڑنے والے بنے جنھوں نے قرآن کو یہ جانتے ہوئے، کہ اس میں توریت کی تصدیق ہے، نہ مانا۔ انھوں نے توریت جسکی تصدیق کی گئی ہے پھینک بہایا (گویا وہ) اس کو (جانتے ہی نہیں) کہ قرآن کتاب الہی ہے اور توریت کی اس میں تصدیق ہے۔

وَاتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانِ عَلَىٰ مَلِكِ سُلَيْمَانَ وَكَفَرُوا سُلَيْمَانَ وَلَكِنْ

اور پیروی کی اس کی جو گلہ باز حاکمیں شیطان لوگ سلیمان کی سلطنت ہونے پر، حالانکہ نہیں کفر کا کام کیا سلیمان نے، لیکن

الشَّيْطَانِ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسَ اتَّخَذُوا عَلَى الْمَلَائِكَةِ حَبَابًا

شیطانوں ہی نے کفر کا کام کیا۔ سکھایا کریں لوگوں کو جادو اور جوا تارا گیا بابل میں دو فرشتوں

هَادُونَ وَمَا دُونَ ذَلِكَ وَمَا يَعْلَمُونَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ

ہاروت اور ماروت پر۔ اور وہ نہ سکھایا کریں کسی کو یہاں تک کہ کہہ دیا کریں کہ ہم بس بلا ہی ہیں،

فَلَا تَكْفُرُوا فَيَعْلَمُونَ مِنْهُمَا مَا يَفْتَرُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَرَوْحِهِ وَمَا هُمْ

تو تم کفر کا کام نہ کرنا۔ تو وہ سیکھا کرتے ان سے جس سے جدائی ڈال دیں میاں اور اس کی بیوی کے درمیان۔ اور نہیں ہیں

بِضَائِرٍ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا يَذُنُ اللَّهُ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ

وہ بگاڑ سکنے والے اس سے کسی کا، بھرا اللہ کے حکم سے۔ اور وہ لوگ سیکھا کرتے وہ جو نقصان دے انہیں اور نفع نہ دے انہیں۔

وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ وَلَيْسَ

اور یقیناً جان چکے تھے کہ بلاشبہ جس نے مول لیا اس کو، نہیں ہے اسکے لیے آخرت میں کچھ بھلائی۔ اور بیشک

فَاشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۲۰﴾

کتنا برا ہے وہ کہ خریدتا جس سے انہوں نے اپنے نفس کو، اگر علم سے کام لیتے •

(اور) اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر یہودیوں نے (یہودی کی اس) جادوؤں نے (کی جو) بڑی دلچسپی

کے ساتھ شوق سے (لکھا پڑھا کریں شیطان لوگ) بالکل من گھڑت (سیمان کی سلطنت ہونے پر)

انکا یہ شغل اسی زمانہ میں تھا۔ انہوں نے جادوؤں کی پوتھیاں لکھ ڈالی تھیں، جو شیطانوں سے سیکھا تھا۔

حضرت سلیمان نے ان پوتھیوں کو ضبط کر کے اپنے تخت کے نیچے دفن کر دیا تھا۔ اور یہودیوں سے کیا

دور، انہوں نے خود تخت کے نیچے دبا دیا ہو۔ کہ پھر وہاں سے نکال کر یہ شور مچائیں کہ یہ سب سحر سلیمانی

ہے، جسکے زور پر وہ جنات اور انسان کو قابو میں لا کر سب پر حکومت و سلطنت کرنے لگے۔ چنانچہ یہودیوں

نے ہمیشہ حضرت سلیمان کو نبی نہیں مانا اور جادو گری کہتے رہے۔ انکے بڑے بڑے لوگوں نے زمانہ

نزول قرآن میں کہہ دیا، کہ سلیمان جادو گر کو سلیمان نبی کہنا، پیغمبر اسلام کیلئے مقام تعجب ہے۔

وہ کہتے تھے کہ کافرانہ جادو حضرت سلیمان کا فعل ہے (حالانکہ نہیں کفر کا) کوئی (کام کیا

سلیمان) نبی معصوم (نے) (لیکن) جو کچھ کیا وہ صرف (شیطانوں ہی نے کفر کا کام کیا) وہ ایسا

جادو کرتے تھے جس میں کفر کی بولی تھی اور کفری عقیدہ رکھنا پڑتا تھا۔ اور شیطانوں کا طریقہ یہ تھا کہ

جادو کرتے تھے (ان یہودی جادو پسند (لوگوں کو جادو) یہودیوں کے جادو سیکھنے کا ایک سبب تو یہ تھا (اور)

(سکھایا کریں) ان یہودی جادو پسند (لوگوں کو جادو) یہودیوں کے جادو سیکھنے کا ایک سبب تو یہ تھا (اور)

دوسرا ذریعہ وہ ہوا (جو اتارا گیا) بطور الہام و تعلیم کے شہر (بابل میں) جو عراق، عرب کے صوبہ، کوفہ میں واقع ہے (دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر) جن کو آسمان پر نغزا اور نغزایا کہا جاتا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے کفری جادو کو کفر قرار دیا ہے اور جس جادو میں کوئی کفر نہ ہو اس کو بھی حرام قرار دیا ہے اور ہر قسم کے جادو سے منع فرمادیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ منع اس چیز سے کیا جاتا ہے جو موجود ہو اور جس کا ارتکاب ممکن ہو، اور پھر خوفِ خدا سے اس کا ارتکاب نہ کیا جائے، تو بندہ مستحق اجر ہو، اسلئے جادو کو ہاروت و ماروت کے ذریعے سے مخلوق فرما کر بھیجا (اور) انکا طریقہ یہ رہا کہ (وہ نہ سکھایا کریں) جادو (کسی کو) بھی، اسلئے کہ سیکھنے والا جادو کا ارتکاب کرے (یہاں تک کہ) سکھانے پر بڑی تاکید کے ساتھ سیکھنے والوں سے (کہہ دیا کریں کہ) سیکھتے تو ہو، مگر خوب سمجھ لو کہ تم لوگوں کیلئے (ہم بس بلاعی ہیں)۔ اگر سیکھ کر اس سے بچنے کے بجائے اس کو کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں بری طرح پھنس جاؤ گے (تو) خوب یاد رکھو کہ یہ کفری جادو ہیں (تم) خدا را (کفر کا کام نہ کرنا)۔

یہودی جو سیکھنے پر آئے (تو) بس (وہ سیکھا کرتے ان) دونوں فرشتوں، ہاروت و ماروت (سے) ایسا جادو (جس سے جدائی ڈال دیں میاں اور اسکی بیوی کے درمیان) (اور) وہ تو یہی مانتے تھے کہ یہ ہمارے جادو ہی کا زور اور اسکی اپنی تاثیر ہے، کہ ہم اس سے دو ملے ہوئے دلوں کو جدا کر دیتے ہیں۔ اور ہر ایک کی بنی کو بگاڑ سکتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ (نہیں ہیں وہ بگاڑ سکنے والے اس) جادو (سے کسی کا) کچھ بھی، (مگر) جسکا کچھ بھی بگاڑ ہوتا ہے وہ (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) ہوتا ہے۔ (اور وہ لوگ سیکھا) بھی (کرتے) تو (وہ) جادو ٹونا سیکھتے (جو نقصان) تو (دے انہیں) (اور) ذرا بھی (نفع نہ دے انہیں) کہیں اور کہیں۔ (اور یقیناً) سب سیکھنے والے اتنا اچھی طرح (جان چکے تھے کہ بلا) شک و (شبہ) ان میں سے (جس نے) بھی (مول لیا اس) جادو ٹونے (کو) تو (نہیں ہے اس کیلئے آخرت میں کچھ) بھی (بھلائی) اور اجر خیر (اور بیشک) معاذ اللہ (کتنا برا ہے وہ) کفری جادو (کہ خریدا جس سے انھوں نے) خود اپنے (اپنے نفس کو)۔ اپنی جان کی پرواہ نہ کی، اسکو دیا اور جادو لے لیا، مگر جان بوجھ کر بھی ان کا علم ان کے کام نہ آیا۔ وہ تو اس وقت کام کرتا (اگر) وہ اپنے (علم سے کام لیتے)۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَآثَقُوا لِلْمُؤْتَبِئَةِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوَكُنُوا يَعْلَمُونَ

اور اگر بے شک وہ ایمان لاتے اور ڈرتے، تو ضرور ثواب بارگاہ الہی کا بہتر ہے، اگر وہ جانتے •
(اور اگر چیک وہ) یہودی پیغام الہی پر (ایمان لاتے)، دل سے مان جاتے (اور) اللہ تعالیٰ سے (ڈرتے) رہتے، (تو) کھلی ہوئی بات ہے کہ (ضرور) بالضرور، وہ (ثواب) جو (بارگاہ الہی کا) عطیہ ہے، دنیا بھر کی چیزوں سے بدرجہا (بہتر ہے)۔ یہ نیکی تو وہ اس وقت کرتے (اگر وہ) اس حقیقت کو (جانتے) ہوئے کہا مانے ہوتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا

اے مسلمانو! تم مت کہا کرو "راعنا" اور عرض کرو کہ "ہمیں دیکھنے" اور سننے رہو۔

وَاللَّكْفِيِّنَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

اور کافروں کے لیے عذاب دکھ والا •

(اے مسلمانو) تم لوگ مجلس نبوی میں جب تمہارے نبی کلام فرماتے اور کوئی لفظ تمہارے سننے سے رہ جاتا، تو بڑے ادب کے ساتھ اور نیک نیتی کے ساتھ تم کہتے تھے کہ، 'راعنا'، اے حضور ہماری رعایت فرمائیے۔ تمہارا یہ طریقہ بہت پسندیدہ تھا، لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس لفظ سے یہودیوں نے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ ایک تو وہ زبان کو اینٹھ کر، 'راعنا' کو 'راعینا' کہتے ہیں، جسکے معنی ہیں، ہمارے چرواہے۔ دوسرے: یہ لفظ 'رعونت' سے بھی بنتا ہے اور محاورہ میں 'بیوقوف' کو کہہ دیا جاتا ہے۔ تیسرے: لغت یہود، عبرانی و سریانی میں یہی لفظ گالی کے معنی میں پایا جاتا ہے۔

یہودیوں نے اس لفظ کو پایا، تو خوش ہوئے، کہ چھپ چھپ کر تو پیغمبر اسلام کو گالیاں دیتے ہی تھے، اب بالاعلان گالی بکنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ وہ اسی لفظ 'راعنا' کو بد نیتی سے گالی کے معنی میں محفل نبوی میں کہنے لگے۔ اور تم انکے اس جرم کو عام طور سے پکڑ نہ سکتے۔ یہ چیز سعد ابن معاذ کو اسلئے محسوس ہوئی کہ یہودیوں کی لغت سے واقف تھے۔ اور اسی لئے انھوں نے یہودیوں سے صاف کہہ دیا کہ اگر محفل نبوی میں تم نے لفظ 'راعنا' کہا تو تمہاری گردن اڑا دوں گا۔

اب یہ لفظ ایسا، کہ تم نیک نیتی سے، ادب سے، کہا کرتے تھے، مگر پیغمبر اسلام کے دشمن اور گستاخ اسی لفظ کو بد نیتی سے، تو جن کیلئے بولنے لگے۔ اور جو لفظ ایسا ہو کہ گستاخ اپنے مقصد گستاخی

میں استعمال کر رہا ہو، اسے نیک نیتی سے، ادب کے ساتھ، کہنا بھی اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں ہے۔ تم لوگ ایسا لفظ چھوڑ دو جس کو توہین رسول میں استعمال کسی دشمن نے بھی کیا ہو۔ اور (تم مت کہا کرو) لفظ (راعنا) کو (اور) اگر اپنی طرف متوجہ کرنا ہو، تو یوں (عرض کرو کہ ہمیں دیکھئے) ہم پر نظر کر م فرمائیے، ہم پر توجہ فرمائی جائے، (اور) حتی الامکان اسکی نوبت ہی نہ آنے دو۔ اور کان لگا کر شروع سے پوری توجہ کے ساتھ اس طرح (سننے رہو) کہ کوئی کلمہ سننے سے رہ نہ جائے (اور) توہین رسول کرنے والے (کافروں کیلئے) قیامت کے دن (عذاب) رکھا ہوا ہے۔ وہ بھی کیسا؟ (دکھ والا)۔

مَا يُوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ فَن

نہیں چاہتے جنہوں نے کفر کیا ہے، اہل کتاب اور نہ بت پرستوں سے، یہ کہ اتاری جائے تم پر کوئی بہتری

خَيْرٌ مِنْ لَدَيْكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

تمہارے پروردگار کی۔ اور اللہ جن لیا کرے اپنی رحمت سے جسے چاہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

یہ یہودی اور بت پرست لوگ، اپنے مطلب کیلئے کسی کسی مسلمان سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو آپ کی ذات سے کوئی اختلاف نہیں اور ہم مل جل کر رہنا چاہتے ہیں۔ ہم بھی خوش رہیں، آپ بھی خوش رہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمہاری خوشی و بہتری کے خیال سے یہ لوگ کڑھتے ہیں۔ چنانچہ ہرگز (نہیں چاہتے) یہ لوگ (جنہوں نے کفر کیا ہے)، نہ تو (اہل کتاب) کعب ابن اشرف کی طرح یہودیوں سے (اور نہ) ابو جہل کی پارٹی کے (بت پرستوں سے)، کیا نہیں چاہتے؟ (یہ کہ اتاری جائے تم پر کوئی بہتری) قرآن کریم اور تمہارے پیغمبر کی نبوت اور ہر قسم کی، ان کی بدولت نعمت و رحمت، جو کچھ بھی (تمہارے پروردگار کی) ہے۔ (اور) یہ لاکھ کچھ چاہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر کسی کا کیا دباؤ پڑ سکتا ہے۔ اسکا تو دستور ہے کہ (اللہ) تعالیٰ اپنی مرضی سے ہمیشہ ہی (جن لیا کرے، اپنی رحمت سے جسے چاہے) کسی کا اس میں کوئی اجارہ نہیں ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ بڑے بڑے فضل فرماتا رہتا ہے۔ کیونکہ وہی (بڑے فضل والا ہے)۔ جس پر جتنا بڑا فضل چاہے فرمادے۔

مَا نَسْفُخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِفُهَا نَأْتٍ بِخَيْرٍ مِمَّا أَدْمُغْنَا أَلَمْ تَعْلَمْ

جب منسوخ قرار دیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیں اُسے، لے آئیں بہتر اس سے یا اسی کے شل۔ کیا معلوم نہیں کہ

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲﴾

بے شک اللہ ہرچاہے پر قدرت والا ہے؟

یہ مشرکین کتنے بڑے احمق اور اندھے ہیں، ہر وقت دیکھا کرتے ہیں، کہ ہمارا کارخانہ قدرت، نسخ سے بھرا ہے۔ رات کو دن سے اور دن کو رات سے، ہم منسوخ فرماتے رہتے ہیں۔ جاڑے کو گرمی سے اور گرمی کو جاڑے سے۔ اسی طرح خریف کو ربیع سے اور ربیع کو خریف سے۔ مرض کو تندرستی سے، تندرستی کو مرض سے۔ سایہ کو دھوپ سے اور دھوپ کو سائے سے، برابر منسوخ کرتے رہنا، دستور قدرت چلا آ رہا ہے۔ اور جس وقت جس کو ہم منسوخ کرتے ہیں، تو اس وقت اس کا منسوخ ہونا اور نسخ کا پایا جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔

یہ تو نظام عالم پر نظر کرنے سے صاف نمایاں ہوتا ہے۔ اب ہمارے قوانین میں دیکھو، تو حضرت آدم کی شریعت میں بھائی بہن کا نکاح جائز تھا، جب اس جواز کی مدت ختم ہو گئی، ہم نے اسکو منسوخ کر دیا۔ حضرت نوح کی شریعت میں ہر جانور حلال تھا۔ حضرت موسیٰ کی شریعت میں کتنے جانور حرام کر دیئے گئے۔ ایک رسول کے بعد دوسرے صاحب کتاب رسول آنے پر، برابر دین سابق کے کچھ نہ کچھا احکام منسوخ ہوتے رہے، اور اس پر کبھی وہ کچھ نہ بولے۔

اب جو قرآن میں دیکھا کہ آیات منسوخہ بھی ہیں، جن کو دوسری آیتوں نے منسوخ کر دیا ہے، خواہ صرف تلاوت منسوخ ہو، خواہ صرف عمل کے حق میں منسوخ ہو، خواہ دونوں کیلئے منسوخ ہو، جیسے سورۃ احزاب کی کئی آیتیں۔ ابوامامہ ابن سہل اور کئی صحابہ ایسی سورۃ کو اس طرح بھول گئے تھے کہ ایک حرف بھی یاد نہ رہا، اور ان کو پیغمبر اسلام نے بتا دیا کہ اسکی تلاوت بھی منسوخ ہو گئی۔ اور یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ شریعت اسلامیہ عجیب ہے۔ آج کچھ حکم ہے اور کل کچھ حکم ہے۔

حالانکہ اس قسم کی تبدیلی پر ساری دنیا قائم ہے اور کارخانہ عالم دیکھو یا قرآن کی آیتوں ہی کو دیکھو تو صاف ہمارا یہ دستور نظر آئیگا۔ کہ (جب منسوخ قرار دیں ہم کوئی آیت) کہ اب سے اس کا حکم یا تلاوت کرنا اٹھالیا گیا ہے (یا بھلا دیں اسے) کہ کسی کو یاد ہی نہ رہ جائے، تو ہمارا طریقہ یہ ہے کہ اس منسوخ کے بجائے، (لے آئیں پھر) آسانی اور ثواب میں (اس) منسوخ (سے) (یا اسی) منسوخ (کے مثل) ثواب آخرت میں۔ (کیا) تم کو اور تمہاری امت کو اور جہان بھر کو (معلوم نہیں کہ) (شک) ایسا کرنا محض اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اسکی قدرت کا اظہار ہے۔ اور (اللہ) تعالیٰ اپنے (ہرچاہے

پر) جو کچھ وہ چاہے (قدرت والا ہے) اسے کر سکتا ہے اور کر دیتا ہے۔

أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ

کیا معلوم نہیں کہ بے شک اللہ، اسی کی ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی؟ اور نہیں تمہارا کوئی

دُونِ اللَّهِ مِنْ قُرْبَىٰ وَلَا نُنصِرُ ۝

اللہ کا مد مقابل یا اور اور نہ مددگار

(کیا) کوئی ہے جس کو (معلوم نہیں کہ بیشک اللہ) تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ (اسی کی ہے حکومت) و سلطنت و ملکیت و شاہی سارے (آسمانوں اور زمین) بھر (کی)۔ (اور نہیں) ہے (تمہارا) اے کافر و (کوئی) بھی ان معبودوں میں سے جن کو تم نے (اللہ کا مد مقابل) گڑھ رکھا ہے کوئی (یا اور اور نہ) کوئی (مددگار) قیامت کے دن۔

أَمْ تَرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلُوا مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ

یا کیا چاہتے ہو کہ پوچھ گچھ میں رکھو اپنے رسول کو، جس طرح سوال کئے گئے موسیٰ پہلے؟

وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

اور جو بدل کر لے لے کفر کو ایمان سے، تو بے شک گم کردیا اس نے ہموار راستہ

(یا) (کیا) سب کچھ جان بوجھ کر، پھر بھی چاہتے ہو کہ پیغمبر اسلام سے یہ کہہ کہہ کر کہ ہمیں آسمانی کتاب ایسی لا کر دیجئے جو یکبارگی اتری ہو۔ ہمارے سامنے فرشتے اور اللہ کو اس طرح لے آئیے کہ ہم صاف صاف دیکھ لیں، ورنہ ہم ایمان نہ لائیں گے۔ پیغمبر اسلام کی نبوت، روشن دلیلوں سے واضح ہو جانے پر بھی ایسے وہمی اور بے معنی سوال سے تم یہ (چاہتے ہو کہ) بس (پوچھ گچھ) ہی (میں رکھو اپنے) ان (رسول کو) جو سارے جہان کیلئے رسول ہیں۔ (جس طرح) تمہارے اگلوں کا ڈھنگ تھا۔ چنانچہ (سوال کئے گئے) خود (موسیٰ) بھی (پہلے) زمانے میں۔ اور ان سے کہا گیا کہ ہم تم کو نہ مانیں گے جب تک علانیہ تمہارے اللہ کو دیکھ نہ لیں۔ اس رویے سے تم یہ چاہتے ہو کہ مسلمانوں میں عام طور پر ان سوالات سے شکوک پیدا ہو سکیں۔ اور وہ بھی اس قسم کے، سوال لایعنی، پر سب کے سب اتر آئیں۔ لیکن خوب سمجھ رہے ہو کہ ایسے مہمل سوالات جو کرے (اور) اس جسارت کی بناء پر (جو بدل کر لے لے کفر کو ایمان سے) ایمان دے ڈالے اور اسکے بدلے میں کفر لے لے (تو بیشک گم کردیا اس) کفر کے خریدار (نے) سیدھا (ہموار راستہ) اسلام کا۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُّوْكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كِفَاٰرًا ۗ حَسَدًا مِّنْ

چاہا بہتروں نے اہل کتاب سے کہ کاش پھیر کر دیں تمہیں، تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر، حسد میں

عِنْدَ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْتُوا وَاصْفَحُوا

اپنے، بعد اس کے کہ روشن ہو چکا انکے لئے حق۔ تو بناؤ، اور درگزر،

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰﴾

یہاں تک کہ لائے اللہ اپنا حکم۔ بے شک اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے۔

مسلمانو! کافروں کی یہ بد نیتی کہ تمہارے اسلام کو ختم کر دیں کوئی راز نہیں ہے۔ حذیفہ ابن

یمان اور عمار ابن یاسر کو یہودیوں نے جنگ اُحد کے بعد انہیں مرتد کرنے کیلئے کہا تھا کہ اس لڑائی میں

تمہاری شکست صرف اسلئے ہوئی، کہ تم حق پر نہ تھے۔ ہمارا دین حق ہے اس کو قبول کرلو۔ اس پر عمار ابن

یاسر نے کہا کہ عہد توڑنے کے بارے میں تمہاری شریعت کیا کہتی ہے؟ وہ بولے یہ تو بڑا سخت جرم

ہے۔ عمار نے کہا کہ ہم نے اپنے پیغمبر سے عہد کر لیا کہ زندگی بھر آپ سے کافر نہ ہوں گے۔ حذیفہ

نے صاف کہہ دیا کہ ہم نے اپنے اللہ کو پروردگار، اور اپنے رسول کو رسول، اور اپنے اسلام کو اپنا دین

ہونا، خوشی سے قبول کر رکھا ہے، وہ کسی عارضی شکست سے متاثر نہیں ہو سکتا۔

اس طرح (چاہا بہتروں نے اہل کتاب) یہودیوں میں (سے) (کہ کاش پھیر کر دیں

تمہیں، تمہارے ایمان لانے کے بعد، کافر) و مرتد، محض جلن اور (حسد میں اپنے) اور یہ سب حرکت

(بعد اسکے) ہے (کہ) صاف صاف (روشن ہو چکا) خود (ان کیلئے) بھی امر (حق) جس سے انکار

کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی (تو) تم اسکی کچھ پرواہ نہ کرو۔ (ہٹاؤ اور درگزر کرو) اور انتظار کرتے

رہو (یہاں تک کہ لائے اللہ) تعالیٰ (اپنا حکم) اور عذاب اور ان سے جہاد کرنے کا فرمان۔ کہ بنی

قریظہ کو قید اور قتل کی سزا دی گئی اور بنی نضیر کو ملک بدر کر دیا گیا۔ (پھٹک) جو کچھ ہوا وہ اللہ کی مشیت

سے ہوا۔ اس نے چاہا کیا۔ اور (اللہ) تعالیٰ اپنے (ہر چاہے پر قدرت والا ہے) جو اس نے چاہا اس

کو کر دکھایا۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ نُّحَدِّثُ

اور ادا کرتے رہو نماز کو اور دیتے رہو زکوٰۃ کو، اور جو کچھ پہلے کر رہو گے اپنے نفع کو کوئی نیلی، ہاؤ گے اس کو

عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۰﴾

اللہ کے یہاں۔ بے شک اللہ جو کچھ کر دیکھنے والا ہے۔

اور اے مسلمانو! تم ان کافروں کو جھک مارنے دو، (اور) اپنی بہتری کی فکر کرو۔ یونکہ (ادا کرتے رہو نماز کو) پانچوں وقت (اور) پابندی کے ساتھ (دیتے رہو) سال بہ سال (زکوٰۃ کو) بھی۔ اور اس بات کو بنی اسرائیل کیلئے رہنے دو کہ جب وہ یہودی کوئی گناہ کرتے تو انکو انکے دروازوں پر وہ گناہ لکھا ہوا مل جاتا۔ جس سے اگر تو بہرتے تو بھی انکے گناہ کو لوگ جان جاتے، اور وہ رُسوا ہو جاتے۔ اور تو بہ نہ کرتے تو عذاب الہی ان پر اترتا۔ اللہ تعالیٰ تم کو دنیا میں انکی طرح رسوا کرنا نہیں چاہتا۔

تم خود اپنے گناہ پر نادم ہو جایا کرو (اور) تم اپنی نیکی بھی اپنے ہی تک رکھو، اور اس کو چھپاؤ اور خوب یقین کر لو کہ (جو کچھ) بھی تم نیکی (پہلے) سے (کر رکھو گے) اور اپنے رب کے پاس بھیجے رہو گے، خود (اپنے) ہی (بھلے) اور فائدے (کو)، تو اس میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوئی، وہ (کوئی) بھی (نیکی) بڑی ہو یا چھوٹی ہو، تم ضرور (پاؤ گے اس) نیکی کے ثواب (کو اللہ تعالیٰ کے یہاں) آخرت میں۔ اس کو کہیں لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ (بیشک اللہ تعالیٰ تم (جو کچھ) بھی نیکی (کرو) سب کا ہر وقت (دیکھنے والا) اور نگرانی فرمانے والا (ہے)۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا تِلْكَ آمَانِيَّتُهُمْ

اور دعویٰ کر دیا کہ ہرگز نہ داخل ہونگے جنت میں مگر وہ، جو ہو گئے یہودی یا عیسائی لوگ۔ یہ ان کی خیالی گمبھیراں ہیں۔

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱﴾

جواب میں کہو کہ لاؤ اپنی دلیل، اگر ہو تم سچے۔

(اور) کہتے بڑے یہ ڈھیٹ، یہ یہودی اور عیسائی ہیں۔ حد ہو گئی کہ یہ بھی (دعویٰ کر دیا کہ) اور مسلمان بھی خواہ کچھ ہو جائیں، پھر بھی (ہرگز نہ داخل ہوں گے جنت میں) قیامت کے دن۔ کسی کو جنت نہ ملے گی (مگر) جنت پائیں گے تو (وہ جو ہو گئے یہودی) اور یہودیت پر مر گئے (یا) عیسائیوں کے نزدیک جو بن گئے (عیسائی لوگ)۔ یہ وحشیوں کی طرح الجھن والے سوالات کرنا، اپنے لئے جنتی ہونیکے ڈیک مارنا، (یہ) جتنی باتیں ہیں، بس (ان) یہودیوں اور عیسائیوں (کی) بس (خیالی گمبھیراں) اور بے دلیل باتیں اور دل خوش کن تمنائیں اور من گھڑت بکواسیں (ہیں)۔ ان لوگوں کے (جواب

میں کہو کہ) جنت کے تہا اجارہ دار بننے ہو، تو (لاؤ) تو سہی (اپنی دلیل) اور اجارہ داری کا پروانہ (اگر) اپنے خیال میں، اس بے بنیاد دعویٰ میں، (ہو تم) بڑے (سچے)۔

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ

لیکن ہاں، جس نے جھکا دیا اپنے رخ کو اللہ واسطے اور وہ مخلص ہے، تو اسی کیلئے ہے اس کا ثواب اسکے پروردگار کے یہاں،

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۳۷﴾

اور نہ کوئی ڈر ہے ان پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں

تمہارے پاس سند کہاں اور تم سچے کہاں کے؟ (لیکن ہاں) اگر سند والے سچے جنتیوں کو دیکھنا چاہتے ہو، تو سنو، کہ (جس نے) بھی عرب کا ہو یا عجم کا، اونچا سمجھا جاتا ہو یا نیچا، (جھکا دیا) اور نیاز مندی کے ساتھ، پوری یکسوئی سے سوچ دیا (اپنے رخ) اور جذبہ پرستاری (کو) مگر دکھاوے یا کسی دنیاوی لالچ میں نہیں، بلکہ محض (اللہ کے واسطے) اسکے سارے احکام کی بجا آوری کرنے لگا، (اور) پھر یہ بھی ہو کہ (وہ) اپنے اس طریقہ کار میں (مخلص ہے) اور اپنے رب کو برابر پیش نظر رکھتا ہے۔

(تو) اسے ڈینگ مارنے والو! سچ یہ ہے کہ (اسی کیلئے ہے اس) کی اس اسلامی زندگی (کا) سارا (ثواب) (اس) مسلمان (کے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کے یہاں) قیامت کے دن۔ (اور) وہی ہیں کہ (نہ) تو (کوئی ڈر ہے ان پر) قیامت میں (اور نہ وہ) دنیا میں کسی چیز کے ہونے، نہ ہونے، سے (رنجیدہ ہوں) لاکھوں جہان میں بھلائی بھلا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَقَالَتِ النَّصْرَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ

اور بولے یہودی لوگ کہ نہیں ہیں عیسائی لوگ کچھ۔۔ اور بولے عیسائی لوگ کہ نہیں ہیں یہودی

عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَهُمْ يَتَّبِعُونَ الْكِتَابَ ۚ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ

لوگ کچھ۔۔ حالانکہ وہ سب تلاوت کریں کتاب کی۔ اسی طرح بول پڑے وہ جو علم نہیں رکھتے

قَوْلِهِمْ ۚ قَالَ اللَّهُ إِنَّهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۳۸﴾

ان کی بولی جیسی۔ تو اللہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن، جس چیز میں وہ جھگڑا کیا کرتے تھے

(اور) ان یہودیوں اور عیسائیوں کی باہمی کشمکش دیکھی جائے کہ مقام نجران کے عیسائی

لوگ بزم پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے تو ان سے مناظرہ کے نام پر لڑنے کو مقامی یہودی دوڑ پڑے۔ اور دونوں میں کج بحثیاں چل پڑیں۔ تو (بولے یہودی لوگ) کے نمائندے (کہ نہیں ہیں عیسائی لوگ کچھ) نہ حضرت عیسیٰ نبی تھے، نہ انجیل آسمانی کتاب ہے۔ ساری عیسائیت بے بنیاد ہے۔ (اور) اسی طرح (بولے عیسائی لوگ) بھی (کہ نہیں ہیں یہودی لوگ کچھ) بھی۔ نہ حضرت موسیٰ نبی تھے، نہ توریت آسمانی کتاب ہے۔ ساری یہودیت بے بنیاد ہے۔ (حالانکہ) یہ چوٹ چلنے والے (وہ) ہیں کہ (سب) کے سب برابر (تلاوت) کیا (کریں)، کسی نہ کسی شکل میں، جو اللہ کی (کتاب) انکے پاس بہ نامزد توریت و انجیل موجود ہے، ان دونوں (کی)۔

انجیل والے خود انجیل میں برابر دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی نبوت کا بیان اور ان کی شریعت کی پابندی کا ان کیلئے حکم موجود ہے۔ توریت والے توریت میں پاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی، بحیثیت نبی آنے، اور ان کی اطاعت واجب ہونے کا ذکر، صاف صاف موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر ان چوٹ کی باتیں کرنے والوں کی باطل پرستی کیا ہو سکتی ہے۔ (اسی طرح) انکی دیکھا دیکھی یہاں تک نوبت آئی کہ (بول پڑے وہ) وہی بت پرست لوگ بھی (جو) سرے سے یقین سے خالی اور کسی بات کا کچھ (علم) ہی (نہیں رکھتے، ان) اہل کتاب (کی بولی جیسی) اور کہنے لگے ہمارے سوا کسی کو، 'بیکنٹھ' نہ ملے گا۔ (تو) اب اس ڈھٹائی اور بد لگامی اور منہ زوری کا (اللہ) تعالیٰ ہی (فیصلہ فرمائے گا اُن) سب (کے درمیان قیامت کے دن) جس (جس چیز) اور بات (میں) وہ لوگ اپنی زندگی میں خواخوہ (جھگڑا) بکھیڑا (کیا کرتے تھے)۔ جنت اسی دن جس کو ملنی ہے ملے گی، تو سب آنکھ سے خود دیکھ لیں گے کہ انکا سارا دعویٰ انھیں کو جہنم لے گیا۔ اور جن مسلمانوں کا جنت میں جانا گوارا نہ تھا، وہی مسلمان جنت میں جا کر بے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي

اور اس سے زیادہ اندھیر والا کون ہے جس نے روک دیا اللہ کی مسجدوں کو کہ یاد کیا جائے ان میں اس کا نام، اور کوشش کی ان کی

خَدَابِهَادٍ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا عَائِقِينَ ۗ لَهُمْ

دیرانی میں۔ وہی ہیں کہ نہیں ہے اُن کو حق کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ڈرتے۔ انہیں

فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۗ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰﴾

کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور انہیں کے لیے آخرت میں عذاب ہے بہت بڑا۔

اور ان اہل کتاب کا، یہودی ہوں یا عیسائی، اسی طرح ان مشرکین کا کیا منہ ہے کہ وہ دین کا یا بخت کا نام لیں۔ ان سب کو معلوم ہے کہ 'مطسوس رومی' نے بنی اسرائیل سے بیت المقدس میں جنگ کی تو انکے جوانوں کو قتل کر ڈالا اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ تو ریت کو جلا ڈالا۔ بیت المقدس کو کھود کر گرا دیا۔ یہاں تک کہ اسلام آنے کے بعد، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں نئے سرے سے اسکی تعمیر کی گئی۔ اور جب باہل والا بخت نصر مجوسی نے اپنے زمانے میں بنی اسرائیل سے جنگ کی تھی اور بیت المقدس کو ڈھایا تھا۔ تو چونکہ یہودیوں نے حضرت یحییٰ نبی ابن زکریا نبی کو ان کے عہد میں شہید کر ڈالا تھا۔ اسی ضد میں بخت نصر کی مدد یہودیوں کے خلاف، بیت المقدس کو ڈھانے میں، عیسائیوں نے کی تھی، ابھی کتنے دن کی بات ہے کہ مشرکین مکہ مسلمانوں کو کعبہ میں نماز ادا کرنے نہیں دیتے تھے۔ حج سے روک دیا تھا۔ یہ بھی تو عبادت گاہ کی ویرانی ہے کہ اس میں کسی کو عبادت سے روک دیا جائے۔

یہ ہیں اعمال ان اہل کتاب اور بت پرستوں کے۔ (اور) اب ان سے کہنے کی بات ہے؟ (کہ اس سے زیادہ اندھیر والا) غدار سرکش (کون) ہو سکتا ہے؟ (جس) ظالم (نے) بالکل (روک دیا) خود (اللہ تعالیٰ کی مسجدوں) اور عبادت گاہوں (کو)۔ کس چیز سے روکا؟ اس سے (کہ یاد کیا جائے ان) مسجدوں (میں اس) اللہ تعالیٰ (کا نام)۔ اس کا ذکر جلی ہو یا خفی۔ حلقہ میں ہو یا تنہا درس قرآن ہو، یا تعلیم حدیث، بیان موعظہ و عبرت ہو یا تبلیغ فقہ و شریعت، تو حید الہی کا بیان ہو یا نعمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہو۔ ہر دینی کام جو استحقاقِ ثواب رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ کی وہ عبادت ہے اور اسی کے حکم و شریعت کی اطاعت ہے۔ اور ہر عبادت الہی، بلا شک و شبہ ذکر الہی ہے۔ جس نے کسی عبادت سے روکا (اور) اس طرح (کوشش کی ان) مسجدوں (کی ویرانی میں، وہی ہیں کہ) جنت میں جانا تو بہت دور رہا، (نہیں ہے ان) ظالموں (کو) اس امر کا (حق کہ داخل ہوں ان) مسجدوں (میں) بھی (مگر) بس (ڈرتے ڈرتے)، چھپ کر کہ کوئی پہچان نہ لے ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے۔

چنانچہ یہ واقعہ کہ بیت المقدس کے ڈھانے کے بعد، باوجود اسکے قبلہ اہل کتاب اور مقام حج اہل کتاب ہونے کے، اب تک کوئی رومی اور عیسائی آزادی کے ساتھ اس میں نہ جا سکا۔ ٹیکس کا خوف، قتل کا خوف، انکے بلا و مظہر و روم و عمور یہ نکل جانے کا ہراس، الگ سے مسلط رہا۔ اور کعبہ سے تو بت پرست ایسا نکالے گئے، کہ اب ان کا وہاں سایہ بھی نہیں جاتا۔ ان حرکتوں پر جنت کی ٹھیکیداری کتنی بڑی

ڈھٹائی ہے۔ انھیں جنت سے تو واسطہ نہیں البتہ (انھیں کیلئے) یہاں (دنیا میں) غلامی و قتل و قید و گناہی اور طرح طرح کی (رسوائی ہے اور) آخرت کی پوچھو، تو (انھیں کیلئے آخرت میں) وہاں کا (عذاب ہے)۔ کیا؟ (بہت ہی بڑا) جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيُّمَا تُلَؤُا فَنَمَّ وَجَّهَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۴۰﴾

اور اللہ ہی کا ہے پورب اور پچھم، تو جدھر تم رخ قبلہ ہو تو ادھر اللہ کا رخ ہے۔ بے شک اللہ وسعت دینے والا علم والا ہے۔ (اور) اے مسلمانو! تمہارے قبلہ اور نماز کے بارے میں یہودی بکواس کریں تو تم کچھ نہ سنو۔ اگر ہم تمہارا قبلہ کچھ بھی مقرر نہ کریں اور عام اجازت دیں کہ جدھر چاہو اپنا رخ کر کے مجھے پوجو، یا ہم ایک قبلہ مقرر کر دیں اور پھر بدل دیں یا تم قبلہ مقرر شدہ کو معلوم کرنے کی کوشش میں ناکام رہو اور غلط رخ پر قبلہ جان کر نماز پڑھ لو یا دعائم جس سمت چاہو ہاتھ اٹھا کر کر لیا کرو یا نماز نفل سواری پر پڑھو اور جدھر اسکا رخ ہو اسی طرح پڑھتے رہو، تو یہودیوں کا اس میں کیا اجارہ ہے۔ تم خوب جانتے ہو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے) خواہ (پورب) ہو (اور) خواہ (پچھم) اور تم کو اسی کی عبادت کرنی ہے (تو) اب کسی رخ کو قبلہ جانتے ہوئے (جدھر تم رخ قبلہ ہو) تم کو اگر اس کا یقین ہو چکا کہ تمہارا منہ قبلہ کی طرف ہے (تو) خواہ وہ رخ قبلہ کا رخ واقع میں نہ بھی ہو، پھر بھی تمہاری نیت اور کوشش کا یہ پھل ہے، کہ جدھر تمہاری توجہ ہے، (ادھر) ہی (اللہ) تعالیٰ (کا رخ) اور توجہ (ہے)۔ اصل قبلہ کوئی درود یوار نہیں ہے بلکہ ہمارا حکم اصلی قبلہ ہے۔ یہ آسانی اور گنجائش اگر تم کو اے مسلمانو! ہم نے دی، تو یہودیوں سے نہ گھبراؤ اور بالا اعلان کہو کہ (پیشک) ہمارا (اللہ) تعالیٰ ہم کو بہت بڑی (وسعت) اور سہولت (دینے والا ہے) اور ان وسعتوں کی حکمتوں کا (علم) رکھنے والا (ہی) ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ لَكِنَّ سُبْحَانَ اللَّهِ ۖ بَلْ لَكُمْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلِّ لَهٗ قَدُوٰتٌ ﴿۱۴۱﴾

اور کہہ پڑے کہ رکھ لیا ہے اللہ نے اولاد، سبحان اللہ، بلکہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسکے پجاری ہیں۔ ذرا ان یہودیوں کو دیکھو کہ حضرت عزیر کو کہتے ہیں کہ اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں اور عرب کے بت پرست کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ کفری بول کے بولنے والے کیا بولے (اور) کس طرح (کہہ پڑے کہ رکھ لیا ہے اللہ نے اولاد) اسکے بیٹے

بھی ہیں اور بیٹیاں بھی ہیں (سبحان اللہ) وہ پاک ہے کہ اسکے بیٹے یا بیٹیاں ہوں (بلکہ اسی) اللہ تعالیٰ (کا) سب کچھ مخلوق و مملوک (ہے) (جو کچھ) بھی (آسمانوں اور زمین میں ہے سب) اسی اللہ تعالیٰ کے بندے، مخلوق، مملوک، فرمانبردار، اور (اسکے بچاری ہیں)۔ اگر اللہ تعالیٰ کے بیٹا بیٹی مانے جائیں تو وہ ایسے کیوں ہونے لگے، وہی سارے جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاِذَا اَقْضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۳۱﴾

بے اصل و بے مثل ایجاد فرمانے والا آسمانوں اور زمین کا۔ اور جب طے فرمایا کسی امر کو، تو بس حکم دیتا ہے اسے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح نہیں کہ دنیا کا کوئی حکم تھا، کوئی بنیاد تھی، اسکو بڑھا کر سارا جہان بنا دیا۔ اور اس طرح بھی نہیں کہ آسمان و زمین کوئی پہلے سے موجود تھا، اس کو نقل کر کے اس آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ بلکہ وہ تو (بے اصل و) بنیاد اور (بے مثل) سابق کہ بالکل نیست سے ہست کر کے (ایجاد فرمانے والا) ہے (آسمان اور زمین کا)۔ اسکا یہ کام بالکل انوکھا ہے اور بطور بدعت۔ اور اولاد کا ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کا حکم موجود ہو۔ اور جب کوئی شے ہے کہ اس کا حکم نہ ہو تو پھر کوئی شے اسکی اولاد نہیں ہو سکتی۔ اولاد ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ باپ کے لطف سے درجہ بدرجہ بڑھتے بڑھتے پیدا ہو، اور تدریجی ترقی کرتا رہے۔ (اور) اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کارخانہ یہ ہے، کہ (جب) اس نے (طے فرمایا کسی امر کو) اور ارادہ کر لیا کہ فلاں چیز ہو جائے (تو) آہستہ آہستہ تدریجی طور پر نہیں، بلکہ (بس حکم) دیئے (دیتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ) جسکے ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اسکی مشیت کے مطابق (ہو جاتا ہے) جب ساری مخلوق کا ہونا اس طرح پر ہے، تو اسکی اولاد کوئی نہیں ہو سکتی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يَكْلُمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَا اٰيَةً كَذٰلِكَ

اور بولے جو علم نہیں رکھتے کہ کیوں نہیں مخاطب فرماتا ہمیں اللہ یا آتی ہم کو کوئی پہچان۔ اسی طرح

قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ

بولے تھے جو ان کے پہلے سے ہوئے انہیں کی بولی جیسی۔ طے طے رہے ان سب کے دل۔

كَذٰلِكَ يَكُوْنُ لِقَوْمٍ لّٰقِيُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

وہی ظاہر فرمادے ہم نے آجوں کو اس قوم کیلئے جو یقین رکھیں۔

(اور) یہود تو یہود، عیسائیوں اور بت پرستوں میں سے بھی یہ کفری بول (بولے) یہ سب کے

سب (جو) سرے سے (علم) ہی (نہیں رکھتے)۔ یہودیوں کو اپنے تئیں تورات ہی کی خبر نہیں اور عیسائیوں کو اپنی انجیل ہی کی خبر نہیں اور بت پرستوں کو علم سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے۔ انکی ایک کفری بولی یہ ہے (کہ) اے پیغمبر اسلام، اللہ تعالیٰ آپ سے کلام فرماتا ہے تو ایسا (کیوں نہیں) ہوتا کہ وہ (مخاطب فرماتا ہمیں) بھی، اور براہ راست ہم سے بھی بات چیت کرتا (اللہ تعالیٰ، اور کہہ دیتا کہ ہمارے پیغمبر ہیں، تو آپ پر ہم ایمان لے آتے (یا) یہی ہوتا کہ (آملتی ہم کو) صاف صاف آپ کی (کوئی) ایسی (پہچان) کہ پھر آپ کے رسول ہونے میں ہمیں کوئی شک نہ رہ جاتا۔ اگر ہم دیکھ پاتے کہ نہ مانیں گے، تو ابھی ہم پر یہ عذاب اترنے والا ہے، تو پھر ہمیں ماننے کے سوا کیا چارہ کار تھا۔

یہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست بات چیت کرنے کا مطالبہ اور اسکے عذاب کی فرمائش کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ (اسی طرح) سے وہ کفار بھی (بولے تھے جو ان کے پہلے سے ہوئے) انکی بھی بولی (انھیں کی بولی جیسی) تھی۔ انھوں نے بھی حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم آپ کو نہ مانیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو اعلان نہ دیکھ لیں گے۔ ایک عذاب کے بعد دوسرے عذاب کی فرمائش ان کا بھی دستور تھا۔ کفر نے ان کو اور انکو ہم رنگ بنا رکھا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ آج کے کافر پہلے کے کافروں سے، گو ایک دوسرے سے زمانہ میں دور ہیں، لیکن جہاں تک کفر کا اثر ہے، (ملے جلے) اور یکساں (رہے ان سب کے دل) جیسے مشترکہ سازشوں میں ہر سازشی کے دل ملے جلے رہتے ہیں۔ اگر انکو تمہارے پہچاننے کا شوق ہوتا، تو ایک نشانی کیا، بلکہ (پیشک) و شبہ صاف صاف (ظاہر) و عیاں (فر دیا ہم نے) تمہاری پہچان کیلئے بے شمار (آیتوں) اور نشانیوں (کو)۔ مگر یہ وہی و شکی تو اندھے ہیں۔ انکے پاس وہم و شک کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہماری ظاہر کی ہوئی نشانیوں سے فائدہ پانا (اس قوم کیلئے) ہے (جو) وہم و شک کے شیطان سے دور رہیں۔ اور اپنے پاس (یقین) کی دولت (رکھیں)۔ جس بات کا یقین ہو جائے، اسکے خلاف خواب تک نہ دیکھیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجُبُورِ ۝

بیشک ہم نے بھیجا تم کو بالکل حق، خوش خبری سنانے والا، اور ڈرانے والا، اور نہ پوچھے جاؤ گے اہل جہنم کے بارے میں •

تم وہ نہیں ہو کہ کوئی آئے تو نشانی آ کر تمہاری تائید کرے، تو ماننے کے قائل نہ ہو۔ بلکہ (بیشک

ہم نے) تو (بھیجا ہے تم کو بالکل حق) تمہارے ساتھ حق ہے تمہارا دین حق ہے، تم خود سراپا حق ہو،

جو آیت و نشانی تمہاری تائید کرے تو اسکی وجہ سے سچ ہو جائے اور جو آیت یا نشانی تمہارے خلاف ہو وہ خود جھوٹ ہے۔ تم اب کسی تائید کے محتاج نہیں ہو بلکہ ہر نشانی اپنے سچ ہونے کیلئے تمہاری تائید کرنے کی محتاج ہے۔ اگر انکے پاس یقین ہوتا تو تم کو مانتے۔ اور بجائے اسکے تم سے نشانیاں مانگتے، یہ جس نشانی کو تمہاری تائید میں پاتے اسکو اسلئے سچ جانتے کہ وہ حق کی تائید میں ہے۔ ہم نے تم کو کسی تائید سے بالاتر رکھا ہے۔ اور اپنے فرمانبرداروں، چاہنے والوں کو (خوش خبری سنانے والا)۔

(اور) اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کو (ڈرانے والا) بنا کر بھیجا ہے (اور نہ) تو قیامت کے دن تم (پوچھے جاؤ گے اہل جہنم کے بارے میں) کہ تمہاری تبلیغ کے باوجود انہوں نے کیوں نہ مانا اور کیوں جہنمی ہوئے؟ اور نہ تمہیں سے کسی کو حق ہے کہ کسی کے بارے میں یہ سوال کرے کہ وہ جہنم میں گیا کہ نہیں؟ جب تم نے تبلیغ کر دی تو ماننے والا خود ہی جنتی ہو گیا اور جس نے نہ مانا وہ آپ ہی جہنم میں گیا۔ اس بارے میں کسی قسم کا سوال بالکل بیکار ہے۔

وَلَكِنْ تَرْضَوْنَ عَنْكَ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنْ هَدَىٰ اللَّهُ

اور ہرگز نہ خوش ہو گئے تم سے یہود اور نہ عیسائی لوگ، یہاں تک کہ پیروی کرو ان کے دین کی۔ کہہ دو کہ بیشک اللہ کی ہدایت

هُوَ الْهُدَىٰ وَلَٰكِنْ أَتَّبَعْتُمْ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكُمْ مِنْ

ہی ہدایت ہے۔ اور بے شک اگر پیروی کر سکتے تم ان کی خواہشوں کی، بعد اس کے جو آقا تم کو

الْعِلْمِ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ ذَلِيلٍ ۗ وَلَا لِكُفْرَانِكُمْ

علم، نہ ہوتا تمہارے لیے اللہ والوں سے کوئی یار اور نہ کوئی مددگار ●

(اور) یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ کہنا کہ آپ ہمارے ساتھ مرؤتہ برتیں اور اپنی سختیاں

ڈھیلی کر دیں اور مل جل کر رہیں، رواداری سے کام لیں تو ہم ایک قوم بن کر امن و امان سے رہیں۔ یہ

بالکل فریب اور دھوکہ کی باتیں ہیں۔ یاد رکھو! کہ (ہرگز خوش نہ ہو گئے تم سے یہود اور نہ عیسائی لوگ)

زندگی بھر قیامت تک (یہاں تک کہ) تم خود ہی (پیروی کرو انکے دین) اور دھرم (کی)۔

وہ تو اس فکر میں لگے رہیں گے کہ تم کو مرتد بنائیں، شرمی کریں، تو انکے کلیجے میں شندک

پڑے۔ ورنہ لاکھ ان سے ملنے کیلئے تاکر دنی کر دو، وہ کبھی خوش نہ ہوں گے۔ ان سے تم انکی اس بے جا

خواہش کے جواب میں صاف صاف (کہہ دو کہ) تم جس لالچ میں پڑے ہو اس سے منہ دھو رکھو۔ تم

گمراہ ہو۔ تمہارے پاس ہدایت کہاں۔ ہمارے پاس تو اللہ کی ہدایت موجود ہے اور (پیشک اللہ کی ہدایت ہی، ہدایت ہے) وہ اس قسم کی بیجا تمنا خواہ تم سے رکھیں، خواہ تمہاری برسر ہدایت امت سے، سب حماقت (اور) نری حماقت ہے۔ امید اس سے رکھی جاسکتی ہے جس سے امید رکھنے کا امکان ہو۔ تمہاری ذات میں تو اس کا امکان بھی نہیں۔

کیونکہ (پیشک اگر پیروی کر سکتے تم ان کی خواہشوں کی) اور ایسا کرنا 'عصمت نبوت' کی وجہ سے محال نہ ہوتا۔ اور یہ پیروی ہوئی کب؟ (بعد اسکے جو آلام کو علم) اور یقین جو کسی ذی ہوش انسان سے بھی ممکن نہیں کہ حق پر یقین پانچانے کے بعد گمراہ ہو سکے۔ تو ظاہر ہے کہ (نہ ہوتا تمہارے لئے اللہ والوں سے) جو اللہ کی طرف سے آئے ہیں، جو نفوس قدسیہ اللہ کی طرف اور اس کی اجازت سے خلق میں تصرف کرتے رہتے ہیں، بے یاروں کی یادری کرتے ہیں، بے مددگاروں کی مدد کرتے ہیں، اور جن کو قرآن کی زبان میں **مِنَ اللّٰهِ** کہا جاتا ہے وہ **مِنَ دُوْنِ اللّٰهِ** کہلانے والی ہستیوں سے نہیں ہیں، جو سب کی سب جہنم کے ایندھن ہیں۔ بلکہ وہ **مِنَ اللّٰهِ** یعنی اللہ کی طرف سے ہیں۔ 'شعائر اللہ' یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت رکھتے ہیں۔

ان جنتیوں اور مقدس طبقہ میں سے (کوئی یار اور نہ کوئی مددگار) کیونکہ کافروں کی یادری کرنا اور انکی مدد کرنا انکا کام ہی نہیں۔ خصوصاً قیامت کے دن، کہ وہاں بے یار و مددگار رہنا صرف کافروں ہی کیلئے ہے۔ اور تمہارا یہ حال ہے کہ طبقہ **مِنَ اللّٰهِ** میں سے فرشتے ہوں، انبیاء ہوں، صدیقین ہوں، شہداء ہوں، صالحین ہوں، سب تمہارے دین کی مدد میں موجود ہیں۔ تو اب تم ان میں سے نہیں رہے کہ جن سے دین کفر کے قبول کرنے کی توقع جائز ہو۔ اب یہود و نصاریٰ نے جو خواہش کی ہے وہ ایک محال سی چیز ہے۔ یہ کتنی بڑی حماقت کی بات ہے۔

الَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ

جن کو دی ہم نے کتاب، تلاوت کیا کریں جو اس کی تلاوت کا حق ہے۔ وہی مانیں اسے۔

وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۵﴾

اور جو انکار کر دے اس کا، تو وہی خسار والے ہیں •

ان یہودیوں اور عیسائیوں میں سے وہ (جن کو دی) تھی (ہم نے کتاب) اور وہ عادی تھے

کہ (تلاوت کیا کریں) اس کتاب کی بغیر کسی حرف کو بدلے ہوئے (جو اس) کتاب کی تلاوت کا حق ہے) کہ ایک زیر، زبرد بدلے پائے اور ایک حرف ادھر سے ادھر نہ ہونے پائے۔ کسی لفظ میں کاٹ چھانٹ نہ کی جائے۔ جیسے عبد اللہ ابن سلام اور وہ چالیس اہل سفینہ جو جعفر ابن ابی طالب کی سرکردگی میں حاضر دربار نبوی ﷺ ہوئے تھے، جن میں تیس حبشہ کے تھے اور آٹھ شام کے راہب تھے۔ جن میں بخیار راہب بھی تھے (وہی) لوگ ہیں جو اپنے اس رویہ کے بدولت (مانے اسے اور جو) اس چال کا نہیں ہے اور (انکار کر دے اس کا) (تو) تمہارا کیا بگڑا؟ (وہی) خود (خسارہ والے ہیں)۔

توریت جاننے والا جو پیغمبر اسلام پر ایمان لایا، کیونکہ توریت میں ان کا بیان ہے اور ان پر ایمان لانے کا حکم ہے اور مسلمان کیلئے تو ظاہر ہے کہ جو قرآن کریم کی تلاوت کا حق ادا کرے اور بغیر کسی سیر بھیر کے تم کو اسی طرح مانے جس شان کے ساتھ تمہیں قرآن میں ماننے کا حق ہے، تو وہی سچے مسلمان ہیں۔ اور جو تمہارے ماننے میں کچھ بھی بے دلی، مردہ دلی اور تک نظری سے کام لے، تو اسی کا اس میں خسارہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَتِيْ الَّتِيْ اٰنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے اولاد یعقوب! یاد کرو میری نعمت کو، جو انعام فرمایا میں نے تم پر،

وَ اِنِّيْ فَطَمَنْتُكُمْ عَلَي الْعُلَمِيْنَ ۝

اور بے شک میں نے ہی بڑھا دیا تمہارا زمانہ بھر پر۔

(اے) مدینہ میں رہنے والے (اولاد یعقوب) تم سن چکے کہ تمہارے مورثوں پر ہمارے کیسے کیسے احسانات ہوئے اور وہ کیسی کیسی خداریاں کرتے رہے۔ اب پھر ان سب کا خلاصہ اور نچوڑ مختصر طور پر یاد رکھنے کیلئے، آخر میں سن لو کہ (یاد) کیا (کرو میری) ہر اس (نعمت کو جو انعام فرمایا) تھا (میں نے تم) لوگوں کے مورثوں (پر) (اور) یاد رکھو کہ (پہلک میں نے ہی بڑھا) چڑھا (دیا تمہارا) لوگوں کے مورثوں (کو) انکے (زمانہ بھر پر)۔

وَالَّذِيْنَ يَوْمًا لَا يُجْزِيْ نَفْسًا عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ

اور وہ اس دن کو کہ نہ بدلہ ہو کوئی کسی ناکس کا کچھ، اور نہ قول کی جانے کسی ناکس کی رشوت،

وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنصَرُوْنَ ۝

اور نہ کام آئے کسی ناکس کے کوئی سٹارش، اور نہ وہ دوسرے جانیں۔

(اور) اس نصیحت کو نہ فراموش کرنا کہ (ڈرو اس) قیامت کے (دن کو)۔ ایسا دن (کہ نہ بدلہ ہو کوئی) ناکس (کسی ناکس کا کچھ) بھی کہ کوئی بھی کافر کسی بھی کافر کا عوض ہو سکے (اور نہ قبول کی جائے) قیامت کے دن (کسی ناکس) کافر (کی) کوئی (رشوت) کہ مال دے کر جان بچا سکے (اور نہ کام آئے کسی ناکس) کافر (کے کوئی) اور کسی کی بھی (سفارش اور نہ وہ) ناکس کافر کسی قسم کی (مدد دینے جائیں)۔ لہذا اے یہودیو! جب تک اپنے کفر سے باز آ کر اسلام کو قبول نہ کرو گے، بالکل امید نہ رکھو کہ کسی صورت سے بھی آخرت کے عذاب سے نجات پاسکو گے۔

وَاذْبُتَلٰی اِبْرٰهٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاکْتَمٰہُنَّ ۗ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۗ

اور جبکہ جانچا ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں، تو سرا انجام دیا انھیں، فرمایا کہ بیشک میں کر دینے والا ہوں تمہیں لوگوں کیلئے پیشوا۔

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْۤ اِنَّا لَا نَبْنٰی عٰہِدِی الْظٰلِمِیْنَ ۝

عرض کی "اور میری نسل سے؟" فرمایا نہ پہنچے گا میرا مضبوط عہد اندھیر والوں کو •

بنی اسرائیل کے واقعات سے اب ذرا یہ دیکھو کہ وہ ابراہیم جو بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل، سب کے مورث اعلیٰ تھے، اور جن سے یہودیوں، نصرانیوں، بلکہ مشرکوں کو بھی عقیدت مندی ہے۔ جن کو اپنی اپنی زبان میں کوئی ابراہیم، کوئی 'ابراہم' اور کوئی 'برہما' کہتا ہے۔ انکی پیدائش تو مقام 'موس' کی ہے، جو سر زمین 'ہواز' کی ایک مشہور آبادی ہے۔ انکے والد انھیں اپنے ہمراہ 'بابل' لے گئے تھے جہاں 'نمرود' کی حکومت تھی اور وہیں بس گئے۔ انکے حالات کو سنو اور دیکھو، کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ تمام کفار ان سے، باوجود عقیدت کے، کس قدر دور ہیں۔ اور مسلمان اور مسلمانوں کا ایمان ان سے کتنا قریب ہے، کہ اسلام نے انہی باتوں کا حکم دیا ہے۔

(اور جب کہ جانچا) حضرت (ابراہیم کو ان کے پروردگار نے) گنتی کی (چند باتوں میں)

-- مثلاً: نبوت سے پہلے ستاروں اور چاند اور سورج کو دیکھنا، اور یکے بعد دیگرے ہر ایک کی الوہیت

کو باطل کر دینا۔ اور نبوت کے بعد اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو اپنے پروردگار کے حکم سے قربان کرنے کا حکم بجالانا۔ اور انھیں حکم دیا گیا تھا کہ جمیوں کے انداز سے ممتاز رہنے کیلئے مونچھ کترایا کریں اور داڑھی لٹکی رکھیں، کہ مردانہ شکل و صورت میں زیبائش پیدا ہو۔ مسواک کریں، کلی کریں، ناک میں پانی ڈال کر صاف کریں، تاکہ منہ اور ناک میں صفائی رہے۔ منہ کی صفائی سے کھانا اپنی لذت دے اور بیماریوں سے حفاظت ہو۔ ناک کی صفائی سے میل دور رہے۔

یہ بھی حکم دیا تھا کہ ناخن ترشوالیس، کہ اس میں انگلیوں کی آرائش ہے۔ ناخن بڑھنے سے میل جمتی ہے اور دیکھنے والے کو اس سے گھن لگتی ہے۔ یہ بھی حکم تھا کہ ہاتھ، پاؤں، گھائیوں کو دھولیا کریں اس میں آرائش بھی ہے اور گندگی سے حفاظت بھی ہے۔ یہ بھی حکم دیا تھا کہ بغل کے بال صاف کرالیں اور موئے زیر ناف کو بھی دور کرتے رہیں، کہ اس سے طبیعت کی پاکیزگی اور احساس کی لطافت ظاہر ہوتی ہے۔ پانی سے استنجا کا حکم ہوا تھا تاکہ بدن گندگی سے پاک صاف رہے۔ خنتہ کا حکم دیا گیا تھا کہ وہاں خنتہ نہ ہونے پر جو میل اور گندگی جمع ہوتی ہے، ایسی صورت نہ ہونے پائے۔ اور سر میں مانگ نکالنے کا بھی حکم دیا تھا، کہ چہرے کی زیبائش بڑھ جائے۔ ان حکموں کو حضرت ابراہیم اس طرح بجا لاتے تھے جس طرح فرض کو ادا کرنے کا حق ہے۔

اپنے رب کا حکم پایا (تو سرا انجام دیا انھیں) اور پوری تعمیل کر کے دکھا دیا۔ اب اے غیر مسلمو! دیکھو کہ حضرت ابراہیم کو تم اپنا کہتے ہو، لیکن جو ان کا طریقہ تھا وہ تمہارا طریقہ نہ رہ گیا۔ اور مسلمانوں کو دیکھو کہ ان تمام چیزوں کو انجام دینا اپنے لئے سنت جانتے ہیں اور اپنے دین کو ابراہیمی ملت قرار دیتے ہیں۔ انھیں حضرت ابراہیم کا واقعہ ہے کہ ان سے (فرمایا) تھا اللہ تعالیٰ نے (کہ) اے ابراہیم (پیشک) (شبہ) (میں کر دینے والا ہوں) اور بنانے والا ہوں (تمہیں) عام (لوگوں کیلئے) ایسا (پیشوا) جسکی اطاعت واجب ہو۔ اور بغیر اس کی پیروی کے نجات آخرت نہ حاصل ہو۔ اس خوشخبری کو سن کر حضرت ابراہیم کو اولاد یاد آئی۔ چنانچہ (عرض کی) کہ مجھ پر تو بڑا کرم ہوا (اور) جو (میری نسل سے) ہوں گے، ان کا کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) کہ جو میرا مضبوط عہد تم سے ہے وہ تمہاری خاطر سے تمہاری نسل سے بھی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ (نہ پہنچے گا) یہ (میرا مضبوط عہد) تمہاری نسل میں (اندھیر) بچانے (والوں کو) کہ امامت کافروں کو نہیں مل سکتی۔

وَلَا جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْثَالًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ

مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهِّرَا بَيْتِيَ

جانماز۔ اور تاکید می حکم بھیجا ہم نے ابراہیم و اسماعیل کی طرف، کہ تم دونوں پاک صاف رکھو میرے گھر کو اطاف کرنے والوں

لِلنَّاطِقِينَ وَالْعَاقِبِينَ وَاللَّزِيمَةَ وَالشُّجُودَ

نہ اسخلاف کرنے والوں اور گویا، والوں عہد وہ والوں کیلئے ●

(اور) یہ زمانہ تھا (جب کہ بنایا) تھا (ہم نے) خدا کے (اس گھر) کعبہ شریف اور اسکے سارے حرم (کو) ہر طرف سے آنے والوں، حج کرنے والوں، اور اہل ذوق و شوق کیلئے ایسا (مرکز)، جہاں آئیں اور (ثواب) لوٹیں۔ ایک بات تو یہ یہاں حاصل ہو (لوگوں کیلئے اور) دوسری بات یہ ہو کہ یہی گھر ان کیلئے دارالامن اور (پناہ) گاہ ہے۔ اے پیغمبر اسلام! تم سے حضرت عمر جو یہ عرض کر رہے ہیں کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز قرار دے دیجئے، تو اس کو منظور کر لو۔ اور اپنی امت سے کہہ دو کہ شوق سے (بنالو مقام ابراہیم کو جانماز) یہیں ہر طواف کے بعد دو رکعت واجب ادا کیا کرو۔ اور ساری نمازیں مقام ابراہیم کے حرم میں ادا کرتے رہو۔

اسی حرم میں کعبہ ہے، ہر نماز میں اسی کی طرف رخ رکھو۔ اسی حرم ابراہیمی میں عرفات، مزدلفہ، منیٰ وغیرہ ہے۔ یہ دعاؤں کے قبول ہونے کی جگہیں ہیں، یہاں دعا کرتے رہو اور مناسک حج ادا کرو۔ سارے حرم ابراہیمی میں قیام امن کا اتنا لحاظ رکھو کہ نہ کسی چرند و پرند کا شکار کھیلو، اور نہ وہاں کے درختوں اور کانٹوں کو توڑو۔ صرف مکہ والے اپنی ضرورت سے اذخر نام کی گھاس کو کاٹیں تو کاٹیں، ورنہ نباتات، حیوانات، سب کیلئے یہ حرم، پناہ گاہ ہے۔

خاص طور پر اس پتھر کی عزت سمجھ لو جو مقام ابراہیم کے نام سے دروازہ کعبہ کے سامنے ایک گنبد کے اندر رکھا ہوا ہے۔ جب حضرت ابراہیم کعبہ بنا رہے تھے اور دیواریں اونچی ہونے لگیں، کہ اب وہاں پتھروں کا پہنچانا دشوار ہو گیا، تو یہی پتھر تھا جو زمینے کا کام دیتا تھا۔ پتھر اٹھاتے وقت وہ زمین کے قریب ہو جاتا اور دیوار پر رکھتے وقت اسی مقدار میں اونچا ہو جاتا تھا۔ اس پر قدم ابراہیم کا نشان آ گیا تھا۔ جو اب چھوٹے چھوٹے منامنا سارہ گیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم کو گردوغبار میں اٹا ہوا دیکھ کر حضرت اسماعیل کی زوجہ نے اس پتھر پر انھیں نہلایا بھی تھا۔ اس وقت سارے بدن کا نشان پتھر نے لے لیا تھا۔

بنائے کعبہ کا پورا واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیل کی، والدہ کو مع حضرت اسماعیل کے، حضرت ابراہیم لے کر وہاں پہنچے جہاں آج کعبہ ہے۔ اور کچھ کھجوریں اور ایک مشک پانی سے بھر دے کر وہاں چھوڑ آئے۔ جب وہ سامان ختم ہو گیا تو حضرت اسماعیل کی تڑپ کو انکی ماں برداشت نہ کر سکیں۔ دوڑی ہوئی 'صفا' پہاڑ پر چڑھیں، وہاں کوئی نشان کسی کا نہ ملا تو وہ 'مرودہ' کی طرف چلیں اور

نشیبی حصے میں قدم کو تیز کر دیا اور مروہ پر چڑھ گئیں۔ اس طرح سات بار کی چال اور دوڑ سے، آخر میں مروہ پہنچیں۔ تو آواز سنی اور پھر ایک فرشتہ انھیں ملا جو حضرت اسماعیل کے پاس انھیں لے گیا اور وہاں زمین کو کرید اتو وہ چشمہ پھوٹ نکلا۔ جس کو زم زم کہتے ہیں۔ فرشتہ نے ان سے کہا کہ یہ پانی خوب پیو، چین کرو، غنقریب حضرت ابراہیم یہاں آئیں گے اور باپ بیٹے مل کر کعبہ شریف بنا سکیں گے۔

ان ہی دنوں میں مقام کداء سے ایک قبیلہ عرب کا یہاں آیا جکانام قبیلہ، جُرّم تھا، وہ اجازت لیکر یہاں بس گیا۔ حضرت اسماعیل نے ان سے عربی زبان سیکھی اور انھیں میں جو ان ہوئے، ان ہی میں انکی شادی ہوئی۔ انکی ماں انتقال کر چکی تھیں کہ حضرت ابراہیم آئے اور پوچھتے پوچھتے زوجہ، اسماعیل کو پایا، خیریت پوچھی تو اس زوجہ نے کہا کہ اسماعیل شکار کو گئے ہیں اور ہم لوگ بڑی دشواری سے زندگی کاٹ رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ اپنے شوہر سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ نکال دے۔ وہ تو چلے گئے، اور جب حضرت اسماعیل گھر آئے تو اپنی زوجہ سے سارا حال سنا اور کہا کہ وہ میرے باپ تھے، ان کا حکم ہے کہ تم کو طلاق دیدوں۔ چنانچہ طلاق دے کر دوسری شادی کی۔

ایک دن حضرت ابراہیم پھر آگئے اور اس زوجہ ثانیہ سے ملے، خیریت پوچھی، وہ بولیں کہ حضرت اسماعیل شکار کو گئے ہیں اور ہم لوگ بخیر و خوبی زندگی گزار رہے ہیں۔ گوشت کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے دُعا دی اور فرمایا کہ اپنے شوہر سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ کو مضبوط باقی رکھیں۔ حضرت اسماعیل نے اس واقعہ کو واپس آ کر سنا اور خوش ہوئے۔ پھر حضرت ابراہیم ایک دن آئے اور حضرت اسماعیل سے ملے، عجیب منظر تھا جب باپ بیٹے ملے تھے۔ حضرت ابراہیم نے کہا کہ بیٹا مجھے ایک کام کرنا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ تم اس میں مدد کرو گے؟ عرض کی کہ ضرور، مدد میں حاضر ہوں۔ فرمایا: یہاں بیت اللہ شریف بنانا ہے (اور) ہمارے حکم کا لب و لہجہ یہ تھا کہ بڑا ہی (تاکیدی حکم بھیجا ہم نے ابراہیم و اسماعیل کی طرف) دونوں کو تاکیدی حکم دیا (کہ) کعبہ شریف بنا کر (تم دونوں) ہر قسم کی نجاست اور بھرمناہ حرکت سے (پاک صاف رکھو)۔ اپنی نسل کو تاکید کر دو کہ وہ بھی پاک رکھیں (میرے) اس (گھر) کعبہ شریف (کو) عام طور پر (طواف کرنے والوں اور احکاف کرنے والوں اور) نماز میں (رکوع) کرنے (والوں سجدہ) کرنے (والوں کیلئے)۔ ہمارے تمام پہچاری ہماری پوجا یہاں آزادی سے کرتے رہیں۔

وَاذْ قَالِ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَاَنْزِلْ مِّنْ اَهْلٰهٖ مِنَ الشَّمْسِ

اور جبکہ دعا کی ابراہیم نے کہ ”اے پروردگار کر دے اس کو پناہ دینے والا شہر اور روزی دے یہاں والوں کو پھلوں سے

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاَمْتِعْهُ

جو مان گیا ان میں سے اللہ اور پچھلا دن“ فرمایا اور جس نے انکار کیا تو برتنے دوں گا اُسے کچھ،

قَلِيْلًا ثُمَّ اَصْحٰرًا ۗ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

• پھر مجبور کروں گا اسے عذابِ جہنم کی طرف۔ اور وہ برا ٹھکانہ ہے •

(اور) عجیب منظر تھا (جب کہ) مکہ کی سوسھی پہاڑیوں اور بے آب و گیاہ وادیوں اور ناقابل

کاشت اراضیوں کو دیکھ کر (دعا کی تھی) حضرت (ابراہیم نے) (کہ اے) میرے (پروردگار) تو اپنے

کرم سے (کر دے اس) آبادی (کو) بے پناہوں کیلئے ایک (پناہ دینے والا شہر)۔ سارا جہاں یہاں

پناہ پائے (اور) خوب (روزی دے) فراغت کے ساتھ (یہاں) بسنے (والوں کو) ہر قسم کے عمدہ

(پھلوں سے)۔ میں سرکشوں کیلئے نہیں کہتا، میں اُس کیلئے کہتا ہوں (جو مان گیا ان) یہاں کے رہنے

والوں (میں سے اللہ) تعالیٰ کو (اور) مان گیا (پچھلا دن) روزِ قیامت کو۔ اللہ تعالیٰ کو مان کر اُس کے

سارے انبیاء وغیرہم جنکے ماننے کا اس نے حکم دیا ہے سب کو ماننا پڑے گا۔ عذاب و ثواب، روزِ حشر کو

مان کر، نیک راہ پر چلنا پڑے گا۔ غرض جو پکا مسلمان ہو اس کیلئے میری دعا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) کہ مسلمانوں کے حق میں تمہاری دُعا بالکل مقبول ہے۔ (اور) یہاں

بس کر (جس نے انکار کیا) اور کفر ہی کمایا (تو) اس مقام کی برکت سے اس کو بالکل محروم نہ رکھوں گا۔

اسکو کھانے پینے (برتنے) کا موقع (دوں گا اُسے کچھ) نہ کچھ زندگی کا سہارا عطا کروں گا۔ مگر بس اسی

زندگی تک یہ کرم رہے گا۔ جب وہ مرجائے گا تو (پھر مجبور کروں گا اُسے) کہ اپنے کفر کا مزا چکھے اور

(عذابِ جہنم کی طرف) کھینچ کر اس طرح لاؤں گا کہ اُس کا کوئی قابو نہ چننے کیلئے نہ ہو سکے گا (اور وہ)

جہنم، اللہ محفوظ رکھے، بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے)۔

وَاذِیْرُقُهُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ ۗ وَاِسْمٰعِیْلُ ۗ

اور جب کہ اٹھارہ ہیں ابراہیم بنیادوں کو اس گھر کی اور اسماعیل کہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۗ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

”اے ہمارے پروردگار قبول فرمائے ہم سے، بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے“

(اور) قابل تذکرہ ہے وہ وقت (جب کہ) تعمیر کعبہ کیلئے (اٹھا رہے ہیں) حضرت (ابراہیم بنیادوں) اور دیواروں (کو) (اُس) خدا کے (گھر) کعبہ شریف (کی) (اور) اُنکے ساتھ حضرت (اسماعیل) بھی یہی کر رہے ہیں۔ اور اُن کی زبان پر یہ دُعا جاری ہے (کہ اے ہمارے پروردگار) ہماری ان خدمتوں کو، تو (قبول فرمائے ہم سے)، (پیشک تو ہی) ہماری دعاؤں کا (سننے والا) اور ہماری حالتوں کا (جاننے والا ہے)۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرْسَلْنَا

”اے ہمارے پروردگار اور کر دے ہم کو نیاز مند اپنا اور ہماری نسل سے ایک جماعت نیاز مند تیری، اور سامنے رکھ دے

مَنَّا سَكَنًا وَتُبَّ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۲۰﴾

ہماری عبادت کے طریقوں کو، اور توجہ رکھ ہم پر، بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا ہے۔

(اے ہمارے پروردگار) ہماری ہر فریاد کو سن لے (اور کر دے ہم) نیاز مندوں (کو) اور زیادہ دوامی (نیاز مند اپنا)۔ تیری نیاز مندی سے ہمارا جی نہیں بھرتا (اور) یہ دولت ہماری نسل میں بھی عطا ہوتی رہے، کہ (ہماری نسل سے ایک جماعت) ہمیشہ (نیاز مند تیری) رہے، اور مسلمان بنی رہے۔ (اور) صاف صاف تعلیم کر کے، بالکل چشم دید کی طرح، (سامنے رکھ دے ہماری عبادت کے طریقوں کو) جن کو تو اپنی عبادت قرار دے، اور جس جس طریقہ کو تو پسند فرمائے۔ کیوں کہ عبادت کیا ہے؟ کس طرح ہوتی ہے؟ تو کس سے راضی ہے؟ یہ تیرے بتائے بغیر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ (اور) اے میرے پروردگار تو تو اپنی (توجہ رکھ ہم) سب (پر) اور ہماری توبہ قبول کیا کر (پیشک تو ہی) ہے جو (توبہ) کا (قبول فرمانے والا)، مسلمانوں کو قیامت کے دن (بخشنے والا ہے)۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

اے ہمارے پروردگار اب بھیج دے ان میں سے ایک رسول ان میں سے کہ تلاوت کرے ان پر تیری آیتیں، اور سکھائے انہیں کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُنذِرُهُمُ الْيَوْمَ

اور حکمت اور پاک صاف فرمائے ان کو۔ بے شک تو ہی غلبہ والا حکمت والا ہے۔

(اے ہمارے پروردگار) ان سب ہاتوں کے ساتھ (اور) یہ بھی کر، کہ (بھیج دے ان) ہم

دونوں کی اولاد (میں) ایک عظیم الشان (ایسا رسول) جو (ان) ہم دونوں کی اولاد (میں سے) ہو، بنی اسماعیل سے ہو، کہ یہی نسل وہ ہے، جو نسل ابراہیمی بھی ہے اور نسل اسماعیل بھی ہے۔ اُس رسول پاک کی شان یہ ہو (کہ تلاوت) کیا (کرے ان) سب (پر تیری آیتیں)۔ اُس رسول کے پاس تیری ایسی کتاب ہو جسکی، بلا کسی تحریف کے، تلاوت کی جایا کرے (اور) وہ رسول (سکھائے انھیں کتاب) لفظ لفظ، حرف حرف یاد کر دے، اور ہر ہر آیت کے مضمون کو سمجھا کر مطمئن کر دے۔ (اور) دانش مندی (و حکمت) کہ حقیقت نمایاں ہو، احد و اسرار کھل جائیں۔ اپنے قول و عمل سے سوچنے اور حق تک پہنچنے کے ڈھنگ سکھا دے (اور) ہرزنگ سے (پاک صاف) آئینہ کی طرح بجلی (فرما دے اُن) کے دلوں (کو)۔ ایسے عزت و غلبہ والے، حکمت والے، رسول کیلئے تجھ سے ہماری دُعا اسلئے ہے کہ (بیشک) صرف (تو ہی غلبہ والا) غلبہ عطا فرمانے والا، (حکمت والا)، حکمت کی تعلیم دینے والا (ہے)۔

وَمَنْ يَّرْغَبْ عَن مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهٗ ۗ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَا

اور کون بے رغبتی کرے دین ابراہیم سے، مگر جس نے بیوقوف بنالیا خود اپنے کو۔ اور بے شک یقیناً چن لیا ہم نے ان کو

فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰﴾

دنیا میں اور بے شک وہ آخرت میں یقیناً لاتقوں سے ہیں •

(اور) میرے مخلص بندہ، عبد اللہ ابن سلام کو دیکھو کہ انھوں نے اپنے دونوں بھتیجے مہاجر اور

سلمہ سے کہا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ توریت میں صاف صاف آیا کہ بنی اسماعیل سے وہ نبی پیدا ہوگا جنکا نام احمد ہوگا۔ جو انہیں مانے گا، ہدایت پائے گا۔ جو نہ مانے گا، اس پر خدا کی پھنکار ہوگی۔ سلمہ نے تو اسلام قبول کر لیا اور مہاجر نے انکار کر دیا۔ حالانکہ وہ اور سارے یہود و نصاریٰ، بلکہ مشرکین بھی جان رہے ہیں کہ دین ابراہیمی سے، جس پر وہ سب ناز کیا کرتے ہیں، ان کو دور کا بھی تعلق نہیں رہا اور پیغمبر اسلام نے ملت ابراہیمی کو بالکل اپنالیا۔

اب اسلام کا انکار، دین ابراہیمی ہی کا انکار ہے (اور) ظاہر ہے کہ (کون) بدرستی ہوش و

حواس (بے رغبتی) کا اظہار ایسی صورت میں بھلا (کرے) اور انکار و بیزاری سے کام لے (دین

ابراہیم سے، مگر) ہاں اسی احمق سے ہو سکے گا (جس نے) دیدہ و دانستہ اپنی حماقت سے (بے وقوف

بنالیا خود اپنے کو) اور احمقوں کی طرح سے یہ کہتے ہوئے کہ ہم کو دین ابراہیم چاہئے، پھر بھی اس دین

کو پا کر نہ لے۔ اور حضرت ابراہیم جس رسول کیلئے دُعا کرتے تھے اس کو پا کر قبول نہ کریں۔
کاش یہ لوگ صحیح طور پر حضرت ابراہیم کو پہچانتے، تو ایسی حماقت نہ کرتے۔ حضرت ابراہیم کو
ہم نے اپنا ظلیل و دوست بنایا تھا۔ (اور بیشک) وشبہ (یقیناً چن لیا) تھا (ہم نے ان کو دنیا میں) بھی
(اور بیشک) وشبہ (وہ آخرت میں) بھی (یقیناً) ہمارے برگزیدہ (لائقوں) بڑی لیاقت رکھنے والوں
(سے ہیں) کمالات کی اہلیت بڑی رکھتے ہیں۔

إِذْ قَالَ لِدُرْيَةَ اسْلَمُوا قَالِ اسَلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

جب حکم دیا ہمیں ان کے پروردگار نے کہ "سر جھکاؤ" عرض کیا کہ "سر جھکا دیا میں نے سارے جہان کے پروردگار کیلئے"
ان کو بلند مرتبہ بنانے کیلئے ایک وقت تھا (جب حکم دیا) تھا (انہیں انکے پروردگار) اللہ تعالیٰ
(نے کہ) سر بلندی کیلئے ہمارے سامنے اپنا (سر جھکاؤ)، انہوں نے (عرض کیا کہ) تعمیل حکم میں لیجئے
(سر جھکا دیا میں نے سارے جہان کے پروردگار) اللہ تعالیٰ کی رضامندی (کیلئے)۔

وَوَضِي بِهَآ اَبْرَاهِمَ بِنِيهِ وَيَعْقُوبَ بِنِيِّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

اور وصیت کی اسی نیاز مندی کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے، کہ اے بچو بیشک

لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُوْنَ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

اللہ نے جن لیا تمہارے بھلے کو دین۔ تو ہرگز نہ مرو مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو

(اور) دم آخرت تک (وصیت کی) (اسی نیاز مندی) و بجدہ ریزی (کی ابراہیم نے) بھی
(اپنے بیٹوں کو اور) انکے بیٹے (یعقوب نے) بھی۔ ان کی وصیت یوں تھی (کہ اے) میرے (بچو)
اور وارثو! اس کو خوب سمجھ لو اور گرہ باندھ لو، کہ (بیشک) وشبہ (اللہ تعالیٰ نے) بڑا ہی کرم فرمایا کہ
(چن لیا) اور وہ بھی (تمہارے) ہی (بھلے کو) کہ خوب نفع میں رہو (دین) اور تمہارے دستور زندگی
اور فلاح کو (تو) یاد رکھو کہ کچھ ہو جائے مگر تم لوگ (ہرگز نہ مرو)۔ اور جس ساعت کو موت کی ساعت
کہتے ہیں وہ تمہارے پاس نہ آنے پائے (مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو)۔ ایک منٹ کو بھی اسلام
کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ

کیا نہیں تھے تم گواہ جب کہ آئی یعقوب کو موت، جب کہ پوچھا تھا اپنے بیٹوں کے بھلے کو کہ کس کو پوجو گے

مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالآلَةَ آبَائِكَ وَإِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ

میرے بعد۔ سب نے جواب دیا کہ پوجیں گے آپ کے معبود کو، اور آپ کے باپ دادا ابراہیم واسماعیل

وَأِسْحَاقَ إِلَهًا وَاحِدًا ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۵۲﴾

واحد کے معبود کو، معبود یکتا۔ اور ہم اسی کے نیاز مند ہیں •

ان یہودیوں کو دیکھو کیسی بے پرکی اڑاتے ہیں کہ حضرت یعقوب نے مرتے دم وصیت کی تھی کہ ہمیشہ ہمیشہ یہودی رہنا۔ انکو کہتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچتا کہ اس وقت یہودیت کا وجود کہاں تھا؟ ہاں یہودیوں کے مورث لوگ تھے۔ انہیں سے پوچھ لیا ہوتا کہ حضرت یعقوب کی وصیت کے ساتھ (کیا نہیں تھے تم) لوگوں کے مورث لوگ (گواہ)، ضرور تھے۔ (جب کہ آئی) تھی (یعقوب کو موت) کی گھڑی۔ حضرت یعقوب دیکھ رہے تھے کہ مصر والے کوئی بت پوجتے ہیں، کوئی آگ پوجتے ہیں، اُن کو اپنی اولاد کو ان فتنوں سے بچانا تھا۔ چنانچہ کیسی مبارک گھڑی تھی (جب کہ پوچھا تھا اپنے بیٹوں) ہی (کے بھلے کو) کہ انکا مستقبل تباہ نہ ہو۔ سوال یہ کیا تھا (کہ) میرے سامنے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے خدا پرست ہو، یہ بتاؤ (کہ) میں نہ رہوں تو (کس کو پوجو گے میرے بعد)؟ کہیں خدا پرستی چھوڑ تو نہ دو گے؟ انکے بارہ بیٹے اور پوتوں، (سب نے) اس سوال کا (جواب دیا کہ) جیسے اب پوجتے ہیں، اسی طرح آئندہ، آپ کے بعد بھی (پوجیں گے آپ کے معبود) برحق (کو) (اور آپ کے باپ دادا) حضرت (ابراہیم اور) ان کے بڑے بیٹے حضرت (اسماعیل اور) چھوٹے بیٹے حضرت (اسحاق کے معبود) برحق (کو)، جو (معبود یکتا) ہے۔ اسکی معبودیت میں کوئی بھی اسکا شریک نہیں ہے۔ (اور ہم) ہمیشہ ہمیشہ کیلئے (اسی) اللہ تعالیٰ (کے نیاز مند) اور بچاری (ہیں)۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ

یہ وہ امت ہے جو گذر چکی۔ اسکے لئے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے کمایا۔

وَلَا تُسْأَلُونَ عَنْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵۳﴾

اور تم جواب دہ نہ ہو گے اس کے جو وہ کرتے تھے •

ان بزرگوں پر جھوٹ گڑھنے سے کیا فائدہ؟ اب تو اے یہودیو! ان بزرگوں کو جو ہونا تھا، ہو چکے۔ اور سمجھ لو کہ (یہ وہ امت ہے جو گذر چکی)۔ انکا عہد ختم ہو گیا۔ جو پہلے گذر چکا (اس کیلئے وہ) بدلہ (ہے جو اس نے کمایا) (اور) اب رہے تم، تو (تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کمایا)۔ (اور) جس طرح وہ تمہارے ذمہ دار نہ تھے، (تم) بھی (جواب دہ نہ ہو گے اُس) عمل (کے جو وہ) کیا (کرتے تھے)۔ تو پھر انکا نام لینا اور ان پر جھوٹی تہمت لگانا چھوڑ دو۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ آبَائِهِمْ

اور بولے کہ ہو جاؤ یہودی یا عیسائی تو راہ پا جاؤ۔۔۔ جواب دو بلکہ دین ابراہیم کو،

حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۰﴾

جو یکسوئی سے خدا پرست تھے، اور نہ تھے مشرکوں سے •

ذرا کعب ابن اشرف و مالک ابن صیف و وہب ابن یہود او ابی اسراہیل ابن اخطب، سرداران یہود، اور نجران کے عیسائیوں میں سے سید اور عاقب اور انکے ساتھیوں کی جرأت اور جسارت دیکھو، کہ اپنے کم، اپنے دین کی باہم ڈینگ مارا کئے۔ اپنے کو دوسرے سے بڑھایا چڑھایا کئے۔ (اور) اب ایسی جرأت بڑھ گئی ہے کہ مسلمانوں سے بھی (بولے) یہود اور عیسائی لوگ (کہ ہو جاؤ یہودی یا عیسائی)۔ یہودی کہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور عیسائی کہیں کہ عیسائی (تو) (راہ) حق (پا جاؤ)۔

تم انہیں (جواب دو) کہ یہودی حضرت عیسیٰ کو نہیں مانتے، اور عیسائی حضرت موسیٰ کے بارے میں یہودی تلقین قبول نہیں کرتے۔ اور حضرت ابراہیم کو دونوں مان رہے ہو، تو یہودیت و عیسائیت کو چھوڑ دو۔ ان کو نہیں (بلکہ دین ابراہیم کو) کہہ دو، کہ راہ حق اسی میں ہے۔ ایسے حضرت ابراہیم (جو یکسوئی سے) سارے معبودان باطل سے بیزار ہوتے ہوئے صرف (خدا پرست تھے) (اور) مشرکین، جو انہیں مشرک بنانے میں لگے رہتے ہیں، وہ بھی تمہاری طرح احمق ہیں۔ حضرت ابراہیم ہرگز (نہ تھے مشرکوں)، بت پرستوں (سے)۔

كُونُوا امَّانًا يَا لَئِلهِ مَا انزلَ الْكِتَابَ وَمَا انزلَ اِلَى ابْرَاهِيمَ وَاسْمٰعِيلَ

کہہ دو کہ ہم مان گئے اللہ اور جو کچھ اتارا کیا ہماری طرف، اور جو کچھ اتارا کیا ابراہیم اور اسمعیل

وَأَسْحَقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ

اور اسحق اور یعقوب اور ان کی نسل کی طرف اور جو کچھ دیے گئے موسیٰ اور عیسیٰ، اور جو کچھ دیے گئے سارے

النَّبِيِّينَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نَفَرَاتٍ بَيْنَ أَحَدٍ قَوْمَهُمْ وَنَحْنُ لَهُمْ سُلُومٌ

انبیاء اپنے پروردگار کی طرف سے، ہم نہیں چھوڑتے کوئی ان کا، اور ہم اسی کے نیازمند ہیں

ان غلط بولی والوں سے، اے مسلمانو! (کہہ دو کہ) اب ہماری بولی سنو، وہ یہ کہ (ہم مان

گئے اللہ) تعالیٰ کو، وہی معبود برحق، اور قدیم بالذات و صفات میں یکتا ہے (اور) قرآن پاک میں

(جو کچھ) بھی حکم و غیرہ (اتارا گیا ہماری طرف اور) ہمارے پیغمبر، جو ہماری ہدایت کیلئے بھیجے گئے، ہم

نے سب کو مان لیا۔ (اور) نبی و قرآن کے حکم سے ہم نے وہ بھی مان لیا (جو کچھ) بھی، دس صحیفوں میں

(اتارا گیا) تھا، حضرت (ابراہیم اور) حضرت (اسماعیل اور) حضرت (اسحق اور) حضرت (یعقوب

اور ان کی) آل اولاد پوری (نسل کی طرف)۔ کہ اس نسل میں انبیاء بھی ہوئے اور حضرت ابراہیم

کے سارے صحیفے ان سب کی ہدایت کیلئے تھے۔ اور انبیاء بھی انھیں صحیفوں کی تبلیغ فرماتے تھے، تو وہ

صحیفے ان سب کی طرف اتارے گئے کہے جائیں گے۔

(اور) ان صحیفوں ہی پر محدود نہیں، بلکہ ہم لوگ تو وہ بھی مان گئے (جو کچھ) بہ نامزد توریث

(دیئے گئے) تھے حضرت (موسیٰ اور) بہ نامزد انجیل دیئے گئے تھے حضرت (عیسیٰ) (اور) اتنا ہی نہیں

بلکہ (جو کچھ) بھی (دیئے گئے) تھے (سارے انبیاء اپنے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کی طرف سے)۔

یہودیوں کا حال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ وغیرہ کو مانتے ہیں، اور حضرت عیسیٰ کا انکار کر دیتے

ہیں۔ عیسائیوں کا بھی یہی حال ہے کہ حضرت عیسیٰ کو مانتے ہیں، اور پیغمبر اسلام کا انکار کر دیتے ہیں۔

ان دونوں کا طریقہ یہ ہے کہ کچھ سے انکار کر دیں، مگر ہم مسلمان، سب ہی کو مانتے ہیں۔ اور اس ماننے

میں (ہم) کسی طرح بھی (نہیں چھوڑتے کوئی) بھی جو (أُن) انبیاء (کا) فرد ہے۔ ہر نبی کو نبی مانتے

ہیں اور اس نبی کے ہر پیغام کو ان کے عہد کا پیغام الہی جانتے ہیں۔

اور گویہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی آسمانی کتاب میں تحریف کر دی اور عربی زبان میں ترجمہ

کرتے وقت کچھ کچھ کر دیا، مگر انجیل و توریث کا نزول ہوا تھا، اس پر ہمارا ایمان ہے۔ یہ سارے

صحیفے اور کتابیں گو قرآن کریم سے منسوخ ہیں، مگر ہم اتنی بات برابر مانتے ہیں کہ یہ آسمانی کتابیں ہیں۔

اور اس بارے میں ہمیں یہود و نصاریٰ کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ ہمارا یہ ایمان اپنے اللہ کے حکم سے ہے۔ (اور ہم) یہود و نصاریٰ کی چال نہیں چلتے کہ اللہ تعالیٰ کی بھی نہ سنیں، بلکہ ہم لوگ (اسی) اللہ تعالیٰ (کے نیاز مند) مخلص، فرماں بردار، اور پجاری (ہیں)۔

قَاتِ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدْ اهْتَدَوْا ۗ وَاِنْ كُوْنُوْا فَاٰئِمًا

تو اگر وہ لوگ مان گئے، جیسے تم مان چکے ہو اسے، تو بے شک انھوں نے راہ پائی۔ اور اگر پھرے رہے تو بس

هُمۡ فِيْ شِقَاكِيْۙ فَسَيۡبِكُمْ فَيَكۡهُمُ اللّٰهُ ۗ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ ۝

وہ ہٹ دھری میں ہیں۔ تو اب کافی ہے تمہیں ان کے بارے میں اللہ، اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

اے مسلمانو! تمہارے اس بیان کو یہود و نصاریٰ نے سنا (تو) ایمان لیں گے یا انکار کر دیں گے۔ (اگر وہ لوگ مان گئے) تمہارے پیغمبر اور قرآن وغیرہ، جو کچھ تم مانتے ہو، مگر زبانی نہیں، بلکہ دل سے (جیسے تم) مسلمان لوگ (مان چکے ہو اسے تو بیشک) (انھوں نے) بھی (راہ پائی) اور ہدایت پر آ گئے۔ (اور اگر) اس کہنے سننے پر وہ بدستور (پھرے رہے تو بس) سمجھ لو کہ (وہ) ضد، دشمنی اور ہٹ دھری میں ہیں۔ جب ایسا ہے (تو) اے پیغمبر اسلام تم مطمئن رہو، تمہاری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ (اب کافی ہے تمہیں) اور پوری طرح سے کفایت فرمائے گا تمہاری (ان) ضدیوں، یہودیوں، عیسائیوں (کے بارے میں) انکے مقابلے پر خود (اللہ) تعالیٰ۔ وہ تمہارا ایک بال بیکانہ کر سکیں گے۔ تم اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہو گے، اور تمہارا پیغام منائے نہ مٹے گا۔ تم غالب رہو گے۔ یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔ اور پوری ہوتے دنیا نے دیکھا، کہ بنی قریظہ قتل کر دیئے گئے اور بنی نضیر قید ہوئے، ملک بدر ہوئے، اور یہود و نصاریٰ کو بالآخر جزیہ دینا پڑا۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی کفایت۔ (اور وہی) تو ہے ہر بولی کا (سننے والا) اور وہی ہر حال کا (جاننے والا ہے)۔ باطل پرستوں کے اقوال و احوال اس سے پوشیدہ ہیں اور حق پرستوں کے اقوال و احوال اس سے چھپے ہیں۔

وَصِبۡغَةَ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنْ اللّٰهِ صِبۡغَةً ۗ لَوۡ كُنۡنَ لَهٗ ظٰهِرُوْنَ ۝

اللہ کے رنگے ہونے، اور کون زیادہ اچھا ہے اللہ سے رنگنے میں، اور ہم اسی کے ہماری ہیں۔

ذرا عیسائیوں کی اس رسم کو دیکھو کہ لڑکا جب پیدا ہوا تو ایک ہفتے کے بعد یوں کرتے ہیں کہ

پانی میں زرد رنگ ڈال کر اسکو نہلاتے ہیں اور اس وقت کہتے ہیں کہ اب لڑکا ٹھیک طور پر عیسائی ہوا۔ جس طرح مسلمان ختنے کے دن بچے کا خون نکلنے پر کہتے ہیں کہ یہ مسلمان ہوا۔ اور اس خونریزی کو مسلمانی کہتے ہیں۔ بھلا بتاؤ کہاں خون کا قدرتی رنگ اور اور اطاعت میں خونِ قربانی، اور کہاں زرد رنگ گھول کر بچہ کو رنگ دینا؟ دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ تم ان سے کہو کہ اے زرد رُو، ہمیں دیکھو کہ ہم (اللہ) تعالیٰ (کے رنگے ہوئے ہیں) اس نے ہم کو اپنے دین اور اپنی پاک گرمی سے اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ کپڑے کا رنگ اس میں گھستا ہے مگر دھوتے دھوتے ہلکا پڑ جاتا ہے اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے جس رنگ کو پایا ہے وہ اس طرح ہم میں نافذ ہو گیا ہے کہ وہ کسی طرح ہلکا بھی نہیں ہو سکتا۔ ہمارا رنگنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ (اور) بھلا (کون زیادہ اچھا) اور بہتر ہو سکتا (ہے اللہ) تعالیٰ (سے رنگنے میں)؟ رنگ ہے تو اسی کا رنگ ہے۔ اور سب رسمی ڈھکوسلا ہے۔ (اور) یہ رنگ ہمارے سوا کسی کے نصیب میں نہیں ہے، کیونکہ بس (ہم) ہی ہیں کہ صرف (اسی کے پجاری ہیں)۔

قُلْ اَمْحَا جُؤُنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ

کہہ دو کیا کٹ جتنی کرتے ہو ہم سے اللہ کے بارے میں، حالانکہ وہ ہمارا پروردگار ہے اور تمہارا پالنہار ہے۔

وَلَكِنَّا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَكُمْ مُخْلِصُونَ ۝

اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے کرتوت ہیں اور ہم تمہیں اسی کیلئے ہیں •

ذرا ان یہودیوں کی جاہلانہ بحثیں دیکھو، کہتے ہیں کہ ہمارا دین اسلام سے پہلے کا ہے، ہم 'سناتنی دھرم' والے ہیں۔ ہمارے دین پر انبیاء رہے اور انبیاء ہم میں ہوتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہم مسلمانوں سے زیادہ بہتر ہیں، اور نبی بھیجتا تو ہم میں بھیجتا۔ جیسا انھوں نے نبوت کا ٹھیکہ لے رکھا ہو، اور اللہ تعالیٰ کو پابند کر رہے ہوں کہ نبوت ان کے گھرانے سے باہر نہ ہونے پاوے۔ اس کج بحثی پر تم (کہہ دو) کہ (کیا) مہمل (کٹ جتنی کرتے ہو ہم سے اللہ) تعالیٰ کی شان بے نیازی (کے بارے میں) (حالانکہ) بالکل ظاہر ہے کہ (وہ) اللہ تعالیٰ (ہمارا) بھی (پروردگار ہے) (اور تمہارا) بھی (پالنہار ہے)۔

اور اسکے یہاں نسل اور باپ دادے کا کوئی سوال نہیں۔ وہاں صرف ایمان و عمل پر مدارِ قرب

ہے۔ (اور) اسکے یہاں (ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں) کہ ہمارے حسن عمل کو عزت بخشے اور ہر نعمت سے مالا مال فرمائے (اور تمہارے لئے) اللہ تعالیٰ کے یہاں (تمہارے) کئے ہوئے (کرتوت ہیں) کہ بد اعمالی کی بنیاد پر ہر نعمت تم سے چھین لی گئی (اور) اب تم کو اس سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ لیکن (ہم) مسلمان (محض اسی کیلئے ہیں)۔

أَمْ تَكْفُرُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَأَسْمَعِيلَ وَاسْحَقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا

کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی نسل

ہوذا اَوْ تَضْرِبُونَ قُلُوبَكُمْ أَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَفَرُوا

یہودی تھے یا نصاریٰ؟ پوچھو کہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ اندھیر والا کون ہے جس نے چھپایا

شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ

گواہی کو جو اس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے۔ اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو کچھ کرو۔

اے یہودیو اور عیسائیو! (کیا تم) بلا تردد (کہتے) رہتے (ہو کہ بیشک) و شبہ حضرت (ابراہیم اور) حضرت (اسمعیل اور) حضرت (اسحاق اور) حضرت (یعقوب اور انکی نسل) کے آل، اولاد سب کے سب، یا (یہودی تھے یا نصاریٰ) تھے۔ اے میرے پیغمبر! ان سے (پوچھو) کہ (کیا تم زیادہ جانتے ہو) بڑے علم رکھنے والے (یا اللہ) تعالیٰ زیادہ جانتے والا ہے؟ اللہ تعالیٰ تو یہی جانتا ہے کہ تم جسوں بول رہے اور اندھیر مچا رہے ہو۔ (اور) تمہیں بتاؤ (اس سے زیادہ اندھیر) مچانے (والا کون ہے جس نے چھپایا) اس (گواہی کو) اور ایسی حقیقت کو (جو اسکے پاس) موجود (ہے اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے)۔ تم لوگوں کو گواہ بناتے ہوئے، پیغمبر اسام کا تذکرہ تمہاری کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا اور یہ بتا دیا تھا کہ حضرت ابراہیم وغیرہ نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے، بلکہ مسلمان تھے، جس کو تم لوگ چھپا رہے ہو۔ یاد رکھو (اور) خوب سمجھ لو کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (غافل اس سے جو کچھ) بھی تم لوگ کیا (کرو)۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کو اپنے کرتوت بھگتنا پڑیں گے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ

یہ وہ امت ہے جو گزر چکی۔۔۔ اس کے لیے ہے جو کچھ اس نے کمایا، اور تمہارے لیے ہے جو کچھ تم نے کمایا۔

وَلَا تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

اور نہ پوچھے جاؤ گے اُس سے جو کچھ وہ کرتے تھے •

اے یہودیو! نصرانیو! باپ دادا کی رشتہ داری پر اترانے والو! تم سے نصیحت کی جاتی ہے اور

سارے مضمون کا خلاصہ پھر دوبارہ تمہارے سامنے رکھ دیا جاتا ہے کہ باپ دادا پر فخر بیجا، بیکار ہے۔

(یہ) تمہارے آباء و اجداد (وہ امت ہے جو گذر چکی، اس کیلئے ہے جو کچھ اس نے کمایا)۔ انکی نیکی

تمہارے کام نہ آئیگی اور انکی بدی کے تم ذمہ دار نہیں۔ (اور تمہارے لئے ہے جو کچھ تم نے کمایا)۔

دوسرے کی کمائی کو نہ دیکھو، اپنی کمائی پر نظر رکھو۔ (اور) سمجھ رہو، کہ (نہ پوچھے جاؤ گے) تم لوگ (اس)

عمل (سے جو کچھ وہ) پہلے کے لوگ (کرتے تھے)۔ تم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔



حضور محمدؐ عظیم ہند تدرہ چہ دُعا لِحَقِّہٖ ۱۳۶۶ھ میں پورے قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل فرما چکے تھے۔

اور پھر اسکے بعد تفسیر لکھنے کیلئے قلم اٹھایا۔ آپ نے اپنے وصال یعنی ۱۶ صَبَّحَ ۱۳۸۱ھ تک تین بارے اور چوتھے کے چند رکوع

ہی کی تفسیر قلمبند فرمائی تھی۔ لہذا قطعاً طور پر اس پہلے بارے کی تفسیر کی تکمیل کی تاریخ متعین نہیں کی جاسکتی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مدنی تاجدار ﷺ اہل کتاب کے قبلہ بیت المقدس کی طرف بحکم ربانی رخ کر کے، باختلاف روایات ۹۔۔۔ یا۔۔۔ ۱۰۔۔۔ یا۔۔۔ ۱۳۔۔۔ یا۔۔۔ ۱۶۔۔۔ یا۔۔۔ ۱۷۔۔۔ مہینے تک نماز پڑھتے رہے۔ مگر آپ کی دلی آرزو یہی تھی کہ کعبہ شریف کو، جسکی تعمیر آپ کے جد کریم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی، امت مسلمہ کا قبلہ یعنی حالت نماز میں مرکز توجہ بنا دیا جائے۔

رب کریم نے جب اپنے محبوب کی اس خواہش کو پورا کرنا چاہا، تو پورا کرنے سے پہلے ان اعتراضات کو ظاہر فرما دیا جو سطحی ذہن و فکر کے لوگ کرنے والے تھے، جو ارادۃ الہی اور حکم خداوندی کی اہمیت و عظمت سے نا آشنا تھے اور جنہوں نے 'بیت المقدس' میں بھی اپنی اپنی پسند کی سنتوں کو حالت نماز میں اپنا قبلہ بنا رکھا تھا۔ 'بیت المقدس' کی سمت مغرب یہودیوں کا قبلہ تھا اور سمت مشرق عیسائیوں کا۔ اب اگر نبی کریم کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا جائے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قبلہ ہے، خود حضور آئیہ، رحمت ﷺ کی جائے ولادت ہے اور اللہ کا 'حرم' اور 'بیت اللہ' ہے۔ پھر رب کریم نے اپنے حبیب ﷺ کی خواہش پوری فرمادی تو اس میں کون سی حیرت کی بات تھی اور اعتراض کا کیا محل تھا۔

ان اعتراض کرنے والے بیوقوفوں نے خیال کر لیا تھا کہ 'بیت المقدس' کی کوئی ذاتی خصوصیت ہے جو دوسری سنتوں کو حاصل نہیں۔۔۔ حالانکہ۔۔۔ 'بیت المقدس' کسی خاص خصوصیت کی وجہ سے قبلہ نہیں بنایا گیا تھا، بلکہ حکم خداوندی ہی سے قبلہ قرار دیا گیا تھا۔ تو اب یہ حکم جس سمت کیلئے ہو اور جب بھی ہو اسے قبلہ تسلیم کر لیا جائے گا۔ تہدیلی قبلہ سے پہلے ہی اس پر ممکنہ اعتراضات کو ظاہر کر دینے سے تہدیلی کے بعد ان اعتراضات کو سن کر مسلمان کسی ذہنی انتشار اور قلبی اضطراب کا شکار نہیں ہونگے بلکہ سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں لگے رہیں گے۔ کسی امر کے واقع ہونے سے پہلے نبی کریم کا اسکی خبر دینا غیب کی خبر دینا ہے، جو آپ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔ مگر بیوقوفوں کی نظر ان واضح حقیقتوں تک کہاں پہنچ سکتی ہے انکے لئے تو اطمینان اعتراض کرنا ہی آسان ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَهُمْ عَن قِبَلِهِمُ الَّذِي كَانُوا عَلَيْهِمُ

اب بکس گے بیوقوف لوگ کہ کس نے پھیر دیا ان مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر تھے۔

قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۰﴾

کہہ دو کہ اللہ ہی کیلئے ہے پورب پچھم۔ چلائے جسے چاہے سیدھا راستہ •

تو اے محبوب (اب) عنقریب بکواس کریں گے اور (بکس گے) کم عقل، ہلکے اذہان رکھنے والے (بیوقوف) ایسے عامی، عقل و شعور سے جنکا کوئی واسطہ نہیں۔۔۔ یعنی۔۔۔ یہود و منافقین مدینہ اور مشرک (لوگ کہ کس نے پھیر دیا ان مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے) بیت المقدس سے (جس پر تھے) آج تک جس کو اپنی نمازوں میں قبلہ بناتے رہے۔ اے محبوب ان سے (کہہ دو) اور واشگاف انداز میں اس حقیقت کو ان پر واضح کر دو (کہ اللہ ہی کیلئے ہے پورب) خانہ کعبہ جدھر واقع ہے اور (پچھم) 'بیت المقدس' جس طرف ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ جملہ جہات اور ساری سمتیں اسی کیلئے ہیں اور وہی سب کا مالک ہے، مختار ہے۔ (چلائے) راستہ دکھائے (جسے چاہے سیدھا راستہ) دین اسلام کا راستہ اور قبلہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا راستہ۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ وہ اپنے بندے کی توجہ جدھر چاہے کرے اور جسکو چاہے سیدھا راستہ دکھائے۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ

اور اسی طرح کر دیا ہم نے تم کو بہتر امت، تاکہ ہو جاؤ گواہ لوگوں پر۔ اور رسول تم پر گواہ و نگران

عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتُمْ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ

ہو جائیں۔ اور ہم نے نہیں بنایا تمہارا اس قبلہ کو جس پر تم تھے مگر اسلئے تھا کہ الگ معلوم کرادیں جو غلامی کرے رسول کی

مَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا

ان سے جو اٹلے پاؤں لوٹے۔ گو یہ بات گراں ہوئی مگر ان پر جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ اور نہیں ہے

كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ أَيْمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَكَرِيمٌ ﴿۱۱﴾

اللہ کہ بے کار کر دے تمہارے ایمان کو۔ بے شک اللہ لوگوں پر بے حد مہربان رحمت والا ہے •

(اور اسی طرح) جس طرح ہم نے تمہارے قبلہ کو سارے قبلوں پر فضیلت دے رکھی ہے (کر دیا ہم نے تم کو) عادل امتوں میں صدر نشیں، اپنے جملہ عقائد و نظریات اور اعمال و افعال میں معتدل، جن میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ نہ تم میں نصاریٰ کا غلو ہے، جنھوں نے حضرت مسیح کو الوہیت سے موصوف کر دیا اور نہ ہی یہودیوں کی تفریط و تقصیر، جنھوں نے معاذ اللہ حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگادی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناجائز بیٹا قرار دیا۔

--- الغرض --- تمہارا قبلہ سارے قبلوں سے بہتر اور تم ساری امتوں میں برگزیدہ (بہتر امت، تاکہ ہو جاؤ) روز قیامت انبیاء کرام کے (گواہ) اُن (لوگوں پر) جو انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغ نبوت کا انکار کر دینے والے ہونگے اور انبیائے کرام اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کہ ان حضرات علیہم السلام نے خدا کا پیغام اپنے امتیوں تک بخوبی پہنچا دیا، تم کو بارگاہِ خداوندی میں اپنے گواہ کی حیثیت سے پیش کریں گے۔ اور گواہ جس کا گواہ ہوتا ہے اس کا محبوب اور اس کی عنایات کا مرکز توجہ بھی ہوتا ہے۔ اس طرح تم کو محبوب الانبیاء ہونے کا شرف بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ گو صرف تمہاری گواہی پر بات تمام نہ ہوگی۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ منکرین اعتراض کر بیٹھیں گے کہ یہ امت ہمارے زمانے میں نہیں تھی تو اسکی گواہی کیسی؟

اس صورت میں اس امت کو یہ عرض کرنا پڑے گا کہ ہماری گواہی کی بنیاد وہ خبریں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان مقدس کے ذریعہ ہم تک پہنچائیں ہیں۔ اسی لئے ضرورت ہوگی کہ حضور آبیہ رحمت ﷺ تمہاری عدالت اور لائق شہادت ہونے کی شہادت سے سرفراز فرمائیں۔۔۔ تاکہ۔۔۔ واضح ہو جائے کہ عادل اور لائق شہادت جماعت، مشہور و معروف چیزوں کی گواہی سکر بھی دے سکتی ہے۔ اسکی گواہی قابل قبول ہوگی۔

رب تعالیٰ کی حکمت ہالہ نے امت محمدیہ کو انبیائے کرام کا گواہ بنایا اور خود نبی کریم کو خود اپنی ہی امت کی عدالت و لائق شہادت ہونے کا گواہ قرار دیا، تاکہ منکرین نے جو اعتراض امت کی گواہی کے تعلق سے کیا، رسول کریم کی گواہی میں اس اعتراض کی صورت ہی نہ نکل سکے۔ امت محمدیہ کی عدالت و دیانت کا تقاضہ ہے کہ جس طرح وہ آخرت کی گواہ ہے اسی طرح وہ دنیا میں بھی لوگوں پر ان امور میں گواہ ہو، جنکا ثبوت عادلین کی شہادت ہی پر موقوف ہے اور نبی کریم ان شاہدین کی عدالت و دیانت کے شاہد ہوں۔۔۔ الغرض۔۔۔ تم انبیاء کے بھی شاہد اور دوسرے لوگوں کے بھی، مگر رسول کریم صرف تمہارے شاہد۔

--- المختصر --- تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ (اور رسول) میرے فرستادہ، محمد ﷺ (تم پر گواہ اور مگر اس ہو جائیں) تمہاری عدالت کو ظاہر فرمائیں، تمہارا تزکیہ فرمائیں اور ہر وقت تمہیں اپنی نظر کرم کے سائے میں رکھیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ تمہارا رسول تم پر گواہ ہوگا، کیونکہ وہ اپنے نوری نبوت سے اپنے ہر ماننے والے امتی کے دینی مرتبہ سے واقف ہے کہ وہ دین کے کس درجے پر ہے اور اسکے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کون سا حجاب ہے جو اسکی ترقی میں حائل ہے۔۔۔ المختصر۔۔۔ وہ تمہارے گناہوں، تمہارے ایمانی درجوں، تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاص و نفاق، سبھی سے باخبر ہیں۔

نبی کریم ﷺ ابتداءً مکہ کے قیام کے دوران نماز فرض ہونے کے بعد، بحکم خداوندی اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ وہ بھی اس خوبی کے ساتھ کہ 'بیت المقدس' بھی آپکے سامنے ہو جاتا۔۔۔ اور۔۔۔ 'کعبہ شریف' آپکے اور 'بیت المقدس' کے درمیان رہتا۔

حجرت کے بعد رب تبارک و تعالیٰ نے یہودیوں کی تالیف قلب کیلئے خاص کر کے 'بیت المقدس' کو قبلہ قرار دیدیا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ حکم خداوندی کے پیش نظر آپ ﷺ 'بیت المقدس' کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمانے لگے۔ مگر آپ کی دلی خواہش یہی رہی کہ کعبہ ہی کو ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا جائے۔ اس میں عرب کی عزت افزائی کے ساتھ ساتھ یہودیوں کی مخالفت بھی ہے۔ رب کریم نے اپنے فضل و کرم سے اپنے محبوب کی آرزو پوری فرمادی اور کعبہ کو قیامت تک کیلئے مسلمانوں کا قبلہ قرار دے دیا۔

--- چنانچہ --- فرما دیا کہ اے محبوب --- فی الحال --- تو اصل حکم یہی ہے کہ آپ کعبہ کو اپنا قبلہ بنائے رکھیں (اور) اب رہ گیا 'بیت المقدس' کو قبلہ بنا دینے کا معاملہ، تو (ہم نے) تمہاری عبادتوں کا قبلہ (نہیں بنایا تھا) عارضی مدت کیلئے 'بیت المقدس' کو۔۔۔ یعنی۔۔۔ (اس قبلہ کو جس پر) مدینہ منورہ میں جسکی طرف رخ کر کے (تم) سب کلمہ پڑھنے والے نماز پڑھتے (تھے) اور عبادت کرتے تھے، (مگر) اس میں یہ حکمت تھی اور وہ (اسلئے تھا کہ) ممتاز کریں، ظاہر کر دیں، سب کو دکھادیں اور الگ (الگ معلوم کرا دیں) اسکو (جو) ہر حال میں محبت و اطاعت سے بھرپور مخلصانہ کچی (غلامی کرے) اس مخصوص عظیم المرتبت (رسول کی)، (ان) بد بختوں، کمزور ایمان والوں اور دل میں نفاق رکھنے والوں (سے)، (جو) اپنے دل کی کچی۔۔۔ یا۔۔۔ ضعف ایمانی کے سبب صراط مستقیم سے (اٹلے پاؤں

لوٹے) اور راہِ حق سے عدول کر کے ناحق کی طرف چلے گئے۔

--- چنانچہ --- بیت المقدس کو قبلہ بنا کر، پھر اسکی تحویل، بعض لوگوں پر ایسی شاق گزری کہ وہ مرتد ہو گئے۔ انکا یہ طرز عمل خدا اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ تھا۔ --- کیونکہ --- انکی آسانی کتابوں نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ تحویل قبلہ ہونی ہی ہے، جو اللہ کی طرف سے ہے اور حق ہے۔

(گو) اگرچہ (یہ بات) قبلہ کی تحویل، کعبہ کو قبلہ بنانا اور اسے قبلہ ہونا (گراں ہوئی) جان بوجھ کر بیجا ضد کرنے والوں پر، (مگر ان) حق شناس، حق پسند اور نفوسِ قدسیہ رکھنے والوں (پر جن کو اللہ تعالیٰ نے) اپنے فضل و کرم سے (ہدایت دی)، احکامِ شرعیہ جو تفضیلاً اور اجمالاً حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں، انکے اسرار و رموز سمجھا دئے، وہ اپنے ایمان پر ثابت رہے اور اتباعِ رسول میں سچے رہے، ان پر واضح ہو گیا کہ یہ ایک قبلے سے دوسرے قبلے کی طرف، درحقیقت رب تعالیٰ کی ایک اطاعت سے اسی کی دوسری اطاعت کی طرف منتقل ہونا ہے۔ تو اس میں کون سی ایسی بات ہے جو گراں بار ہو۔

اس موقع پر یہ یوتوفوں کا بطور استہزاء یہ کہنا، کہ اگر کعبہ کو قبلہ بنانا صحیح تھا تو پھر بیت المقدس کو کیوں قبلہ بنایا۔۔۔ اور۔۔۔ اگر بیت المقدس کا قبلہ ہونا حق تھا تو پھر اُس سے کیوں پلٹ گئے؟ اس الٹ پلٹ سے تو اپنے باپ دادا کے دین کی طرف پلٹ جانے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ ان نادانوں کو کیا خبر کہ اطاعتِ رسول پر ثابت قدم رہنے والے اپنے نفس کے غلام نہیں، انھیں تو صرف خدا اور رسول کی اطاعت ہی مطلوب ہے۔

تحویل قبلہ کے بعد یہودی لوگ مختلف انداز سے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ بعض یہودیوں نے کہا کہ اگر قبلہ حق، جہت کعبہ ہی ہے، پھر تو وہ صحابہ جو تحویل قبلہ سے پہلے وصال کر چکے تو انکی وفات گمراہی پر ہوئی۔ یہودیوں کے اس جاہلانہ پروپیگنڈے کے پیش نظر سرکارِ رسالت مآب ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضور ہمارے وہ ایمانی بھائی جنہوں نے اپنی نمازیں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ادا کیں اور تحویل قبلہ سے پہلے ہی وفات پا گئے تو انکی اُن نمازوں کا کیا حال ہوگا؟

۔۔۔ اس پر ارشادِ بانی ہوا۔

(اور نہیں ہے) بے پناہ فضل و کرم فرمانے والا (اللہ تعالیٰ) کہ بیکار کر دے) اسکو قبول نہ فرمائے اور اس پر اجر نہ عطا کرے (تمہارے ایمان) و عبادت و نماز (کو)۔ نماز ایمان والوں ہی پر

فرض ہے۔ ایمان والے ہی ادا کریں تو قبول ہے اور جماعت کے ساتھ جسکی ادائیگی ایمان کی دلیل ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ قبلہ منسوختہ کی طرف رخ کر کے پڑھی جانے والی مسلمانوں کی نمازیں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اسکی اطاعت ہی کا ثمرہ ہیں، تو وہ بھی گویا عین ایمان ہیں، جن کو رب کریم اپنے فضل و کرم اور اجر عظیم سے محروم نہ فرمائے گا۔ (پیشک اللہ) تعالیٰ فرمانبردار، اطاعت شعار، ایمان والے (لوگوں پر بے حد) جسکی کوئی حد نہیں، خصوصی مہربانی فرمانے والا (مہربان)، خصوصی بخشش سے نوازنے والا (رحمت والا ہے)، تو پھر وہ لوگوں کی نیکیوں کو کیسے ضائع فرمادے گا؟

یہودیوں کا 'تحویل قبلہ' پر طنز و تعریض کرنے اور اعتراضات پیش کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی، بلکہ بلاوجہ تمسخر و استہزاء کرنے کو انھوں نے اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ اسی لئے بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنا لینے کی صورت میں بھی وہ اپنی عادت سے باز نہ آسکے تھے اور طنزاً کہنے لگے تھے کہ مسلمان ہماری مخالفت کرتے ہیں اور ہمارے دین سے الگ دین رکھتے ہیں مگر نماز ہمارے ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھتے ہیں۔

سرکار رسالت مآب ﷺ نے جب یہودیوں کی یہ بات سنی تو آپ کو دلی طلال ہوا اور دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ ہمارا قبلہ کعبہ قرار دیا جائے۔ اسکے سوا بھی دوسری مصلحتیں تھیں جسکے پیش نظر آپ چاہتے تھے کہ کعبہ ہی قبلہ کر دیا جائے۔۔۔ مثلاً: کعبہ ہی حضرت ابراہیم کا قبلہ تھا اور سب سے پہلا قبلہ تھا۔۔۔ نیز۔۔۔ اہل عرب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کیلئے یہ ایک موثر ذریعہ تھا۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ کعبہ عرب کا سرمایہ افتخار اور انکی مخصوص زیارت گاہ اور مرکز طواف ہے۔

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ حضور ﷺ نے ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سن کر اپنے مقام پر واپس آگئے۔ اسوقت سے حضور باز بار آسمان کی طرف دیکھتے اور اس خاص مقصد کیلئے وحی کا انتظار فرماتے۔ چشم امید کا بار بار در رحمت پر اٹھتے رہنا اور زبان سے صراحتہً ازراہِ اوب، کچھ عرض نہ کرنا۔۔۔ تو۔۔۔ ایک طرف پیارے حبیب کی یہ پیاری ادائیں، دوسری طرف خود رب کریم کو اپنے حبیب کی خوشنودی خاطر مطلوب۔۔۔ چکا۔۔۔ خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت کریمہ لیکر حاضر ہو گئے۔

قَدَّرَ لِي لِقَابُكَ وَجْهَكَ فِي السَّمَاءِ فَلَتَوَلَّيْنَاكَ قِبَلَهُ تَرْضَاهَا قَوْلٌ وَجْهَكَ

ہم ملاحظہ کر رہے ہیں تمہارے چہرے کے بار بار اٹھنے کو آسمان کی طرف، تو ضرور پھیر دیں گے ہم تم کو تمہارے پسندیدہ قبلہ کی طرف،

شَطْرَ الْمَشْرِقِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ

تو اب پھیر دو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف، اور تم لوگ جہاں کہیں ہو اپنا اپنا رخ اسی کی طرف کرو۔ اور بے شک جو دئے گئے

أُوْتُوا الْكِتَابَ لِيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

تھے کتاب، ضرور جانتے ہیں کہ بیشک یہ حق ہے انکے رب کی طرف سے، اور نہیں ہے اللہ بے خبر انکے کرتوتوں سے •

(ہم ملاحظہ کر رہے ہیں) اے محبوب (تمہارے چہرے کے بار بار اٹھنے کو) اور بار بار

(آسمان کی طرف) تمہارے متوجہ ہونے کو، اور ہم جان رہے ہیں کعبہ کو قبلہ بنا دینے کی تمہاری دلی

خواہش کو، (تو) یقین جان لو (ضرور) بالضرور (پھیر دیں گے) عنایت فرمائیں گے، رخ کرنے کی

قدرت دینگے (ہم تم کو تمہارے پسندیدہ قبلہ کی طرف) جسکی محبت آپ کے دل میں ہے اور آپ جسکے

قبلہ ہونے کے مشتاق ہیں۔ اور یہ محبت و اشتیاق بھی کچھ نفسانی خواہش یا طبعی غرض سے نہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔

مقاصد دینیہ کی وجہ سے ہے۔ (تو اب) بغیر کسی تاخیر کے فوراً ہی (پھیر دو اپنا) اور اپنے پورے بدن کا

(رخ) جہت کعبہ (مسجد حرام کی طرف)۔

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ نصف رجب ۱۱۳۱ بروز دو شنبہ، جبکہ آپ مسجد نبی سلمہ میں بوقت ظہر نماز

پڑھ رہے تھے، اور دو رکعت ادا بھی فرما چکے تھے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ حکم خداوندی لیکر

نازل ہوئے۔ اسکو سنتے ہی آپ فوراً صحرا بیت المقدس سے پھر گئے اور میزاب کعبہ کی طرف

متوجہ ہو گئے اور باقی دو رکعت نماز جہت کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا فرمائی۔

اس دن سے مذکورہ مسجد کا نام ہی 'مسجد قبلتین' ہو گیا اور سابقہ آسمانی کتابوں کی یہ بات

واضح ہو کر سامنے آ گئی کہ آخری نبی کی ایک یہ بھی خاص پہچان ہے کہ وہ دو قبلوں کا امام

ہوگا۔ اولاً نبی کریم کو خاص طور پر مخاطب فرما کر قبول قبلہ کا حکم دیا، اسکے بعد تمام امتیوں کو

جہت کعبہ، مسجد حرام کی طرف پھر جانے کو اور اسکو اپنا قبلہ بنا لینے کا عمومی حکم نازل فرمایا،

۔۔۔ اور ارشاد فرمایا:

(اور) اے امت محمدیہ (تم لوگ) بخرو، نرم و ہموار زمین۔۔۔ یا۔۔۔ بلند و بالا پہاڑ اور

شرق و غرب۔۔۔ اللرض۔۔۔ (جہاں کہیں ہو) جب نماز کا ارادہ کرو تو (اپنا اپنا) اور اپنے اپنے پورے

بدن کا (رخ اسی) جہت کعبہ، مسجد حرام (کی طرف کرو)۔ اب اگر تم ایسی جگہ ہو جہاں سے بیت اللہ کا مشاہدہ کر رہے ہو تو تم پر یعنی کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور اگر تم ایسی جگہ نہیں ہو بلکہ دور ہو، تو صرف 'سمت کعبہ' کی طرف رخ کر لینا فرض ہوگا۔

--- المختصر --- کعبہ اہل مسجد کا قبلہ ہے، مسجد حرام مکہ کا قبلہ ہے، مکہ حرم کا قبلہ ہے اور حرم ساری دنیا کا قبلہ ہے۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ حالت نماز میں جہت کعبہ کی طرف رخ ہو جانا مذکورہ بالا تمام صورتوں میں حاصل ہے۔۔۔ 'جہاں کہیں ہو۔۔۔ فرما کر واضح کر دیا کہ یہ صرف مدینہ والوں ہی کا قبلہ نہیں بلکہ بیت المقدس والوں کا بھی ہے۔

(اور بے شک جو دئے گئے تھے کتاب)۔۔۔ یعنی۔۔۔ یہود و نصاریٰ (ضرور جانتے ہیں)، انکے نبیوں نے انکو بخوبی طور پر آگاہ فرما دیا ہے (کہ بے شک یہ) تحویل یا کعبہ کی طرف متوجہ ہونا (حق ہے ان کے رب کی طرف سے) کیونکہ وہ تورات میں پڑھ چکے ہیں کہ پیغمبر آخر الزماں دو قبلوں کی طرف نماز ادا فرمائیں گے اور آخری قبلہ کعبہ ہوگا اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی وہی آخری نبی ہیں، انکی کتابوں میں جنکی بشارت ہے، جو باطل کا حکم نہیں دے سکتے۔ (اور نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (بے خبران) یہودیوں (کے) انکار قبلہ جیسے نالائق والے افعال اور (کرتوتوں سے)، تو انکو اللہ کی گرفت سے بے خوف نہیں ہو جانا چاہیے۔

--- یونہی --- اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال صالحہ اور جذبات اطاعت رسول سے بھی بے خبر نہیں کہ تم میں سے جو نماز میں رسول کریم کے ساتھ تھے، انہوں نے تو آپ ﷺ کے ساتھ ہی تحویل قبلہ کر لیا، لیکن تمہارے سوا جو دوسرے لوگ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے تو جیسے ہی انکو خبر ملی کہ رسول کریم نے قبلہ بدل دیا ہے اور بیت المقدس کی طرف سے رخ پھیر کر کعبہ کی طرف کر لیا ہے، تو ان لوگوں نے بھی کسی پس و پیش کے بغیر ہی اپنا چہرہ بیت المقدس سے پھیر کر کعبہ کی طرف کر لیا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اپنے اس عمل سے پہلے نبی کریم ﷺ سے تحقیق حال تو کر لیں۔۔۔ صرف ایک انسان کی خبر کی بنیاد پر ان سب پر واجب نہیں تھا کہ وہ ایسا کرتے، مگر انکے جذبہ اطاعت رسول نے گوارا نہیں کیا کہ چوں چرا میں پڑ کر اطاعت رسول کو انجام دینے میں ذرا دیر کیلئے بھی تاخیر کریں۔ تسلیم و رضا کے اس بے مثال نمونے سے تمہارا رب کریم بے خبر نہیں ہے۔۔۔ یقیناً۔۔۔ تم سب کیلئے اسکی طرف سے وعدہ اجر عظیم ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو تسلی دے رہا ہے کہ اے محبوب آپ ان یہودیوں کے اعتراضات سے پریشان خاطر نہ ہوں۔ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں ضد اور ہٹ دھرمی میں کر رہے ہیں۔۔۔ حالانکہ۔۔۔ انھیں خوب معلوم ہے کہ آپ حق پر ہیں۔ جو جان بوجھ کر کسی چیز کا انکار کرے، کوئی دلیل اسکو مطمئن نہیں کر سکتی۔ کوئی طے ہی کر لے کہ میں سمجھونگا ہی نہیں، تو پھر کوئی اُسے کیسے سمجھا سکتا ہے۔

وَلَكِنَّ آيَاتِ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ

اور اگر لاتے تم انکے پاس جن کو کتاب دے چکا ہی ہے ساری نشانی نہ پیروی کرتے تمہارے قبلہ کی، اور نہ تم ہی انکے

بِتَابِعِ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعِ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَكِنَّ اتَّبَعَتْ

قبلہ کے پیرو ہو، اور نہ خود ان میں ایک دوسرے کے قبلہ کا پیرو ہے۔ اور اگر کوئی تمہارا ہو کر پیروی کرے انکی خواہشوں

أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۶۹﴾

کی بعد اسکے کہ آیا تمہارے پاس علم، تو بیشک وہ تمہارا اس صورت میں حد سے بڑھ جانے والوں سے ہے۔

(اور اگر لاتے تم ان) بغض و عناد رکھنے والے یہودیوں (کے پاس جن کو) اللہ تعالیٰ

(کتاب دے چکا ہی ہے) پہلے ہی سے دے چکا ہے اور انھیں پوری حقیقت سے آگاہ فرما چکا ہے، اسکے باوجود جو تم سے رو بکعبہ ہونے کی حقیقت و حقیقت سمجھنے کی بات کرتے ہیں اور سمجھنے کا ارادہ نہیں رکھتے، ایک دو نہیں ساری کی (ساری نشانی) خواہ وہ از قسم معجزہ ہو۔۔۔ یا۔۔۔ حجت و برہان قاطع، اسکے باوجود وہ (نہ پیروی کرتے تمہارے قبلہ کی) اسلئے کہ وہ جو تمہاری پیروی نہیں کر رہے ہیں اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ کسی شبہ میں ہیں، جسکو حجت و دلیل سے زائل کر دیا جائے، بلکہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، ازراہ عناد، دشمنی کے طور پر کر رہے ہیں۔۔۔ حالانکہ۔۔۔ انھیں اپنی کتابوں سے یہ علم حاصل ہو چکا ہے کہ آپ حق پر ہیں۔

اپنے کو ناحق سمجھنے کے باوجود انکو یہ لالچ ہے کہ آپ انکے قبلہ کو اپنا قبلہ بنا لیں، یہاں تک کہ انکے بعض نبی کریم ﷺ سے کہہ پڑے کہ اگر آپ ہمارے قبلہ پر ثابت ہو جائیں تو ہم آپ کو وہ نبی تسلیم

کر لیگے جسکے ہم منتظر ہیں۔ مگر انکے اس طمع کی جڑ اس فرمان سے کاٹ دی گئی کہ نہ تو وہ تمہارے قبلہ کے پیرو ہیں (اور نہ تم انکے قبلہ کے پیرو ہو)، گو یہودیوں کا قبلہ اور تھا۔۔۔ اور۔۔۔ نصاریٰ کا اور۔ لیکن باطل ہونے میں دونوں متحد ہیں، گو یا دونوں ایک ہیں۔ اب جو کسی باطل قبلہ کا پیرو نہیں تو وہ دونوں میں سے کسی کے قبلہ کا پیرو نہیں ہو سکتا (اور نہ خود ان میں سے ایک دوسرے کے قبلہ کا پیرو ہے)۔

یہود، نصاریٰ کے قبلہ کی طرف رخ نہیں کرتے اور نصاریٰ، یہود کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے۔ جب یہ اپنے عناد و مخالفت پر اتنے متصلب ہیں کہ آپس ہی میں قبلہ کے معاملے میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، تو انکی مخالفت صرف آپ ﷺ ہی سے نہیں رہ گئی۔

۔۔۔ لہذا۔۔۔ اے محبوب آپ انکی مخالفت کا خیال نہ فرمائیں اور اپنے کو رنجیدہ خاطر نہ کریں۔ اے محبوب قبلہ کا معاملہ اتنا اہم اور نازک ہے کہ اگر۔۔۔ بفرض حال۔۔۔ اس معاملے میں آپ نے بھی انکی خواہشوں کی پیروی کی تو آپکا بھی شمار اپنے اوپر زیادتی کرنے والوں میں ہو جائے گا۔۔۔ مگر چونکہ۔۔۔ آپ نبی ہیں اور نبی کی ذات صغائر سے بھی معصوم ہوتی ہے، تو اس سے ایسا جرم سرزد ہو، یہ تو ناممکن ہے۔

۔۔۔ لہذا۔۔۔ آیت کریمہ میں اگرچہ خطاب کا رخ آپ کی طرف ہے، مگر مخاطب آپ کی امت ہے، جسکے آپ والی و مالک و نگہبان ہیں۔ (اور) اب (اگر کوئی تمہارا ہو کر) آپ کو اپنا نبی و رسول مان کر، آپ کا امتی ہو کر اور آپ کے دین پر ایمان لا کر (پیروی کرے ان) یہودیوں (کی خواہشوں کی) اور انکے کہنے پر کعبہ سے رخ پھیر کر بیت المقدس کو قبلہ بنا لے (بعد اسکے کہ آیا تمہارے پاس) کعبہ کے قبلہ ہونے اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا (علم) جسکو آپ نے سب تک پہنچا بھی دیا اور دلائل و براہین کے ساتھ واضح بھی فرما دیا، (تو بیشک وہ تمہارا) امتی (اس صورت میں) اطاعت رسول کی (حد سے) نکل کر نافرمانی کی حد میں داخل ہو جانے والوں اور خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے (بڑھ جانے والوں سے ہے)۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ

جن کو ہم نے کتاب دی ہے پہچانتے ہیں پیغمبر اسلام کو جیسے لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں۔

وَأَن فِي رِيقَاتِهِمْ لِيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

اور بیشک ان میں سے ایک گروہ حق کو ضرور چھپاتا ہے جانتے بوجھتے •

(جن کو ہم نے کتاب دی ہے) علمائے اہل کتاب (پہچانتے ہیں پیغمبر اسلام کو) کہ وہ نبی برحق ہیں، امام قبلتین ہیں، تمام آسمانی صحیفوں کی بشارتوں کا مرجع ہیں اور یہ پہچان ایسی ویسی پہچان نہیں، بلکہ ایسا پہچانتے ہیں (جیسے لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں) اسی لئے انھیں آپ ﷺ کی رسالت پر کسی طرح کا اشتباہ نہیں، جیسے انھیں اپنے بچوں کے تعلق سے کسی طرح کا شک و شبہ نہیں۔

انسان خود اپنے آپ کو بڑی مدت کے بعد پہچانتا ہے بخلاف اپنی اولاد کے، کہ انھیں پیدا ہوتے ہی پہچان لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرما دیا کہ ہم اپنے بچوں سے زیادہ نبی کو جانتے ہیں، اسلئے کہ ہمیں محمد ﷺ کے نبی ہونے میں کبھی بھی شک نہیں ہوا۔ اسکے برخلاف بچوں کے تعلق سے ماں کی طرف سے خیانت کا امکان شک کا باعث ہو سکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس بات پر آپ کی پیشانی کو چوم لیا۔

(اور بے شک ان) علمائے اہل کتاب (میں سے ایک) بڑا (گروہ) جس نے اسلام قبول نہیں کیا، وہ حسد و عناد کے سبب بے وقوف عوام اور جاہل لوگوں سے (حق) نبی کے نبی برحق ہونے، کعبہ کو رب کا مقرر کردہ قبلہ قرار دینے، اور اپنی آسمانی کتاب میں مذکور نبی کریم کے اوصاف حمیدہ (کو ضرور چھپاتا ہے)۔ وہ بھی لاعلمی میں نہیں بلکہ (جانتے بوجھتے)۔

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُنْتَرِكِينَ ۝

یہ حق ہے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے، تو ہرگز شک نہ کرنا •

کہ (یہ حق ہے لوگو) سایہ و امن رسالت میں رہنے والو (تمہارے رب کی طرف سے) کسی غیر کی طرف سے نہیں۔ یہی اسکے حق ہونے کی دلیل ہے۔ اسلئے کہ حق وہی ہے جس کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہو اور جس کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت نہ ہو وہ باطل ہے (تو) اسکے مخالف اللہ ہونے میں (ہرگز شک نہ کرنا)۔

وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ هُوَ مَوْلَانَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ آيِنَ مَا كُنتُمْ لَهَا

اور ہر ایک کیلئے ایک رخ ہے کہ انکی طرف متوجہ ہے تو لگیوں میں آگے بڑھنے کی خواہش کرو، جہاں کہیں ہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّخِذُوا اللَّهَ جَمِيعًا ۗ إِنَّا عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠٠﴾

تم سب کو اللہ لے آئے گا۔ بیشک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے۔

جس طرح کسی کی جہت عبادت اُس کا قبلہ ہے اسی طرح اسکی خاص توجہ کا مرکز بھی اس کا قبلہ ہے تو مسلمان جہاں بھی، جس طرف بھی ہوں، کعبہ ہی انکا قبلہ عبادت ہے۔ جو کعبہ سے شمال میں ہیں انکے قبلہ کی سمت جنوب ہے۔۔۔ یونہی۔۔۔ جنوب والوں کا قبلہ جانب شمال۔۔۔ مغرب والوں کا قبلہ جانب مشرق۔۔۔ اور مشرق والوں کا قبلہ جانب مغرب ہے۔ اور سب عبادت کیلئے قبلہ کی اپنی اپنی سمتوں کی طرف رخ کرتے ہیں۔ (اور) صرف یہی نہیں بلکہ تمام خدا پرست گروہوں اور ارباب شریعت رسولوں میں سے ہر ایک کا الگ الگ قبلہ ہے جسکی طرف وہ رخ کرتے ہیں۔

مقربین کا قبلہ عرش ہے۔۔۔ روحانیین کا قبلہ کرسی ہے۔۔۔ کرؤمین کا قبلہ بیت المعمور ہے۔۔۔ انبیاء سابقین کا قبلہ بیت المقدس ہے۔۔۔ اور آپ ﷺ کا قبلہ کعبہ ہے۔۔۔ بلکہ۔۔۔ چشم عارفین میں جسم رسول کا قبلہ کعبہ ہے۔۔۔ اور روح رسول کا قبلہ ذات الہی ہے۔۔۔ اور۔۔۔ خود ذات الہی کی خاص توجہات کا مرکز اور قبلہ ذات مصطفیٰ ﷺ ہے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ (ہر ایک) امت، خواہ وہ امت محمدی ہو۔۔۔ یا۔۔۔ اسکے سوا دوسری امت (کیلئے ایک رخ) کرنے کی سمت قبلہ (ہے) تاکہ حالت عبادت میں اسکی طرف متوجہ ہوا کرے۔ یہی وجہ ہے (کہ) ہر عبادت گزار، حالت عبادت میں اپنے اپنے (اس) قبلہ (کی طرف متوجہ) ہو جاتا (ہے)۔

اور اب جب صورت حال یہ ہے کہ اہل کتاب اپنے عناد و حسد کی وجہ سے قبلہ کے تعلق سے نبی کریم کی ہدایت کو ماننے والے نہیں ہیں اور نہ ہی آپ کے قبلہ کی طرف رخ کرنے والے ہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔ وہ خود بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں۔ ایسی صورت میں اے ایمان والو انکی ضد و ہٹ دھرمی سے اُلجھنے میں اور جہت کعبہ کے قبلہ ہونے کی حقانیت کے تعلق سے، بحث و مباحثہ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اپنے قیمتی اوقات کو بلاوجہ ضائع کرنا ہے۔

(تو) تم ان گمراہ جماعت والوں کو نظر انداز کر دو اور ان سے کنارہ کش ہو جاؤ اور (نیکیوں میں)

آپس میں ایک دوسرے سے (آگے بڑھنے کی خواہش کرو) اور اپنے رخ کو جہاں تک ممکن ہو عین کعبہ کی طرف کرنے کی کوشش کرو اور اگر یہ سعادت و فضیلت نہ حاصل ہو سکے تو اتنا تو ضرور ہو کہ قبلہ کی جہت سے رخ ہٹنے نہ پائے۔

تمہیں یہ سوچ کر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کہ تمہاری بھی تو جہتیں مختلف ہیں، یہاں بھی تو جنوبی، شمالی، مشرقی اور مغربی کا اختلاف موجود ہے، اسلئے کہ تمہارے مختلف جہتوں میں رہنے کے باوجود رب کریم تم سب کو ایک جگہ اکٹھا فرمائے گا اور تم سب کی نمازوں کو اجر و ثواب کے لحاظ سے ایسا بنا دے گا گویا ساری نمازیں ایک جہت کی طرف ادا کی گئیں ہیں۔ ایسا لگے گا کہ تم سب نے ایک ساتھ مسجد حرام میں حاضر ہو کر، کعبہ کو سامنے رکھ کر نماز ادا کی ہے۔

اہل کتاب جو قبلہ کے معاملے میں رسول کریم کی اطاعت سے پیچھے رہ گئے ہیں تم انکو نہ دیکھو۔۔۔ بلکہ۔۔۔ امر قبلہ کے تعلق سے نبی کریم کی اطاعت میں آگے بڑھو اور پیچھے رہ جانے والے کتابیوں کو پیچھے رہ جانے دو۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ اہل کتاب جہاں کہیں بھی ہونگے اور تم (جہاں کہیں ہو گے، تم سب کو) تم کو بھی، تمہارے دشمنوں کو بھی، (اللہ تعالیٰ (لے آئے گا) اور اکٹھا فرمائے گا، تاکہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ (بیچک اللہ تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) جو چاہے کرے۔ جب تک چاہے تمہیں زندہ رکھے، پھر وفات دے دے اور پھر زندہ فرما کے اکٹھا بھی کر دے۔ رب کریم نے اپنے کام بلاغت نظام کے اس رکوع میں تین بار اپنے محبوب کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

پہلی بار تو یہ ظاہر فرمانے کیلئے کہ یہ کام، میں نے اپنے محبوب کی عظمت ظاہر کرنے اور انکی رضا جوئی کیلئے کیا ہے۔۔۔ اور دوسری بار خود اپنی سنت قدیمہ اور عادت جاریہ کی وضاحت کیلئے کہ ہر قوم کا الگ الگ قبلہ بنانا خود اسکی سنت رہی ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ اس نے کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا ہے۔۔۔ اور تیسری بار یہ واضح کرنے کیلئے کہ ہم نے کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ اسلئے بنایا ہے کہ یہود، مسلمانوں کے خلاف جہت نہ قائم کر سکیں۔ اسلئے کہ انکی کتابوں میں مذکور تھا کہ آخری نبی کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے گا اور یہ تو بیت المقدس کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں، تو پھر یہ وہ نبی نہیں ہماری کتابوں میں جنگی بشارتیں ہیں۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ تین آیتوں میں جو ایک ہی چیز کا حکم ہے، وہ بے جا اور بے مصلحت تکرار

نہیں، اسلئے کہ تینوں حکموں کی علییں الگ الگ ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ یہ کہ نمازیوں کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔ وہ مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوں۔

﴿۲﴾۔۔۔ مسجد حرام سے باہر شہر مکہ میں نماز پڑھتے ہوں۔

﴿۳﴾۔۔۔ شہر مکہ سے باہر کسی اور جگہ نماز پڑھی جا رہی ہو۔

تو اب پہلا حکم پہلی حالت سے۔۔۔ دوسرا حکم دوسری حالت سے۔۔۔ اور تیسرا حکم تیسری حالت سے متعلق ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ الگ الگ تین حکموں سے تین طرف اشارہ ہو جاتا ہے:

﴿۱﴾۔۔۔ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا علم، علمائے اہل کتاب کو پہلے ہی سے تھا۔

﴿۲﴾۔۔۔ خدا نے جب کعبہ کو قبلہ بنا دیا تو پھر اس کا قبلہ ہونا برحق ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔ اس حکم میں ملت ابراہیمی کی طرف ہدایت ہے۔

عرب اپنے تمام افعال میں حضرت ابراہیم کی اتباع کو پسند کرتے ہیں تو کعبہ کی طرف رخ کرنا ان کیلئے ایک نعمت تھا جو ان کیلئے باعث افتخار تھا۔۔۔ یا۔۔۔ یہ کہ پہلے حکم سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اپنے محبوب کی رضا کیلئے کعبہ کو قبلہ بنایا۔۔۔ دوسرے حکم سے یہ بتانا ہے کہ آپ کی رضا کے علاوہ فی نفسہ یہ تحویل برحق ہے۔۔۔ اور تیسرے حکم سے یہ واضح کرنا کہ حکم عارضی نہیں بلکہ دوامی ہے، جو تمام علاقوں اور تمام زمانوں کیلئے ہے۔

۔۔۔ یا یہ کہ۔۔۔ پہلی آیت تمام احوال کیلئے۔۔۔ دوسری آیت تمام علاقوں کیلئے۔۔۔ اور

تیسری آیت تمام زمانوں کیلئے ہے۔

۔۔۔ یا یہ کہ۔۔۔ پہلی آیت حالت اختیار میں قلب و بدن کے ساتھ تحقیقاً کعبہ کی طرف منہ

کرنے پر محمول ہے۔۔۔ اور دوسری آیت اشتباہ قبلہ کی صورت میں اپنے ظن کے مطابق کعبہ

کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے۔۔۔ اور تیسری آیت حالت اضطرار میں۔۔۔ مثلاً: جب

سواری پر ہو، جیسے ٹرین و جہاز پر سفر کر رہا ہو، اپنے قلب کے ساتھ کعبہ کی طرف رخ کرنے

پر محمول ہے۔

اس سلسلے کی آخری بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تحویل قبلہ کی صورت میں پہلی بار رخ کا حکم

مسلمانوں میں متعارف ہوا اور۔۔۔ چونکہ۔۔۔ یہود رخ کا انکار کرتے تھے، اسلئے یہ حکم ایک

مہتمم بالشان امر تھا، لہذا اس حکم کو بار بار دہرا کر اسکی تاکید کی گئی۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور جہاں سے نکلو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف رکھو،

وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَمَا اللَّهُ بِعَاقِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲﴾

اور بیشک وہ ضرور حق ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے، اور نہیں ہے اللہ بے خبر تمہارے کئے عملوں سے •

(اور) دوسری بار ارشاد فرمایا گیا سفر کیلئے (جہاں سے) جس شہر سے (نکلو) نماز پڑھتے وقت (اپنا منہ مسجد حرام کی طرف رکھو اور) اپنے قول و عمل سے اس بات کو واضح کر دو کہ (بے شک وہ) --- یعنی --- کعبہ کو قبلہ قرار دینا (ضرور حق) صحیح اور پسندیدہ (ہے) جس کا حکم اے نبی (تمہارے پروردگار کی طرف سے) نازل ہوا ہے (اور نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (بے خبر) لا علم (تمہارے) کاموں (کئے عملوں سے) جنہیں تم نے آج کیا ہو یا کل کرنے والے ہو۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور جہاں سے سفر کرو تو اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف کیا کرو۔

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ

اور جہاں بھی رہو اپنا منہ اسی طرف پھیرا کرو، تاکہ نہ رہ جائے لوگوں کو تم پر کوئی حجت،

إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ

مگر وہ جو عد سے بڑھ چکے ہیں، تو ان سے ڈرو مت اور مجھی کو ڈرو،

وَلَا تَتَّبِعُوا نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۳﴾

اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں، اور ایسا ہو کہ تم ہدایت پاؤ •

اور اے محبوب مسجد حرام سے باہر ہوتے ہوئے، آپ جس وقت بھی (اور جہاں سے) بھی (سفر کرو تو) نماز کی ادائیگی کے وقت (اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف کیا کرو) اور رخ پہ کعبہ ہو جایا کرو۔ اور اے مسلمانوں! تم لوگ بھی اسکا ہمیشہ خیال رکھو (اور جہاں بھی رہو) نماز ادا کرتے وقت (اپنا منہ) اور پورا بدن (اسی) مسجد حرام کی (طرف پھیرا کرو)۔ حالت نماز میں رخ پہ کعبہ ہو جانے کا یہ کام اسلئے ضرور کر لیا کرو (تاکہ نہ رہ جائے لوگوں) یہودیوں اور مشرکوں (کو تم پر کوئی حجت) اور ہٹ

دھرمی والی بکواس، جسے وہ بطور حجت پیش کرتے ہیں اور اس نامعقول کٹ جتی کو دلیل سمجھتے ہیں۔ تمہارے رخ بہ کعبہ ہو جانے میں نہ تو یہودیوں کو یہ گنجائش ملے گی کہ وہ کہہ سکیں کہ یہ مسلمان بھی عجیب ہیں کہ ہمارے دین کے منکر ہیں اور ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ بنائے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔ نہ ہی مشرکوں کو اس بکواس کا موقع ملے گا کہ وہ کہہ سکیں کہ یہ ذات بھی کیسی نرالی ہے، جس نے اپنے جد کریم ابراہیم کے قبلہ سے رخ پھیر لیا اور دوسرے کے قبلہ کو اپنا قبلہ بنا لیا۔ تمہارے رخ بہ کعبہ کر لینے والے عمل سے سمجھدار لوگ تو خاموش ہو جائیں گے اور بے جا طعن و تشنیع سے باز آ جائیں گے (مگروہ) ظالم لوگ۔۔۔ یعنی۔۔۔ یہود مدینہ اور بت پرستان مکہ (جو حد سے بڑھ چکے ہیں) وہ کہاں خاموش رہنے والے، انھیں تو۔۔۔ ازراہ عناد و مکارہ۔۔۔ کچھ کہنا ہی ہے۔

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ یہود یہ کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے صرف اپنے آباؤ اجداد کی محبت میں انکے قبلہ کو اپنا قبلہ بنا لیا، اسکا تعلق کسی قدرتی ہدایت سے نہیں۔ جب ہی تو انبیاء کرام کے قبلہ کو چھوڑ دیا اور باپ دادا کے قبلہ کو اپنا لیا۔۔۔ یونہی۔۔۔ مشرکین کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کو پتہ چل گیا کہ ہم حق پر ہیں۔۔۔ لہذا۔۔۔ ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ قرار دے دیا۔ اب امید ہے کہ وہ ہمارا دین بھی قبول کر لینگے۔

(تو) اے مسلمانو! اپنے قبلہ کے تعلق سے تم (ان) کی طعن و تشنیع (سے ڈرو مت)۔ اس سے تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ انکی یہ خفیف الحركاتیاں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں (اور تمھی کو ڈرو)، میرے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو۔

اے مسلمانو! تمہارے کعبہ کو قبلہ بنا لینے سے ایک بڑا فائدہ تو یہی ہوا کہ غیروں کی کٹ جتوں سے تم کو نجات مل گئی۔۔۔ الفرض۔۔۔ میں نے تحویل کعبہ کا حکم اسی لئے دیا کہ تاکہ لوگوں کو تم پر کوئی حجت نہ رہ جائے (اور تاکہ) کعبہ کو قبلہ بنانے کی ہدایت فرما کر (میں اپنی) خاص (نعت) جو ملت حنیفہ کے ساتھ خاص ہے (تم پر پوری کر دوں اور) پھر (ایسا ہو) تا (کہ تم) شرائع و احکام دین کے جاننے کی اور قبلہ سیدنا ابراہیم کو قبلہ قرار دینے کی رہنمائی حاصل کرو اور (ہدایت پاؤ)۔۔۔ یا یہ کہ۔۔۔ حکم تحویل قبلہ کی حکمت یہ ہے تاکہ میں آخرت میں ثواب و اجر عظیم عطا فرما کے تم پر اپنی خاص رحمت پوری کر دوں، جس طرح میں نے دنیا میں اپنے عظیم رسول کو ارسال فرما کر دنیا میں اپنی نعمت مکمل فرمادی۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمُ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُم

جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول تم میں سے، تلاوت کریں تم پر ہماری آیتیں اور پاک کریں تم کو

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۗ

اور سکھائیں تم کو کتاب، اور حکمت، اور بتائیں جو تم جانتے ہی نہ تھے۔

پس اے لوگو! (جیسا کہ بھیجا) مبعوث فرمایا (ہم نے تم) لوگو! (میں ایک) عظیم (رسول تم میں سے) عربی النسل، شریف النسب، اعلیٰ حسب، تاکہ تلاوت کریں تم پر ہماری) کتاب، قرآن کی (آیتیں اور پاک کریں تم کو) گناہوں سے، اپنے استغفار اور دعائے مغفرت کے ذریعہ، اور پاک کر دیں کفر و شرک سے، اپنی ہدایت پر ایمان لانے کے ذریعہ (اور سکھائیں تم کو کتاب) قرآن کریم (اور حکمت) سنت و فقہ (اور بتائیں) وہ (جو تم جانتے ہی نہ تھے) جسکی معرفت، وہی الہی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔

--- اختصر --- اے لوگو! جب میں نے تم کو فراموش نہیں کیا، ہر حال میں تمہیں یاد رکھا

اور عظیم رسول کو بھیج کر تمہاری ہدایت کا راستہ کھول دیا۔ ---

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ

تو میرا ذکر کرو، میں تمہارا چہ چاکر دوں گا اور میرے شکر گزار رہو، اور کفرانِ نعمت نہ کرو۔

(تو) تم بھی مجھے فراموش نہ کرو اور (میرا ذکر کرو) معذرت و استغفار، حمد و ثناء، سوال و دعا، توبہ، اخلاص اور مناجات کے ذریعہ۔ تو میں تمہارا ذکر کروں گا، مغفرت، فضل و عطا، بخشش و نوال، عفو و درگزر، خلاصی و رہائی اور نجات کے ذریعہ اور صرف یہی نہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔ ساری دنیا میں، سارے زمانے میں (میں تمہارا چہ چاکر دوں گا)۔ اور جب میں تمہارا چہ چاکر دوں گا تو بحر و بر، خشک و تر، دشت و جبل، ہر ہر جگہ، ہر ہر زبان میں تمہارا چہ چاہو گا۔

کہیں تمہارے لئے مغفرت و ترقی، درجہات کی دعا ہو رہی ہوگی، کہیں تمہاری عمر کی

درازی کی تنہا کی جا رہی ہوگی، کہیں تمہارے نبی پر درود و سلام بھیجتے وقت تمہیں بھی اس صلوة و سلام میں شریک کیا جا رہا ہوگا اور کہیں تمہارا جشن منایا جا رہا ہوگا۔ جس میں تمہاری سیرت و کردار کے روشن پہلوؤں سے لوگوں کو روشناس کرایا جا رہا ہوگا۔

--- الغرض --- جہاں جہاں میرا ذکر ہوگا، وہاں وہاں تمہیں بھی یاد کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ حالت نماز میں بھی، قیام کی صورت میں بھی، انعام والوں کا ذکر خیر ہوگا، اور تَعُوذِی کی شکل میں بھی تمہاری دین و دنیا کی سلامتی کی دعا کی جائیگی۔

تمہارا حال ایسا ہوگا کہ تم کو دیکھنے والا خود مجھے یاد کرنے لگے گا۔۔۔ انقدر۔۔۔ میرے ذکر و فکر میں ڈوب جانے کی وجہ سے خود تمہارا یہ حال ہو جائے گا کہ تم خود ذکر اللہ ہو جاؤ گے۔ مگر یہ مقام صرف زبانی ذکر سے حاصل نہیں ہوگا۔۔۔ بلکہ۔۔۔ یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوگا جب زبان کے ساتھ ساتھ دل و جان بھی میرے ذکر میں مشغول ہوں، ایسا کہ ایک لمحہ بھی ذکر سے غافل نہ ہوں۔ **فَاذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ** والی نعمت وہ نعمت ہے کہ اگر میں نے جبرائیل و میکائیل کو بھی دی ہوتی تو ان پر بھی ایک عظیم اور بڑی نعمت مکمل کر دیتا۔

--- الغرض --- میرا ذکر اور میری اطاعت و فرمانبرداری کرو (اور) اس مخلصانہ اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ عملی طور پر (میرے شکر گزار)، میری نعمتوں کا اپنے کردار و عمل سے اعتراف کرنے والے ہو جاؤ اور ہمیشہ اسی پر قائم (رہو اور کفرانِ نعمت) میری نعمتوں کا انکار (نہ کرو) اور یاد رکھو یہ بھی کفرانِ نعمت ہی ہے کہ تم میری نعمتوں کو میری نافرمانی میں لگا دو۔

یہ ساری نعمتیں دراصل اس وقت تک نعمتیں رہیں گی جب تک تم ان کو میری ہدایت کے مطابق استعمال کرو گے۔ تم ان نعمتوں کے مالک نہیں ہو، بلکہ امین ہو اور ہر امین پر فرض ہے کہ وہ خیانت نہ کرے اور ان نعمتوں کو استعمال کرتے وقت خود مالک کی رضا و خوشنودی کا لازمی طور پر خیال رکھے۔

اے ایمان والو! اس مقام پر یہ نقطہ بھی ذہن نشین کر لو کہ تم نے جس قبلہ کو اختیار کر لیا ہے اور تم کو جس ذکر و شکر کی ہدایت کی گئی ہے، ان پر ہمیشہ کیلئے ثابت قدم رہنے کیلئے تم کو جس معاون و مددگار کی ضرورت ہے اسکو بھی سمجھ لو۔ یہ معاون و مددگار وہ ہے جسکے بغیر تم دنیا کی امامت کا وہ فریضہ بھی ادا نہیں کر سکتے جسکا انجام دینا تمہاری ذمہ داری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٠﴾

اے ایمان والو! مدد چاہو صبر اور نماز سے، بیشک اللہ مبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
پس (اے ایمان والو) نبی کریم کی مخلصانہ، والہانہ فرمانبرداری کرنے والو (مدد چاہو)،
حقوق الہی ادا کرنے کیلئے اور معاصی و خواہشاتِ نفسانیہ سے بچنے کیلئے، (صبر) سے، جو نجات کی کنجی
ہے۔۔۔ تو۔۔۔ حقوق الہی ادا کرنے میں جو دشواری پیش آئے۔۔۔ یونہی۔۔۔ ترک معاصی اور نفسانی
خواہشات کو چھوڑنے میں کوئی تکلیف محسوس ہو تو تم ان دشواریوں اور تکلیفوں کو اپنالو، انہیں برداشت
کرو اور صبر کرو اور ہر حال میں رب کریم کی نافرمانی اور نفس کی تابعداری سے اپنے کو دور رکھو۔
(اور) صبر کے ساتھ ساتھ مدد طلب کرو (نماز سے) جو افضل العبادات ہے۔ جو تمام رذائل
سے پاک صاف کر دینے والی ہے۔ اور ہر ایمان والے مکلف پر فرض ہے۔

صبر، باطنی عبادات میں بدن کیلئے بہت سخت ہے اور نماز، ظاہری طور پر بدن پر زیادہ
سخت، کیونکہ نماز کی قسم کی طاعات۔۔۔ مثلاً: ارکان و سنن و مستحبات اور خشوع و خضوع اور توجہ
و سکون اور دیگر جملہ عبادات شاقہ کا مجموعہ ہے، جسکی ادا نیکی توفیق الہی کے بغیر ناممکن ہے۔
اسی لئے صبر و صلوة کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا گیا اور چونکہ خطاب تمام ایمان والوں سے
ہے، اسلئے خصوصی طور پر اس عبادت کا ذکر کیا گیا جو تمام ایمان والے مکلفین پر فرض ہے۔
'گناہوں سے بچنا' جسکی تعبیر صبر سے کی گئی ہے، ہر مومن پر فرض ہے۔ اسی طرح نماز بھی
سب پر فرض ہے بخلاف زکوٰۃ کے، جو صرف صاحب نصاب پر فرض ہے اور بخلاف حج کے،
جو صرف صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ رہ گیا روزہ، تو وہ کھانے پینے کی خواہشات سے
روکتا ہے اور ترک خواہشات، صبر ہی کا ثمرہ ہے۔

(بے شک اللہ تعالیٰ (صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) جسکی حفاظت و حمایت، نصرت و
معونت اس نے اپنے ذمہ کرم میں لے رکھی ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا لِمَن يَقتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾

اور مت کہو اس کو جو قتل کیا جائے اللہ کی راہ میں مردہ، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں شعور نہیں
اب اگر صبر و نماز رات لے ۱۴ صحاب رسول فرودہ بدر میں شہید ہو گئے اور سر زمین بدر پر

خدا ورسول کی سچی وفاداری کا نقش دوام ثبت کر گئے، تو ان کو مردہ نہ سمجھ لینا اور یہ نہ کہنے لگنا، کہ بے چارے نے اپنی جان شیریں کو قربان کر دیا اور دنیوی زندگی کی نعمت اور دنیا کی نعمتوں کی لذت سے اپنے کو محروم کر دیا۔

۔۔۔ لہذا۔۔۔ سمجھداری اور حقیقت پسندی سے کام لو (اور مت کہو) اپنی زبان سے (اس کو جو قتل کیا جائے)، شہید کر دیا جائے (اللہ تعالیٰ کی راہ) جہاد (میں) کہ وہ (مردہ) ہیں۔ (بلکہ وہ) ہماری بارگاہ میں (زندہ ہیں)۔ باحیات ہیں، جنہیں مسلسل رزق دیا جاتا ہے۔ جنت کی خوشبو، جنتی پھل اور بہشتی لباس سے وہ بے پناہ راحت و فرحت میں ہیں، (لیکن تمہیں) انکی حیات کا (شعور نہیں) اسلئے کہ انکی حیات کی کیفیت کا ادراک عقل سے متصور نہیں اور حواس اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

یہ بھی یاد رکھو کہ آزمائش کرنا اور امتحان لینا ہمیشہ سے ہماری سنت رہی ہے۔ کھرے کھونے کو الگ الگ کر کے ظاہر کر دینا ہمارا طریقہ رہا ہے۔ یہ سب کچھ اپنی معلومات کیلئے نہیں ہے بلکہ دوسروں پر ظاہر کرنے کیلئے ہے کہ ہمارا فرمانبردار کون ہے اور نافرمان کون؟ تو ہم آزمائش و امتحان کی اپنی اس سنت قدیمہ کو باقی رکھیں گے۔

وَلِكَلْبُلُوْكُمْ بَشِيْرًا مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْرِ وَ نَقِيْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ

اور ضروری آزمائشیں گے، ہم تم کو کچھ ڈر اور بھوک سے، اور کچھ مالوں

وَالْاَنْفُسِ وَالشَّمْرِاتِ وَ كَثِيْرٍ مِّنَ الصَّابِرِيْنَ ۝۶

اور جانوں اور بچلوں کے نقصان سے، اور خوشخبری دے دوسرے کرنے والوں کو

(اور ضروری آزمائشیں گے، ہم تم کو) آزمائش کی جتنی صورتیں اور قسمیں ہیں، انہی میں سے کسی ایک صورت اور کسی ایک قسم سے آزمائش لی جاسکتی ہے۔

اب یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص سے ہر قسم کی آزمائش لی جائے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شخص کی ایک ہی طرح کی آزمائش کی جائے۔ کس سے کتنی، کس طرح کی، اور کب کب آزمائش لینی ہے، اسکا فیصلہ صرف مجھی کو کرنا ہے۔ میں جب جس کیلئے جو چاہوں گا ویسا کروں گا۔

جب ہم آزمائش کرنا چاہیں گے تو کبھی (کچھ) ایسی چیزوں سے، جس سے دل میں خوف اور

(ڈر) طاری ہو جائے۔۔۔ مثلاً: جہاد میں دشمنوں کا خوف۔۔۔ یا۔۔۔ اللہ کا خوف۔ (اور بھوک سے)، وہ بھوک خواہ قحط کا نتیجہ ہو۔۔۔ یا۔۔۔ رمضان کے روزے کا۔ (اور کچھ مالوں) کے نقصان سے، یہ نقصان جانوروں کی موت سے ہو۔۔۔ یا۔۔۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے۔ (اور جانوں) سے وابستہ پریشانی سے۔۔۔ خواہ۔۔۔ یہ پریشانی قتل، موت، مرض اور ضعیفی میں سے کسی وجہ سے ہو۔ (اور پھلوں کے نقصان سے)۔۔۔ یعنی۔۔۔ کھیتی کے پھلوں، جو زمین سے پیدا ہوں۔۔۔ یا۔۔۔ دل کے پھلوں، جو دل کی نیک خواہشات اور دعاؤں کا ثمرہ ہوں۔۔۔ یعنی۔۔۔ اولاد۔ ان دونوں میں سب کو۔۔۔ یا۔۔۔ کسی ایک کو لے لینے اور اٹھا لینے کی وجہ سے جو نقصان ہوتا ہے، وہ ذریعہ آزمائش ہوگا۔۔۔ تو۔۔۔ اے محبوب ان اپنی اپنی آزمائشوں میں کامیاب اور سرخرو ہو جانے والوں کی عزت و کرامت کو اپنی زبان فیض ترجمان سے ظاہر کر دو (اور خوش خبری دے دو) جنت کی خدائی آزمائشوں اور تکلیفوں پر (مہربان کرنے والوں کو)۔

الذِّينَ اِذَا اَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا اَللّٰهُمَّ اِنَّا لَآلِيْهِ رَجَعُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

جن کو جب مصیبت پہنچی، تو بولے کہ بیشک ہم اللہ کیلئے ہیں اور بیشک ہم ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

(جن کو جب) بھی کوئی تکلیف و حادثہ پیش آیا اور کسی طرح کی (مصیبت پہنچی تو) حکم الہی اور قضائے ربی کے سامنے تسلیم و رضا کا پیکر بن کر (بولے کہ بے شک ہم اللہ کیلئے ہیں) وہی ہمارا مالک ہے اور مالک اپنی ملک میں جس طرح کا چاہے تصرف کرے، اسے پورا اختیار ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ ہم اس کے بندے ہیں (اور بے شک ہم) سب بعث و نشور کی شاہراہ سے (اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

تکالیف و مصائب پیش آنے کی صورت میں اس کلمہ "استرجاع"۔۔۔ یعنی۔۔۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا لَآلِيْهِ رَجَعُوْنَ ادا کرنے والے صاحبان تسلیم و اذعان اور اصحاب یقین و ایمان ہیں۔ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اس کلمہ "مبارک کی برکتوں اور خوبیوں کے تعلق سے خود نبی کریم کا ارشاد سننے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔

سرکار فرماتے ہیں کہ جس نے کسی مصیبت پیش آنے پر کلمہ "استرجاع" ادا کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس مصیبت سے اسکا جو نقصان ہوتا ہے اسے پورا فرمادیتا ہے اور اسکی آخرت کو بہتر و شاندار بنا دیتا ہے اور اسکو ایک ایسا نعم الہدول عطا فرماتا ہے جو اسے راضی

کردیگا۔ حضور کے فرزند کا وصال ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا **اِنَّ اللّٰهَ وَاَنَّ اِلَيْهِ رَاجِعُونَ**، لوگوں نے عرض کیا کہ کیا یہ بھی مصیبت ہے، فرمایا۔ ہاں۔ ہر وہ چیز جو کسی مومن کو اذیت پہنچائے اور تکلیف دے وہ مصیبت ہی ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ کلمہ استرجاع ایک مبارک کلمہ اور بار برکت و وظیفہ ہے جو اس امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ کسی اور امت کو یہ کلمہ عطا نہیں فرمایا گیا۔ اسی لئے فرزند کی جدائی میں حضرت یعقوب نے **يَا سَلْمَى عَلَي يٰوَسْفَ** تو فرمایا لیکن **اِنَّ اللّٰهَ** نہیں کہا۔

اَوَّلِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿۱۰﴾

یہی لوگ ہیں جن پر بار بار درود ہے انکے پروردگار کی طرف سے اور رحمت ہے۔ اور یہی ہیں ہدایت یافتہ •

۔۔۔ المختصر۔۔۔ مصائب پر صبر کرنے والوں اور بلاؤں پر استرجاع فرمانے والوں کی بڑی شان ہے اور (یہی لوگ ہیں جن پر بار بار) مسلسل بہ کثرت (درود) مخصوص رحمت ورافت اور تحسین و آفرین (ہے ان کے پروردگار کی طرف سے اور رحمت) خاص لطف و احسان (ہے اور یہی) وہ خوش بخت اور سعادت مند لوگ ہیں جو (ہیں ہدایت یافتہ)۔

ان نیک بختوں کو صبر و شکر کے بدلے میں صلوة و رحمت کی شکل میں کیا ہی اچھا بدلہ عطا فرمایا گیا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند بھی عطا فرمادی۔ اب اگر ایک طرف یہ درود کی شکل میں آخرت کی جمیع برکات و عنایات ان کیلئے ہیں، تو دوسری طرف مخصوص رحمت کی صورت میں دنیا کے نقصانات سے حفاظت بھی ان کیلئے ہے۔

ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ کس قدر کرم پر کرم فرماتا جا رہا ہے کہ تجویل قبلہ کے تعلق سے مخالفین کے طعن و تشنیع سے مسلمانوں کو جو اذیت پہنچی تھی، صبر کی ہدایت دے کر اور اس کے ثمرات کو بیان فرما کے ساری تکلیفوں کو راحت سے بدل دیا اور پھر حج و عمرہ کا ذکر شروع فرمادیا، تاکہ کعبہ کو اپنی نمازوں میں قبلہ بنانے والے حج و عمرہ کے وسیلے سے کعبہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کر لیں۔ ویسے بھی صبر میں نفس کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور حج و عمرہ میں بھی جسم کو مشقت جھیلنی پڑتی ہے۔

۔۔۔ نیز۔۔۔ اس سے چند آیات پہلے بنا کعبہ کا ذکر تھا جن میں حضرت ابراہیم و حضرت

اسامیل کو خانہ کعبہ کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع وجود کرنے والوں کیلئے پاک رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اور ظاہر ہے بنا کعبہ کا سب سے عظیم مقصد حج و عمرہ ہی ہے، تو پہلے طواف کا ذکر فرما کر اسکی طرف اشارہ کیا اور اب صراحتاً اسکا ذکر فرمایا۔۔۔ الخضر۔۔۔ حضرت ابراہیم نے جن مناسک و احکام حج کو جاننے کی دعا کی تھی، ان احکام میں سے صفا اور مروہ کی سعی کا حکم بیان فرمایا۔ حدیث شریف سے جسکا وجوب ثابت ہے۔

إِنَّ الصَّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

بیشک صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں پس جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا، تو اس پر کوئی الزام نہیں

أَنْ يَطُوفَ بِهِنَّ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۵﴾

کہ صفا و مروہ کے پھیرے کانے، اور جس نے نفل کے طور پر ادا کیا نیکی کو، تو بیشک اللہ اجر دینے والا جاننے والا ہے •

۔۔۔ تو۔۔۔ اے ایمان والو! بطور خاص تم سمجھ لو کہ (بے شک صفا) خانہ کعبہ کے سامنے گوشہ جنوب و مشرق کی صاف و شفاف، چکنے پتھر والی پہاڑی، جس پر حضرت آدم صلی اللہ روفی افروز ہوئے (اور مروہ) سفید و ملائم پتھر والی پہاڑی جو صفا کے بالکل سامنے شمالی سمت میں تقریباً ۷۲۰ فٹ کے فاصلے پر ہے جس پر امراة سیدنا آدم عليه السلام یعنی آپ کی زوجہ پاک حضرت حوا تشریف فرما ہوئیں۔ یہ دونوں پہاڑیاں اور ان کے درمیان کی سعی، یہ سب کچھ (اللہ) کے دین، اسلام اور اسلامی عبادات کی خصوصیات اور ان (کی نشانیوں سے ہیں)۔

یہ وہ مقدس پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان اللہ کی مقبول بندی حضرت ہاجرہ، زوجہ حضرت سیدنا ابراہیم عليه السلام اور مادر سیدنا اسماعیل عليه السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل کیلئے پانی کی تلاش میں سعی فرمائی اور ۷۷ سات چکر لگائے تو ان پہاڑیوں کو نسبت ہو گئی، ان نفوس قدسیہ رکھنے والے کے مبارک قدموں سے، تو ان سے ان کی یادیں وابستہ ہیں، جسکی یادیں خدا کی یاد دلاتی ہیں تو یہ خدا کے دین کی پہچان اور اس کی معرفت کا ذریعہ ہیں۔

ایک زمانے میں صفا پر اساف نام کا بت اور مروہ پر نائل نام کی مورتی رکھ دی گئی تھی تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں کہ وہ جرم نہ کر سکیں، جسکے نتیجہ میں ان دونوں کا یہ

حشر ہوا ہے۔ ان دونوں میں 'اساف' مرد تھا اور 'ناملہ' عورت۔ اہل کتاب کی روایت کے مطابق جنھوں نے خانہء کعبہ میں اپنا منہ کالا کیا، اور پھر دونوں فوراً پتھر کے بت بن گئے۔ ایک زمانہ گزرنے کے بعد لوگوں نے انہیں معبود بنا لیا اور پوجنا شروع کر دیا اور انکے درمیان سعی کرنے لگے، 'صفا' پر آتے تو 'اساف' کو ہاتھ لگاتے اور 'مرہ' پر پہنچتے تو 'ناملہ' کو چھوتے۔ جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو خانہء کعبہ ہی کیا، پورے جزیرۃ العرب سے بتوں کا صفایہ ہو گیا اور شرک و بت پرستی کی جڑیں کٹ گئیں۔

--- تو --- اے ایمان والو! اگر ماضی میں ایسا ہوا تو تم اس کو سوچ کر کبیدہ خاطر نہ ہو اور صفا و مرہ کے درمیان سعی کرنے کو گناہ سمجھ کر کسی طرح کی قلبی کراہت و ناپسندیدگی کا مظاہرہ نہ کرو اور سمجھ لو کہ ماضی میں کافروں نے ان مقدس مقامات پر جو کچھ کیا ان سے ان مقدس مقامات اور انکے درمیان کی مقدس سعی کے تقدس پر کوئی آنچ نہیں آئی۔۔۔ الغرض۔۔۔ ان مقدس پہاڑوں کے درمیان حج و عمرہ کرنے والوں کی سعی میں گناہ تو بڑی بات، گناہ کا شائبہ بھی نہیں ہے (پس جس نے) زمانہ حج میں احرام باندھ کر حج کے مخصوص اعمال کے ساتھ (بیت اللہ کا) قصد کیا اور (حج کیا) (یا) عمرہ کے مخصوص اعمال کے ساتھ کعبہ شریف کی زیارت کی طرف متوجہ ہوا اور (عمرہ کیا تو اس پر) کوئی گناہ (کوئی الزام نہیں کہ) ان دونوں یعنی (صفا و مرہ کے) درمیان (پھیرے کاٹے) سعی کرے اور دوڑ لگائے (اور جس نے نفل کے طور پر ادا کیا نیکی کو) اور خوش دلی کے ساتھ کوئی نیک کام کیا۔۔۔ نیز۔۔۔ نفل طواف و حج و عمرہ بار بار بکثرت کرتا رہا (تو) وہ سمجھ لے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ قبول فرمانے والا (اجر دینے والا) خوب (جاننے والا ہے)۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس کے علم و خبر سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اب اگر کوئی سوچے کہ اسکی نازل کردہ ہدایات کو وہ چھپا لیجائے گا تو یہ اسکی خام خیالی ہے۔ ہاں چھپانے کے وبال سے ضرور اسے دوچار ہونا پڑے گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ الدِّينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ

بیشک جو لوگ چھپائیں وہ جو اتارا ہم نے روشن باتوں اور ہدایت کو بعد اسکے کہ بیان فرما دیا ہم نے

لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ اُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعُنُوْنَ ۝

اس کو لوگوں کیلئے کتاب میں، وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ کی پھٹکار اور سارے لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

(بے شک) علمائے یہود میں سے (جو لوگ) اپنے بغض و حسد کے سبب (چھپائیں وہ جو اتارا ہم نے) تورات میں (روشن باتوں) واضح دلیلوں کو --- مثلاً: حکم رجم (اور) اسکے سوا (ہدایت) نعت مصطفیٰ، صفات محمدیہ، آپ کی حقانیت کی نشانیاں، اور اسلام کا برحق ہونا اور سابقہ سارے ادیان کا ناسخ ہونا --- الختصر --- اسی طرح دوسری ہدایتوں (کو) اور وہ بھی (بعد اسکے کہ بیان فرمایا ہم نے) صاف صاف واضح طور پر (اس کو لوگوں کیلئے کتاب) توریث (میں) جسکے اولین مخاطب بنی اسرائیل ہی ہیں۔

کتنی جرأت کی بات ہے کہ ہم تو ظاہر فرمائیں اور یہ اسے چھپانے پر لگے ہیں اس کو بیان نہ کر کے --- یا --- اس حصے کو ضائع کر کے --- یا --- اس میں تحریف کر کے، اسکی جگہ اپنی طرف سے بنایا ہوا دوسرا مضمون شامل کر کے۔ تو ہر سننے والا سن لے اور سمجھ لے کہ یہی (وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ) تعالیٰ (کی پھٹکار) ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور فرمادے گا اور دور رکھے گا (اور) یہی کیا کم تھا مگر اسکے سوا بھی ان (سارے لعنت کرنے والوں) فرشتوں، ایمان والے جنوں اور مسلمانوں (کی لعنت ہے)۔ یہ سب دعائیں کریں گے کہ مولیٰ تعالیٰ تو اپنے ان سرکش اور باغی بندوں کو اپنی رحمت سے دور رکھ۔ یہ ساری جماعت لعنت کی سزاوار ہے۔

اَلَا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

مگر جس نے توبہ کرنی اور اصلاح کر دی اور کھول کر رکھ دیا تو وہ لوگ ہیں کہ میں قبول فرماؤں گا انکی توبہ کو۔

• اور میں ہی توبہ کا بڑا قبول فرمانے والا رحمت والا ہوں

(مگر جس نے) ایمان لا کر کفر و شرک سے اور نعت مصطفیٰ کو چھپانے سے (توبہ کرنی اور) اپنے فاسد احوال کو درست کر کے اپنے افراط و تفریط سے باز آ کر، اپنی کی ہوئی ساری زیادتیوں کا تدارک کر کے خود ہی اپنے کو صحیح راستے پر لگایا اور اپنی (اصلاح کر دی اور) جو کچھ چھپایا تھا اس کو

(کھول کر رکھ دیا) اور صاف صاف بیان کر دیا (تو وہ لوگ ہیں کہ میں قبول فرما لوں گا انکی توبہ کو)۔ اور ان پر اپنی رحمتوں اور نوازشوں کا نزول کرتا رہوگا (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (میں ہی) تو (توبہ کا بڑا قبول فرمانے والا) اور بخشش و (رحمت والا ہوں)۔ میں سرزادینے میں عجلت نہیں کرتا بلکہ بندے کو توبہ و استغفار کی پوری مہلت دیتا ہوں اور جب بندہ سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو میں اسے معاف کر دیتا ہوں۔ وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا۔

رب کریم نے پہلے نبی کریم کی نعت چھپانے والوں کا ذکر کیا اور ان پر لعنت فرمائی اور پھر ان میں توبہ کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب ان کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے اس کفر سے توبہ نہیں کری اور کفر ہی پر مر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان پر اللہ کی اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ

بیشک جنہوں نے کفر کیا اور مرے کافر ہی، وہ لوگ ہیں جن پر

لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۵۷﴾

اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی •

--- چنانچہ--- ارشاد ہے کہ (بے شک) وہ یہودی --- یا--- ان کے سوا دوسرے لوگ (جنہوں نے) نبوت مصطفیٰ کا انکار کر کے (کفر کیا اور مرے) حق چھپانے کی وجہ سے (کافر ہی) انہیں توبہ نصیب نہ ہو سکی، تو یہ (وہ لوگ ہیں جن پر) زندگی میں تو لعنت تھی ہی، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، مرنے کے بعد بھی ان پر (اللہ کی لعنت) ہے۔ لہذا یہ اپنی موت کے بعد بھی ہمیشہ کیلئے اللہ کی رحمت سے دور رہیں گے (اور فرشتوں کی) پھٹکار ہے، --- چنانچہ--- فرشتے ان کو رحمت سے دور رکھنے کی دعا کرتے رہیں گے (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان پر (انسانوں کی)، وہ بھی چند انسانوں کی نہیں بلکہ (سب) انسانوں (کی) لعنت برستی رہے گی۔

یہاں انسان سے مراد مومنین ہیں جو صحیح معنوں میں انسان کہے جانے کے لائق ہیں اور اپنی انسانیت سے نفع اٹھانے والے ہیں۔ کفار تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ

ان سے بھی گزرے ہیں۔ یہاں انسان سے عام لوگ بھی مراد لئے جا سکتے ہیں، اسلئے کہ قیامت میں کافر بھی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے، پھر ان پر فرشتے لعنت کریں گے، پھر باقی لوگ۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ہمیشہ رہنے والے اسی میں، نہ ہلکا کیا جائے گا ان پر عذاب اور نہ وہ مہلت دئے جائیں گے۔

یہ سارے کفر پر مرنے والے (ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اسی) لعنت (میں) جہنم کے اندر اور ان کا حال یہ ہوگا کہ (نہ ہلکا کیا جائیگا ان پر عذاب اور نہ وہ مہلت دئے جائیں گے)۔

--- نیز --- انکو اسکا بھی موقع نہیں دیا جائیگا کہ عذر و معذرت کر سکیں اور رحمت الہی کے منظور نظر ہو سکیں۔ جس کیلئے جو عذاب مقرر کیا جا چکا ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ انکے کفر نے جہنم سے نجات کے سارے راستے بند کر دئے ہیں۔ اب اگر نبیء کریم کی شفاعت و دو جاہت کی خصوصیت کی وجہ سے کسی کو اس عام قاعدے سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو یہ خدا کا فضل ہے۔

--- الغرض --- عام کافروں کے عذاب میں تخفیف نہ کرنا، یہ خدا کا ضابطہ عدل ہے اور دوشنبہ کے دن ابولہب کے عذاب میں تخفیف فرمادینا اسکا فضل ہے۔ --- یا یہ کہ --- کافروں کے عذاب کی غیر متناہی مدت میں کمی نہیں کی جائیگی۔ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ کسی کیلئے رب کریم اپنے فضل و کرم سے عذاب کی شدت میں کمی کر دے۔ --- الغرض --- مدت عذاب میں کمی نہیں کی جائیگی۔ اب اگر رب تعالیٰ چاہے تو اپنے فضل سے شدت عذاب میں کمی کر دے۔ --- یا یہ کہ --- ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ عذاب آخرت میں تخفیف نہیں کی جائیگی۔ ہاں عذاب برزخ میں تخفیف کی جا سکتی ہے۔

سابقہ آیات میں حضور آریہ رحمت اللہ کی نبوت کا ذکر تھا اور یہ بیان تھا کہ یہود اپنی کتابوں میں آپ کی نبوت کو چھپاتے تھے۔ --- مگر --- یہود صرف اتنا ہی نہیں کرتے بلکہ خدا کی توحید کو بھی چھپاتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ کوئی توحید الہی کے حقیقی مفہوم سے آگاہ نہ ہونے پائے اور یہ جاننے نہ پائے کہ الوہیت میں کوئی خدا کا شریک نہیں

اور عبادت کا مستحق ہونے میں وہ منفرد و تنہا ہے۔ اس کی کسی صفت میں کوئی اسکا، مثیل و شبیہ اور نظیر نہیں۔ توحید کے جس مفہوم کو یہودی چھپاتے تھے، اس کو رب کریم یوں واضح فرما رہا ہے۔

وَاللَّهُمَّ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ

اور تم لوگوں کا معبود، ایک معبود ہے۔ کوئی معبود نہیں سوا اسی بڑے مہربان رحمت والے کے •

(اور) ارشاد فرما رہا ہے کہ (تم لوگوں) اور ساری مخلوقات (کا معبود، ایک معبود ہے) الہیت میں جسکا کوئی شریک نہیں، اس کے سوا کسی کیلئے 'اللہ' کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہو سکتا تو (کوئی معبود نہیں) جو مستحق عبادت ہو، جو اپنی ذات میں شان احدیت اور اپنے کمال صفات میں جمال وحدانیت رکھتا ہو۔۔۔ الفرض۔۔۔ اپنی ذات و صفات میں 'وحدہ لا شریک' ہو (سوا اسی) اشخاص و ذوات کی تربیت فرمانے والے، اور بتدریج ان کو درجہ کمال تک پہنچانے والے، (بڑے مہربان) ارواح کو تقویت عطا فرمانے والے، ان کو عروج بخشنے والے، (رحمت والے کے)۔

جب مشرکوں نے یہ سنا تو انہیں حیرت ہوئی کہ ساری کائنات کا خدا ایک ہی کیسے ہو سکتا ہے، تو انہوں نے اس دعویٰ پر دلیل و آیت کا مطالبہ کیا، اس پر ارشاد ہوا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفَلَکِ الَّتِي

پیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور رات دن کے الٹ پھیر، اور کشتیاں جو دریا میں

تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ

لے چلتی ہیں اس کو جو لوگوں کو نفع دے، اور جو اتارا اللہ نے آسمان کی سمت سے پانی، پھر اس سے

فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَشَّرْنَا فِيهَا مَنْ كَلَّ دَابَّةً وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ

زندگانی دے دی زمین کو اسکے مرجانے کے بعد اور پھیلا دیا اس میں سبھی طرح کے جانور، اور ہواؤں کی مختلف چال،

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لِآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

اور وہ ابر جو آسمان و زمین کے درمیان پابند ہے، ان سب میں ضرور نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو عقل سے کام لے •

(بے شک آسمانوں) جو بے ستون خیموں کی طرح بغیر کسی سہارے فضاء میں معلق ہیں (اور زمین) ایک طویل و عریض فرش رہنے کی جگہ، نرم ایسی کہ سوئی سے سوراخ بنا لیجئے اور سخت ایسی کہ پہاڑوں کو سینے پر لئے ہوئے ہے۔ بے شمار خصوصیات کی حامل (کی پیدائش) میں (اور رات دن کے الٹ پھیر) میں رات و دن کا ایک دوسرے کا تعاقب کرنے، رات کے تاریک اور دن کے روشن رہنے اور مختلف موسموں میں دونوں کے ایک دوسرے سے کم زیادہ ہونے اور گردش لیل و نہار کے نظام میں کبھی بھی فرق نہ آنے (اور) وہ (کشتیاں جو دریا میں لئے چلتی ہیں) اور مسافروں کو اور (اس) تجارتی مال و اسباب (کو جو لوگوں کو نفع دے) تو لوگ اس میں سفر بھی کرتے ہیں اور قیمتی فائدہ بخش سامان بھی اپنی ضرورت کے پیش نظر ادھر سے ادھر منتقل کرتے رہتے ہیں (اور) اس کے علاوہ (جو اتارا اللہ تعالیٰ نے آسمان کی سمت) اوپر سے نیچے برسنے والے ابر باراں (سے پانی، پھر اس) پانی (سے زندگانی دے دی) سرسبز و شاداب کر دیا، قابل کاشت بنا دیا (زمین کو اسکے مرجانے) خشک بنجر اور ناقابل کاشت ہو جانے (کے بعد اور پھیلا دیا اس) زمین (میں) پرند، چرند، درند، وحشی، گھریلو، صحرائی اور دریائی۔۔۔ الفرض۔۔۔ (کبھی طرح کے جانور اور ہواؤں کی مختلف چال) ذہال جو اپنے چلنے کی سمت آگے پیچھے اور شمال و جنوب چکر کائتی رہتی ہیں اور یہ کبھی گرم ہوتی ہیں کبھی ٹھنڈی، کبھی خشک، کبھی تر، کبھی درختوں کیلئے بار آور ہے اور کبھی ان کو ثمرات سے محروم کر دینے والی، کبھی باعثِ رحمت اور کبھی عذاب بن جانے والی (اور وہ ابر جو آسمان اور زمین کے درمیان) حکم الہی کے آگے سرگوں اور مشیت خداوندی کا (پابند ہے) جدھر جانے کا حکم الہی ہوتا ہے وہ ادھر ہی جاتا ہے (ان سب میں ضرور) خدا کے وجود، اس کی وحدانیت و احدیت، اسکی قدرت و حکمت اور اسکی الہیت والوہیت کی معرفت کی بے شمار روشن (نشانیوں) ہیں، مگر سب کیلئے نہیں، بلکہ (اس قوم کیلئے جو عقل سے کام لے)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّبِعُ مَن دُونَ اللَّهِ أَنذَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ

اور عام لوگوں سے ایسے بھی ہیں جو جانتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر کسی معبود، اور انکی محبت رکھیں جیسے خدا کی محبت، اور یہ ایمان

أَمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

لاکھ دس سے زیادہ اتارے ہیں اللہ کیلئے۔ اور کیا فائدہ اگر وہ کہہ دیں میں یہ ظالم لوگ اس وقت جبکہ وہ عیسوں کے آگے سے

اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ۝۲۰

عذاب کو کہ بلاشبہ زور اللہ کیلئے ہے سب، اور بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

عقل سلیم رکھنے والوں کو یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ اوپر ذکر کی ہوئی چھ ۶ نشانیوں میں سے ہر ایک نشانی خدا کے وجود و قدرت اور اس کے علم و حکمت۔۔۔ نیز۔۔۔ اس کی رحمت و رافت پر برہانِ ساحل اور دلیلِ قاطع ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ 'آیات کتاب ہوں۔۔۔ یا۔۔۔' آیات کون، صرف انہی کیلئے ہیں، جو اپنی خواہشاتِ نفسانیہ سے پرے ہو کر اپنی عقلوں کے صحیح استعمال کے خوگر ہیں۔ اگرچہ سابقہ آیات قرآنیہ نے اس بات کو دلائلِ قاطعہ اور براہینِ ساحل سے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی سارے انسانوں کا رب، سب کا معبود برحق ہے۔

مگر اس قدر واضح بیان اور روشن وضاحت کے باوجود بے عقلوں، ناسمجھوں (اور عام نادان (لوگوں سے ایسے بھی ہیں) جو اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور اپنی نفسانی، شیطانی خواہشات کی دنیا سے نکلنا نہیں چاہتے اور اللہ کے غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ وہ ایسے ہیں (جو بناتے ہیں) ایک معبود برحق (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر کئی معبود) خدا کے شریک (اور) ان باطل معبودوں کے ساتھ ان کی شیفگی کا عالم یہ ہے کہ (انکی محبت رکھیں) انکو اپنا معبود سمجھ کر (جیسے خدا کی محبت) اپنا معبود سمجھ کر (اور جو ایمان لا چکے) ہیں، رب کے محبوب ﷺ کو دل و جان سے مان کر، باپ بیٹے عزیز و اقارب۔۔۔ الغرض۔۔۔ سارے لوگوں سے زیادہ، بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں، چونکہ رسول سے محبت ایمان ہے اور آپ کی احبیت کمال ایمان، یعنی آپ کو چاہنا ایمان ہے

اور سب سے زیادہ چاہنا کمال ایمان ہے۔ اور خدا کی محبت و احبیت آپ ﷺ ہی کی محبت و احبیت کا

نتیجہ و ثمرہ ہے۔ اسلئے (وہ سب سے زیادہ متوالے ہیں اللہ کیلئے) اسکی محبت میں از خود رفته ہیں۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ ان کو نبی کریم کی محبت اور آپ کے چاہنے نے خدا کی محبت اور اسکا

چاہنے والا اور نبی کریم کی احبیت اور آپ کو سب سے زیادہ چاہنے میں خدا کی احبیت

اور اسکا سب سے زیادہ چاہنے والا بنا دیا۔

رہ گئے غیر خدا کو خدا کے شریک قرار دینے والے، اگر وہ دنیا میں عذاب و مصائب دیکھتے وقت جان لیتے کہ سب قوت اللہ ہی کیلئے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے، تو اللہ کیلئے شریک نہ بناتے۔۔۔ یونہی۔۔۔ اگر یہ قیامت کا عذاب دیکھ لیں گے تو اتنا تو سمجھ ہی

لیکنے کہ تمام قدرت اللہ ہی کیلئے ہے اور بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔۔۔ یا۔۔۔ اگر یہ دنیا ہی میں اس عذاب کو دیکھ لیں جسے قیامت میں دیکھنا ہے، تو اللہ کو تمام قوت و قدرت والا اور سخت عذاب دینے والا سمجھ لیتے اور اسکا اقرار کر لیتے۔۔۔ اسی طرح۔۔۔ اگر مشرکین جان لیتے کہ تمام قدرت اللہ کو ہے، نہ کہ ان کے خود ساختہ معبودوں کو، اور یہ بھی جان لیتے کہ ظالموں کو کس شدید عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، تو ان کی حسرت و ندامت کی انتہا نہ ہوتی۔۔۔ یا یہ کہ۔۔۔ اگر ظالم، اللہ کی قدرت اور اسکے عذاب کی شدت جان لیتے، تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے۔۔۔ یا یہ کہ۔۔۔ قیامت کے دن کے عذاب کا مشاہدہ کرتے کہ اس وقت جس عاجزی سے انہیں دوچار ہونا ہے، اگر اپنی اسی عاجزی کو کبھی لیتے تو ضرور کہتے کہ تمام قدرت اللہ ہی کو ہے اور وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔۔۔ یا یہ کہ۔۔۔ ظالم دنیا ہی میں عذاب آخرت دیکھ لیتے تو ضرور جان لیتے کہ تمام قوت اللہ ہی کیلئے ہے۔۔۔ یا یہ کہ۔۔۔ اگر یہ ظالم، اللہ کی قدرت اور اس کے عذاب کی شدت کو حقیقتاً جان لیتے، تو خدا کا شریک بنانے کے نقصان سے بچ جاتے۔

(اور) اپنے کو خدائی گرفت سے بچالیتے مگر اب (کیا فائدہ اگر دیکھ ہی لیں) اور اچھی طرح جان لیں (یہ ظالم) غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہرا کر اپنے اوپر ظلم کرنے والے (لوگ)، اور وہ بھی (اس وقت جبکہ دیکھیں گے) خود اپنی کھلی (آنکھ سے) خدا کے (عذاب کو) اور پھر اچھی طرح جان لیں (کہ بلاشبہ زور) قوت و قدرت (اللہ) تعالیٰ (کیلئے ہے سب) کی سب (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (کا عذاب سخت ہے) جس سے چھٹکارا نہیں۔

یہ سب کچھ جب جاننا تھا اور جب جاننے کا اثر عمل و کردار پر پڑ سکتا تھا جب تو نہیں جانا، تو قیامت کے روز حساب کتاب کے دن اس علم و مشاہدے کا نتیجہ ہی کیا؟

إذ تَبَرَأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَأَرَادُوا الْعَذَابَ

جس وقت کہ بیزار ہو گئے جن کی پیروی کی تھی ان سے جنہوں نے پیروی کی تھی، اور انہوں سے دیکھ لیا عذاب کو

وَلَقَطَعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابَ ۝

اور کٹ گئے ان کے رشتے

اے محبوب آپ یا فرماؤ اس وقت کو (جس وقت کہ بیزار ہو گئے) وہ رؤساء اور سردار لوگ

(جن کی پیروی کی گئی اُن) نادانوں اور ناسمجھوں (سے جنھوں نے پیروی کی تھی اور) وہ ایسا کیوں نہ کرتے اور اظہارِ بیزاری کر کے اپنے کو بے قصور ظاہر کرنے کا تماشا کیوں نہ چراتے، اسلئے کہ انھوں نے اپنی کھلی (آنکھوں سے دیکھ لیا) خدا کے (عذاب کو اور) یہ بھی دیکھ لیا کہ (کٹ گئے ان کے) ساری دنیوی (رشتے) رابطے۔ وہاں کافروں، مشرکوں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں میں کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں اور نہ ہی کسی کو کسی کی پرواہ ہے۔ نہ ان کا آپس میں ہم مذہب ہونا کام آیا اور نہ ہی ایک خاندان والا ہونا ہی نفع بخش ہوا۔

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ اَنْ لَّنَا كَرْهٌ فَنتَبَّرْنَا مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ

اور بولے وہ جنہوں نے پیروی کی تھی، "کاش ہماری دنیا دوبارہ ہو تو ہم ان سے بے زار ہوں جس طرح انہوں نے ہم سے

يُرِيهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِمُخْرَجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿۷۰﴾

بے زاری کی ہے" اسی طرح دکھاتا ہے انکو اللہ انکے کرتوتوں کو سامانِ حسرت بنا کر ان پر۔ اور نہیں ہیں وہ نکلنے والے جہنم سے •

یہ تو رہا سرداروں کا حال جو اظہارِ بیزاری کر کے کنارے ہو گئے (اور) اپنے سرداروں کی یہ حرکت دیکھ کر (بولے وہ) تابعدار لوگ (جنھوں نے پیروی کی تھی) اور آنکھ بند کر کے ان سرداروں کی ساری باتیں مان لی تھیں (کاش ہماری دنیا دوبارہ ہو) اور ہم سب کو دنیا میں دوبارہ رہنے کا موقع مل جائے (تو ہم ان) سرداروں (سے بیزار ہوں) اور بری الذمہ ہوں (جس طرح انھوں نے ہم سے بیزاری کی ہے) اور اپنے بری الذمہ ہونے کا اظہار کیا ہے۔

--- الغرض --- تابعین اپنے متبوعین کے جواب میں بصد حسرت و یاس کہیں گے، کہ کاش دنیا میں دوبارہ لوٹ کر جانا ہو تو ہم بھی ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جائیں گے جس طرح آج یہ ہم سے بری الذمہ ہو گئے (اسی طرح دکھاتا ہے ان کو اللہ) تعالیٰ (انکے کرتوتوں) بد اعمالیوں (کو سامانِ حسرت بنا کر ان پر)۔

جب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے برے اعمال دکھائے گا تو ان کو بے حد حسرت اور پشیمانی ہوگی اس بات پر کہ انھوں نے برے عمل کیوں انجام دئے اور کیوں نہیں اچھے عمل کئے تاکہ وہ عذاب سے نجات پا جاتے (اور) اب کیا ہو سکتا ہے جبکہ ان کے تعلق سے خدائی فیصلہ ہو چکا ہے کہ (نہیں ہیں وہ

نکلنے والے جہنم سے) ان کو جہنم سے کبھی نہ نکالا جائیگا اور وہ۔۔۔ نیز۔۔۔ ان کے محبوبین سب کے سب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں اپنے کرتوتوں کی سزا پاتے رہیں گے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ** سے امور دین کی تفصیل بیان فرمائی تھی اور اب **يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ** سے دنیاوی امور کو بیان فرما رہا ہے۔ دین روح کی غذا ہے اور کھانا پینا جسم کی غذا۔ روح کی غذا کے تفصیلی بیان کے بعد جسم کی غذا کا تفصیلی بیان فرما رہا ہے تاکہ روح کی ترقی اور بدن کے نشوونما دونوں کے صحیح ذرائع میسر ہو جائیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا

اے لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں سے ہے حلال پاکیزہ، اور نہ چلو

خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۹۳﴾

قدم بہ قدم شیطان کے۔ بیشک وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے۔

(اے لوگو) تمہیں بالکل اجازت ہے کہ تم (کھاؤ جو کچھ زمین) کی پیداوار (میں سے) کھانے کے لائق (ہے) مگر اسکا خیال رہے کہ جو بھی کھاؤ وہ (حلال) ہو، خدا نے جسے کھانے کی اجازت دیدی ہو اور اسے کھانے سے روکا نہ ہو۔ اور نجاستوں، کثافتوں اور شبہات سے (پاکیزہ) اور پاک صاف ہو۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس میں ظاہری صفائی اور باطنی و حقیقی پاکیزگی دونوں ہوں۔ ظاہری

طور پر صاف اور طیب ہونے کی صورت میں جسمانی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا اور حقیقی طور پر پاکیزہ اور حلال ہونے کی صورت میں انسان کا باطن پاک و صاف رہے گا اور اسکا ضمیر مردہ نہ ہوگا۔۔۔ الغرض۔۔۔ حرام سے بچو، وہ چیز خواہ حرام جانور، شراب اور مرداری طرح ذاتی طور پر حرام ہو۔۔۔ یا۔۔۔ شریعت کے حرام کردہ طریقوں۔۔۔ مثلاً: چوری، جوا، رشوت اور سود وغیرہ وغیرہ سے حاصل کی گئی ہو۔

اور یاد رکھو کہ حلال وہ ہے جسے خدا نے حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جسے خدا نے حرام قرار دیا، تو

تم خدا کے حلال کو حرام اور خدا کے حرام کو حلال قرار دینے میں مشرکین عرب کی روش نہ اختیار کرو (اور نہ چلو) جیسے کہ مشرکین عرب شیطانی وسوسوں کی پیروی کرتے ہوئے چلے اور شیطان کی بات مانتے گئے اور اپنی طبیعت سے جس جانور کو چاہا حلال کر لیا اور جسکو چاہا حرام قرار دے دیا۔ مگر اے لوگو تم نہ چلو (قدم بہ قدم) اپنے ازلی دشمن (شیطان کے) جسکی دشمنی کچھ ڈھکی چھپی نہیں، جس میں کچھ شک و شبہ ہو (بے شک وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے) جس نے وسوسہ ڈال کر تمہیں جنت سے باہر کر دیا۔ اور اب چاہتا ہے کہ فریب و وسوسہ کے ذریعے تمہیں جہنم تک پہنچا دے۔ وہ ایمان والوں کا دشمن تو ہے ہی، مگر یہ نہ سمجھو کہ وہ حقیقی معنوں میں کافروں کا دوست ہے۔ حقیقتاً تو وہ سارے انسانوں کا دشمن ہے لیکن بظاہر وہ کافروں سے اپنی دوستی و موالات جتاتا ہے اور انکی بد اعمالیوں اور بد اعتقادیوں کو انکے سامنے آراستہ و مزین کر کے اچھا بنا کر پیش کرتا ہے اور انکو انکی اپنی اس بے راہ روی اور غفلت سے باہر آنے نہیں دیتا۔۔۔ الغرض۔۔۔ بظاہر دوست بنا ہوا ہے مگر باطن انہیں ہلاک کر دینے پر تلا ہوا ہے۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالشُّوْءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۵۰﴾

بس وہ یہی حکم دیتا ہے برائی اور بے شرمی کا اور یہ کہ جوڑ والہ پر وہ جس کو تم جانتے ہی نہیں •

(بس) اسکے سوا کچھ بھی نہیں کہ (وہ) کھلا ہوا دشمن سب کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور سب کو واضح طور پر محسوس نہ ہو سکنے والے انداز میں (یہی حکم دیتا ہے)۔ وہ ذہن و فکر پر ایسا مسلط ہو جاتا ہے کہ جو وسوسہ دیتا ہے وہ وسوسہ ایک حاکم کے حکم کی صورت اختیار کر لیتا ہے چونکہ وہ برائیوں اور بے حیائیوں کا داعی ہے۔۔۔ لہذا۔۔۔ وہ بذریعہ وسوسہ جو حکم دیتا ہے وہ (برائی اور بے شرمی کا) اور ہر طرح کے معاصی کا، صغائر ہوں کہ کبائر، چھپے ہوں کہ کھلے، نفس بد کی متابعت ہو یا دنیا کی طرف میلان۔ (اور) ساتھ ہی ساتھ وہ (یہ) بھی حکم دیتا ہے (کہ جوڑو) اپنے دل سے گڑھو اور افتراء کرو اور بہتان باندھو (اللہ تعالیٰ (پر) کہ خدا نے خباث کو حلال کر دیا اور طیبات کو حرام فرما دیا۔۔۔ یا۔۔۔ خدا تعالیٰ کی طرف ان امور کی نسبت کر دی جن کو خدا کی طرف منسوب کرنا جائز نہ تھا۔۔۔ یونہی۔۔۔ اپنے جی سے حلال کر لیا اور جس کو چاہا حرام کر لیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ شیطان بذریعہ وسوسہ، اللہ تعالیٰ کے تعلق سے تم کو (وہ) بات کہنے پر اکساتا ہے (جس کو تم جانتے ہی نہیں) اور تمہاری لاعلمی کے باوجود جیسی چاہتا ہے تم سے بکواس کراتا رہتا ہے۔

وَلَا أُقْبِلُ لَهُمُ الْبُعُوثَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَحْبِبُهُمَا فَبِئْسَ مَا الْفَيْتَنَا

اور جب ان سے کہا گیا کہ بیروی کرو جس کو اللہ نے اتارا ہے، تو بولے بلکہ ہم تو اسکی بیروی کرتے ہیں جس پر

عَلَيْهِمْ آيَاتُكَ أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۹۵﴾

ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا گوا کے باپ دادا نہ کچھ عقل ہی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت •

ان جاہلوں، بے عقلوں کی دیدہ دلیری اور موٹو شگافیوں کا عالم یہ ہے (اور) ان کے ذہنی فتور کی حالت یہ ہے کہ (جب ان سے) خواہ وہ مشرکین ہوں۔۔۔ یا۔۔۔ یہودیوں کی وہ جماعت جس کو اللہ تعالیٰ کے رسول نے ایمان اور اتباع قرآن کی دعوت دی تھی (کہا گیا کہ) حلال و حرام کے تعلق سے (بیروی کرو) اس قرآن اور اس کے حلال و حرام کی (جس کو اللہ) تعالیٰ (نے) تمہاری ہدایت کیلئے (اتارا ہے تو) نبی اسد عبدالدار والے چپ نہ رہ سکے اور (بولے) کہ ہم قرآن کی طرف پھرنے والے اور اسکی بیروی کرنے والے نہیں، (بلکہ ہم تو) اپنے اندر رائج ان مراسم اور (اس) عمل (کی بیروی کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا)۔

یہ بات اگر اس صورت میں کہتے کہ ان کے باپ دادا رشد و ہدایات والے اور علم و آگہی والے ہوتے تو سمجھداری کی بات ہوتی، جس طرح کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے قید خانے میں فرمایا تھا وَاللَّهِ لَمَلَأْتِي فِيهَا آيَاتِي فِي مِثْرَتِي وَأَنَا آتِي فِيهَا وَمِنَ الْبُحْرَانِ۔ حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام جیسے جن کے آباؤ اجداد ہوں، ان کیلئے تو آباؤ اجداد کی بیروی ہی میں دارین کی اصلاح و فلاح ہے۔ اس کے برخلاف یہ مشرکین۔۔۔ یا۔۔۔ یہودی اپنے جن آباؤ اجداد کی بیروی کی بات کر رہے ہیں، ان کو تو عقل و دانش اور رشد و ہدایت سے کوئی تعلق ہی نہیں، پھر ان کی بیروی کیا معنی رکھتی ہے؟

اب کوئی ان بے عقلوں سے پوچھے کہ (کیا گو) اگرچہ (انگے باپ دادا نہ کچھ عقل ہی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت) جب بھی یہ انہیں کے پیچھے چلیں گے؟ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ علم و آگاہی اور رشد و ہدایت والوں کی اتباع کو چھوڑ کر گمراہوں اور جاہلوں کی بیروی کی جائے؟

وَمَعَلِ الدِّينِ كَفَرُوا وَالَّذِي يَنْبَغِي بِهِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءَ

کافروں کی مخالفت اس کی جیسی ہے جو آواز دے اس کو جو کچھ سنتا نہیں سوا حج

وَنَادَاكُمْ بِكُمْ عَمِي فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۹﴾

• اور پکار کے، بہرے گو نگے اندھے، انہیں تو عقل ہی نہیں

ان (کافروں) داعیانِ کفر اور ان کو نصیحت کرنے والوں (کی مثال اسکی جیسی ہے جو) پکارے اور (آواز دے اس) جانور جیسے حیوان صفت (کو، جو کچھ سنتا ہی نہیں سوا چیخ اور پکار کے)۔ دعا تو کبھی سنی جاسکتی ہے، کبھی نہیں، لیکن نداء یعنی چیخ تو ہر ایک کے کانوں تک پہنچتی ہے، مگر چیخ کو سن کر بھی کچھ سمجھتا نہیں کہ اس سے کیا کہا جا رہا ہے۔ اسکو نصیحت کی جا رہی ہے یا نصیحت۔ اسے کسی چیز کی خوشخبری دی جا رہی ہے یا ڈرایا جا رہا ہے۔

یہی حال ان داعیانِ کفر کا ہے جو داعیانِ حق کی آواز کو تو سنتے ہیں مگر انکے ارشادات کی حقیقت تک ان کے ذہن کی رسائی نہیں ہو پاتی۔ بظاہر ایسا لگتا ہے گویا وہ کچھ سنتے ہی نہیں۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو بیشک یہ (بہرے) ہیں حق سننے سے، جبھی تو کلامِ حق نہیں سن پاتے اور (گو نگے) ہیں حق بولنے سے، جبھی حق و درست بات کہہ نہیں پاتے اور (اندھے) ہیں حق دیکھنے سے، جبھی تو راہِ راست انہیں نظر نہیں آتی اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (انہیں تو عقل ہی نہیں) جو پیغمبر اسلام کی بات سمجھ سکیں اور آپ کی ہدایت کو قبول کر سکیں۔

اگر کوئی اصل عقل رکھتے ہوئے نظر و استدلال سے اپنے کو دور رکھتا ہے اور اپنے کو اندھوں اور بہروں کی طرح بنا لیتا ہے کہ نہ دلائل دیکھے نہ سنے، تو وہ کیسے حق پر استدلال کر سکتا ہے۔ اسکی عقل اس کے کس کام کی۔ ایسوں کیلئے یہ کہنا صحیح ہے کہ اسے عقل ہی نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَلِمَاتٍ مَا رَأَيْتُمْ

اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تم کو روزی فرمادی

وَأَشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۲۰﴾

• اور شکر گزار رہو اللہ کے، اگر تم اسی کو پوجتے ہو

---الحاصل--- (اے ایمان والو!) مشرکین نے اپنے طور پر جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ تمہارے لئے حلال ہیں پاکیزہ ہیں، تو بے روک ٹوک (کھاؤ) ان (پاکیزہ) حلال و طیب (چیزوں

سے جو ہم نے تم کو روزی فرمادی اور) اس فضل و کرم اور ان نعمتوں پر (شکر گزار رہو) اپنے حلال رزق عطا فرمانے والے (اللہ تعالیٰ) کے اگر تم) سچے دل سے کمال اخلاص کے ساتھ (اسی کو پوجتے ہو)، اسکی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے اور اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ وہی ساری نعمتوں کا والی و مولیٰ ہے، جس نے تم پر خاص فضل فرمایا اور رزق حرام سے بچا کر رزق حلال عطا فرمایا۔

حلال و طیب چیزوں کے کھانے کی ہدایت فرمادینے اور اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں شرک کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ نے جن جانوروں کے کھانے کو حلال فرمادیا ہے، ان کو حرام قرار دینے والے کافروں کا حال بیان کر دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور معبود مان لینے والو، اسلام کو اپنا دین تسلیم کر لینے والو اور محمد عربی ﷺ کو دل کی تصدیق کے ساتھ اپنا رسول کہنے والو تم کسی بھی قلبی تردد کے بغیر اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ حلال و طیب جانوروں کا گوشت نوش کرو اور رب کریم کی اس عطا پر اسکے شکر گزار رہو اور مشرکین نے جس طرح ان کو حرام سمجھ لیا ہے، تم اسے حرام قرار نہ دو۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ

اور بس یہی حرام فرمادیا ہے تم پر مردار اور خون اور سور کے گوشت کو اور اس جانور کو، جو ذبح کیا گیا غیر خدا کا نام لیتے ہوئے،

فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۷۰﴾

تو جو بے قرار ہو گیا نہ خواہشمند نہ اور نہ سے بڑھنے والا ہے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔

(اور) جان لو کہ کھانے والی چیزوں میں (بس یہی) اسکے سوا نہیں (حرام فرمادیا ہے تم پر) ماکول اللحم جانوروں میں ذبح کے لائق، مگر بغیر ذبح کے اپنی طبعی موت مر جانے والے (مردار) کے گوشت (کو)۔ مچھلی اور نڈی میں چونکہ رگوں کے اندر بہنے والا خون ہوتا ہی نہیں، جس کو نکالنے کیلئے عمل ذبح انجام دیا جائے، لہذا یہ دونوں جانور ذبح کا مکمل ہی نہ رہے، اسی لئے عرف میں انہیں مردار کہا بھی نہیں جاتا۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان دونوں کو مہیہ کے حکم حرمت سے مستثنیٰ فرمادیا ہے۔

(اور) مردار کے سوا اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیا ہے ہوتے (خون کو)، جگر اور تلی چونکہ جتے

ہوئے خون ہیں اور ان کو عرف میں خون کہا بھی نہیں جاتا ہے اسلئے یہ دونوں حلال ہیں (اور) ان کے سوا (سور کے گوشت کو) جو اصل ہے، باقی اس نجس العین کے سارے اجزاء حرمت میں اس کے تابع ہیں۔ گوشت کا ذکر صرف اسلئے ہے کہ وہی کھانے میں مقصود اصلی کی حیثیت رکھتا ہے (اور) اسکے سوا حرام فرما دیا (اس جانور) کے گوشت (کو جو ذبح کیا گیا) بتوں، دیوی دیوتاؤں کے۔۔۔ الغرض۔۔۔ ذبح کے وقت ذبح کرتے ہوئے کسی بھی (غیر خدا کا نام لیتے ہوئے)۔

ہاں اگر کوئی شخص مجبور ہو جائے اور اسکی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو ان حرام چیزوں سے وہ بقدر ضرورت استعمال کر سکتا ہے۔ (تو جو بے قرار ہو گیا) اور صورت حال ایسی ہے کہ وہ (نہ خواہشمند ہے) کہ لذت و شہوت کی تسکین کیلئے ایسا کر رہا ہو (اور نہ ہی) (حد سے بڑھنے والا ہے) کہ مقدار حاجت سے زیادہ استعمال کر لے۔ اسلئے کہ جو چیز ضرورتاً مباح ہوتی ہے، وہ ضرورت کی حد تک ہی مباح رہتی ہے۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ اگر جان بچانے کیلئے لقمہء حرام استعمال کرنا پڑے تو اتنا ہی کیا جائے جس سے جان بچ جائے۔ لہذا اس سے بھوک مٹانا اور پیٹ بھرنا حرام ہی رہے گا۔ ارشاد رسول کریم میں لائق ذبح جانوروں کے بدن کے اس نکلے کو بھی مردار قرار دیا گیا ہے جسے حالت حیات ہی میں اس کے بدن سے کاٹ لیا گیا ہو، اسلئے کہ ذبح شرعی سے پہلے اسے الگ کر لیا گیا ہے اور لائق ذبح ماکول اللحم جانوروں کے گوشت کو ذبح شرعی کے بعد ہی طیب و پاکیزہ قرار دیا جائے گا۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ مذکورہ بالا احرام کردہ جانوروں کے گوشت کو اگر کوئی حالت اضطرار میں بقدر ضرورت کھائے (تو اس پر) اس کھانے کی وجہ سے (کوئی گناہ نہیں) جو رب کریم بڑے گناہ اپنے فضل کرم سے معاف کر دیتا ہے، تو صورت اضطرار میں بقدر ضرورت مردار کا گوشت کھانے پر کیونکر مواخذہ فرمائے گا۔ (بے شک اللہ تعالیٰ وقت ضرورت ان محرمات سے بقدر حاجت کھالینے کو اپنے کرم سے (بخشنے والا) اور اپنے بندوں پر (رحمت والا ہے) جس نے اپنے بندوں کو محرمات کو نوش کرنے کی یہ رخصت عطا فرمائی ہے، اس رخصت سے فائدہ اٹھانے والوں پر مواخذہ تو الگ رہا کبھی بعض حالات میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس رخصت سے فائدہ نہ اٹھانے والا گناہگار قرار دیا جائے۔

رب کریم اپنے جس عظیم رسول کے ذریعے یہ ہدایت فرما رہا ہے اس رسول کی

عظمتوں، ان کے حامد و محاسن کو آسمانی صحیفوں میں واضح فرمایا ہے تاکہ لوگ آپ کے قریب ہوں، آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی برخلوص پیروی کریں۔۔۔ مگر۔۔۔ یہودی لیڈران اور ان کے علماء، توریت میں مذکور آپ ﷺ کی صفات عالیہ کا ذکر نہیں کرتے اور انہیں پوشیدہ رکھتے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ ان کو بدل کر ان کی جگہ کوئی دوسری بات پیش کر دیتے ہیں اور جن باتوں کو ظاہر کر دینا ان پر لازم تھا اور پوشیدہ رکھنا جرم تھا ان باتوں کو ظاہر نہیں کرتے۔۔۔ اور ظاہر ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے ان کو کھانا اور پاک و صاف چیزوں کو نہ کھانا، جس طرح گمراہی اور گناہ ہے، اسی طرح تورات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے جو اوصاف بیان کئے ہیں انکو چھپانا، اور ان کے عوض دنیا کا قلیل مال حاصل کرنا گمراہی اور گناہ ہے۔ دنیا کی متاع تو ویسے بھی قلیل ہی ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی مدت بھی قلیل ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتُرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا

بیکج جو لوگ چھپائیں جس کو اتارا اللہ نے کتاب سے اور اس سے حاصل کریں تمھوڑی قیمت،

أُولَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ

وہ لوگ نہیں کھاتے اپنے پیٹ میں گمراہی، اور نہ کلام فرمائے گا ان سے

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۰﴾

اللہ قیامت کے دن اور نہ ان کو پاک فرمائے گا اور انکے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے •

تو (بے شک جو لوگ) علماء یہود سے ہیں (چھپائیں) خواہ پوشیدہ رکھ کر اور خواہ اسکو دوسرے بیان سے بدل کر (جس کو اتارا اللہ تعالیٰ نے) اپنی نازل فرمودہ (کتاب) تورات میں احکام الہی اور اوصاف محمدی (سے، اور) اپنے (اس) کتمان حق کی وجہ (سے) اپنی جاہل عوام اور نادان پیروکاروں سے (حاصل کریں) وصول کریں بالکل حقیر فنا ہو جانے والی، باقی نہ رہنے والی (تمھوڑی قیمت)۔

ایسوں کو یہ خوف لگا رہتا ہے کہ اگر ہم نے حق باتیں یعنی احکام الہی اور اوصاف محمدی جو ہماری آسمانی کتاب میں ہیں، ان سب کو من و عن ظاہر کرنا شروع کر دیا تو ہم ان سے

بیوقوف بنا کر جو مال حاصل کر لیتے ہیں، اسے حاصل نہ کر سکیں گے۔
حقیقت یہ ہے کہ (وہ لوگ نہیں کھاتے) اور نہیں ڈالتے (اپنے پیٹ میں مگر آگ) ان
رشوت کے لقموں کی گرمی و سوزش سے ہمیشہ انکا وجود جلتا رہے گا۔ بالآخر یہ حرام لقمے انکو دوزخ
کی آگ تک پہنچا دیں گے (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (نہ کلام فرمائے گا ان سے اللہ) تعالیٰ
(قیامت کے دن)۔

ایسا کلام جو ان کیلئے باعث رحمت ہو، جس سے انھیں آسانی و راحت میسر ہو۔۔۔ یا یہ
کہ۔۔۔ رب قہار اپنے کمال غضب کے سبب ان سے بالکل یہ خطاب نہ فرمائے گا، بلکہ ملائکہ
کے ذریعہ سوال ارشاد فرمادیاگا۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ اللہ عزوجل نہ انھیں اپنے کلام رحمت سے نوازے گا (اور نہ) ہی گناہوں کی
میل پھیل سے (ان کو پاک فرمائے گا)، آتش جہنم بھی ان کی بد اعمالیوں کو جلا کر انھیں پاک نہ کر سکے
گی (اور ان کیلئے) ہمیشہ ہمیش کیلئے (دکھ دینے والا) جہنم کا (عذاب ہے)۔

۔۔۔ الختصر۔۔۔ انکا فنا ہو جانے والی خبیث چیزوں کا کھانا گویا جہنم کی آگ کو شکم میں ڈالنا
ہے اور حق کو چھپانا اور اپنے کلام سے اسے ظاہر نہ کرنا خود خدائے عزوجل کے کلام و خطاب
سے محروم ہونا ہے۔ ایسے ہی جھوٹے اور علمائے سوء کی جھوٹی شہادت کے ذریعہ نبی کریم کو
اذیت دینا اور آپ کو تکلیف پہنچانی، ان کو اس لائق نہیں رکھتا کہ ان کو پاک و صاف کیا جائے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الصَّلَاةَ بِالْهَدْمِ وَالْعَذَابَ بِالْغَفْرَةِ

وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید کر اپنی کو ہدایت کے بدلے، اور عذاب کو بخشش کے بدلے۔

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ

بڑے عجیب مبر کرنے والے ہیں آگ ہی پر

۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس طرح کے کردار والے جہنم کے دردناک عذاب کے بجائے مستحق ہیں۔
(وہ) نا سمجھ، کوتاہ فکر اور عقل سے کورے (لوگ ہیں جنہوں نے) دنیا میں دنیوی اغراض اور حقیر مال و متاع
کیلئے حق کو چھپایا اور یہودیت پر جو محض گمراہی ہے قائم رہ کر (خریدا) اختیار کر رکھا ہے (مگر اسی کو)۔
اپنی ہی تسلیم شدہ کتاب الہی تو ریت میں موجود اوصاف محمدی اور احکام خداوندی کو دیدہ

و دانستہ ظاہر نہ کرنا اور انکو عوام سے پوشیدہ رکھنا، جھوٹی شہادت سے اپنے گمراہ کن موقف کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا، یہ سب گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟

--- الغرض --- ان علماء یہود نے گمراہی کو اپنالیا اور وہ بھی (ہدایت کے بدلے) یعنی ایمان و معرفت کے بدلے۔ چنانچہ خود بھی گمراہ رہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہے۔ یہ تو رہا دنیا کا معاملہ۔ اب رہا آخرت کا معاملہ، تو وہاں کیلئے بھی ان کا سودا خسارے ہی کا سودا رہا (اور) وہ نقصان ہی میں رہے، اسلئے کہ انھوں نے وہاں کیلئے اپنالیا، پسند کر لیا ہمیشہ کے (عذاب کو) اللہ تعالیٰ کی (بخشش کے بدلے) آمرزش ربانی پر عذاب جاودانی کو ترجیح دینا فکر و دانش کا فتور نہیں تو اور کیا ہے؟

بغیر کسی پرواہ کے، کھلم کھلا سینا زوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جہنم رسید کر دینے والے موجبات کا ارتکاب کرنا یقیناً مومنین کی نظر میں ایک عجیب سی حرکت ہے، لہذا جب مومنین ان کی حالت پر غور کرتے ہیں تو یہ (بڑے عجیب) نظر آتے ہیں جو (مہر کرنے والے ہیں) قناعت کر بیٹھے ہیں اپنے ان کرتوتوں پر جو جہنم رسید کر دینے والے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ جہنم کی (آگ) کے عذاب (ہی پر) قناعت کر چکے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اٰخْتَلَفُوْا

یہ یوں کہ اللہ نے اتاری کتاب حق کے ساتھ، اور ہر ایک جنہوں نے اختلاف پیدا کیا

فِي الْكِتٰبِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۰۰﴾

کتاب میں، ضرور وہ بڑے درجہ کے ضد میں ہیں •

(یہ) سب جو اوپر مذکور ہوا یعنی آگ کھانا، رب تعالیٰ کا کلام نہ فرمانا، ان کو پاک و صاف نہ کرنا اور حق کو چھپانے کی وجہ سے ان کو دردناک عذاب دینا (یوں) ہی دنیا و آخرت کا خسارہ ان کو ملنے ہی والا ہے۔ اسلئے (کہ اللہ) تعالیٰ (نے اتاری کتاب) تو ریت (حق کے ساتھ) جس میں از اول تا آخر سب حق ہی تھا، مگر انھوں نے اس کے احکام کو اور اس میں ذکر کردہ اوصاف محمدی کو چھپانے کی کوشش کی اور چھپاتے رہے۔

ایسی کتاب، حق جسکے ساتھ وابستہ ہو ایسا کہ اس میں باطل کا شائبہ بھی نہ ہو، اسکی تکذیب

کرنی اور اسکے احکام کو پوشیدہ رکھنا اور پھر جب قرآن کریم نازل فرمایا گیا تو اسکی بھی پیروی نہ کرنی، بلکہ زور و شور سے اسکی مخالفت پر اتر آنا اور اختلاف کی مختلف صورتیں اپنانا۔۔۔ مثلاً: اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں میں بعض پر ایمان لانا اور بعض کا منکر ہو جانا۔۔۔ یا۔۔۔ تورات میں جو حق باتیں ہیں ان کو نہ ماننا اور جس راہ حق پر چلنے کی اس میں ہدایت ہے اس پر نہ چلنا بلکہ اسکی جگہ خود انھوں نے جو تحریف کی ہے۔ اسی مخرف کو اصل کا بدل قرار دے دینا۔۔۔ یا۔۔۔ قرآن کریم کے تعلق سے مختلف خیالات پیش کرنا، کوئی اسکو جادو کہتا ہے، کوئی اسے شعر قرار دیتا ہے اور کوئی اسے صرف اساطیر الاولین کا نام دیتا ہے۔

تو اس مقام پر اچھی طرح جان لو (اور) سمجھ لو کہ (بے شک جنھوں نے) وہ خود یہود ہوں، خواہ مشرکین ہوں، جان بوجھ کر اپنی طرف سے خواہ مخواہ (اختلاف پیدا کیا) خدا کی نازل فرمودہ کسکی بھی (کتاب میں، تو وہ ضرور پرلے درجہ کی ضد میں ہیں)۔ ایسی ضد جو حق و ہدایت سے بہت دور کر دینے والی ہے۔

جب اس ارشاد کو ان ضدی مخالفین نے سنا تو کہنے لگے کہ، ہماری ذات میں ضلالت و شقاوت نہیں ہے، ہم بھی خدا پر ایمان لانے والے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور یہ سب بھی تو نیکیاں ہیں۔ اس پر حق سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بیت المقدس کی جہت مشرق کو اپنا قبلہ بنالینے والے نصرانیوں اور اس کی جہت مغرب کو اپنا قبلہ قرار دینے والے یہودیوں! تم نے اپنے اپنے قبوں کی طرف رخ پھیر لینے ہی کو نیکی سمجھ رکھا ہے اور اسکے سوا دوسرے دینی اور ایمانی فرائض و واجبات کو پس پشت ڈال کر صرف قبلہ کی طرف چہرہ کر لینے کو اصل نیکی سمجھ رکھا ہے اور اتنا ہی کر لینے سے اپنے کو کوکو کا تصور کرنے لگے ہو۔

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وُجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ

نہیں ہے نیکی یہی کہ منہ کر لو پورب پیچھم کی طرف، لیکن نیکی اس کی ہے

أَمَّنْ يَأْتِي اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَالْمَلَائِكَةَ وَالْكِتَابَ وَالنَّبِيَّاتِ وَأَتَى الْمَالَ عَلَى

جو مان گیا اللہ اور پچھلے دن اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں کو، اور مال دیا

حُبِّ دَوَى الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ

اللہ کی محبت میں قرابت داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافر کو، اور سگتا لوگوں کو

وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُ بِمَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۗ

اور گردن آزاد کرانے میں، اور قائم رکھا نماز کو، اور دیا زکوٰۃ کو، اور پورا کرنے والے اپنے عہد کو جب معاہدہ کر چکے،

وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۗ

اور صبر کرنے والے سختی اور سختی میں اور جہاد کے وقت، یہی لوگ ہیں جو سچے نکلے۔

وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۰۰﴾

اور یہی لوگ پرہیزگاری کرنے والے ہیں •

تو غور سے سن لو کہ (نہیں ہے) اصل (نیکی) صرف (یہی کہ) اپنی عبادت میں (منہ کر لو پورب) کی طرف جیسا کہ نصاریٰ کرتے ہیں۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ (پچھم کی طرف) جو یہودیوں کی روش ہے اور اس صورت میں جبکہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہو چکا ہے، تو اب اس کی طرف اپنی خواہش نفسانی سے رخ کرنے کو کسی معنی میں بھی نیکی نہیں قرار دیا جاسکتا (لیکن) اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ (نیکی اس) نکوکار (کی ہے جو) دل کی سچائی کے ساتھ (مان گیا اللہ) تعالیٰ کو کہ وہ ایک ہے، بے عیب ہے۔ اپنی تمام صفات میں قدیم ہے۔ اسکی ذات اور صفات میں کوئی اسکا شریک نہیں۔ اسکے سوانہ کوئی واجب ہے نہ قدیم۔ اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہود نصاریٰ کی طرح حضرت عزیر و حضرت عیسیٰ کو الوہیت میں، شریک نہ کرے۔ اسکے فرستادہ سارے انبیاء و رسول برحق ہیں۔ ان میں حضرت سیدنا محمد ﷺ اس کے آخری نبی ہیں اور آپ ہی کی شریعت آخری شریعت ہے۔

(اور) مان گیا (پچھلے دن کو) یعنی قیامت کے دن کو، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو، عذاب قبر اور قیامت کے بعد جزا و سزا، حساب و کتاب کو، صراط و میزان اور انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کو (اور) مان گیا (فرشتوں) کو، یعنی انکے معصوم ہونے کو۔۔۔۔۔ نیز۔۔۔۔۔ رسل ملائکہ کی رسالت اور کرمانا کاتبین کے اعمال کو لکھنے کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ان کے عمل کرنے کی تصدیق کرے اور تذکیر و تانیث سے فرشتوں کو بری مانے اور یہودیوں کی طرح حضرت جبرائیل کو اپنا دشمن نہ قرار دے۔

(اور) مان گیا اللہ تعالیٰ کی (کتاب) قرآن کریم کو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، جسے حضرت جبرائیل نے قلب مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا۔ یہ آخری کتاب ہے جس میں کسی طرح کی کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی اس کی ایک سورت کی مثال لاسکتا ہے۔ یونہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے

نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان لائے۔ علماء یہود کی طرح نہیں جو بعض پر ایمان لائے (اور) مان گیا (پیغمبروں کو) کہ تمام انبیاء و مرسلین برحق ہیں تمام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ یہودیوں کی طرح ان میں بعض پر ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے۔

چونکہ ایمان کامل میں اعمال بھی داخل ہیں تو اس لئے ایمان کے بعد اعمال کا ذکر شروع فرمایا (اور) ارشاد فرمایا کہ ٹکواروہ ہے جس نے مذکورہ بالا ایمانی اور اعتقادی ضروریات کو اپناتے ہوئے (مال دیا) صدقہء نافلہ کے ذریعہ خیر و خیرات کیا (اللہ) تعالیٰ (کی محبت میں)، گو اس مال سے بھی محبت ہے اور اسکی ضرورت بھی ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ اسے جو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے وہ دوسری محبتوں پر غالب ہے۔

ویسے بھی جس چیز سے محبت ہو اور اسکی ضرورت بھی ہو، اسکو راہِ خدا میں دے دینا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔۔۔ الفرض۔۔۔ ایک غریب نادار کا انفاق فی سبیل اللہ، ایک مالدار تو مگر کے راہِ خدا میں خرچ کرنے سے افضل ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی کا ثمرہ ہے کہ اس نے خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جس مال و دولت سے اسے محبت تھی اسکو اس نے دے دیا (قرابت داروں) عزیزوں، رشتہ داروں (کو) خواہ وہ رشتے دار اس کے موافق ہوں یا مخالف۔۔۔ بالفرض۔۔۔ اگر وہ مخالف ہوں، پہلو تہی کرنے والے ہوں تو ایسوں کو صدقہ دینا اور بھی افضل ہے (اور یتیموں کو)، ان نابالغ بچوں کو جن کے سر سے ان کے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے، (اور مسکینوں کو) ایسے محتاجوں کو جن کے پاس گزارے کیلئے کچھ نہیں ہو اور وہ سوال بھی نہ کرتے ہوں، بظاہر ایسے پرسکون نظر آتے ہوں کہ انکی مسکینی کا پتہ بھی نہیں چلتا (اور مسافر کو) جو حالتِ سفر میں ضرور تنہد، اور اس کے پاس ضرورت پوری کرنے کی کوئی چیز بھی نہ ہو، (اور مستکنا لوگوں کو) خوراک چاہنے والوں اور ضرورتاً سوال کرنے والوں کو۔۔۔ مثلاً: وہ شخص جو مقروض ہو اور صرف اتنی مقدار کا سوال کرے کہ اسکا قرض ادا ہو جائے یا جسکے مال کو کوئی ناگہانی آفت آ پہنچی ہو جس سے اسکا مال تباہ ہو گیا اور صرف اتنی مقدار کا سوال کرے جس سے اسکا گزارہ ہو سکے۔۔۔ یا۔۔۔ ایسا شخص جو فاقہ زدہ ہو اور وہ صرف اپنا فاقہ کو دور کرنے کیلئے سوال کرے۔ ایسے ہی وہ لوگ جنہیں ناگہانی طور پر کوئی ضرورت پیش آگئی ہو اور وہ لوگ بذاتِ خود اس ضرورت کو پوری کرنے کی سکت نہ رکھتے ہوں۔

(اور) مذکورہ بالا لوگوں کو مالی مدد دینے کے ساتھ ساتھ غلامی میں جکڑی ہوئی (گردن آزاد کرانے میں) خرچ کیا، خواہ غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے یا جو غلام مکاتب ہو اسے بدل کتابت دیکر آزاد کرادیا (اور قائم رکھا)، مکاتبتہ ادا کرتا رہا فرض (نماز کو) اسکی ادائیگی میں کسی طرح کی کابلی سستی اور کوتاہی نہیں برتی اور صاحب نصاب ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا صدقات واجبہ کے مصارف میں خرچ کیا (اور دیا) سال بسال، اپنے اوپر فرض ہو جانے والی (زکوٰۃ کو)۔

اولاً: مصارف زکوٰۃ کا ذکر فرما کر صراحتاً زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا اس سے مقصود صاحبان نصاب کو فریضہ ادائیگی زکوٰۃ پر براہیختہ کرنا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس خاص مقام پر زکوٰۃ سے فرض زکوٰۃ مراد ہے اور اس سے پہلے جو ذکر ہے وہ صدقات نافلہ کا ذکر ہے۔

مذکورہ بالا ان خوبیوں کے سوا ان نکو کاروں کی یہ شان بھی ہے (اور) وہ یہ خوبی بھی رکھتے ہیں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے --- یا --- کسی مخلوق سے کوئی عہد کرتے ہیں تو ضرور بالضرور (پورا کرنے والے) ہیں (اپنے عہد کو جب معاہدہ کر چکے) ایفاء عہد میں وقت معاہدہ کا پورا خیال رکھتے ہیں اور معاہدہ کرنے میں بھی اس بات کا لازمی طور پر لحاظ رکھتے ہیں کہ وہ کسی مخلوق سے ایسا عہد نہیں کرتے جو کسی شرعاً حرام کو حلال یا شرعاً حلال کو حرام کر دے۔ اس طرح کے معاہدے نہ کرنے کےائق ہیں اور نہ ہی ایسے غیر شرعی معاہدوں پر عمل درآمد واجب ہے۔ بلکہ اس طرح کے معاہدوں کو پورا کرنا حرام ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اوپر جن کا ذکر ہو رہا ہے، وہ ایفاء عہد میں پکے ہیں (اور) یہ پیکران سعادت اور حاملان خیر و برکت (صبر کرنے والے) ہیں فقر و محتاجی، شدت و (تعلقی اور) بیماریوں اور ناگہانی آفتوں اور رنج و غم کی (مختی میں) (اور) صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ صرف انہی باتوں پر صبر کرنے والے ہیں بلکہ اعلاء کلمۃ الحق کیلئے (جہاد) اور اعداء دین سے قتال (کے وقت) ایسے نازک وقت میں یہ پوری طور پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ندان کے حوصلے پست ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ پیچھے ہنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان عزیز کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔۔۔ الخ۔۔۔ انکا صبر بتدریج شدید سے شدید تر کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔

اس کلامِ ہدایت نظام میں اس ترتیب کی طرف واضح اشارہ ہے، اسلئے کہ مرض پر صبر کرنا فقر پر صبر کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ اور قتال پر صبر کرنا مرض پر صبر کرنے سے زیادہ شدید ہے۔۔۔ اس مقام پر جس فقر و مرض کا مقام مدح میں ذکر ہے وہ وہی ہے جو عارضی اور

وقت نہ ہو، اسلئے کہ یہ تو اکثر لوگوں کو پیش آنے والی چیز ہے۔۔۔ بلکہ۔۔۔ وہ صابریں قابل تعریف ہیں جنکا فقر و مرض دائمی ہو۔۔۔ یا۔۔۔ کم از کم طویل مدت کو گھیرے ہوئے ہو۔ ایسا لگے کہ فقر و مرض انکا ظرف اور انکے رہنے کی مستقل جگہ ہو گئی ہے، اسکے باوجود وہ نہ تو ناشکری کا کوئی کلمہ زبان پر لاتے ہیں اور نہ ہی کسی طرح کی بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا اوصاف و کمالات سے آراستہ ہونے والے (یہی لوگ ہیں جو) اپنے ایمان اور نیکیوں کی طلب میں (سچے نکلے اور یہی لوگ) ہر ناشائستہ امور سے (پرہیز گاری کرنے والے ہیں)۔ کمالات انسانی کی شاخیں تو بہت ہیں مگر وہ سب کی سب صرف تین چیزوں پر منحصر ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔ صحت اعتقاد۔

﴿۲﴾۔۔۔ حسن معاشرت۔

﴿۳﴾۔۔۔ تہذیب نفس۔

حق سبحانہ و تعالیٰ اور سارے ضروریات دین و ایمان کی تصدیق کا تعلق صحت اعتقاد سے ہے اور تمام ارباب استحقاق کے حقوق کو مکماحقہ ادا کر دینا 'حسن معاشرت' ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ اقامت صلوة، ایتاء زکوٰۃ، ایفاء عہد اور صبر تہذیب نفس سے ہے۔ ان ساری خوبیوں کا مجموع اس آیت کریمہ میں موجود ہے تو یہ آیت کریمہ جامع کمالات انسانی ہو گئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد: من عمل بہذہ الآیۃ فقد استکمل ایمانہ جس نے اس آیت کریمہ پر عمل کر لیا، اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا، اسی حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقَصَاصُ فِي الْقَتْلِ وَالْحَرْبِ وَالْعَبْدِ

اے مسلمانو! فرض کر دیا گیا تم پر خون کا بدلہ لینا ناحق قتل کئے گئے لوگوں کے بارے میں۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام

پالے عبداً وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ فَمَنْ عَفِيَ لَهُ مِنْ أُخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبِعْهُ

کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ ہاں جس کیلئے اسکے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی گئی تو دیت کا تقاضہ کرتا ہے

بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءُ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ كَخَفِيفٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ

عمدگی کے ساتھ اور اس کا ادا کر دینا ہے خوشی کے ساتھ۔ یہ تخفیف سزا تمہارے رب کی طرف سے ہے، اور رحمت،

فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَكَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۰۷﴾

• ہے جو بعد سے بڑھا اسکے بعد تو اسکے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے

(اے مسلمانو!) اب تک تمہیں عبادات و معاملات سے متعلق احکامات کا علم دیا گیا، اب بعض فوجداری کے معاملات سے متعلق احکامات بھی جان لو۔ وہ یہ کہ (فرض کر دیا گیا تم پر خون کا بدلہ لینا) اب خواہ اس فرض کو تمہارے حد شرعی نافذ کر سکنے والے حکام حد شرعی نافذ کر کے پورا کریں، خواہ تم خود اپنے اوپر حد شرعی لاگو کرنے کیلئے اپنے کو حکام کے آگے پیش کر دو۔ حد نافذ کرنے کا اختیار صرف حاکم ہی کو ہے۔ کسی شخص کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ از خود قصاص لے۔ قصاص لینے کیلئے ضروری ہے کہ حاکم کے پاس شکایت لیکر حاضر ہو، پھر حاکم خود قصاص لے گا یا کسی شخص کو قصاص لینے کیلئے مقرر کر دیگا۔ قانون پر عمل کرنے کا منصب صرف حکومت کا ہے۔ ہر شخص کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ صرف انہی کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے جو (ناحق) کسی شرعی تقاضے کے بغیر ظلماً اور عمداً (قتل کئے گئے) ہیں تو ایسے (لوگوں کے ہارے میں) یہ حکم ہے کہ قتل کر دیا جائے (آزاد کے بدلے آزاد) کو (اور غلام کے بدلے غلام) کو (اور عورت کے بدلے عورت) کو۔۔۔ الغرض۔۔۔ بدلہ لینے میں عدل و مساوات کا لحاظ ضروری ہے اسلئے ایک مرد کے عوض دو مرد، ایک عورت کے عوض دو عورتیں یا ایک مرد اور ایک غلام کے عوض دو غلام یا ایک آزاد کو نہیں قتل کیا جائے گا، جیسا کہ ایام جاہلیت والوں کا دستور تھا۔ ان کے معزز قبیلے والے پسماندہ قبیلے والوں سے ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں اگر قاتل ایک ہے، تو صرف اس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر بہت سے لوگوں نے مل کر قتل کیا ہے تو ان سب سے قصاص لیا جائیگا۔۔۔ ہاں۔۔۔ ارشاد رسول کریم کی روشنی میں اگر قاتل باپ ہے، تو اس سے اس کے بیٹے کے خون کا بدلہ نہیں لیا جائیگا، یوں ہی اگر قاتل مقتول کا شرعی مالک ہے تو اس سے بھی اپنے مملوک کا قصاص نہیں لیا جائیگا۔ ان دو کے سوا کبھی سے بدلہ لیا جائیگا (ہاں جس) قاتل (کیلئے اس کے) اسلامی (بھائی) مقتول (کی طرف سے کچھ معافی دے دی گئی) اور اسلامی اخوت کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے نرمی اور مہربانی کی روش اختیار کی گئی ہے۔ اب خواہ مکمل معافی ہو۔۔۔ ہاں طور۔۔۔ کہ تمام درحالا مقتول کے حق کا مطالبہ نہ کریں، خواہ معافی نامکمل ہو کہ بعض

ورثاً معاف کریں اور بعض کا مطالبہ ابھی قائم ہو، ان ہر دو صورتوں میں قاتل سے قصاص ساقط ہو جائیگا۔۔۔ الغرض۔۔۔ ایسی عفو و کرم کی صورت پیش آئے (تو) مقتول کے وارث کو (دیت) خون بہا (کا تقاضہ کرنا ہے) مگر (عمدگی) اور خوش اسلوبی (کے ساتھ اور) اسی طرح قاتل پر (اس کا) اس میں کسی طرح کی کمی بیشی کے بغیر جلد از جلد (ادا کر دینا ہے) کمال کشادہ خاطر، اور (خوشی کے ساتھ) اور جان لو کہ (یہ) دیت کو قصاص کا بدل اور قائم مقام قرار دینا (تحقیف) اور ہلکا کرنا ہے، سخت اور کڑی (سزا) کو جو (تمہارے) بے پایاں کرم فرمانے والے (رب) کریم (کی طرف سے ہے اور) سراسر (رحمت ہے)۔

تو ریت میں قتل کے بدلے قتل کرنا ہی لازم تھا اور انجیل میں بغیر عوض لئے معاف کر دینا ہی ضروری تھا۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کیلئے قصاص اور دیت یعنی بطریق صلح مال لیکر معاف کر دینا۔۔۔ الغرض۔۔۔ دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کی گنجائش عطا فرمانا کرم نہیں تو اور کیا ہے۔ معاف کرنے میں قاتل کی رعایت ہے اور دیت وصول کرنے میں مقتول کا لحاظ ہے۔ اس مقام پر قاتل کو قتل جیسے گناہ کبیرہ کے باوجود مومن قرار دیا، ایمانی اخوت کو باقی رکھا اور اس کو تحقیف و رحمت کا مستحق بتایا۔ یہ سب رحمت نہیں تو اور کیا ہے؟

(تو) اب جو کوئی معاف کر دینے اور دیت لے لینے کے بعد اس قاتل کو یا اس کے غیر کو قصاص کے نام پر قتل کر دے یا قاتل ہی اس ظلم و ستم پر اتر آئے کہ ایک کو دیت دے کر دوسرے کو قتل کر دے۔۔۔ الغرض۔۔۔ شرعی حدود کو تجاوز کرتے ہوئے (جو حد سے بڑھا اس) مذکورہ بالا ہدایت (کے بعد تو اس کیلئے) آخرت میں (دکھ دینے والا عذاب ہے)۔۔۔ یا یہ کہ۔۔۔ دنیا ہی میں اسے لازمی طور پر قتل کر دیا جائیگا اور اب اس سے دیت بھی نہیں قبول کی جائیگی۔۔۔ الغرض۔۔۔ دیت لیکر قتل کرنے والے کو ہرگز معاف نہیں کیا جائیگا۔

اے ایمان والو! تم قانون قصاص کو ظالمانہ اور بہیمانہ قانون نہ سمجھ لینا۔ ذرا غور تو کرو اگر ایک قاتل کو چھوٹ دے دی گئی اور اس کو اسکی قرار واقعی سزا نہیں دی گئی تو پھر اس سے دوسرے مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوگی، اور وہ بے خوف و خطر ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دینے سے باز نہ آئینگے۔۔۔ ہاں۔۔۔ اگر قاتل کو اسکے جرم کے بدلے قتل کر دیا گیا تو دوسرے مجرم اپنا بھیانک انجام دیکھ کر باز آ جائینگے اور اس طرح ایک قاتل کے قتل سے بے شمار جانیں قتل و غارت سے بچ جائیگی۔

• جس ملک کے قانون کی آنکھیں ظالم قاتل کے گلے میں پھانسی کا پھندا دیکھ کر پرخم ہو جائیں، وہاں مظلوم و بے کس کا خدا ہی حافظ۔ وہ اپنی آغوش میں ایسے مجرموں کو ناز و نعم سے پال رہا ہے جو اسکے چمنستان کے شکفتہ پھولوں کو مٹل کر رکھ دیں گے۔ وہ دین جو دین فطرت ہے، جو ہر قیمت پر عدل و انصاف کا ترازو برابر رکھنے کا مدعی ہے، اس سے ایسی بے جا بلکہ نازیبا ناز برداری کی توقع عبث ہے۔۔۔ الفرض۔۔۔ اے ایمان والو! تم قانونِ قصاص کو عدل و انصاف ہی کا قانون باور کرو۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاۤ اُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

• اور تمہارے لئے خون کے بدلہ لینے میں زندگانی ہے اے عقل والو! کہ اب سے تم ڈرو۔

(اور) اچھی طرح سمجھ لو کہ (تمہارے لئے خون کا بدلہ لینے میں) دنیا میں امن و امان کی ضمانت اور بے شمار مظلوموں اور بے کسوں کی (زندگانی ہے)۔ قصاص کے خوف سے جب ظالم اپنے ظلم سے اپنے کو بعض رکھے گا تو قتلِ ناحق کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا۔ (اے عقل والو) طبع سلیم اور فہم مستقیم رکھنے والو قانونِ قصاص کی حکمت بالغہ یہی ہے (کہ) ایام جاہلیہ میں جو کچھ ہو چکا، وہ ہو چکا، مگر (اب سے تم ڈرو) اپنے رب سے اور ان تمام گناہوں سے پرہیز کرو جو تمہیں عذاب کی طرف لے جانے والے ہیں یا قصاص کے خوف سے قتلِ ناحق کرنے سے اپنے کو بچاتے رہو۔

اے ایمان والو! سابقہ بیان میں تم سے قتل و قصاص کے تعلق سے گفتگو کی گئی جسکے ضمن میں موت کا بھی ذکر آ گیا اور تمہاری یہ عادت ہے کہ عموماً موت ہی کے وقت وصیت کرتے ہو، تو اس کے متعلق بھی بعض احکام ذہن نشین کر لو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ

تم پر فرض کیا گیا جب کہ آجائے تم میں سے کسی کی موت اگر چھوڑے کچھ سرمایہ، کو وصیت کرنا، ماں باپ

وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلٰى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور قرابت مندوں کے لئے ایک رواج کے موافق۔ یعنی ہے پرہیزگاروں کے ہاں ہر

(تم پر فرض کیا گیا) اور ضروری قرار دیا گیا ہے (جبکہ آجائے تم میں سے کسی کی موت) یعنی

اسکے اسباب کا حضور اور اسکی علامتوں اور نشانیوں کا ظہور ہو جائے، لا علاج امراض و علل کی شکل میں جن کو عام طور پر مرض الموت گمان کیا جاتا ہے (اگر چھوڑے کچھ سرمایہ کو)۔۔۔ الغرض۔۔۔ اسکے پاس اتنا مال ہو کہ اسے سرمایہ دار کہا جاسکے تو اس پر فرض ہے (وصیت کرنا)۔ کن کیلئے وصیت کرنا؟ (ماں باپ اور قرابت مندوں کیلئے) ایام جاہلیت والوں کی طرح نہیں، جو ان کے سوا دوسروں کیلئے وصیت کر دیا کرتے تھے۔ اور اپنی اس ریا کاری اور دکھاوے کے عمل کو سخاوت قرار دیا کرتے تھے۔ تو اسے عقل والو، غور کرو کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کو نادر رکھا جائے اور دوسروں کیلئے وصیت کر کے ان کو مالدار کر دیا جائے۔ تو تم وہی کرو جو (نیک رواج کے موافق) اور عدل و انصاف کا تقاضہ ہو (یہ حق ہے)۔ لازم ہے ان (پرہیز گاروں کے بازو پر) جو تقویٰ کی طرف مائل اور اسکے حصول میں کوشاں ہیں۔

فَمَنْ بَدَلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَأَلَمْنَا اِنَّهُ عَلَى الْذٰلِمِۗنَ يَبۡدِۡ لُوۡنًاۙ

تو جس نے وصیت بدل دی بعد اس کے کہ اس کو سن لیا، تو اس کا گناہ ان پر ہے جو اس کو بدل ڈالیں۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌۙ

بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(تو) وصی اور شاہد میں سے (جس نے) بھی (وصیت بدل دی) خواہ وصیت سے بالکلہ انکار کر کے۔۔۔ یا۔۔۔ اس میں کچھ کمی کر کے۔۔۔ یا۔۔۔ اس کی صفت کو تبدیل کر کے۔۔۔ یا۔۔۔ ان کے سوا کوئی صورت اپنا کے (بعد اس کے کہ اس کو سن لیا) اور جان لیا، اچھی طرح اسکی تحقیق کر لی (تو) اس (تبدیل کرنے) کا گناہ ان پر ہے جو اس کو بدل ڈالیں)۔۔۔ الغرض۔۔۔ خود وصیت کرنے والے کے سر کوئی گناہ نہیں۔ وہ تو وصیت کر کے اپنا فرض ادا کر چکا (بے شک اللہ) تعالیٰ وصیت کرنے والوں اور اس کے بدل دینے والوں دونوں کے اقوال کا (سننے والا) اور دونوں کی نیتوں کا (جاننے والا ہے) تو وہ ان کی نیتوں کے مطابق انھیں جزایا سزا عطا فرمائے گا۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مَّوۡصٍ جَنَفًا وَّ اٰثِمًا فَاَصْلَحَ بَیۡنَهُمۡ

ہاں جو ڈر وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی بے انصافی یا گناہ کو، پھر ان میں صلح کرادی

فَلَا تَمْنَأَنَّ عَلَيْهِ إِنَّا اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے۔

(ہاں) وارث یا وصی یا امام یا قاضی میں سے (جو) کوئی بھی (ڈرا) اور اسے اندیشہ لگا
 --- نیز --- یعنی طور پر یا بطور گمان غالب اس نے سمجھ لیا (وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی بے
 انصافی) وصیت میں خطا کی وجہ سے سبوا حق اور انصاف سے انحراف --- یا --- قرسی رشتہ داروں کو نظر
 انداز کر دینا (یا) جان لیا اسکی طرف سے جان بوجھ کر ظلم و زیادتی --- یا --- ایک تہائی مال سے زیادہ
 وصیت کرنے کے (گناہ کو) جو شریعت کی خلاف ورزی کرنے کا نتیجہ ہے (پھر ان میں) یعنی جن
 کیلئے وصیت کی گئی اور جو وصیت کرنے والے کے وارثین ہیں، ان دونوں میں --- یا --- اگر
 وصیت کرنے والا با حیات ہو تو خود اس کے اور جس کیلئے وصیت کی ہے، اس کے درمیان (صلح
 کرادی) اور شریعت حقہ کے احکام کا اجراء فرما کر سب کو شریعت کے مطابق عمل کرنے کیلئے آمادہ کر لیا
 اور پھر اس صورت حال کے پیش نظر اگر وصیت میں کوئی تبدیلی ہوگئی، (تو اس) تبدیلی کی وجہ سے کسی
 (پر کوئی گناہ نہیں)۔

--- الغرض --- وصیت میں ایسی تبدیلی پر جس میں شریعت اسلامیہ کا پاس و لحاظ ہو اور سارے
 متعلقہ افراد کے اتفاق سے ہو، کسی طرح کا کوئی مواخذہ نہیں۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (بڑا بخشنے والا)
 ہے ان وصیت کرنے والوں کا جو وصیت میں حق سے انحراف کر دینے کی صورت میں صدق دل سے
 تائب ہو جائیں --- یونہی --- ان اصلاح کرنے والوں سے اصلاحی کوششوں کے درمیان اگر بالفرض
 کوئی تا کر دینی اعمال یا ناگفتنی اقوال صادر ہو جائیں تو رب کریم ان کو بھی معاف فرمادینے والا ہے۔
 ساتھ ہی ساتھ وہ اوصیاء جو وصیت کے مضمون میں کوئی تحریف نہ کریں اور من و عن اس کے مطابق عمل
 کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے دین و دیانت والوں پر بہت ہی (رحمت) فرمانے والا ہے۔

سابقہ آیات میں پہلے قصاص کا حکم دیا گیا پھر وصیت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اب
 روزہ رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور فرمایا جا رہا ہے کہ اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر
 روزہ۔ قصاص کا حکم شدید ترین تھا اسلئے اس کا تقاضہ یہ تھا کہ قاتل خود اپنے کو دکام اور مقتول
 کے ولی کے حوالے کر دے، تاکہ وہ اسے قتل کر دے پھر اسکے بعد وصیت کا حکم دیا گیا جو نہایت
 پہلے حکم سے ہکا ہے، اسلئے کہ اس میں صرف اپنے مال کو اپنی ملکیت سے نکال کر دوسروں

کے حوالے کر دینا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مال دے دینا جان دینے سے آسان ہے۔

ان دونوں حکموں کے بعد اب روزے کا حکم دیا گیا جو ان دونوں سے آسان تر ہے اسلئے کہ روزہ رکھنے سے انسان کے صرف کھانے پینے کے معمولات بدل جاتے ہیں۔ اب وہ طلوع فجر سے پہلے سحری کرے گا، پھر وہ دن بھر بھوکا پیاسا وغیرہ، پھر مغرب کے بعد افطار کرے گا۔۔۔ الغرض۔۔۔ رات بھر کھانے پینے وغیرہ کی اجازت ہوگی اور دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کی پابندی رہے گی، کیونکہ مکلف اور بالغ شخص کا ثواب کی نیت سے طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع کو ترک کرنے اور اپنے نفس کو تقویٰ کے حصول کیلئے تیار کرنے ہی کا نام روزہ ہے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ ان ارشادات میں احکامات بیان کرنے میں یہ ترتیب رکھی گئی ہے کہ پہلے حکم شدید تر۔۔۔ پھر۔۔۔ حکم شدید اور پھر حکم خفیف، بیان فرمایا گیا ہے۔۔۔ قصاص اور روزے میں ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ قصاص میں نفس انسان کو حسی طور پر قتل کیا جاتا ہے، جبکہ روزے میں شہوت کو قتل کیا جاتا ہے۔ قصاص میں اگر معنوی طور پر اجسام کی حیات ہے تو روزے میں ارواح کی حیات ہے۔ روزہ ذہن کو پاکیزہ، دل کو مصفیٰ اور بندوں کو فرشتہ خصلت بنا دیتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ روزہ دار روزہ کے جملہ حقوق ادا کرے۔

روزہ اگرچہ قصاص و وصیت کے مقابلے میں آسان ہے لیکن بعض دوسرے احکام کے پیش نظر یہ سخت بھی ہے۔ ہجرت کے ڈیڑھ سال اور تحویل قبلہ کے بعد اشعبان کو روزہ فرض کیا گیا۔ روزہ سے پہلے زکوٰۃ اور زکوٰۃ سے پہلے، نماز فرض کی گئی۔ چونکہ احکام میں سب سے سہل اور آسان نماز ہے اسلئے اسکو پہلے فرض کیا گیا اور پھر اس سے زیادہ مشکل اور دشوار زکوٰۃ ہے، کیونکہ مال کو اپنی ملکیت سے نکالنا انسان پر بہت شاق ہوتا ہے، لہذا اس کو حکم نماز کے دل و دماغ اور عمل و کردار میں راسخ ہو جانے کے بعد فرض کیا گیا۔

نماز و زکوٰۃ کے احکام پر عمل جب ایمان والوں کی زندگی میں راسخ ہو گیا تو ان دونوں حکموں سے زیادہ سخت، روزے کا حکم نازل فرما دیا گیا۔ روزے میں چونکہ نفس کو کھانے، پینے اور عمل تزویج سے روکا جاتا ہے، اسلئے یہ انسانی نفوس پر بہت شاق اور دشوار ہے۔ روزے کی مشقت اور اسکی سختی کو کسی قدر ہلکا کر دینے کی غرض سے خطاب میں بہت ہی پیارا انداز اختیار فرمایا گیا ہے۔ اور مخاطبین کو ایمان والا کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ

اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ، جس طرح فرض کیا گیا

عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۲۰﴾

ان پر جو تم سے پہلے تھے، کتاب پر ہمیزگار ہو جاؤ۔

یہ خطاب کہ (اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ) ایمان والوں کو ایسا سرور بخشتا ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی رضا کیلئے بڑی سے بڑی مصیبتوں کو گلے لگا لیتے ہیں اور صرف اسی خطاب پر اکتفاء نہیں فرمایا گیا بلکہ تسلی دینے کیلئے یہ بھی فرمادیا گیا، کہ اے ایمان والو! تم پر جو روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ یہ فرض کیا جانا بالکل اسی طرح ہے (جس طرح فرض کیا گیا ان پر جو تم سے پہلے تھے)، حضرت آدم سے لیکر تمہارے زمانے تک کے سارے انبیاء اور ان کی ساری امتیں۔۔۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس عبادت کے فرض ہونے میں تم سے پہلی امتیں بھی تمہاری شریک ہیں اور ظاہر ہے کہ جو چیز عام ہو جاتی ہے اس میں مشقت کا احساس بھی کم ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی روزے کا حکم نازل فرمانے میں جو حکمت ہے، وہ بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ دل اسکی طرف کامل طور پر راغب ہو جائے۔۔۔۔۔ الغرض۔۔۔ روزہ اسی لئے فرض کیا گیا ہے تا (کتاب پر ہمیزگار ہو جاؤ) اپنے ذہن و فکر کو پاکیزہ کر لو اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسکی نعمتوں اور اپنی بری عادتوں اور کوتاہیوں میں غور و فکر کرو، تاکہ تمہیں ندامت حاصل ہو، توبہ کی توفیق ملے اور دل میں خوف خدا پیدا ہو، جسکی وجہ سے تم گناہوں سے بچو، دنیا کی رنگینیوں کو ترک کردو، اور فرشتوں کے اوصاف سے متصف ہو جاؤ۔

إِنَّمَا مَعَدُّو ذِبْتُمْ مَن كَانَ مِنكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّن

چند گنتی کے دن۔ پس جو تم میں سے بیمار ہو گیا، یا سفر پر ہے، تو شمار ہے

إِلَّا مَا أَحْرَزَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ

دوسرے دنوں میں۔ اور ان پر جو طاقت کمپکے ہیں روزہ کی نذر یہ ہے ایک مسکین کو کھانا کھلانا، جو جس نے نفل کی طرح

حَدَّ فَإِنَّهُ حَزِيلُهُ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾

نہی کی تو یہ اسکے لئے بہتر ہے، اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سے کام لو۔

پس تم روزہ رکھتے رہو ہر سال (چند گنتی کے دن) تم سے پہلوں پر بھی پورے سال کے روزہ فرض نہیں کئے گئے اور تم پر بھی پورے سال کا روزہ رکھنا فرض نہیں۔ ان کیلئے بھی سال میں چند ہی دن کے روزے فرض کئے گئے تھے اور تمہارے لئے بھی سال میں صرف رمضان شریف کے مہینے کے ۲۹ یا ۳۰ دن ہی کے روزے فرض کئے گئے اور پھر رب کریم کا کرم تو دیکھو کہ اسنے اپنے اس حکم میں بھی تمہارے مریضوں اور مسافروں کو ایک خاص رعایت بھی عطا فرمائی ہے۔

چنانچہ اس نے انہیں رخصت مرحمت فرماتے ہوئے فرمایا کہ (پس جو تم) مکلفین (میں سے بیمار ہو گیا) ایسا کہ روزے سے حاملہ، دودھ پلانے والی کو غلبہ ظن سے اپنی جان ---- یا ---- اپنے بچے کی جان کا خوف ہو ---- یا ---- مرض بڑھنے کا خوف ہو ---- یا ---- تندرست آدمی کو غلبہ ظن، تجربہ علامات یا طبیب حاذق کے بتانے سے مرض پیدا ہونے کا خوف ہو ---- یا ---- خادمہ کو ضعف کا خوف ہو ---- (یا) ---- کوئی مکلف (سفر پر ہے) اور ایسا مسافر ہے جسے نماز قصر کی اجازت ہے، یعنی تین شب و روز کا سفر جو $\frac{1}{4}$ ۵۷ میل اور کلومیٹر کے حساب سے ۹۲ کلومیٹر ہوتا ہے (تو) ایسے معذورین جو اپنے عذر کی بنا پر روزہ نہیں رکھ سکے ہیں وہ اپنے چھوڑے ہوئے روزوں کی پوری گنتی کر لیں، اور اس کو شمار کر لیں اور سمجھ لیں کہ ان کیلئے یہی (شمار ہے) اور یہی گنتی ہے (دوسرے دنوں میں) روزہ رکھنے کی۔

--- الغرض --- فرض روزے جتنے چھوٹ گئے، اتنے ہی روزوں کی دوسرے دنوں میں قضاء لازم ہے (اور ان پر جو طاقت کھو چکے ہیں) ایسے بوڑھے ضعیف جواز کا رفقہ ہو چکے ہیں، جنہیں ایک ہلکی مشقت بھی برداشت کرنے کی طاقت نہیں، ان کیلئے (روزے کی فدیہ ہے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا) یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو، وغیرہ کسی غریب کو دے دینا (تو جس نے نفل کی طرح) بطور نفل (نیکی کی) اور ایک مسکین کے بجائے دو ---- یا ---- اس سے زیادہ مسکینوں کو فدیہ دے دیا ---- یا ---- ایک مسکین کو جتنا دینا چاہئے تھا اسکو اس سے زیادہ دے دیا ---- یا ---- فدیہ بھی دیا اور روزہ بھی رکھا (تو یہ اس کیلئے بہتر ہے) اسلئے کہ یہ سب کچھ اسکے اجر میں زیادتی کا سبب ہے۔ ---- بایں ہمہ ---- جن جن حالات میں تم کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی گئی ہے، اگر تم ان حالات میں مشقت اٹھا کر بھی روزہ رکھ سکو (اور) پھر روزہ رکھ لو تو یہ (روزہ رکھنا تمہارے لئے) دین و دنیا کی

صلاح و فلاح کیلئے (بہتر ہے)۔ اسکی بہتری کو سمجھ لینا تمہارے لئے دشوار نہیں (اگر تم علم سے کام لو) اور روزے کی دنیوی اور اخروی فوائد سے آگاہ ہو جاؤ۔ روزے کی فضیلت کا علم حاصل ہو جانے کے بعد فیہ، خیر و خیرات اور قضاء وغیرہ، ہر ایک سے بہتر تم روزہ رکھ لینے ہی کو قرار دو گے۔

آیت سابقہ کے ذریعہ روزے کی فرضیت کا حکم ظاہر کر دینے کے بعد اور یہ بتا دینے کے بعد کہ یہ فرضیت پورے سال کیلئے نہیں بلکہ گنتی کے چند دنوں کیلئے ہے، یہ بھی واضح فرما دیا کہ وہ کس مہینے کے دن ہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ

مہینہ رمضان کا وہ کہ اتارا گیا جس میں قرآن، ہدایت انسانوں کیلئے اور روشن باتیں ہدایت

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ

اور فیصلگی، تو جس نے پالیا تم میں سے اس مہینہ کو تو اسکے روزے رکھے، اور جو بیمار ہے یا سہالت سفر ہے،

سَفَىٰ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۚ

تو اسکے لئے شمار ہے دوسرے دنوں سے۔ چاہتا ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کو اور نہیں پسند فرماتا تمہارے لئے دشواری کو،

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۲۰﴾

اور اسلئے کہ مہینہ کی گنتی پوری کر لو اور اللہ کی تکبیر یولو جو تمہاری ہدایت فرمائی، اور اب تو شکر گزار ہو جاؤ •

چنانچہ فرمایا گیا وہ (مہینہ رمضان کا) ہے، جس کے اکتیس ۲۹ یا تیس ۳۰ دن کے روزے فرض

کئے گئے ہیں۔

یہ ایسا مقدس مہینہ ہے جسکی پہلی رات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف، چھٹیں ۶ تاریخ کو تورات، تیرھویں ۱۳ تاریخ کو انجیل اور چوبیسویں ۲۳ تاریخ قرآن کریم نازل فرمایا گیا۔ ویسے پہلے مکمل قرآن کریم ایک ساتھ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزۃ میں شب قدر میں نازل فرمایا گیا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا حکمت خداوندی اور مشیت الہی کے مطابق نبی کریم پر اے کا نزول ہوتا جا کا سلسلہ ۲۳ سال تک چلتا رہا۔

نبی کریم پر قرآن کریم کے نزول کی ابتدا بھی رمضان شریف ہی میں ہوئی۔ سب الہیہ کے نزول کے سبب ماہ رمضان شریف کو جو عظمت ملی ہے وہ اس بات کی متقاضی تھی کہ روزہ

جیسی عظیم عبادت، جس میں ریاء کا دخل نہیں، جس کا اجر خود رب کریم نے خاص طور پر اپنے ذمہ کرم میں رکھ لیا ہے۔۔۔ بلکہ۔۔۔ اپنی ذات ہی کو ازراہ کرم روزے کا صلہ قرار دے دیا ہے، جو ایک طرف اگر بندے کی عبودیت و بندگی کی واضح نشانی ہے، تو دوسری طرف ان بشری علائق کے ازالے کا سبب قوی ہے جو انسانی قلب و روح میں انوارِ صمدیہ کے جلوہ افروز ہونے کیلئے رکاوٹ بنتے ہیں۔ تو یہ نہایت مناسب بات رہی کہ ایسی عظیم عبادت کو ایسے عظیم مہینے کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ یہ عظیم مہینہ (وہ) ہے (کہ اتارا گیا جس میں قرآن) جو (ہدایت) ہے سارے (انسانوں کیلئے)۔ سارے انسانوں کو دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح، کمال و خوبی اور سعادت و فیروز بختی کا راستہ دکھانے والا ہے (اور) اتنا ہی نہیں بلکہ اس میں ایسی (روشن باتیں) ہیں، جو انسانوں کیلئے (ہدایت) کا راستہ ظاہر کر دیتی ہیں۔ اور فوز و نجات کے طریقوں کو واضح کر دیتی ہیں (اور) ان کیلئے انکے ہر ہر شعبہء زندگی میں حق و باطل کے درمیان (فیصلہ) کر دینے (کی) واضح ہدایات ہیں، جو ان کے درمیان فرق کو نمایاں کر دیتی ہیں، اور ظاہر کر دیتی ہیں کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟۔۔۔ سچ کیا ہے؟، جھوٹ کیا ہے؟۔۔۔ ثواب کیا ہے؟۔۔۔ خطا کیا ہے؟،۔۔۔ مناسب کیا ہے؟ نا مناسب کیا ہے؟ (تو جس نے پالیا تم) مکلفین (میں سے اس) رمضان شریف کے (مہینہ کو)، یعنی رمضان شریف کے چاند ہو جانے کا علم و یقین حاصل کر لیا ہو، خواہ اپنی رویت سے۔۔۔ یا۔۔۔ ثبوت ہلال کے دوسرے شرعی طریقہ ہائے موجبہ میں سے کسی طریقے سے، اور حال یہ ہے کہ وہ مسافر نہیں ہے (تو) وہ (اس کے روزے رکھے) اسلئے کہ قرآن کریم طے والے اس مبارک مہینے کا ہر ہر لمحہ اس لائق ہے کہ رب کریم کی شکر گزاری میں صرف کر دیا جائے اور اس کی بہترین صورت یہی ہے کہ دن میں روزہ رکھا جائے اور رات میں قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔ نفس کی تربیت کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا صورت ہے۔

سابقہ آیت میں ایک گوشہ یہ بھی نکلتا تھا کہ اگر کوئی طاقت رکھتے ہوئے بھی روزہ نہ رکھے تو وہ اس کے بدلے میں فدیہ دے دیا کرے۔ ایسی صورت میں زیر تفسیر آیت، اسکی ناخ ہوجائیگی اور وہ فدیہ سے متعلق پہلا حکم منسوخ ہو جائیگا۔ اور چونکہ وہاں مریضوں اور مسافروں کا بھی ذکر ہے تو ان سے متعلق جو حکم ہے کہیں اسے بھی منسوخ نہ سمجھ لیا جائے،

اس لئے ان دونوں کے ذکر کا اعادہ فرمایا گیا۔

(اور) ارشاد فرمایا گیا کہ (جو بیمار ہے یا بحالت سفر ہے تو اس کیلئے شمار ہے دوسرے دنوں سے)۔۔۔ الغرض۔۔۔ رمضان شریف میں بیماری یا مسافری کی وجہ سے جتنے روزے نہیں رکھ سکا ہے، ان اعذار کے ختم ہو جانے کی صورت میں دوسرے کسی مہینے میں ان سب روزوں کی قضا کر لے۔ (چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی وسعت رحمت اور کمال رافت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے تمہارے ساتھ آسانی کو) اسی لئے حالت سفر اور حالت مرض میں افطار یعنی روزہ نہ رکھنے کو مباح فرما دیا (اور نہیں پسند فرماتا تمہارے لئے دشواری کو) یہی وجہ ہے کہ مسافر و مریض کیلئے افطار کو فرض بھی نہیں قرار دیا کہ اگر روزہ رکھ لیں تو مجرم قرار پائیں اور ان روزوں کے اعادہ کی مشقت کا شکار ہو جائیں (اور) یہ بھی سمجھ لو کہ حالت سفر اور حالت مرض میں چھوڑے ہوئے روزوں کو دوسرے دنوں میں پورا کرنے کی جو ہدایت دی گئی ہے، (وہ اس لئے) ہے تا (کہ) تم (مہینہ کی گنتی پوری کر لو)۔ رمضان کے روزوں کو شمار کر لو کہ کتنے روزے چھوٹے۔۔۔ یا۔۔۔ رمضان کے دنوں کو شمار کر لو کہ عذر کے سبب کتنے دن افطار کیا اور روزہ نہیں رکھا (اور) صرف یہی نہیں بلکہ رمضان شریف کے روزوں سے فارغ ہو کر ہلال عید کی رویت سے لیکر نماز عید سے واپسی تک (اللہ کی تکبیر بولو) اور **اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ قَوْلُهُ الْحَمْدُ** کہتے رہو، اس نعمت کے بدلے (جو) اس نے تمہیں عطا فرمائی اور روزے کے تعلق سے اہم اور ضروری احکام کا تمہیں علم دے دیا تاکہ تم مریض و مسافر ہونے کی صورت میں بھی روزے کے انوار و برکات سے بالکل محروم نہ رہ جاؤ۔

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ اس نے واضح طور پر (تمہاری ہدایت فرمائی اور) ترخیص و مراعات کا قانون دیکر تم پر احسان فرمایا کہ (اب تو شکر گزار ہو جاؤ) اور اس محسن حقیقی کی کامل اطاعت اور اسکے محبوب ﷺ کی مخلصانہ پیروی کیلئے تیار ہو جاؤ اور اچھی طرح یقین کر لو کہ تمہارا ماہ رمضان میں روزہ رکھنا، اسکی گنتی کی حفاظت کرنا، اسکی راتوں میں جاگنا، اس میں رب تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا، اسکی عظمت و بڑائی بیان کرتے رہنا، اور اسکا شکر ادا کرنا، رب تعالیٰ تمہارے ان جملہ حالات سے باخبر ہے، تمہارے ذکر و شکر پر مطلع ہے، تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہاری دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

اور جب پوچھیں تم سے میرے بندے مجھے، تو بیشک میں نزدیک ہوں، پکارنے والے کی دعا قبول فرماتا ہوں جب بھی

إِذَا دَعَا ۚ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۰﴾

مجھے پکارے۔ تو ان کا کام ہے کہ میرے فرمان کی تعمیل کرتے رہیں اور مجھ پر ایمان لے آئیں کہ اب تو نیک ہوں۔

(اور) بکمال لطف و کرم اپنے محبوب ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے، کہ اے محبوب تمہارے صحابہ

اگر تم سے یہ سمجھنا چاہیں کہ ہم اپنے رب کو کیسے یاد کریں۔۔۔ یا۔۔۔ تم سے سوال کرنے والے اعرابی کی

طرح کوئی یہ پوچھ لے کہ کیا ہمارا رب ہم سے قریب ہے۔۔۔ یا۔۔۔ بعید ہے۔ قریب ہونے کی صورت

میں ہم اس سے راز دارانہ انداز میں مناجات کریں اور دور ہونے کی صورت میں بلند آواز سے

معروضات پیش کریں۔۔۔ انختر۔۔۔ (جب پوچھیں تم سے میرے بندے مجھے) میری صفات کے

بارے میں۔۔۔ یا۔۔۔ وقت دعا ان کے ساتھ میرا کیا معاملہ ہوگا، اس کے تعلق سے (تو) تم میری

طرف سے جو اباً کہہ دو کہ رب کریم ارشاد فرماتا ہے (بے شک) علم و قدرت، اجابت و قبولیت کے

اعتبار سے، (میں) اپنے بندوں کے (نزدیک ہوں) اور ان کی رگ جاں سے زیادہ ان سے قریب

ہوں، کوئی کہیں سے بھی مجھ سے دعا کرے اور مجھے پکارے، میں ہر (پکارنے والے کی دعا قبول فرماتا

ہوں)۔ پکارنے والا کہیں سے پکارے اور (جب بھی مجھے پکارے) میں اسکی ضرور سنتا ہوں اور اس

دعا کو قبول بھی کرتا ہوں۔

۔۔۔ خواہ۔۔۔ بندے نے جو مانگا، وہی عطا فرما کر۔۔۔ خواہ۔۔۔ اسکا نعم البدل دے کر، جس

میں بندے کیلئے بہتری ہو۔۔۔ خواہ۔۔۔ اس دعا کو بندے کے حق میں تو شہ آخرت بنا کر، جو قیامت کی

مشکل گھڑی میں کام آئے۔۔۔ الغرض۔۔۔ بندے کی دعا کسی حال میں بھی ضائع نہیں کی جاتی (تو) ان

بندوں کی بھی ذمہ داری ہے اور (ان کا) بھی یہ، (کام ہے کہ) وہ (میرے فرمان کی تعمیل کرتے رہیں

اور مجھ پر ایمان لے آئیں کہ اب تو نیک ہوں) دل کی سچائی کے ساتھ مجھے مانیں اور جب میں انہیں

ایمان و اطاعت کیلئے بلاؤں تو وہ اسے قبول کریں، جیسے کہ میں انکی بات مانتا ہوں جبکہ وہ اپنے مقاصد

کیلئے مجھے پکارتے ہیں، حالانکہ میں غنی اور بے پرواہ ہوں۔

بندوں میں تو روزہ دار بندوں کا ایک مخصوص مقام ہے جنکی دعاؤں کیلئے دراجابت کھلا

ہی رہتا ہے۔ روزہ داروں پر رب کریم کے فضل خاص کا سایہ ہے۔ شروع میں جو ان کیلئے

پابندیاں تھیں، اس میں کمی کر دی گئی۔ ابتداءً اسلام میں دستور تھا کہ روزہ میں شام کے وقت افطار کا کھانا پینا اور جماع وغیرہ صرف عشاء کی نماز تک جائز تھا۔۔۔ یا۔۔۔ جب تک نیند نہ آتی، اسکے بعد کھانا پینا، جماع وغیرہ حرام ہو جاتا۔ جب عشاء کی نماز پڑھی جاتی۔۔۔ یا۔۔۔ کوئی سو جاتا، تو اس پر کھانا پینا اور جماع آئندہ شام تک کیلئے حرام ہو جاتا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ بعض صحابہ کرام خواہش نفسانی کے غلبہ کے سبب صبر نہ کر سکے اور جس وقت ان کیلئے مباشرت حرام تھی، وہ اسکا ارتکاب کر بیٹھے، فوراً ہی غلطی کا احساس ہوا، سب مضطرب و بے چین ہو کر توبہ و استغفار کرنے لگے، پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا، سرکار نے بھی اس عمل کو نامناسب قرار دیا۔ ایسے وقت میں رب کریم نے اپنے فضل و کرم سے سابقہ حکم کو منسوخ فرمایا اور رخصت عطا فرمائی۔

أَجَلْ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفْقِ إِلَىٰ نَسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ
حلال کر دیا گیا تمہارے لئے روزوں کی رات کو اپنی عورتوں کے پاس جانا۔ وہ لباس ہیں تمہاری اور تم لباس ہو انکے۔

لَهُنَّ عِلْمٌ اللَّهُ أَنْتُمْ كُنْتُمْ مَخْتَلُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ
جان چکا تھا اللہ کہ بیٹک تم خیانت کر رہے تھے خود اپنی، تو توبہ قبول فرمائی تم پر اور عفو فرما دیا تم سے۔

فَالَّذِينَ بَشَرُوا هُنَّ وَأَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكَلُوا وَأَشْرَبُوا حَتَّىٰ يَكْبِتِينَ
پس اب صحبت کرو ان سے اور خواہش کرو انکی جو اللہ نے مقدر فرما دیا ہے تمہارے لئے۔ اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ

لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ لَكُمْ اتَّوَالصِّيَامِ
ظاہر ہو جائے تمہارے لئے آسمان کا سفید ڈورا، سیاہ ڈورے سے بچ کے پھٹنے سے، پھر پورا کرو روزہ کو

إِلَى النَّيْلِ وَلَا تَبْأَشْرُوا هُنَّ وَأَنْتُمْ عَلَيْكُمْ فِي الْمَسْجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ
رات تک، اور نہ صحبت کرو بیبیوں سے جب کہ تم اختلاف کر رہے ہو مسجدوں میں۔ یہ قانون الہی کی سرحدیں ہیں،

فَلَا تَقْرُبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَاللَّائِسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۰﴾
تو انکے قریب نہ جاؤ۔ اسی طرح ظاہر فرماتا ہے اللہ اپنی نشانوں کو لوگوں کیلئے کہ اب تواریں •

چنانچہ ارشاد فرمایا (حلال کر دیا گیا) اسے روزہ دار و (تمہارے لئے) تمہارے بشری تقاضوں کے پیش نظر (روزوں کی رات کو اپنی عورتوں کے پاس جانا) اسلئے کہ ایک جگہ اکٹھے رہنے کی صورت

میں اس عمل سے اپنے کو بچالینا بہت مشکل ہے اور صورت حال یہ ہے کہ تمہیں اکٹھا رہنا ہی ہے، کیونکہ (وہ لباس ہیں تمہاری اور تم لباس ہوانکے) بوقت جماع ایک دوسرے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے۔۔۔۔۔ اسلئے کہ ایک دوسرے کا حال چھپاتے ہو۔۔۔۔۔ اسلئے کہ ایک دوسرے کو غلط کاری سے بچاتے ہو، اور ایسی خرابیوں سے ایک دوسرے کو محفوظ رکھتے ہو جنکا صدور انکے نامناسب ہے۔۔۔۔۔ اس لئے کہ تم دونوں ایک دوسرے کا سکون ہو۔

ان حالات میں اے روزہ داروں تمہارے لئے، روزہ کی راتوں میں یہ رخصت ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ تم سے جو غلطی ہوگئی، وہ علم الہی سے باہر نہیں تھی بلکہ اپنے علم ازلی سے (جان چکا تھا اللہ تعالیٰ) کہ بے شک تم خیانت کر رہے تھے خود اپنی) اپنے مالک سے معاہدہ کر لینے کے بعد، تمہاری یہ خفیہ نافرمانی خود تمہارے لئے ہی نقصان دہ تھی۔ اپنے نفسوں پر ظلم کر کے انہیں عذاب الہی کا مستحق بنانا، رمضان کی راتوں میں جماع کر کے نفس کے ثواب کو گھٹانا، ان سب میں نفس کا خود اپنا ہی تو خسارہ ہے (تو) رب کریم نے کرم فرمایا اور رجوع برحمت ہو اور (تو یہ قبول فرمائی تم پر اور عفو فرمادیا تم سے) معاف فرمادیا، اس خیانت کو جو تم سے سرزد ہوئی اور روزے کی راتوں میں مفطرات کے ارتکاب کی رخصت عطا فرمادی۔ (پس اب) اگر چاہو تو روزے کی راتوں میں بھی (صحبت کرو ان سے) ایسی پاکیزہ صحبت، جس میں صرف قضاء شہوت کی نیت نہ ہو (اور) اچھی طرح یہ سمجھ لو کہ شہوت کی تخلیق اور نکاح کی مشروعیت میں ایک حکمت یہی ہے کہ اولاد بڑھے اور نسل انسانی میں اضافہ ہو، نہ کہ صرف شہوت رانی۔

اسی لئے حضور آریہ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نکاح کر کے نسل انسانی بڑھاؤ اور انسانی افراد کی کثرت کرو تا کہ میں تمہاری وجہ سے امتوں پر فخر کر سکوں تو (خواہش کرو) طلب کرو، دعا کرو (اس کی جو) لوح محفوظ میں (اللہ تعالیٰ نے) لکھ دیا ہے اور (مقدر فرمادیا ہے تمہارے لئے) اور بارگاہ خداوندی میں عرض کرو اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مَا كَتَبْتَ لَنَا اے اللہ تو نے اپنے کرم سے ہمارے مقدر میں جو اولاد لکھ دی ہے، وہ ہمیں عطا فرما۔

اب اگر تمہارے مقدر میں اولاد نہیں ہے تو ایسی صورت میں بھی رب تعالیٰ کی رحمت سے امید لگائے رکھو، وہ اس دعا کی برکت سے تمہیں اس کا نعم البدل عطا فرمائینگا۔۔۔۔۔ اس دعا کو

تمہارے لئے توشہ آخرت بنا دیا (اور) اچھی طرح یاد رکھو کہ جس طرح روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے صحبت تمہارے لئے مباح فرمادی گئی ہے، اسی طرح ازراہ کرم تمہیں ان راتوں میں کھانے پینے کی بھی چھوٹ دے دی گئی ہے تو (کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لئے آسمان کا سفید ڈورا) یعنی وہ سفیدی جو صبح صادق کے آغاز میں ظاہر ہوتی ہے اور باریک دھاگے کی طرح ابتداء پھیلتی ہے (سیاہ ڈورے سے) یعنی رات کی اس سیاہی سے جو دن کے غروب ہونے کے بعد سپیدی میں ملکر آسمان میں پھیل جاتی ہے، اسلئے کہ جب صبح صادق کا آغاز ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سفید دھاگہ افق آسمان میں پھیلا ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ صبح صادق کے وقت رات کی سیاہی سپیدی میں ملی ہوئی ہوتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سیاہی سپیدی میں ہے اور سپیدی سیاہی میں، اسلئے کہ صبح کا نور رات کی اندھیریوں کو چیر کر نکلتا ہے (پو کے پھٹنے سے) یعنی صبح کے نمود کے انشقاق سے (پھر پورا کرو روزہ کو) اور دن کے تمام اجزاء میں کھانے پینے اور جماع سے رک جاؤ (رات کے داخل ہونے کے وقت) تک، یعنی سورج کے پوری طور پر چھپ جانے کے بعد تا کہ کوئی گمان نہ کرے کہ سورج غروب ہوا یا نہیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ سورج کے چھپ جانے کا پورا اطمینان کر لینے کے بعد افطار کرو۔ یہ بھی خیال رہے کہ روزہ صرف کھانے پینے وغیرہ سے رک جانے کا نام نہیں، بلکہ اس کے ساتھ نیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

روزوں کی راتوں میں مذکورہ بالا رخصت کو دیکھ لینے کے بعد یہ گمان ہو سکتا تھا کہ احکام کا حال بھی روزے کی طرح ہوگا۔۔۔ ہاں معنی۔۔۔ کہ اپنی عورت سے جماع کو دن کو تو حرام ہو، لیکن رات کو جائز ہو۔ اسکی وضاحت فرمائی کہ احکام والے کو جس طرح دن کو بھی حرام ہے، اسی طرح رات کو بھی۔

۔۔۔ چنانچہ فرمایا (اور نہ صحبت کرو بیبیوں سے جبکہ تم احکام کر رہے ہو مسجدوں میں)۔ اس حکم سے پہلے مسجدوں میں بعض احکام کرنے والوں کو جب جماع کی خواہش ہوتی تو مسجد سے نکل کر اپنی عورت سے جماع کر لیتا اور غسل کر کے مسجد میں لوٹ جاتا۔ اس آیت کے بعد مسلمان احکام کی حالت میں جماع سے روک دئے گئے۔ ویسے بھی یہ بکھنے کی بات ہے کہ احکام شریعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اسکے تقرب کیلئے مسجد میں ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ نیت کے اخص کے ساتھ احکام سے قلب، ماسوائی اللہ سے فارغ ہو جاتا ہے۔

معتکف کے شر سے دوسرے اور دوسروں کے شر سے معتکف محفوظ ہو جاتا ہے۔ معتکف کو نفس کشی نصیب ہوتی ہے، دنیا سے اعراض کا سبق ملتا ہے۔ اعتکاف طریق صدق اور اخلاص کا پہلا باب ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا قرب حاصل ہوتا ہے، توکل الی اللہ کی دولت نصیب ہوتی ہے، قناعت پر راضی رہنے کا درس ملتا ہے، تنہا رہنے والا لوگوں کے لڑائی جھگڑے سے بچ جاتا ہے اور بہت سارے وہ گناہ جو کہ عام طور پر اختلاط سے صادر ہوتے ہیں، ان میں مبتلا نہیں ہوتا۔

اللہ کے گھر میں ایسی پاکیزہ حضوری جس میں معتکف اللہ تعالیٰ کے گھر میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے، اے میرے مولیٰ میں تیرے در سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک میرے گناہ بخش نہ دئے جائیں۔ ایسے پاکیزہ خیالات کب اس بات کے متحمل ہونگے، کہ ان کے ساتھ نفسانی و شہوانی خواہشات کی بھی آمیزش ہو جائے؟

اب تک روزہ اور اس کے تعلقات کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے (یہ قانون الہی کی سرحدیں ہیں) اور حق و باطل کے درمیان کی حد فاصل (تو) ان حدود کے آگے قدم بڑھانا اور اس سے تجاوز کر جانا تو بڑی بات ہے (ان کے قریب) بھی (نہ جاؤ)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے احکام حدود مشروع فرمائے، تاکہ وہ حق و باطل کے درمیان آڑ بنیں اور اسلئے کہ ان حدود کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت اور ان حدود سے تجاوز کرنے سے بچ جائے (اسی طرح) کا واضح بیان جسے تم نے پڑھا اور سنا (ظاہر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ) (اپنی نشانوں) اپنے امر و نہی، وعدہ و وعید (کو) تمام عام (لوگوں کیلئے) تا (کہ اب تو ڈریں) اور دین کے دلائل اور احکام کے نصوص سے ہدایت حاصل کر کے پرہیزگاری اختیار کریں۔ اپنے کو محرمات شرعیہ سے بچائیں اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کریں، بلکہ اس کے قریب بھی نہ پھکیں۔

آیت سابقہ میں جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دیدی کہ وہ اپنے دین کے احکام کو کھول کر واضح طور پر بیان فرماتا ہے، تاکہ لوگ اس کے اوامر کی بجا آوری اور منہیات سے اجتناب کر کے پرہیزگاری اختیار کر لیں، تو اب وہ آگے کی آیت کریمہ میں غلط اور باطل طریقے سے اموال مسلمین کے کھانے کا حکم ظاہر فرما رہا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی مسلمان کیلئے حلال نہیں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کا مال اسکی مرضی کے خلاف غلط طریقے سے حاصل کر کے کھائے۔ آگے چل کر باطل طریقے سے حاصل کرنے کی جتنی قسمیں ہیں، اس

میں سب سے زیادہ بدتر جو قسم ہے اسکو ظاہر فرمادیا اور وہ ہے حاکموں اور قاضیوں کو رشوت دیکر اپنے حق میں ناحق فیصلہ کرانا۔۔۔ الغرض۔۔۔ احکام الہیہ کو واضح طور پر بیان کر دینے کی حکمت یہ ہے کہ تم ان پر عمل کر کے پرہیزگاری اختیار کرو۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا

اور نہ کھاؤ اپنے آپس کے مال کو بے جا اور نہ اس کا مقدمہ لے جاؤ حکام تک

فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْأَثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾

ہاں غرض کہ لوگوں کا کچھ مال ناحق کھا لو، جان بوجھ کر •

(اور نہ کھاؤ اپنے آپس کے مال کو بے جا) غصب کر کے، چوری کر کے، چھین کر، جھوٹی قسم کھا کر، جو اکھیل کر، رشوت دے کر، کاہن کے پاس جا کر، لہو و لعب کا مظاہرہ کر کے، نوہ کر کے، غلط حیلوں سے، خیانت کر کے اور مختلف ناجائز اور باطل طریقوں سے۔

تم حاکم کے پاس جھوٹی قسم کھا کر اور چالاکی سے حجت قائم کر کے اپنے حق میں فیصلہ تو کرا لو گے اور حاکم تمہارے حق میں فیصلہ کر بھی دے گا، لیکن اگر حقیقت میں اس پر تمہارا حق نہیں تھا، بلکہ اسکا صحیح حقدار تمہارا مقابل تھا، تو یقین کر لو کہ حاکم تمہیں تمہاری چیز نہیں دے رہا ہے، بلکہ آگ کا ٹکڑا دے رہا ہے، جو تمہاری آخرت کو خاکستر کر دے گا۔

تم پر لازم ہے کہ اپنے معاملات میں حق و انصاف کو ملحوظ خاطر رکھو، (اور) غلط اور ناحق طریقے سے (نہ اس کا مقدمہ لے جاؤ حکام تک ہاں غرض کہ لوگوں کا کچھ مال) حاکم کو رشوت دے کر، اس سے جھوٹ بولکر، اسکے سامنے جھوٹی گواہی دے کر، (ناحق کھا لو) وہ بھی (جان بوجھ کر) اسلئے کہ تمہیں تو بخوبی معلوم ہے کہ سچائی کیا ہے؟ اور تم جس پر اپنا حق جتا رہے ہو اس پر تمہارا کوئی حق نہیں۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ اپنے مقدمات ایسے حکمرانوں کی طرف مت لے جاؤ جنکا کام ظلم کرنا ہو اور رشوت لے کر غلط فیصلہ کرنے کی جنگی عادت ہو۔ اور یاد رکھو گناہ کو گناہ جانتے ہوئے اسکا ارتکاب بہت زیادہ قبیح ہے۔ دنیا میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔ حلال۔۔۔ ﴿۲﴾۔۔۔ حرام۔۔۔ ﴿۳﴾۔۔۔ مشتبہ۔

حلال ثواب کا موجب ہوتا ہے، حرام سزا کا مستحق بناتا ہے اور مشتبہ متاب کا سبب

بنتا ہے۔ عقلمندوں کو چاہئے کہ وہ حقوق العباد کا پاس و لحاظ رکھیں اور ظلم کے معاملات سے اجتناب کریں۔ اور نبی کریم سے انہی احکام شرعیہ کے تعلق سے سوال کریں جنکا بیان کرنا نبی کا منصب اور فرائض نبوت میں داخل ہے، جنکا جواب نبی کے سوا کوئی نہ دے سکے۔ رہ گئے علم ہیئت، علم نجوم اور علم الافلاک کے مسائل کا بیان کرنا نبی کا منصب نہیں۔ ان کو سمجھنے کیلئے انسانی عقل و شعور کو آزاد کر دیا گیا ہے۔ اور ان کو **أَفَلَا تَعْقِلُونَ**، **أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ** اور **أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ** کے پیغام جانفزا سنا دیا گیا ہے۔ نبی سے ان امور کے بارے میں سوال کرو جہاں انسانی عقل و ادراک کی رسائی ناممکن ہو۔ اب چونکہ آیات سابقہ میں روزے کا حکم اور ماہ رمضان کا ذکر آچکا ہے اور **صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ وَأَنْظُرُوا لِرُؤْيَيْهِ** کے ارشاد کے پیش نظر صوم و افطار کے بیان سے ہلال کی بحث کو ایک طرح کی مناسبت ہے تو۔۔۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْآهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِبَتٌ لِلنَّاسِ وَالْحِجَابُ

تم سے پوچھتے ہیں چاند کی مختلف شکلوں کے بارے میں، کہہ دو یہ لوگوں کیلئے اور حج کیلئے تاریخ کی پہچان ہے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ

اور نہیں ہے نیکی اس میں کہ گھروں میں آؤ پیچھاواڑے سے، ہاں نیکی اس کی ہے جس نے پرہیزگاری کی،

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾

اور آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے، اور اللہ سے ڈرو کہ اب کامیابی پاؤ۔

اے محبوب اب اگر تمہارے بعض صحابہ۔۔۔ یا۔۔۔ بعض دوسرے لوگ تمہارے بعض صحابہ کے توسط سے (تم سے پوچھتے ہیں چاند کی مختلف شکلوں کے بارے میں)، کبھی بڑھتا ہے، کبھی گھٹتا ہے، کبھی باریک لکیر کی طرح نظر آتا ہے، کبھی موٹی لکیر کی طرح اور کبھی پورا دکھائی دیتا ہے اور کبھی آدھا۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس کی کیفیت اور حقیقت کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو جواباً ان پر واضح کر دو کہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے سے تمہارے دینی اور دنیاوی کاموں کی جو غرض متعلق ہوتی ہے، تمہیں صرف اس سے سروکار رکھنا چاہئے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ان سے (کہہ دو یہ لوگوں کیلئے اور حج کیلئے تاریخ کی پہچان ہے)۔ اسلام کے بہت سے احکام اس کے طلوع پر موقوف ہیں۔۔۔ مثلاً: قربانی اور حج، عید الفطر اور رمضان، عدت و وفات کی گنتی، چار ماہ، دس دن، اور جسکے حیض کی مدت تین ماہ ہو اور زکوٰۃ کی ادائیگی

کیلئے ایک سال کا تعین، ایلاء کیلئے چار ماہ کا تعین، کفارہ کے روزے رکھنے کیلئے، دو ماہ کا تعین، ان تمام امور میں مدت کا تعین ہلال کے طلوع سے ہوتا ہے، یہ تو دین کے احکام ہیں اور دنیا کے احکام میں --- مثلاً: چار ماہ بعد کسی کو قرض کی ادائیگی کرنی ہو یا اسی طرح کا کوئی اور معاملہ ہو۔

اس مقام پر یہ غور کرنا چاہئے کہ سوال کرنے والوں کو جو سوال کرنا چاہئے تھا، وہ نہیں کیا بلکہ ایک غیر ضروری سوال کر بیٹھے اور ہلال کی حقیقت کے بارے میں پوچھ بیٹھے۔ پوچھنا تھا تو یہ پوچھتے کہ جنھوں نے اپنی ذاتی سوچ کی بنیاد پر یہ اصول بنا لیا تھا کہ حج کی واپسی میں دروازے سے اپنے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ پیچھے کے راستے سے داخل ہوتے تھے۔ اگر پیچھے راستہ نہ ہوتا تو فوری طور پر دیوار توڑ کر بنا لیتے اور اس عمل کو وہ بہت بڑی نیکی تصور کرتے تھے۔ اپنے اس نامناسب عمل کے بارے میں نہیں پوچھا کہ آخر یہ نیکی ہے بھی یا نہیں؟ گویا انھوں نے اپنے اس عمل کے تعلق سے سوال کرنے کو اہمیت نہیں دی اور ایک نامناسب اور غیر ضروری سوال کر بیٹھے۔ ہلال کی حقیقت کے تعلق سے ان کا سوال اگر انکا ایک نامناسب قول تھا، توجیح کی واپسی پر گھر میں دروازے سے نہ داخل ہونے کو نیکی قرار دینا انکا نامناسب فعل تھا۔

اس نامناسب عمل کو انجام دینے والے (اور) انجام نادینے والے دونوں سن لیں (نہیں) ہے نیکی اس میں کہ گھروں میں آؤ پچھوڑے سے، ہاں نیکی اس کی ہے) اور نکو کار وہ ہے (جس نے پرہیزگاری کی)، شریعت محمدیہ کی پاس داری کی، تو اپنی طبیعت سے بنائے ہوئے قانون کو چھوڑو (اور) آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے اور اللہ سے ڈرو۔ اپنی زندگی رسول کریم کی ہدایت کے مطابق گزارو (کتاب) اپنے تقویٰ پر پرہیزگاری کے سبب دنیا و آخرت میں سرخروئی اور (کامیابی پاؤ)۔

اس سے پہلے روزے کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اب جہاد کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ روزہ اور جہاد میں ایک گونہ مناسبت ہے۔ دونوں میں دنیا کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ رسول کریم کا ارشاد ہے کہ **میری امت کی سیاحت روزہ ہے اور میری امت کی رہبانیت جہاد ہے۔** روزے اور جہاد کے ایک ساتھ آگے پیچھے ذکر کرنے کی ایک دوسری مناسبت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اصل اور اہم عبادت میں سے بعض کی ادائیگی کیلئے اوقات مخصوصہ مقرر ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اور بعض اہمات عبادت کی ادائیگی کیلئے کوئی مخصوص وقت مقرر نہیں ہے، جیسے جہاد اور ذکر۔ پہلے عبادت موقتہ کا ذکر فرمایا۔ اب عبادت غیر موقتہ میں سے جہاد کا ذکر شروع فرمایا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا

اور لڑو اللہ کی راہ میں جو تم سے لڑیں اور کوئی زیادتی نہ کرو۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۰﴾

بیشک اللہ پسند نہیں فرماتا زیادتی کرنے والوں کو •

(اور) ان مظلوموں اور ستم رسیدوں کو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت مرحمت فرمائی، جن پر بارہ تیرہ برس مسلسل ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے رہے اور تسلیم و رضا کے مجسے خاموشی سے برداشت کرتے رہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ فرمایا (لڑو اللہ کی راہ میں) اعلاء کلمۃ الحق اور دین کے غلبہ و اعزاز کیلئے ان سے (جو تم سے لڑیں)۔ تمہاری لڑائی، لوٹ مار، تجارتی اور صنعتی رقابت، وطنی یا نسلی عداوت و تعصب یا اس طرح کے سفلی مقاصد کیلئے نہیں ہونی چاہئے، بلکہ تمہاری لڑائی صرف حق کی سر بلندی ہی کیلئے ہو، اور وہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ ہو جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہوں اور تم پر یلغار کرنے کیلئے پرتول رہے ہوں (اور) ایسوں پر بھی (کوئی زیادتی نہ کرو) ایسا نہ ہو کہ انتقام کے جوش میں جذبات پر قابو نہ رکھ سکو اور جنگ میں نہ شریک ہونے والے بوڑھوں، کسانوں، مزدوروں، راہبوں، عورتوں، بچوں، اپاہجوں کو بھی قتل کرنے لگو۔۔۔ الغرض۔۔۔ جنگی حالات میں بھی تمہیں عدل و انصاف کا پاس و لحاظ رکھنا ہوگا۔

اس حالت میں بھی تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ تم پر امن شہریوں اور آبادیوں

کو تباہ و برباد کرو۔ ہسپتالوں، درس گاہوں اور عبادت خانوں کا بھی خیال نہ کرو اور اولاً تم پر لازم ہے کہ جنگ میں ابتداء نہ کرو اور جب جنگ شروع ہو ہی جائے تو مذکورہ بالا بے قصوروں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ اور جس مقابل کو تم قتل کرو اس کا بھی مثلہ نہ کرو اور اس کی ناک کان وغیرہ نہ کاٹو۔ اسلئے کہ (بے شک اللہ تعالیٰ (پسند نہیں فرماتا) اس طرح کی (زیادتی کرنے والوں کو)۔۔۔ الغرض۔۔۔ تمہارا کوئی کام اپنی نفسانی سفلی خواہشات کے دباؤ میں نہیں ہونا چاہئے بلکہ جہاد سے تمہارا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے خوشنودی ہونی چاہئے۔

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجْتُمُوهُمْ وَالْقَنْدُ أَشَدُّ

اور ان کو مارو اُو جہاں پا جاؤ ان کو، اور نکال دو جہاں سے نکالا تھا تم کو، اور ان کا تہ نہ زیادہ سخت ہے

مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقْتَلُوا فِيهِ

مارڈالنے سے۔ اور نہ لڑو ان سے مسجد حرام کے پاس یہاں تک کہ تم سے لڑنے کی ابتدا حرام میں وہ کر گزریں

فَإِنْ قُتِلُوا فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

تو اگر وہ خود تم سے لڑ پڑے تو مارو ان کو، یہی سزا ہے کافروں کی

معادہ حدیہ کے مطابق زیارت کعبہ کے لئے جانے والے مسلمانوں، اپنے دل میں یہ خیال بھی نہ لاؤ کہ اگر بالفرض کفار مکہ نے عہد شکنی کر کے ہم پر حملہ کر دیا تو ہم حالت احرام میں حدود حرام میں ان سے کیونکر جنگ کر سکیں گے، اسلئے کہ کعبہ کا مالک تم کو اجازت دیتا ہے کہ اگر وہ آمادہ جنگ ہوں (اور) تمہارے سامنے لڑنے کیلئے آجائیں تو تم (ان) مشرک قریشیوں (کو مار ڈالو جہاں) بھی (پا جاؤ ان) ظالموں اور عہد شکنوں (کو) اس صورت میں ان کی کوئی رعایت نہ کرو۔ (اور نکال دو) تم انہیں اپنے اس شہر مکہ سے (جہاں سے) خود انہوں نے (نکالا تھا تم کو) ان کافروں کا تمہارے غریبوں اور کمزوروں کو دین سے برگشتہ کرنے کیلئے سخت ترین سزائیں دینا، اور یہ کوشش کرنا کہ وہ اپنے پسندیدہ عقائد سے جن کی صداقت اور سچائی پر انہیں پورا یقین ہے باز آجائیں، یہ قتل سے بھی زیادہ خوفناک جرم ہے۔ (اور ان) ظالمین (کا) یہ ظلم اور (فتنہ زیادہ سخت ہے مار ڈالنے سے)۔

ویسے اے مسلمانو تم یہ بھی سمجھ لو کہ جب تم انہیں ان کے وطن شہر مکہ سے نکال دو گے تو یہ چیز خود ان پر موت سے زیادہ گراں ثابت ہوگی۔ ہر وہ تکلیف جو آئے تو لوگ موت کی دعا مانگنے لگیں، موت سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔۔۔ یونہی۔۔۔ اگر دیکھا جائے ان کا غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہرانا بدتر ہے، ان کے قتل ہو جانے سے۔ جہاں ان کو پاؤ، قتل کر دو، کے حکم قرآنی سے تو ظاہر یہی ہوتا ہے کہ محل و حرم میں کہیں بھی مشرکین کو قتل کیا جائے وہ جائز ہے۔

لیکن مسلمانو حرم شریف کی حرمت کو ملحوظ خاطر رکھو (اور نہ لڑو) قتال نہ کرو، (ان) مشرکین (سے) عزت و حرمت والی (مسجد حرام کے پاس) پورے حرم شریف میں تمہاری طرف سے قتال میں ابتدا نہیں ہونی چاہئے (یہاں تک کہ تم سے لڑنے کی ابتدا حرام میں وہ) مشرکین ہی (کر گزریں) تو اگر وہ خود تم سے لڑ پڑے تو مارو ان کو (اور قتل کر دو) (یہی) واجب (سزا ہے کافروں کی) یعنی ان کے ساتھ وہی کیا جائے جو انہوں نے اپنے غیروں سے کیا۔

۔۔۔ العرض۔۔۔ حرمت والے مہینوں میں حرم شریف کے سوا کہیں بھی ان سے قتال کیا

جاسکتا ہے۔ ہاں حرم شریف میں اسی صورت میں قتال کی اجازت ہے، جبکہ کفار حرم شریف کی حرمت کو پامال کر کے خود ہی قتال شروع کر دیں اور بیت اللہ شریف میں بھی تمہارے ساتھ لڑنے لگ جائیں، تو تم بھی ان سے لڑو اور یہ پرواہ نہ کرو کہ بیت اللہ تو امن کی جگہ ہے، ہم کیسے لڑیں؟ اسلئے کہ یہاں کی لڑائی، بیت اللہ کی ہنگامہ سلسلہ مشرکین نے شروع کیا ہے۔ لہذا اب وہ سخت سے سخت عذاب کے مستحق ہیں اور عذاب کی ایک صورت یہ ہے کہ تم انہیں جہاں پاؤ، مار ڈالو۔

قَالَ اَتْتَهُمْ اَقَاتِ اللّٰهُ عَفْوًا رَّحِيْمًا ﴿۱۷﴾

پھر اگر باز آگئے تو بیشک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔

(پھر اگر) وہ کافرین و مشرکین اپنے کفر و شرک سے (باز آگئے) اور جنگ سے رک جائیں (تو بیشک اللہ) تعالیٰ ان کی سابقہ سرکشوں زیادتیوں کو (بخشنے والا) ہے اور ان کی توبہ و ایمان کو قبول فرما کر ان پر (رحمت) فرمانے والا ہے۔

---الغرض--- صرف جنگ روک دینے سے وہ مغفرت و رحمت کے مستحق نہیں ہوتے۔ اس سے وہ صرف مسلمانوں کی جوابی کارروائی سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ رہ گیا مغفرت و رحمت کا استحقاق، تو اس کیلئے توبہ و ایمان ضروری ہے۔ مسلمانوں تم ہر اس مشرک اور کافر کے خلاف جو دعوت اسلام کو مسترد کر دے اور اسلامی نظام کو برپا کرنے کی مہم میں مزاحم ہو، جہاد کرتے رہو۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةً وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ

اور ان کو مارو یہاں تک کہ نہ رہ جائے کوئی فتنہ اور سب کا دین اللہ کے واسطے ہو جائے۔

قَالَ اِنْتَهُمْ اَقَاتِ اللّٰهُ عَفْوًا رَّحِيْمًا ﴿۱۸﴾

پس اگر وہ باز آگئے تو زیادہ بخشنے والے نہیں ہے مگر ظالموں پر۔

(اور ان کو مارو) نیست و نابود کر دو (یہاں تک کہ نہ رہ جائے) شہر مکہ میں (کوئی فتنہ) ---الغرض--- دین کے معاملہ میں مداخلت اور جبر کرنے کی قوت ٹوٹ جائے اور ہر شخص آزادی سے

دین حق کو قبول کر سکے اور فتنہ و شرک کا بالکلیہ خاتمہ ہو جائے (اور سب کا دین اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو جائے)، جس میں کوئی شیطانی مداخلت نہ ہو اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی پرستش کی جائے۔ (پس اگر وہ) مشرکین اپنے کفر و شرک سے (باز آگئے) اور اسلام قبول کر لیا (تو) اب ان سے جنگ نہ کرو اور ان کو قتل کرنے سے رک جاؤ، اسلئے کہ ان کے تعلق سے جو سخت احکام دئے گئے تھے، یہ ان کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے تھے اور عدل و انصاف کے تقاضے تھے۔ رہ گیا (زیادہ سختی) والا حکم تو وہ (نہیں ہے) مگر ظالموں پر) اور اب جب وہ ایمان لا چکے تو اب ظالم ہی کہاں رہے۔

مسلمانو! سابقہ آیات میں کفار کے تعلق سے تم کو جیسے کو تیسرا والے اصول کو اپنانے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سال حدیبہ میں کفار کی طرف سے جو کچھ ہوا کہ انہوں نے ماہ ذی القعدہ، جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، کا بھی لحاظ نہیں کیا اور تیروں اور پتھروں سے تم پر حملہ کر دیا، جبکہ انکا ہمیشہ کا پرانا دستور تھا کہ وہ ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، ان چار حرمت والے مہینوں میں جنگ و جدال سے باز رہتے تھے، مگر اس موقع پر کافروں نے حرمت والے مہینے کا پاس و لحاظ نہیں کیا اور اب جب کہ تم عمرہ کیلئے نکلے ہو تو یہ بھی اتفاق سے ذی القعدہ ہی کا مہینہ ہے۔ ایسی صورت میں تمہیں خیال آسکتا ہے کہ کہیں اس وقت بھی یہ کفار حرمت والے مہینے کی حرمت کو پامال کر کے جنگ نہ کر بیٹھیں اور ہم اس کی حرمت کا پاس و لحاظ کر کے انکا جواب نہ دے سکیں۔ تو مسلمانو، اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دو کہ اب اگر بالفرض اس مہینے کی حرمت کو پامال کر کے تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو پھر تم بھی اسی حرمت والے مہینے میں پوری قوت کے ساتھ ان کا جواب دو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو اس جوابی کاروائی کی پوری اجازت ہے۔

الشَّهْرَ الْحَرَامَ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتِ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا

ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام ہے اور آداب برتنے میں ادلا بدلا ہے۔ تو جس نے زیادتی کی تم پر تو تم بھی زیادتی

عَلَيْهِمْ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ وَاللَّوَالِئَةُ بِاللَّهِ ۗ وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹۰﴾

کرہاں پر جیسی اس نے زیادتی کی تم پر۔ اور اللہ سے ڈرو اور یقین جاؤ کہ وہاں اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اسلئے کہ سابقہ (ماہ حرام) ذی القعدہ (کا بدلا) موجودہ (ماہ حرام) ذی القعدہ (ہے)۔ ماہ

حرام کی بے حرمتی کی ابتداء کافروں نے کی ہے، تو اب تمہاری جوانی کاروائی بے حرمتی نہیں قرار پائی، کافروں نے جو کیا، وہ انکا ظلم اور ان کی زیادتی ہے، اور اسکے جواب میں تم جو کرو گے، وہ تمہارا عدل ہوگا، جو سرکشوں کی سرکشی کو دبانے کیلئے ضروری ہے۔ رہ گئے حرمت والے مقام، حرم شریف، حرمت والے مہینے، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب اور حرمت والی حالت احرام کے آداب (اور) انکا احترام، تو سن لو کہ (آداب برتنے میں اولاد بلا ہے) تو جو تم میں سے ماہ حرام میں قتال کرے، تو تم بھی اس سے ماہ حرام میں قتال کرو۔ اور جو تم سے حرم میں قتال کرے، تو تم بھی اس سے حرم میں قتال کرو۔

--- یونہی --- جو تم سے ایسی حالت میں قتال کرے کہ تم حالت احرام میں ہو، تو تم بھی اسی حالت میں اس سے قتال کرو، کہ وہ بھی حالت احرام میں ہو۔۔۔ الغرض۔۔۔ ان حرمتوں کے درمیان آپس میں مساوات ہے اور یہ ایک دوسرے کا بدل ہیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ تمہارا 'ترک حرمت'، کافروں کے 'ترک حرمت' کا بدل اور اسکا جواب ہے۔

(تو جس نے) بھی جنگ کی ابتداء کر کے (زیادتی کی تم پر تو) اس کی زیادتی کے جواب میں (تم بھی زیادتی کرو اس پر جیسی اس نے زیادتی کی تھی تم پر)۔ اس کی زیادتی حقیقی زیادتی ہے لیکن تمہاری زیادتی چونکہ صرف ایک جوانی کاروائی کے طور پر ہے اسلئے صرف صورتاً ظاہری طور پر زیادتی ہے۔ مقصد و ارادہ کے لحاظ سے دونوں زیادتیوں کی حقیقت الگ الگ ہے، مگر صورتاً دونوں ایک ہی جیسی نظر آتی ہیں۔۔۔ المختصر۔۔۔ کفار کے مقابلے میں تم جوانی کاروائی کرو (اور) انکا خوف دل میں نہ لاؤ بلکہ (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو) پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو (اور یقین جانو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (ڈرنے والوں کے ساتھ ہے)۔ ان کے حال کو درنگی پر رکھنے والا ہے اور انکی نصرت و معونت فرمانے والا ہے۔

اب تک اس جہاد کا حکم دیا جس میں جان کی قربانی پیش کرنی ہوتی ہے اور اب مال خرچ کرنے کا حکم مرحمت فرمایا جا رہا ہے۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں۔

وَاحْسِنُوا إِلَى اللَّهِ يَحِبِّ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور احسان کرو۔ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو۔

اے صاحبان استطاعت ایمان والو! اپنے ان بھائیوں کا خیال کرو جو عمرہ قضا ادا کرنے کیلئے اللہ کے رسول ﷺ کی معیت میں مکہ جانا چاہتے ہیں، لیکن غربت کی وجہ سے زاوہ راہ کا انتظام کرنے سے قاصر ہیں، تو ان کی مدد کرو (اور) صرف یہی نہیں بلکہ (خرچ کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں) اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کیلئے، ہر اس کام کیلئے مالی قربانیاں پیش کرو، جس میں دین کا اعزاز ہو، کلمہ حق کی سر بلندی ہو، احکام الہیہ کی بجا آوری ہو، خواہ وہ حج کا معاملہ ہو یا عمرے کا، خواہ وہ کفار سے جہاد کے امور ہوں۔۔۔ یا۔۔۔ صلہ رحمی کے، مساکین و فقراء کی مدد کرنی ہو۔۔۔ یا۔۔۔ اہل و عیال، آل و اولاد اور دیگر اہل حقوق کی رعایت۔ غرض یہ ہے کہ قرب الہی میں خرچ کے جو معاملات ہیں، وہ تمام اس آیت میں داخل ہیں۔ تو نشاط طبع اور انشراح صدر کے ساتھ راہ خدا میں خرچ کرتے رہو (اور نہ ڈالو خود کو اپنے ہاتھوں سے) اپنی ہی زبوں کرداری، بے عملی اور بد عملی سے (ہلاکت میں)۔۔۔ الغرض۔۔۔ اے لوگو! اپنے نفسوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ غزوات سے کنارہ کش ہو کر اور دین کیلئے جنگ کی ضروریات میں نہ خرچ کر کے، کیونکہ اس سے تمہارے دشمن کو تقویت ملے گی اور وہ تم پر مسلط ہو جائے گا۔

حضرت ایوب انصاری نے جب اس آیت کریمہ کو سنا، اسی وقت سے جہاد فی سبیل اللہ میں زندگی بسر کی، یہاں تک کہ آپ کے آخری لمحات بھی مسافری اور جنگ میں ختم ہوئے۔ جہاد کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ، ایک ایسا فریضہ ہے جس کو نظر انداز کر دینے میں تبلیغ و اصلاح کی اولیت رکھنے والوں کیلئے دین و دنیا کی بربادی اور ہلاکت ہے۔ جہاد و تبلیغ مسلمانوں کی زندگی ہے، اعلیٰ کلمہ الحق کا ذریعہ ہے، ان سے منہ موڑ لینا ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں اور یقیناً یہ موت سے بدتر ہے۔۔۔ یوں۔۔۔ فضول خرچی اور معاش کے اسباب کو ضائع کر دینا بھی ہلاکت ہے، تو اس سے بھی بچو۔۔۔ الغرض۔۔۔

اے ایمان والو! ہر اس کام سے اپنے کو بچاؤ جس میں تمہارے دین و دنیا کی تباہی و بربادی ہے (اور احسان کرو) غریبوں، خاص کر کے مجاہدین سے حسن سلوک کرو اور اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کی بجا آوری کر کے اپنے اعمال میں حسن و خوبصورتی کے جوہر کو نمایاں کرو اور اپنے کو بخیل و خسیس ہونے سے بچاؤ (بے شک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو) اور انہیں بے پایاں اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔

سابقہ ارشادات میں حرمت والے مہینوں، حرمت والے مقام اور حرمت والی حالت کے تعلق سے گفتگو کی گئی تھی، اور اب حرم شریف میں ہونے والی خاص عبادت یعنی حج اور عمرہ کا بیان شروع کیا گیا ہے۔ فریضہ حج ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے۔ صاحبانِ استطاعت، ایمان والوں پر جس کی فرضیت کا حکم باختلاف روایت ۵ ہجری یا ۶ ہجری یا ۹ ہجری کو نازل فرمایا گیا۔ ۸ ہجری فتح مکہ کے سال میں حضرت عثمان بن اسید نے مسلمانوں کو حج کرایا۔ ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق نے اور ۱۰ ہجری میں خود رسول ﷺ نے حج کرایا۔

وَأْتُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا

اور پورا کرو حج و عمرہ کو اللہ کیلئے، پس اگر روک دیئے گئے تم تو بھیجو جو آسانی سے قربانی کا جانور ملے اور نہ

تَخْلِفُوا أَرْوُءَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهَا

منذ او اپنے سروں کو یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی اپنی جگہ، تو جو تم میں سے بیمار ہو یا اس کے

أَذَىٰ مِنْ رَأْسِهِ فَفَدِيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ ۚ فَمَنْ

سر میں کچھ تکلیف ہے تو اسکے لئے بدلہ روزے، یا خیرات، یا قربانی۔ پھر جب خیر و عافیت سے ہوئے، تو جس نے

تَشَعَّرَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ

حج سے عمرہ کو ملا دینے کا فائدہ اٹھایا تو اس پر ہے جو میسر آئے قربانی۔ پر جس نے نہ پائی قربانی تو روزے سے ہیں تین

أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۚ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ۚ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلًا

دن کے زمانہ حج میں، اور سات دن کے جب حج سے تم وطن لوٹے، یہ پورے دس ہیں۔ یہ اسکے لئے جسکے اہل و عیال

حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۚ

مسجد حرام کے پڑوسی نہیں ہیں۔ اور اللہ کو ڈرو اور جان رکھو کہ بیشک اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے۔

تو اے مسلمانو! جب تم حج و عمرہ کے ارادے سے نکلو، تو حج اور عمرہ کے تمام شرائط، فرائض اور

واجبات کو ادا کرو (اور پورا کرو حج و عمرہ کو) ایسا کہ وہ کامل ہوں ناقص نہ رہیں۔ اور یہ کام بھی صرف

(اللہ) تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا (کیلئے) ہو، کھیل کود، لہو و لعب، سیر و تفریح، شعر و شاعری اور اپنی

خطابت اور فصاحت و بلاغت کا جو ہر دکھانے کیلئے نہ ہو، جیسا کہ قدیم زمانے کے عربوں نے اپنا دستور بنالیا تھا۔ ان کے نزدیک حج ایک میلہ اور مکہ شریف ایک تجارتی منڈی بکرہ گیا تھا۔ عبادت کا پہلو تو بالکل ختم ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ یا۔۔۔ اتنا غیر اہم ہو گیا تھا کہ اسکا کوئی اثر ہی محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔

اے مسلمانو تم ان کافروں کی راہ پر نہ چلو بلکہ حج و عمرہ کو اللہ کی عبادت سمجھ کر، اسکی رضا جوئی کیلئے پورے آداب و شرائط اور پورے اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ ادا کرو۔ اب تمہیں اختیار ہے کہ حج کے مہینے میں صرف حج کا احرام باندھو اور اس کے ساتھ عمرہ نہ ملاؤ، یہ حج افراد کی صورت ہوگی۔۔۔۔۔ تم حج کو عمرہ سے ملا دو، اس کی تین صورتیں ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔ پہلے صرف حج کا احرام باندھا جائے اور پورے شرائط کے ساتھ حج کو مکمل کر لیا جائے۔ جب حج پورا ہو جائے تو حرم سے باہر جا کر صل سے عمرہ کا احرام باندھا جائے اور اس کے اعمال کی بجا آوری کی جائے۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک یہ افضل ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔ بطور قرآن: احرام کے وقت حج و عمرہ کی ایک ساتھ نیت کی جائے اور حج و عمرہ دونوں کیلئے ایک ساتھ لبیک کہی جائے اور پھر صرف اعمال حج پر اقتصار و اکتفا کیا جائے، اسلئے کہ عمرہ اس صورت میں حج میں اسی طرح داخل ہے جس طرح وضو غسل میں داخل ہوتا ہے۔ امام اعظم کے نزدیک یہ قسم افضل ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔ بطور تمتع: جب حج کے موسم میں میقات پر پہنچے تو وہاں صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھے اور پھر مکہ آ کر عمرہ کے تمام اعمال سے فارغ ہو جائے اور احرام سے باہر ہو جائے اور جب یوم ترویہ آئے تو مکہ شریف ہی سے حج کیلئے احرام باندھ لے۔ امام احمد کے نزدیک یہ بہتر ہے۔۔۔ عمرہ اگر چہ 'احناف' کے نزدیک سنت ہے، لیکن اسکی نیت کر لینے اور اسکا احرام باندھ لینے کے بعد اب اس کو پورا کرنا واجب ہے، جس طرح کہ لعل نماز جب تک نیت نہ کر وہ لعل ہے، لیکن نیت کرتے ہی

واجب ہو جاتی ہے، اور اب اس کو پورا کرنا لازم ہے۔

(پس اگر) حج و عمرہ۔۔۔۔۔ یا۔۔۔ ان میں کسی ایک کی نیت سے احرام باندھنے کے بعد (روک دئے گئے تم) بوجہ مرض۔۔۔۔۔ دشمنی۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ بجز۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ خرچ ختم ہونے۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ سواری نہ

ہونے سے۔۔۔ یا۔۔۔ کسی اور عواقب سے۔۔۔ المختصر۔۔۔ بیت اللہ شریف پہنچنا تمہارے لئے ممکن نہ رہا اور تم احرام سے فارغ ہونا چاہو (تو بھیجو) حرم شریف میں ذبح کرانے کیلئے، تم کو (جو آسانی سے قربانی کا جانور) اونٹ۔۔۔ یا۔۔۔ گائے۔۔۔ یا۔۔۔ بکری۔۔۔ یا۔۔۔ ان میں سے کسی ایک کی قیمت (ملے اور) اس وقت تک احرام سے فراغت پانے کیلئے (نہ منڈاؤ اپنے سروں کو یہاں تک کہ) یقینی طور پر (پہنچ جائے قربانی) کا جانور حرم شریف میں (اپنی جگہ) پر جہاں اسکی قربانی ہونی ہے اور جب اسے بخوبی اندازہ ہو جائے کہ اب میری قربانی حرم شریف میں پہنچ کر ذبح ہو گئی یا جو میں نے جانور خریدنے کی قیمت دی، تاکہ حرم شریف میں خرید کر ذبح کر دیا جائے تو اسکا ذبیحہ ہو گیا، تو اب احرام سے فارغ ہو جائے۔۔۔ الغرض۔۔۔ حج کا احرام باندھ لینے والو، حرم شریف کا سفر نہ کر سکنے کی صورت میں بھی اپنے احرام میں ثابت رہو اور سر نہ منڈاؤ، یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تمہاری قربانی ذبح کر دی گئی۔

اس مقام پر مجبوروں اور معذوروں کیلئے کافی رعایت ہے (تو جو تم میں سے) حالت احرام ہی میں (بیمار ہوا) اسے ایسا مرض لاحق ہو گیا جو ادائیگی فرض میں احرام کے وقت حرج پیدا کرتا ہے (یا اس کے سر میں) زخم ہونے، جوئیں پڑ جانے، پورے یا آدھے سر میں شدید درد ہونے کی وجہ سے (کچھ تکلیف ہے) جس کی وجہ سے وہ سر منڈانے۔۔۔ یا۔۔۔ کپڑا پہننے۔۔۔ یا۔۔۔ سر چھپانے کیلئے مجبور و مضطر ہے (تو) یہ سب کچھ کر لینے کی اسے اجازت ہے، مگر ان میں سے کوئی کام کر لینے کی صورت میں (اس کیلئے) بطور کفارہ (بدلہ ہے) اور تین دن کے (روزے) اس پر واجب ہیں (یا) صدقہ فطر کے مقدار میں چھ ۶ مسکینوں کو (خیرات) کرے اور ہر ہر مسکین کو ایک ایک صدقہ دے (یا) کم از کم ایک بکری کی (قربانی) کر دے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ روزہ، صدقہ اور قربانی، ان تینوں کاموں میں سے کوئی ایک کام انجام دے دے۔ (پھر جب) تم (خیر و عافیت سے ہوئے) اور دشمنوں کی طرف سے کسی طرح کی رکاوٹ، ان کے خوف، بیماری اور صحت کی خرابی اور تنگدستی وغیرہ سے نجات پا گئے (تو) تم میں سے ساکنین حرم کے سوا (جس نے) بھی حج سے تقرب الی اللہ حاصل کرنے سے پہلے عمرہ سے تقرب الی اللہ پانے کیلئے اپنے ایک ہی سفر میں بطور تمتع (حج سے عمرہ کو ملا دینے کا فائدہ اٹھایا)۔

۔۔۔ یا۔۔۔ وہ شخص جو کہ عمرہ کے احرام سے فراغت پا کر احرام کے ممنوعات کے مباح ہونے

سے نفع پائے، یہاں تک کہ وہ حج کا احرام باندھ سکے (تو اس پر) واجب (ہے) بکری، گائے اور اونٹ میں سے (جو میسر آئے) اس کی (قربانی)، یہی تمتع کی قربانی ہے۔ اسکے گوشت کا حکم وہی ہے جو عید قربان کی قربانی کے گوشت کا ہے (پر جس نے نہ پائی قربانی) کرنے کی گنجائش (تو) اس پر دس (روزے) لازم (ہیں تین دن کے) روزے (زمانہ حج میں) یعنی حج کے ایام میں اور اسکے مہینوں میں حج و عمرہ کے دو احرام کے درمیان پہلی ذی الحجہ سے ۹ ذی الحجہ تک میں یہ روزے، چاہے متفرق رکھے، چاہے پے در پے۔ ساتویں، آٹھویں، نویں ذی الحجہ یہ روزے رکھنا مستحب ہے۔

--- الغرض --- تین روزے مذکورہ بالا ہدایت کے مطابق رکھے (اور سات دن کے) روزے (جب حج) کے اعمال (سے) فارغ ہو کر (تم) اپنے (وطن لوٹے) یعنی اپنے شہر میں آگئے --- المختصر --- (یہ پورے دس) روزے (ہیں) یہ ہر اس حاجی کو رکھنے ہیں جس نے تمتع --- یا --- قرآن کر کے عمرہ کو حج سے ملا دیا ہے اور اسے قربانی کرنے کی استطاعت نہیں ہے --- الغرض --- یہ روزے اس قربانی کا بدل ہیں۔

مذکورہ بالا --- (یہ) --- تمتع (اس کیلئے) ہے (جس کے اہل و عیال مسجد حرام کے پڑوسی نہیں ہیں) یعنی وہ خود مکہ کا شہری نہیں ہے۔ اسلئے کہ مکہ شریف کے قرب و جوار کے لوگوں کیلئے ضروری ہے، کہ حج کے مہینوں کے سوا کسی دوسرے مہینوں میں عمرہ کرے اور حج کے ایام میں صرف حج افراد کیا کریں۔ اسلئے کہ قرآن تمتع، صرف آفاقوں، یعنی مکہ شریف سے دور رہنے والوں کیلئے ہے۔

--- الغرض --- جس شخص کا مسکن موافقت کے اندر ہے، اس کیلئے تمتع ہے، نہ قرآن --- مسلمانو! ان احکامات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو (اور اللہ کو ڈرو) اسکے اوامر کی بجا آوری اور اسکی شریعت کے احکام کی پیروی کرو اور اس کے حکم کو نظر انداز کر دینے اور پس پشت ڈال دینے سے اپنے کو بچاؤ اور اسکی شریعت کا استخفاف اور اس کو ناقابل التفات قرار دینے کی جرأت نہ کرو (اور) اس کو صرف اتنا ہی نہیں کہ جان لو اور پھر فراموش کر دو بلکہ ہمیشہ کیلئے (جان رکھو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ ان لوگوں پر جو اس کے اوامر و نواہی کا پاس و لحاظ نہیں رکھتے (سخت عذاب فرمائے والا ہے)۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کو پورا کرنے کا حکم دیا تھا اور عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ حج کا وقت متعین ہے اور اسکے مہینے معروف و مشہور ہیں۔

الْحَجَّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ ۖ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَدَّ وَلَا مُسَوِّفٌ

حج جانے بوجھے چند مہینے ہیں۔ تو جو فریضہ حج ادا کرنے لگانا میں، تو نہ عورتوں سے جماع کا تذکرہ ہے،

وَلَا جِدَالٌ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمَهُ اللَّهُ وَتَزُودُوا

اور نہ کوئی گناہ ہے، اور نہ حج میں لڑائی جھگڑا ہے، اور تم جو نیکی کرو اللہ کو اس کا علم ہے۔ اور تو شہ جمع کرو کہ

فَإِنَّ خَيْرَ الْإِمَامِ الْقَوِيُّ وَالْقَوْنُ يَا وِی الْأَلْبَابِ ۝

پیشک سب سے بہتر تو شہ خوف خدا ہے۔ اور مجھ کو ذرا کرواے عقل والو •

چنانچہ ارشاد فرمایا (حج) کا وقت جس میں فریضہ حج ادا کیا جاسکے وہ صرف (جانے بوجھے

چند مہینے ہیں) حج انہی ایام میں ادا ہو سکتا ہے اور بس۔ اور وہ مہینے یہ ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔ شوال، ﴿۲﴾۔۔۔ ذی القعدہ، ﴿۳﴾۔۔۔ ذی الحجہ

۔۔۔ کا پہلا عشرہ یعنی ابتدائی دس دن۔۔۔ یہی حج کے ایام ہیں، اسکو پہلے ہی سے لوگ جانتے پہچانتے

تھے، کیونکہ ان کا علم انہیں تو ارشاً چلا آ رہا تھا، پھر شریعت اسلامیہ نے بھی ان کی توثیق کر دی، یعنی جسے

پہلے وہ جانتے تھے شریعت نے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں فرمایا، بلکہ جوں کا توں رہنے دیا (تو جو

فریضہ حج ادا کرنے لگا) اور (ان) ایام (میں) حج کی نیت سے احرام باندھ لیا اور لبیک پکار لیا۔۔۔ نیز۔۔۔

قربانی کا جانور ساتھ ہونے کی صورت میں جانور کے گلے میں چمڑہ وغیرہ باندھ لیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ اپنی

نیت اور اپنے عمل سے ظاہر کر دیا کہ وہ حج کے اعمال کا آغاز کر چکا ہے تو وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ اس

حالت میں اسکے لئے اب (تو نہ عورتوں سے جماع کا تذکرہ) اور مبشرت کی باتیں کرنے کی گنجائش

(ہے) بلکہ اس کے سوا وہ افعال جو جماع کا سبب بنتے ہیں۔۔۔ مثلاً: بوسہ وغیرہ، تو یہ سب بھی حالت

احرام میں حرام ہیں (اور نہ) ہی اس کو (کوئی گناہ) والا عمل کرنا (ہے) یہاں تک کہ اس کو اس بات کی

بھی اجازت نہیں کہ وہ گالیاں بکے اور دوسروں کو گندے اور برے القاب سے یاد کرے (اور نہ) ہی

حاجی کو (حج میں) حج کے دوران اپنے خادموں، ساتھیوں اور برائی کرنے والوں سے (لڑائی جھگڑا)

کرنا (ہے)۔ اسلئے کہ لڑائی جھگڑا، بغض و عداوت کو بڑھانے اور محبت و الفت کے کم کرنے کا سبب

ہے۔ گناہ والے اعمال اور لڑائی جھگڑا یہ تو ایسی چیزیں ہیں جو حالت احرام میں نہ رہنے والوں کیلئے بھی

نا پسندیدہ و ناجائز ہیں، پھر حالت احرام میں ان کی قباحت و شاعت کا کیا عالم ہوگا؟

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ شراب نوشی اور دوسرے اعمال شنیعہ و قبیحہ جن سے ہوں اور جس جگہ پر ہوں، وہ حرام و ناجائز ہی ہیں۔۔۔ مگر۔۔۔ یہی امور اگر مسجد میں انجام دئے جائیں تو یہ اور بھی بدترین صورت حال ہوگی۔۔۔ الخمر۔۔۔ جو امور دیگر اوقات میں حرام ہیں وہ دوران حج بہت زیادہ برے ہیں، جیسے ریشم پہننا ویسے بھی حرام ہے، لیکن حالت نماز میں پہننا اس سے زیادہ برا ہے۔ شر سے روکنے کے بعد اب نیکوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

(اور) ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ (تم جو نیکی کرو) وہ ضائع ہونے والی نہیں، کیونکہ (اللہ تعالیٰ) (کو اس کا علم ہے) جو کون کاروں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا وہ اپنے فضل و کرم سے تمہیں ضرور اجر عطا فرمائے گا۔ لہذا نیکی کے حاصل کرنے میں کمال درجے کی رغبت کا مظاہرہ کرو اور یاد رکھو کہ اچھا کلام کرنا برے کلام کے عوض، اور تقویٰ کا عمل فسق کے بدلے، اور عوام سے موافقت اور اخلاق حسنہ کا مظاہرہ جدال کی بجائے، بہتر ہے۔

اسے حج کا ارادہ کرنے والو تم اہل یمن کی نقل نہ کرو، جو حج کیلئے روانہ ہو جاتے لیکن زادراہ ساتھ نہ لے جاتے اور کہتے ہم تو متوکل علی اللہ ہیں، جب ہم بیت اللہ کو جا رہے ہیں تو پھر وہی ہم کو کھلائے گا اور پھر وہ لوگوں پر بوجھ بن جاتے۔ پہنچتے ہی لوگوں کے آگے دست سوال اٹھانے لگتے یہاں تک کہ لوٹ کھسوٹ بھی کرنے لگتے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے تو تم ایسا نہ کرو (اور) حج کے سفر میں روانہ ہونے سے پہلے ہی اپنی ضرورت کے مطابق (توشہ جمع کرو) خواہ دنیا کا سفر ہو، خواہ آخرت کا۔۔۔ دنیا کے سفر کا توشہ یہ ہے کہ اپنا خرچ اپنے ساتھ لے جاؤ اور وہاں جا کر لوگوں سے کھانا نہ مانگو، ان پر بوجھ نہ بناؤ نہ ہی ان کو تنگ کرو، کیوں (کہ بے شک سب سے بہتر توشہ خوف خدا ہے) جب تم میں خوف خدا ہوگا تو تم لازمی طور پر بے جا دست سوال دراز کرنے اور لوٹ کھسوٹ سے اپنے کو بچاؤ گے اور کوئی ایسا عمل نہ کرو جس میں خدا کی ناراضگی ہے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ دنیا کے سفر کیلئے زادراہ ضروری ہے۔ یہاں یہ بھی سمجھ لو کہ جس طرح دنیا کے سفر کیلئے زادراہ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح آخرت کے سفر کیلئے بھی زادراہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ آخرت کے سفر کیلئے بہترین زادراہ پر ہیزگاری ہے اور پر ہیزگاری حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اور انکی معرفت یہ ہے کہ بندہ ماسوی اللہ سے

روگردانی کرے اور اسکی طاعت میں مشغول رہے اور اس کے احکام کی پابندی کرے اور اسکی منائی کی مخالفت کرے۔

آخرت کے مسافر کی زائرہ دنیا کے مسافر کی زائرہ سے افضل ہے۔ اسلئے کہ دنیا کا زائرہ چند روز کے دکھ سے بچاتا ہے جبکہ آخرت کا زائرہ دائمی عذاب سے محافظت کرتا ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کا زائرہ فانی ہے اور آخرت کا زائرہ دائمی لذت کی طرف پہنچاتا ہے۔

--- الغرض --- خوف خدا اور پرہیزگاری ہی سے دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح وابستہ ہے تو پھر تقویٰ و پرہیزگاری کی عادت بنا لو (اور) صرف (مجھ) ہی (کو ڈرا کر وائے عقل والو) تم عقلمند ہو تو تم پر لازم ہے اپنی عقل تمام غلط ملاوٹوں سے دور رکھو اور نفس کے تزکیہ میں لگے رہو اور اسے بلند مراتب اور اعلیٰ مناصب تک پہنچانے کی جدوجہد کرتے رہو اور اچھی طرح سے سمجھ لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ ایسا ہے گویا اسے عقل کی دولت نصیب نہیں ہوئی۔

اس مقام پر یہ بھی سمجھ لو کہ اگر تم نے حج کا سفر خالصاً لوجہ اللہ کیا ہے اور اس سفر سے مستقلاً --- یا --- تبعاً و ضمناً کوئی اور غرض نہیں ہے، بلکہ صرف حج کرنا ہی مقصود ہے --- الغرض --- تجارت، سیر و تفریح اور احباب سے ملنا مانا سفر کا مقصود نہیں ہے، لیکن مکہ شریف پہنچ کر حج کے ایام میں تجارت کے معاملات پیش آجائیں تو یہ نہ سمجھ لینا اس سے حج نہیں رہتا اور تم حج کے ثواب سے محروم ہو جاؤ گے، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ وہاں ان ایام میں تجارت نہ کرو اور اپنے کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں مصروف رکھو۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ قَاذًا اَفْضَلُكُمْ مِّنْ عَرَفْتِ

نہیں ہے تم پر کوئی الزام کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو، پس جب واپس ہو تم عرفات سے

قَاذِكُمْ وَاللّٰهُ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ

تو ذکر کرو اللہ کا مشعر حرام کے پاس اور اس کا ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو بتایا ہے،

وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضّٰلِّیْنَ ﴿۷۰﴾

گو پہلے سے تو تم گمراہوں سے تھے۔

مگر بایں ہمہ (نہیں ہے تم پر کوئی) شرعی (الزام کہ) ان ایام میں تجارت کے ذریعہ (اپنے

رب کا فضل تلاش کرو) اور اس مقام پر یہ خیال نہ کرو کہ ایام حج میں جدال اور بے جا بحث و تکرار سے منع کیا گیا ہے، تو ہو سکتا ہے کہ ایام حج میں تجارت بھی ممنوع ہو، اسلئے کہ اس میں بھی خرید و فروخت کے وقت بحث و تکرار ہو ہی جاتی ہے (پس جب واپس ہو تم عرفات) نام والی جگہ (سے) یعنی اس مقام سے جہاں پر حضرت آدم، حضرت حواء علیہما السلام ایک دوسرے سے پھڑ جانے کے بعد ملے تھے اور ایک دوسرے کی پہچان اور معرفت حاصل کی تھی، وہ دن بھی عرفہ کا تھا، اس پہنچانے کی وجہ سے اس جگہ کو عرفات کہا جانے لگا۔۔۔ یا۔۔۔ اس جگہ کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو پہچان کرائی گئی تھی اور اس کے اوصاف سے انہیں آگاہ کیا گیا تھا جب وہ آئے تو اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اس معرفت کی وجہ سے اس جگہ کو عرفات کہا جانے لگا۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس مقام کو عرفات کہنے کی وجہ کوئی بھی ہو لیکن اسکی عظمت و تقدس کا عالم یہ ہے کہ ۹ ذی الحجہ زوال کے بعد ہر حاجی کیلئے وہاں کا قیام فرض ہے، جس کے بغیر حج ہو ہی نہیں سکتا۔ 'عرفات سے واپسی' خود اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ عرفات کا قیام لازمی و ضروری ہے، اسلئے کہ جو وہاں گیا ہی نہیں وہ وہاں سے واپس کیسے ہوگا۔ یہ بات ادنیٰ تا مل سے بھی سمجھی جاسکتی ہیں۔

اب جبکہ تم عرفات سے واپس ہو گئے (تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ (کا) اور تلبیہ و تہلیل و تکبیر اور حمد و ثناء اور مغرب و عشاء کی نمازوں کی ادائیگی اور دعاؤں میں مصروف ہو جاؤ، اور فجر کے وقت نماز فجر ادا کر لینے کے بعد قیام کیلئے پہنچ جاؤ (مشرحرام) حرمت و تقدس والے عبادتوں کی علامت (کے پاس) قزح پہاڑی کے قریب، جہاں امام حج قیام کرتا ہے۔ اب اگر وہاں تک تمہاری پہنچ ہو جائے، پھر تو بہت بہتر ہے، بصورت دیگر فکر مت کرو، اسلئے کہ 'مشرحرام' مزدلفہ کی پوری وادی کا نام ہے۔ یہ ایسی مقدس زمین ہے جہاں حضرت آدم حضرت حواء کے ساتھ اکٹھا ہو کر اس کے قریب آئے جہاں دو نمازوں کے ملادینے کا حکم ہے اور جہاں کے قیام سے لوگ قرب الہی حاصل کرتے ہیں۔ مزدلفہ کی زمین پر کہیں بھی قیام کیا جاسکتا ہے۔۔۔ ہاں۔۔۔ قزح پہاڑی کے پاس قیام کرنا افضل ہے جیسے عرفات کی ساری زمین ٹھہرنے کیلئے ہے لیکن جبل رحمت کے قریب ٹھہرنا افضل و اعلیٰ ہے۔

اب تک تمہیں عرفات کی واپسی پر ذکر الہی کرنے کی جگہ کے تعلق سے ہدایت کی گئی ہے اور اب تمہیں ذکر کی کیفیت اور طریقے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

(اور) ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ (اسکا ذکر کرو) اللہ تعالیٰ کا، کمال حسن و خوبی والا ذکر (جس طرح اس نے تم کو) بحسن و خوبی (بتایا ہے) اور ہدایت فرمادی ہے، بس ویسا ہی ذکر کرو اور اس میں اپنی طرف سے کسی طرح کی نامناسب من مانی، کمی بیشی نہ کرو (گو) اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے (پہلے سے تو تم) ناواقفوں، اس طریقہء حمد و ثناء سے بے خبروں اور (مگر اہوں سے تھے)۔ تمہیں اسکا علم نہیں تھا کہ ہم خدا کی عبادت اور اس کی حمد و ثنا کیسے کریں اور مناسک حج کس طرح ادا کریں، جس سے وہ ہمیں اپنے قرب اور اپنی رضا سے سرفراز فرمائے۔

اس مقام پر اے حاجیو! اس بات کا بھی خیال رہے کہ تم ان مغروران قریش، ان کی آل اور ان کے ہم خیال لوگوں کی پیروی نہ کرو جو ہر وقت احساس برتری کے نشے میں ڈوبے رہتے تھے اور عام لوگوں سے اپنے کو منفرد سمجھتے تھے۔ انھوں نے حضرت ابراہیم کی سنت کو بھی پس پشت ڈال دیا تھا، اپنے کو خدام حرم قرار دیکر سارے لوگوں کی قدیم روش کے خلاف اپنا راستہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ ان کے سوا سارے لوگ عرفات میں وقوف کر کے پھر مزدلفہ آتے تھے، لیکن یہ لوگ عرفات جاتے ہی نہیں تھے اور مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور یہیں سے واپس ہو جاتے تھے۔۔۔ تو۔۔۔ فریضہ حج کو ادا کرنے میں رضائے الہی کے طلبگاروں اور اپنے رب کی ہدایت کا مکمل پاس و لحاظ کرنے کا جذبہ رکھنے والو تم ایسا نہ کرو۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۷﴾

پھر لوٹ پڑو جہاں سے سب لوگ لوٹے اور بخشش مانگو اللہ سے، بیشک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔

بلکہ اولاً عرفات میں جاؤ، وہاں وقوف کرو (پھر) وہاں سے مزدلفہ کیلئے (لوٹ پڑو) کیونکہ یہی وہ جگہ ہے (جہاں سے) جس یعنی مغروران قریش کے سوا دوسرے (سب لوگ) صرف حضرت ابراہیم ہی نہیں بلکہ حضرت آدم کی بھی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہمیشہ (لوٹے) اور آج تک عرفات جا کر ہی مزدلفہ واپس آنا اسلامی ہدایات کی روشنی میں صحیح ہے۔ اب تم نے ایام جاہلیت میں مناسک حج میں جو ترمیم کر دی تھی تو بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو جاؤ (اور بخشش مانگو) مغفرت طلب کرو (اللہ تعالیٰ سے) اور یقین کر لو کہ (بیشک اللہ تعالیٰ مخلصانہ طور پر دل کی سچائی کے ساتھ تو بہ واستغفار کرنے والوں کا) (بخشنے والا) ہے ان پر اپنا انعام اور (رحمت) خاص فرمانے والا ہے۔

فَاذْكُرِّيْكُمْ مَّتَّاسِكُمْ فَادْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ اَوْ اَشْدَّ ذِكْرًا

پس جب تم ارکان حج پورے کر چکے تو اللہ کا ذکر کرو جیسے تم ذکرہ تم میں رہتا ہے اپنے باپ دادا کا، بلکہ اس سے کہیں زیادہ۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ﴿۲۰﴾

تو کوئی عامیوں کہتا ہے کہ اے ہمارے رب دے ہم کو دنیا میں اور نہیں ہے اسکے لئے آخرت میں کچھ بھی حصہ۔

(پس جب تم ارکان حج پورے کر چکے) تو زمانہء جاہلیت کے لوگوں کی نقل مت کرو، جو حج

کی عبادت سے فارغ ہونے کے بعد حرم کے سامنے۔۔۔ یا۔۔۔ منیٰ اور جبل رحمت کے مابین کھڑے ہوتے اور اپنے آباؤ اجداد کے حسب و نسب کی رفعت و شہرت پر باہم فخر کرتے اور انکے مراتب و مناقب بیان کرتے، (تو) تم ایسا نہ کرو بلکہ آباؤ اجداد کے ذکر کی بجائے (اللہ) تعالیٰ (کا ذکر کرو) اور اس والہانہ انداز سے رب کریم کا تذکرہ کرو (جیسے تذکرہ) اے اشراف عرب (تم میں رہتا ہے اپنے باپ دادا کا) ان کے مراتب و محاسن کا، (بلکہ) اتنا کرنے سے بھی ذکر الہی کا حق ادا نہیں ہوتا۔ تمہارے باپ دادا کے مراتب و کمالات جس ذات و وحدہ لا شریک کی عطا ہے، اس کا ذکر باپ دادا کے ہی ذکر کے جتنا اور جیسا، یعنی دونوں کی کمیت و کیفیت ایک ہی جیسی ہو، تو یہ بھی تو مناسب نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا ذکر (اس سے) باپ دادا کے ذکر سے کمیت و کیفیت میں (کہیں زیادہ) ہونا چاہیے۔

عامیوں اور جاہلوں کا بھی حال عجیب ہے کہ وہ رب تعالیٰ سے صرف دنیا ہی چاہتے ہیں (تو کوئی عامی) نا سمجھ، کم فہم، جاہل (یوں کہتا ہے اے ہمارے رب دے ہم کو) صرف (دنیا میں)۔ یہ لوگ صرف دنیا کی ناچیز پونجی مانگتے ہیں اور خدا سے صرف اونٹ، بکری، بارش، اور اسی طرح کی چیز چاہتے ہیں (اور) ظاہر ہے کہ (نہیں ہے اس) طرح کی سوچ رکھنے والے (کیلئے آخرت) کی نعمتوں (میں کچھ بھی حصہ)۔ ایسوں کو رب کریم جو کچھ دینا چاہتا ہے، دنیا ہی میں دیدیتا ہے۔ اب اگر مانگنے والا کافر ہے، تو اس جہاں کی نعمت سے بے نصیب پڑا ہے اور اگر مومن ہے تو اور مومنوں کی طرح اس کا حصہ نہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ

اور کوئی یوں کہتا ہے کہ ہر دو کا رہم کو دنیا میں طوبی دے اور آخرت میں

حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

• بھلائی، اور ہم کو بچالے عذاب جہنم سے

(اور کوئی) صاحب فہم و فراست، طالب خیر و سعادت (یوں کہتا ہے کہ) اے میرے پروردگار ہم کو (اس دنیا میں) جو اچھائی، بہتری ہے مثلاً عافیت، نیک بیوی، علم، عبادت، پاکیزہ مال، نیک اولاد، صحت، دشمنوں پر فتح، نیک لوگوں کی رفاقت، اسلام پر ثبات قدمی اور ایمان پر خاتمہ جیسی (خوبی دے) عطا فرما (اور) اے میرے پروردگار صرف یہی نہیں بلکہ (آخرت میں) بھی وہاں کی (بھلائی) یعنی جنت، حساب اور محشر کے خوف سے سلامتی، حور عین، اپنے حبیب ﷺ کی رفاقت اور دیدار الہی کی لذت سے بہرہ ور فرما (اور) اپنے فضل و کرم سے (ہم کو بچالے) اپنے غنود مغفرت کے ذریعہ (عذاب جہنم سے) اور ہمیں ان لوگوں میں شامل کر دے، جو تیرے فضل و کرم سے بغیر عذاب جنت میں جانے والے ہیں۔۔۔ نیز۔۔۔ ہماری ذات کی ان گناہوں اور نفسانی خواہشات سے حفاظت فرما، جو جہنم میں لے جانے کے اسباب سے ہوں۔

۝ **أُولَٰئِكَ لَهُمْ صِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝**

• وہی ہیں جن کے لئے حصہ ہے ان کی کمائی سے۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

وہ گروہ جو دنیا و آخرت کی بھلائی مانگتے ہیں (وہی ہیں جن کیلئے حصہ ہے ان کی کمائی سے) یعنی ان سے جو اعمال صالحہ صادر ہوتے ہیں اسکا ثواب ان کی نیکیوں کے منافع ہیں۔ اسلئے کہ وہ اس ثواب حسن کے انہی اعمال کی وجہ سے مستحق ہوئے۔۔۔ نیز۔۔۔ ان کی بارگاہ خداوندی میں دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا کرنا، یہ اگرچہ ایک درخواست ہے لیکن چونکہ یہ بندے کی طرف سے پیش کی گئی ہے، تو اسکو خود بندے کا عمل قرار دینا بھی صحیح ہے، یہی بندے کی وہ کمائی ہے، دین و آخرت کے حسنات جس کے ثمرات ہیں۔ اعمال خیر و خیرات انجام دینے والو اور رب تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائی چاہنے والو، قیامت قریب ہے (اور اللہ) تعالیٰ (جلد حساب کرنے والا ہے) لہذا تم بکثرت ذکر الہی کرنے میں مشغول ہو جاؤ اور اپنے اعمال کو ایسا بنائے رکھو جس سے تم آخرت کی بھلائی کے مستحق قرار پاؤ۔

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِلَهَ عَلَيْهِ

اور اللہ کا ذکر کو گنتی کے دنوں میں۔ تو جس نے جلدی کی دو ہی دن میں، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِلَهَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَى وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَهِكُمْ مُخْتَرُونَ

اور جس نے دیر کر دی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اسکے لئے جو اللہ سے ڈرا، اور اللہ سے ڈرا اور جان رکھو کہ بیشک تم اسکی طرف اٹھائے جاؤ گے۔

قدرت الہی کا عالم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کثرت اور انکے بکثرت اعمال کے باوجود ایک لمحہ میں حساب لے لے گا، اسلئے کہ اسے ہاتھ کی گنتی اور قلب کی یادداشت اور نظر و فکر کی محتاجی نہیں ہے۔ اسی لئے اے لوگو جسکی اتنی بڑی شان ہے اس کی اطاعت میں کمی نہ کرو اور اس سے ڈرتے رہو۔ (اور) نمازوں، قربانیوں کے ذبح اور رمی جمار وغیرہ کے بعد (اللہ) تعالیٰ (کا ذکر کرو) اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔

ایام تشریق کے چند (گنتی کے دنوں میں) مفتی بہ قول کے مطابق یوم عرفہ کی صبح سے لیکر آخر ایام تشریق تک تکبیرات پڑھے (تو جس نے جلدی کی) اور ایام منیٰ میں سے صرف دس اور گیارہ تاریخ کو منیٰ میں فقط (دو ہی دن) ٹھہرا اور صرف ان ہی دنوں (میں) رمی کی اور تیسرے دن رمی نہیں کی اس پر کوئی حرج نہیں، اس نے کوئی غلطی نہیں کی (تو) اس تعجیل کی وجہ سے (اسپر کوئی گناہ نہیں اور) یوں ہی (جس نے دیر کر دی) اور تیسرے دن بھی رمی کی (تو) اس تاخیر کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں اور (اس) تاخیر کرنے والے (پر بھی کوئی گناہ نہیں)، لہذا وہ بھی غلطی پر ہیں جنہوں نے تعجیل کو گناہ سمجھ لیا ہے اور وہ بھی غلطی پر ہیں جو تاخیر کو غلط قرار دے رہے ہیں۔ شریعت نے حاجیوں کو دونوں مذکورہ بالا صورتوں میں کسی بھی ایک صورت کو اپنالینے کا پورا اختیار دیا ہے اور یہ اور بات ہے تاخیر والی صورت تعجیل والی صورت سے افضل ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ تعجیل اگر خوب ہے تو تاخیر خوب تر ہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ حج کی ساری برکتیں اور فضیلتیں (اسکے لئے) ہیں (جو

اللہ تعالیٰ (سے ڈرا)، پرہیزگاری کی زندگی اختیار کی، اور مرتے دم تک متقی اور پرہیزگار رہا۔ صرف ایام حج میں تقویٰ شعار بنا رہنا، نہایت و رضائے الہی کیلئے کافی نہیں، تو سمجھ سے کام لو (اور) اپنے تمام معاملات میں (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو) اور ساری عمر ڈرتے رہو (اور جان رکھو) پورے یقین کے ساتھ (کہ بے شک تم اسکی طرف اٹھائے جاؤ گے) اور اپنی جزا کو پہنچو گے۔

سابقہ آیات میں دو طرح کے لوگوں کا تعارف کرایا گیا۔ ایک وہ جو صرف دنیا کی بھلائی چاہتا ہے اور اسی کیلئے دعا کرتا ہے۔ اور۔ دوسرا وہ جو دنیا و آخرت دونوں کے حسنت کی رغبت رکھتا ہے، اور دونوں جہاں کی بھلائی کیلئے دعا گو ہے۔ ان دونوں سے ہٹ کر ایک تیسرے قسم کے لوگ وہ ہیں کہ نہ تو انھیں دنیا کی بھلائی سے رغبت ہے اور نہ ہی آخرت کی بھلائی سے، ایسے لوگ اپنی ظاہری شیریں کلامی اور چرب زبانی سے اپنے دلی نفاق کو چھپائے رکھتے ہیں۔ ہر سننے والے کو انکی گفتگو اچھی لگتی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُحِبُّكَ قَوْلًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ

اور بعض لوگ وہ ہیں کہ اچھی لگے تم کو اسکی بات جیت دنیاوی زندگی میں اور وہ گواہ بنائے اللہ کو اس پر جو اسکے دل میں ہے،

وَهُوَ الْكَافِرُ الْخِصَاءُ ۝

حالانکہ وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے •

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ اوپر ذکر کردہ دو طرح کی ذہنیت رکھنے والوں کے سوا، اخس بن شریف ثقفی (اور) اسکے علاوہ (بعض لوگ وہ ہیں کہ اچھی لگے تم کو) اے سننے والے (اسکی بات جیت دنیاوی زندگی میں)۔ اسکا دعویٰ محبت کا اظہار صرف حصول دنیا کی خاطر ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ تم کو اس کا قول جو اچھا لگتا ہے اسکی وجہ صرف اسکے کلام کی حلاوت و فصاحت ہے اور وہ بھی صرف دنیوی لحاظ سے، ورنہ آخرت میں تو اسکے کلام کا کذب اور بیخ ظاہر ہو جائے گا۔ ایک طرف تو وہ جھوٹ بولتا ہے (اور) دوسری طرف یہ جرأت کہ (وہ گواہ بنائے اللہ) تعالیٰ (کو اس پر جو اسکے دل میں ہے) اور کہے کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میرے دل میں آپ کی محبت ہے اور میں اسلام کا شیدائی ہوں اور یہی میرا قلبی کلام ہے، جس کی ترجمان میری زبان ہے، یعنی میری زبانی بات میرے قلب کے موافق ہے۔ (حالانکہ وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے) اور سب سے بڑا دشمن ہے۔

وَأَذِ الْأُولَىٰ سَلَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۚ

اور جہاں پیڑ پھیری تو زمین میں دوڑ دھوپ کرنے لگا، تاکہ اس میں فساد چمچائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کر دے۔

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَّادَ ۝

اور اللہ نہیں پسند فرماتا فساد کو •

محبت کا دم بھرنا اور خلوص کا دعویٰ کرنا اب اگر اس میں صحیح طور پر منافقت نہ ہو، صرف منافقت ہی منافقت ہو، تو یہ 'ملاحدہ' اور 'زنادقہ' کا شیوہ ہے، ورنہ سچی محبت کرنے والا اور اصلی حقیقی مسلمان وہی ہے جو وہی کرے جس سے اس کا محبوب راضی ہو۔

رہ گئے یہ جھوٹے منافقین انکا تو حال یہ ہے کہ سامنے کچھ کہا (اور جہاں پیٹھ پھیری) اور اسے کچھ غلبہ اور قدرت حاصل ہوگئی (تو) اپنی شریک طبیعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے (زمین میں دوڑ دوپ کرنے لگا تاکہ اس میں فساد مچائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کر دے) جیسا کہ انض بن شریف نے کر کے بھی دکھایا کہ ثقیف میں رات گزاری تو انکے جانوروں کو ہلاک کر دیا اور انکی کھیتی کو جلادیا۔ یہ کام اس نے اس عداوت کی بنا پر کیا جو اس کے اور ثقیف کے درمیان تھی، اسی طرح ظالم حکام کی بھی عادت ہے کہ وہ اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں اور ان کے بچوں کو مروادیتے ہیں اور ان کے اموال کو ضائع کر دیتے ہیں۔۔۔ یا یہ کہ۔۔۔ ظالم پر ظلم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش بند کر دیتا ہے، تو ان کی کھیتی اور نسل میں نقصان پڑ جاتا ہے۔ فساد کا ارادہ کرنے والوں کو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا فساد کو) یعنی اس سے راضی نہیں اور اسے مبغوض رکھتا ہے بلکہ جو اس کا مرتکب ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا مبغوض ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَيْسَ الْبِهَادُ

اور جب اس سے کہا گیا کہ اللہ سے ڈر تو اسکی نفوت نے اہمار دیا اس کو گناہ کیلئے، تو کافی ہے اس کو جہنم، اور وہ ضرور برا ہوتے ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے اشیاء میں جو تغیر و تبدل فرماتا ہے، وہ کسی غرض فاسد کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کا ہر فعل محمود ہے اور کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ فساد، اشیاء میں اس تغیر و تبدل کا نام ہے، جسے غرض فاسد کیلئے انجام دیا جائے، جیسا کہ منافقین اور سارے ظلم کرنے والوں کی روش ہے۔

ایسے منافقین اور ظالمین کے ہر فرد کی یہ حالت ہے کہ جب بھی اسکی ہدایت کی گئی (اور جب) جب (اس سے کہا گیا کہ اللہ) تعالیٰ (سے ڈر) اور اپنے گندے قول و فعل اور منافقانہ رویے سے باز آ (تو اس کی نفوت) عار و خوار (نے اہمار دیا) اور آمادہ کر دیا (اس کو گناہ کیلئے) یعنی دور جاہلیت کے جاہلانہ رسومات، معاصی پر پھرتے رہنے کیلئے (تو) ایسوں کیلئے یہ سزا (کافی ہے) کہ (اس کو) ہمیشہ کیلئے

(جہنم) میں داخل کر دیا جائے گا (اور وہ ضرور) آگ کا (برابر ہے)۔

ان لوگوں کے ذکر کے بعد جو اپنے دین کو دنیا طلبی میں صرف کرتے ہیں، مناسب ہے کہ ان نفوس قدسیہ رکھنے والوں کا بھی ذکر کر دیا جائے جو اپنے نفس کو بیچتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝

اور بعض آدمی ہیں جو بیچتے ڈالتے ہیں اپنی جان کو اللہ کی خوشی چاہنے میں۔ اور اللہ بے حد مہربان ہے بندوں پر۔

چنانچہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ (اور بعض آدمی) مثلاً حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ جو کچھ رکھتے تھے مکہ میں کافروں کو دے ڈالا اور ان سے مدینے میں ہجرت کرنے کی اجازت لی۔ اس طرح خدا کی رضا اور رسول کی خوشنودی کو مال کے عوض مول لیا۔۔۔ یونہی۔۔۔ وہ سارے نفوس قدسیہ رکھنے والے جنہوں نے اللہ و رسول کی رضا کیلئے اپنی جان، اپنا مال سب کچھ قربان کر دیا۔۔۔ انرض۔۔۔ یہ سارے لوگ وہ (ہیں جو بیچتے ڈالتے ہیں) کسی تامل و تردد کے بغیر (اپنی جان کو اللہ) تعالیٰ (کی خوشی چاہنے) اور اس کی رضا حاصل کرنے (میں) تو سن لو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (بے حد مہربان ہے) اپنے ان (بندوں پر) جو اس کی رضا مندی کی خواہش میں اپنی جان فدا کر دیتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہی تو ہے کہ اپنے بندوں کو تقویٰ کا مکلف بناتا ہے اور انکے ثواب کیلئے احکام نازل فرماتا ہے، جن کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے، یہ بھی خدا کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے نفوس و اموال کا مالک حقیقی ہونے کے باوجود اپنے بندوں کے نفوس و اموال کو خریدتا ہے اور اپنا بے بہا فضل اور اپنی بے پایاں رحمت عطا فرماتا ہے، یہاں تک کہ اپنی رضا اور اپنی خوشنودی حاصل کرنے کے طریقوں سے بھی خود ہی ہدایت فرماتا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِي السَّلٰمِ كٰفِيَةً ۚ وَلَا تَكْبُحُوْا حُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

اے ایمان والو! داخل ہو اسلام میں پورے پورے، اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی۔

اِنَّكُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

بیشک وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے۔

(اے ایمان والو! داخل ہو) جاؤ (اسلام میں پورے پورے) یعنی شریعت اسلامیہ کے

جملہ احکام کو دل سے قبول کر لو اور ان کو اپنی عملی زندگی میں داخل کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ شریعت کے انہیں احکام کو اپناؤ اور ان پر عمل کرو جو تمہاری طبیعت کے موافق اور تمہاری خواہش کے مطابق ہوں اور ان احکام کو نظر انداز کر دو اور ان پر عمل نہ کرو جو تمہاری خواہش کے مطابق نہیں۔

یاد رکھو کہ اسلام ایک مکمل دستور زندگی ہے، اس کے اپنے عقائد ہیں، اسکا اپنا دیوانی اور فوجداری قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اپنے نظریات ہیں، اور یہ انسان کی ذہنی، روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن اس کی برکتیں تب ہی رونما ہو سکتی ہیں، جبکہ اسے ماننے والے اسے پورا کا پورا اپنالیں، اور اس کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہو جائیں۔ یہاں اس بات کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ اسلام کو قبول کر لینے کے بعد بعض باتوں پر عمل کرنے کے تعلق سے سابق شریعتوں میں سے کسی شریعت کا لحاظ کیا جائے۔ اسی لئے حضرت عبد اللہ بن سلام جیسے عظیم صحابی بھی حضور آریہ رحمت ﷺ سے ہفتہ کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور اسکے دودھ کی تحریم کے تعلق سے شریعت موسویہ پر عمل کرنے کی اجازت حاصل نہ کر سکے۔

--- الغرض --- اے ایمان والو! مکمل اسلام کو اپنالو اور اس پر ثابت قدم رہو (اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی) ان راستوں پر نہ چلو جو شیطان کے ہیں اور نہ اسکی اطاعت کرو کیونکہ وہ اپنے ٹیڑھے راستوں کی طرف تمہیں بلاتا ہے اور گندے دوسے ڈالتا ہے اور وہ ایسا کیوں نہ کرے، اسلئے کہ (بھٹک وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے)۔

فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰۰﴾

پس اگر تم ڈگمگائے اس کے بعد کہ آئیں تمہارے پاس صاف صاف باتیں، تو جان رکھو کہ بھٹک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے •

اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے دوسروں کے ذریعے تمہارے اسلام میں رخنہ ڈالے (پس) اب (اگر تم ڈگمگائے) اور عقائد حقہ اور اعمال صحیحہ سے روگردانی کر گئے اور حق سے بھٹک کر علما اور علماء حد سے تہاؤز کر گئے اور یہ بھی (اس کے بعد کہ آئیں تمہارے پاس) دین حق کی حقانیت کے تعلق سے دلائل و شواہد اور (صاف صاف باتیں) جسکی بنیاد پر تم خود اپنے داخل فی الاسلام ہونے کا دعویٰ کرتے ہو (تو جان رکھو کہ بھٹک اللہ) تعالیٰ اپنے امر پر (غلبہ والا) ہے، تمہارے انتقام سے عاجز نہیں ہے،

یونہی وہ (حکمت والا ہے)، حکیم ہے، حق ہی کا واجبی انتقام لیتا ہے، اچھے اور برے میں تمیز رکھنے والا ہے، تو جیسے وہ بُرے کو سزا دیتا ہے تو اس سے امید رکھی جاتی ہے کہ وہ اچھے کو انعام و اکرام سے نوازے، بلکہ یہ بات اسکی حکمت کے لائق اور اسکی رحمت سے زیادہ قریب ہے۔

--- الغرض --- حق واضح ہو چکا، اسلام کی حقانیت کے دلائل و شواہد کے روشن چراغ سے شک و شبہات کی تاریکیاں معدوم ہو چکیں۔ حجت قائم اور حقانیت واضح ہو جانے کے بعد، اسلام کو پورے کا پورا اپنانے میں کسی کیلئے بھی کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا۔ ایسی صورت میں اسلام کو قبول کر لینے میں کسی کو ذرہ برابر پس و پیش نہیں ہونا چاہئے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُمٍ مِّنَ الْعَمَامِ

انہیں کچھ انتظار نہیں مگر اس کا کہ آلے ان کو عذاب الہی بادل کے سائبان میں،

وَالْمَلٰئِكَةُ وَ قَضٰى الْاَمْرُ وَاٰلِی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاَمْوَالُ

اور فرشتے، اور معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے۔ اور اللہ ہی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے۔

--- آخر --- ان دلائل و شواہد کے آجانے کے بعد اسلام قبول کرنے سے اعراض کرنے والے اور اس دین برحق کو اپنانے میں تاہل و پس و پیش کرنے والے کیا چاہتے ہیں۔ انکے طرز فکر سے یہ اندازہ لگتا ہے کہ (انہیں کچھ انتظار نہیں مگر اسکا کہ آلے انکو عذاب الہی) گھٹا ٹوپ، مہیب آوازوں کے ساتھ، گرجدار گہرے (بادل کے سائبان میں اور) نازل کر دئے جائیں اُن پر بادلوں پر مقرر عذاب کے (فرشتے) جو عذاب پر مامور ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ قیامت ہی آجائے (اور) ان پر عذاب نازل کر دیا جائے۔۔۔ نیز۔۔۔ ان کو ہلاک کر دیا جائے پھر اس طرح انکا جو (معاملہ) ہے اس (کا فیصلہ کر دیا جائے)۔

--- الغرض --- عذاب کی پکڑ میں آنے کے بعد۔۔۔ یا۔۔۔ قیامت کی شدت دیکھ لینے کے بعد وہ ایمان لائیں گے۔ ان نادانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت انکا یہ اضطرابی ایمان ان کے کسی کام نہیں آئیگا۔ اور قضائے الہی۔۔۔ نیز۔۔۔ عدل خداوندی سے ان کے لئے عذاب دائمی لازم کر دیا جائے گا (اور) اچھی طرح سے جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ کی جزا اور اس کے فیصلے (ہی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے) خواہ وہ کسی کے عذاب کا معاملہ ہو۔۔۔ یا۔۔۔ کسی کو ہلاک کر دینے کا۔

سَلِّ بِنِي إِسْرَائِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَمَنْ يُبَدِّلْ

پوچھ لو بنی اسرائیل کو کہ تھی کھلی نشانی ہم نے ان کو دی تھیں۔ اور جو بدل ڈالے

نِعْمَةً اللَّهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۰﴾

اللہ کی نعمت کو اس کے آنے کے بعد، تو بیشک اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے۔

--- یونہی --- بادشاہ اور حاکم لوگ آج رعایا پر جو حکم کر رہے ہیں قیامت کے دن یہ سب باطل اور زائل ہو جائیں گے۔ اور اُس دن خدا کے سوا اور کسی کا حکم نہ ہوگا۔ مسلمانو! تمہیں اس بات کا خیال رہنا چاہیے کہ رب کریم، شان بے نیازی رکھنے والا ہے، جس کو چاہتا ہے اسکو عزت اور اپنی امانت سونپ دیتا ہے، مگر اگر اس نے اس کی قدر نہ کی اور اسکا غلط استعمال شروع کر دیا تو اس سے دنیاوی عزت بھی چھین لیتا ہے اور دین حق کی امانت بھی واپس لے لیتا ہے۔

اس کو سمجھنا ہو تو اس کیلئے قدیم کتب خانوں کی ورق گردانی کرنے اور سال ہا سال پرانے کھنڈرات میں سرگرمیاں محو فکر کھڑا رہنے کی ضرورت نہیں (پوچھ لو) اپنے پڑوس میں رہنے والی قوم (بنی اسرائیل کو) وہ اپنی کج بخشی اور حق پوشی کی پرانی عادت کے باوجود ان تاریخی واقعات کا انکار نہیں کر سکتی اور انہیں اعتراف کرنا پڑے گا (کہ کتنی کھلی نشانی ہم نے ان) کے آباؤ اجداد (کو دی تھیں)۔

عصائے موسوی، ید بیضا، من و سلوی، خیر و عافیت کے ساتھ دریا سے عبور، ایک پتھر سے بارہ چشمے، اور کتاب توریت جس کی روشن آیات میں دین اسلام کی حقانیت، اسکے آخری دین اور سارے سابقہ ادیان کے منسوخ ہونے، نبی کریم کے آخری نبی ہونے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کے اپنی ذات اور اپنی جملہ ہدایت میں صادق اور امین ہونے کے تعلق سے واضح ہدایات ہیں۔

اب اگر علمائے یہود میں سے کوئی سچائی کو چھپائے (اور جو بدل ڈالے اللہ تعالیٰ) (کی نعمت کو) یعنی صفات محمدی اور حقانیت دین اسلام کو، توریت میں (اسکے) تعلق سے مکمل اور واضح طور پر ذکر (آ) جا (نے کے بعد) جسکی صحت و سچائی کو بخوبی پہچانتے ہیں اور جان بوجھ کر اپنے نادان لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں اور ان سے حقائق کو چھپاتے ہیں، تو ان کی اس دھاندلی سے کسی اور کا کیا نقصان، وہ خود اپنے کو عذاب الہی کا مستحق بنا رہے ہیں (تو بے شک اللہ) تعالیٰ ان جیسے سارے مستحقین عذاب پر (سخت عذاب فرمانے والا ہے)۔

ذِينَ لَكَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَيَسْحَرُونَ مِنَ الدُّنْيَا اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اٰتَقَوْا
خوبصورت نگاہ میں کر دی گئی انکے جنہوں نے کفر کیا دنیاوی زندگی، اور وہ مذاق اڑاتے ہیں ایمان والوں سے، اور جو پرہیزگار

قَوْمَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرٰنٰمِيْ مَنْ يُّشٰكِرْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۵﴾

ہوئے ان سے بلند وبالا ہو گئے قیامت کے دن۔ اور اللہ روزی دے جس کو چاہے ان گنت •

اور جب انہوں نے ہدایت کے انعام کی قدر نہ کی تو انکی نظریں حقیقت سے پھر کر دنیا کی زیب و زینت میں گم ہو کر رہ گئیں اور وہ اتنا ان لوگوں کا مذاق اڑانے لگے جو حق کی خاطر زندگی کی ساری عشرتوں سے دستبردار ہو کر افلاس اور تنگی پر قانع ہو گئے تھے۔ قیامت کے دن جب حقیقت سے پردہ اٹھے گا تو پتہ چلے گا کہ یہ مسکین لوگ جنہیں تم حقیر سمجھتے تھے، مالکِ حقیقی کے نزدیک کتنی عزت و کرامت کے مستحق ہیں۔

--- الختصر --- (خوبصورت نگاہ میں کر دی گئی ان) ناشکروں اور حق چھپانے والوں (کے

جنہوں نے کفر کیا دنیاوی زندگی)، دنیا کی زندگی ہی انکے لئے سب کچھ ہے جس پر وہ فریفتہ ہو جاتے ہیں اور مغرور ہوتے ہیں (اور وہ مذاق اڑاتے ہیں) ٹھٹھا کرتے ہیں، افسوس کا اظہار کرتے ہیں (ایمان والوں سے)۔

قریش کے امیر لوگ غریب صحابہ جیسے حضرت بلال اور حضرت عمار وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ہنستے اور کہتے، بھلا یہ لوگ اس لائق ہیں کہ جن کے ذریعہ سے دنیا کا کام سدھ جائے اور ٹھیک ہو جائے اور شرفاء عرب کی عظمت اور ان کے رسوم و عادات کی بنیاد اکھڑ جائے۔ اگر محمد عربی ﷺ اپنے دعویٰ نبوت میں حق ہوتے تو عرب کے سردار اور قبیلوں کے سرگروہ انکے تابع ہوتے۔

ان نادانوں کو کیا معلوم، یہ حضرت بلال و حضرت عمار (اور) ان جیسے (جو) دوسرے (پرہیزگار ہوئے) وہ سب (ان) مغرورین (سے بلند وبالا) عزت و کرامت کی مسند پر رونق افروز (ہو گئے قیامت کے دن)۔ مسلمان لوگ جنت میں اونچے سے اونچے درجوں پر ہونگے اور کافر لوگ نیچے سے نیچے گڑھے اور قید خانوں میں قید ہونگے۔

انکو یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں۔ رب کریم نے رزق رسانی کیلئے اپنے پرانے کی تقسیم نہیں فرمائی ہے، بلکہ اپنے ذمہ کرم میں ہر مردوق کا رزق لے رکھا ہے، تمہا وہ رازق

(اور) باقی سب مرزوق، تو (اللہ) تعالیٰ (روزی دے جس کو چاہے ان گنت) بے حساب۔ روزی دینے میں اس کی حکمت قارون کو بھی ایک بہت بڑے خزانے کا مالک بنا دیتی ہے، تو اگر یہ کوئی کرامت ہوتی تو یہ ایمان والوں ہی کا حصہ بنتی اور کفار اس سے ہمیشہ کیلئے محروم رہتے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ دنیاوی دولت و ثروت حقیقی عزت کی دلیل نہیں اور ایسے دنیاوی افلاس،

تنگدستی، عظمت و کرامت کے معانی نہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ

سارے انسان ایک ہی امت تھے۔ پھر بھیجے اللہ نے پیغمبروں کو بشارت سنانے والے اور ڈرانے والے۔ اور اتارا ان کے ساتھ

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِیْمَا اَخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَمَا اَخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ

کتاب کو بالحق، تاکہ فیصلہ فرمایا کرے لوگوں کے درمیان جس میں جس میں نہیں اختلاف کیا۔ اور کتاب میں کسی نے اختلاف نہیں کیا

اَوْ لَوْ ؕ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ ؕ فَهٰدِی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَمَّا

گمراہیوں نے جن کو کتاب دی گئی بعد، اسکے کہ آگئیں صاف صاف باتیں آپس کی بٹ دھری سے، تو ہدایت فرمادی اللہ نے ان کی جو

اَخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاٰذْنِہٖ وَاَللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ؕ

ایمان لائے، اس بارے میں جس میں وہ مختلف ہوئے ٹھیک بات کی اپنے حکم سے، اور اللہ ہدایت فرمائے جسکی چاہے سیدھی راہ کی •

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ لوگ دنیا کی محبت میں کفر پر اصرار کرتے ہیں اور

اب یہ بیان فرمایا ہے کہ کفر اور گمراہی کا سبب نیا نہیں ہے، بلکہ پہلے بھی یہی سبب تھا۔ تمام

لوگ پہلے دین حق پر تھے، پھر دنیا کی محبت کی وجہ سے انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف

بغاوت کی اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

۔۔۔ مختصر۔۔۔ حضرت آدم سے لیکر تقریباً دس قرنوں تک جس کا ہر قرن اسی ۸۰ سال کا تھا (سارے

انسان ایک ہی امت تھے)، دین اسلام کے ماننے والے، توحید کا عقیدہ رکھنے والے، اور شرک سے

پاک و صاف، یہاں تک کہ شیطان نے ان میں سے بعض کو کفر و شرک میں جتنا کر دیا۔

چنانچہ وہ لوگ غیر خدا کی پرستش میں لگ گئے اور عقیدہ توحید سے دور ہو گئے۔ پھر ایک

دور ایسا آیا موصدین اور مؤمنین خال خال نظر آنے لگے اور ہر طرف شرک و کفر و بت پرستی کا

غلبہ ہو گیا۔ پھر طوفان نوح کا واقعہ پیش آیا جس میں فرق ہونے سے مردوں اور عورتوں پر

مشتمل صرف وہی اسی ۸۰ نفوس ہی کے جو حضرت نوح کی کشتی پر سوار تھے اور وہ سب کے

سب ایمان اور عقیدہ توحید الہی والے ہی تھے۔ پھر حضرت نوح اور انکے بیٹے حام، سام اور یافث اور انکی ازواج کے سوا باقی لوگ بھی وفات پا گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے مذکورہ بالا فرزند ان، حضرت نوح ہی کے دین و شریعت کے ماننے والے تھے اور جب پھر انکی اولاد میں بڑ ہیں تو ایک عرصہ دراز کے بعد شیطان نے انکے اندر بھی اختلاف پیدا کر دیا اور انکے بعض کو کفر و شرک میں مبتلا کر دیا۔ اس طرح پھر دنیا میں جگہ جگہ کفر و شرک کے بادل منڈلانے لگے۔

مگر یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ جب جب اور جہاں جہاں ایسے حالات ظہور پذیر ہوئے اور لوگ ہدایت ربانی کے محتاج ہوئے تو (پھر بھی اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو) ایمان والوں کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے پایاں اجر و ثواب کی (بشارت سنانے والے اور) کافروں، مشرکوں کو جہنم اور عذاب الہی سے (ڈرانے والے) اپنے پیغمبروں کو (اور) انکو خالی ہاتھ نہیں مبعوث فرمایا بلکہ (اتارا انکے ساتھ) یعنی نازل کیا ان پر ہدایت کی (کتاب کو) جواز اول تا آخر (بالکل حق) ہی حق ہے۔

--- الغرض --- ہر نبی کے ساتھ کتاب الہی رہی۔ اب خواہ وہ اس پر نازل ہوئی ہو۔۔۔ یا۔۔۔ نازل کسی اور نبی پر ہوئی ہو مگر اسکو اس کتاب کی شریعت و ہدایت کی تبلیغ پر معمور کر دیا گیا ہو۔ یہ اسلئے کیا گیا (تا کہ وہ) نبی اس صحیفہ ہدایت کی روشنی میں (فیصلہ فرمایا کرے لوگوں کے درمیان اس میں جس میں انہوں نے اختلاف کیا) اور وہ بھی اس سے اتفاق کر لینے کے بعد اب خواہ انکا اختلاف دین الہی کی حقانیت سے۔۔۔ یا۔۔۔ دین کے اوامر میں سے کسی امر سے ہو۔۔۔ یا۔۔۔ خود کتاب کی ہدایتوں میں سے کسی ہدایت سے متعلق ہو، ہر دور کا نبی اپنے دور کے لوگوں کی اختلافی باتوں کا فیصلہ فرماتا رہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے (اور) سمجھ لینا چاہئے کہ (کتاب میں کسی نے اختلاف نہیں کیا مگر انہوں نے جن کو کتاب دی گئی بعد اسکے کہ آگئیں صاف صاف باتیں)۔۔۔ الغرض۔۔۔ کتاب سے اختلاف کرنے والے اپنے عہد کے جاہلوں، نادانوں، اور بے خبروں میں سے نہیں تھے، وہ خوب سمجھتے تھے کہ انہیں کتاب اسلئے دی گئی ہے کہ انکا اختلاف مٹ جائے اور وہ راہ راست پر آجائیں، مگر انہوں نے اسکے برعکس اپنے اختلاف کو اور بھی مضبوط اور راسخ کر دیا اور کتاب الہی میں تحریف و تاویل کا ایسا سلسلہ شروع کر دیا کہ عوام الناس کیلئے حقائق حجاب اندر حجاب ہو گئے انکا مذکورہ بالا طرز عمل، فکر و دانش اور حق و صداقت کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ صرف (آپس کی ہٹ دہری سے)

ہے، جو حسد، ظلم، دنیا ہی پر انحصار اور انصاف کے فقدان کا نتیجہ ہے۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ اختلاف و تفریق اور کتاب الہی میں تاویل و تحریف، یہ کام ان کے سرداروں اور ان کے رؤساء کا تھا، مگر انکا تابع ہونے اور انکی پیروی کرنے کے سبب ان کاموں کی نسبت سب کی طرف کر دی گئی۔

--- المختصر --- 'اختلاف فی الحق' دین کا ایک قدیمی معاملہ ہے (تو ہدایت فرمادی) اپنے فضل و کرم سے (اللہ تعالیٰ نے انکی جو ایمان لائے اس بارے میں جس میں وہ مختلف ہوئے ٹھیک بات کی، اپنے حکم) یعنی اللہ تعالیٰ کے اذن اور امر اور آسان کر دینے اور نیک ارادہ اور رحمت (سے)۔ سمجھ لو (اور) جان لو کہ (اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے تو وہ) ہدایت فرمائے جسکی چاہے (انبیاء اور اولیاء کی) (سیدھی راہ کی)۔

--- المختصر --- انسانیت کی ابتداء نور اور ہدایت سے ہوئی تھی، پھر لوگوں نے شیطانی راستوں اور نفسانی خواہشوں کی بناء پر ان نور کو ظلمت سے بدل دیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا بصر اطاعت و مستقیم کی ہدایت فرمائی اور انہیں جنت کا مستحق بنا دیا۔ جنت کے حصول کیلئے صراط مستقیم پر چلنا کچھ آسان نہیں اس راہ میں بہت مشکلیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، بہت مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، بہت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے اور بہت قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

تو اے ایمان والو یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی مخالفت، انکے ساتھ آئے دن کی لڑائیوں، ان کے طعنوں، استہزاء اور انکی فتنہ سامانیوں سے گھبرانہ جانا ابھی تو تمہارا ایسی آزمائشوں سے سابقہ نہیں پڑا ہے، جن آزمائشوں سے تم سے پہلے مسلمان گزر چکے ہیں۔

--- الغرض --- مسلمانوں کی ترقی اور انکی ہمت افزائی کیلئے باختلاف روایت ہجرت کے ابتدائی ایام میں --- یا --- جنگ احد کے موقع پر --- یا --- جنگ خندق کے موقع پر اس ارشاد الہی کا نزول ہوا کہ ---

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

کیا تم نے گمان کر لیا کہ دخل ہو جاؤ گے جنت میں، اور ابھی نہیں آئی تمہارے پاس وہ حالت جو انکی تھی کہ گزر چکے تم سے پہلے۔

مَسْتَهْتُمْ الْبِئْسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَرَزِلْوْا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا

تپتی ان کو سختی اور گھبراہٹ، اور اس قدر ہلا ڈالے گئے کہ کہہ پڑا خود رسول، اور جو اس کو مان چکے تھے وہ بھی

مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ الْآرَانَ نَصْرُ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝

• کب ہوگی اللہ کی مدد۔ آگاہ رہو کہ اللہ کی مدد نزدیک ہے

اے ایمان والو! (کیا تم نے گمان کر لیا کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور) حال یہ ہے کہ (ابھی نہیں آئی تمہارے پاس وہ حالت جو انکی تھی) جو (کہ گزر چکے تم سے پہلے) انبیاء و صدیقین اور انکے اتباع کرنے والے (پہنچی اکتوختی اور تنگی) اور وہ ایسی ویسی، ہلکی پھلکی نہیں، بلکہ کسی کے سروں پر آرا چلا دیا گیا اور اسکے دو ٹکڑے کر دئے گئے اور کسی کے جسم کو لوہے کی کنگھی سے بے دردی کے ساتھ چھیل دیا گیا (اور) وہ ناقابل برداشت مظالم کے ذریعہ (اس قدر ہلا ڈالے گئے کہ کہہ پڑا خود رسول اور جو اسکو مان چکے تھے وہ بھی) اپنے پیغمبر سے اتفاق کرتے ہوئے بول پڑے (کہ کب ہوگی اللہ) تعالیٰ (کی) وہ (مدد) جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ آخر ہمیں دشمنوں پر کب فتح حاصل ہوگی۔ اللہ کا وعدہ پورا ہوگا اس میں ایمان والوں کو ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا، لیکن چونکہ وہ فتح و نصرت جلد چاہتے تھے اسی لئے شدید ترین مصائب و آلام کا جب دباؤ ہوا تو انکی زبان سے بے اختیارانہ طور پر یہ بات نکل گئی۔ پس اے بے حجت نصرت الہیہ کے طلبگارو خوش ہو جاؤ اور (آگاہ رہو کہ اللہ) تعالیٰ (کی مدد) اب تمہارے بالکل ہی (نزدیک ہے)۔

چنانچہ رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ایمان والوں کو خوف و غم سے نجات عطا فرمائی۔ اس سورہ مبارکہ میں اتفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کے پیش نظر اسکا ذکر خاص اہتمام سے فرمایا گیا ہے۔۔۔ اسلئے۔۔۔ جانی قربانی کے ساتھ ساتھ مالی قربانی کی بھی ایک خاص اہمیت ہے اور مالی نقصان پر بھی صبر کرنا جنت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ وَالْيَوْمِئَاتِ وَالأَقْرَبِينَ

تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو کار خیر میں تم نے لگانا چاہا تو وہ ماں باپ اور قرابت داروں

وَالْيَوْمِئَاتِ وَالأَقْرَبِينَ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُونَ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝

اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کا حق ہے۔ اور جو نیکی کرو، تو بیشک اللہ اس کو جاننے والا ہے۔

تو اے محبوب تمہارے ایک چاہنے والے عمرو بن جموح نے دریافت کیا ہے کہ وہ اپنے مال

سے کیا خرچ کریں، تو انکے اور ان جیسے ان تمام کو جو (تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا خرچ کریں) تو جواباً

انکو آگاہ کر دو کہ انکے مالوں پر کتنوں کا حق ہے۔ اس سے یہ سمجھ لیجئے کہ ان کو کس کو دینا اور کیا دینا ہے۔ تو اے محبوب ایسا سوال کرنے والوں سے (کہہ دو کہ جو کار خیر میں تم نے لگانا چاہا تو وہ) انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ ساتھ تمہارے (مال باپ اور) تمہارے (قربت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کا حق ہے)۔۔۔ الغرض۔۔۔ ان کو دینے میں انکے حقوق کی ادائیگی بھی ہے۔ سب مصارف میں ماں باپ کا نفقہ اہم ترین ہے اور قرابتداروں کے ساتھ جو کیا جائے گا اس میں صلہ رحمی بھی ہے۔ رہ گئے یتیم جو اپنا خرچ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔۔۔ یونہی۔۔۔ مسکین و فقیر جو اپنی معاش کی تدبیر نہیں کر سکتے، ایسے ہی مسافر جو حالت سفر کی وجہ سے بے بس ہو جاتے ہیں، ان سب پر خرچ کرنا بنیادی طور پر ان پر احسان کرنا نہیں ہے، بلکہ ان کو ان کا حق دے کر خود اپنے کو انکی حق تلفی سے بچانا ہے اور پھر انفاق فی سبیل اللہ کا بھی اجر و ثواب حاصل کر کے اپنے کو جنت کا بھی مستحق بنانا ہے۔

اس مقام پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ جو کچھ کرو وہ خیر کے دائرے سے باہر نہ ہونے پائے، لہذا جس کو جو کچھ دو خیر ہو، یعنی حلال و طیب ہو، جو حلال ذرائع سے حاصل ہوئی ہو۔ پس جان لو (اور) یقین کر لو کہ تم (جو نیکی کرو) گے (تو بیشک اللہ تعالیٰ) (اسکو جاننے والا ہے) چنانچہ وہ اپنے فضل و کرم سے اسکا صلہ عطا فرمائے گا۔

پہلے ارشاد فرمایا گیا کہ جنت میں داخل ہونے کیلئے سختیاں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑیں گی پھر اسکے بعد مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا یہ بھی ایک مشقت ہے اور اب جہاد کی مزید مشقت برداشت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ۔۔۔۔۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

فرض کیا گیا تم پر جہاد اور وہ ناگوار ہے تم کو، اور کیا دور کہ تم ناگوار رکھو کسی چیز کو حالانکہ وہ بہتر ہے تمہارے لئے،

وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

اور قریب ہے کہ پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ بری تمہارے لئے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے •

اسے ایمان والو! (فرض کیا گیا تم پر جہاد) یعنی اللہ کے دین کی سر بلندی کیلئے کفار سے جنگ

میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا، تو اب اگر ایسی صورت ہو کہ کسی اسلامی شہر پر کافر حملہ

کریں تو اس شہر کے مسلمانوں پر شہر کے دفاع کیلئے جہاد کرنا فرض عین ہے۔

اب اگر ایک اسلامی ملک اپنے دفاع کی استطاعت نہ رکھے تو اس کے قریب کے ملک پر جہاد کرنا فرض عین ہوگا۔۔۔ یونہی۔۔۔ اگر جہاد کیلئے روانہ ہونے کا مسلمانوں کو عام حکم دیا جائے تو اس صورت میں بھی جہاد فرض عین ہے۔ ان کے سوا دوسری صورتوں میں۔۔۔ مثلاً: اسلام کی تبلیغ کیلئے، کافروں کو اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کیلئے کہنا، اب اگر اسکو بھی قبول نہ کریں تو ان سے جہاد کرنا۔۔۔ یونہی۔۔۔ مسلمانوں کو عام حکم نہ ملنے کی صورت میں جہاد کرنا، ان دونوں صورتوں میں جہاد فرض کفایہ ہے۔

اگرچہ حکم خداوندی ہونے کے لحاظ سے ایمان والے کو جہاد سے کراہت نہیں ہو سکتی لیکن انسانی فطرت اور آدمی کی طبیعت کا مقتضایہ ہے کہ ہر شخص اپنا مال تلف ہونے اور اپنی جان ہلاک ہونے کو ناپسند کرتا ہے تو یہ ایک طبعی کراہت ہے (اور) اسی وجہ سے (وہ) یعنی جہاد طبعاً (ناگوار ہے تم کو) اس جہاد کے سوا وہ جہاد، جسے 'جہاد اکبر' کہا گیا ہے، جس میں انسان کے سب سے بڑے خارجی دشمن 'شیطان' اور داخلی دشمن 'نفس' سے جہاد کیا جاتا ہے، اچھا کھانا، اچھا پہننا، خوب سونا، کس کو اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اب اگر ان سب کو صرف خدا کی رضا کیلئے چھوڑنا پڑ جائے اور ان امور میں نفس کی خواہش کے خلاف کیا جائے، یہ بھی بہت بڑا جہاد ہے، اگرچہ یہ انسانی طبیعت کو ناگوار سمی۔

لیکن یہ بھی توجیح (اور) ایک حقیقت ہے کہ (کیا دور) ہے کچھ بعید نہیں (کہ تم) اپنی طبیعت کے اقتضاء اور طبعی نفرت کی بنیاد پر (ناگوار رکھو کسی چیز کو حالانکہ وہ بہتر ہے تمہارے لئے) دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں فتح، دشمنوں پر غلبہ اور دین کی سر بلندی کی شکل میں اور آخرت میں مرتبہ شہادت، اعلیٰ علیین میں قیام، اور جنت کی دائمی راحت کی صورت میں یہ بھی بعید نہیں (اور قریب ہے) ممکن ہے (کہ) تم (پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ بری) ثابت ہو (تمہارے لئے) مثلاً طبیعت کی کسل اور کالی کی وجہ سے جہاد سے منہ پھیر لینا بظاہر تو اچھا لگتا ہے، مگر اسکے نتیجہ میں دشمنوں کے غلبہ کی وجہ سے ذلت کی زندگی بسر کرنا اور آخرت میں جہاد کے ثواب سے محروم رہنا، اور شہد اکا درجہ و مقام نہ حاصل کر سکرنا، یہ کتنے بڑے نقصان اور خسارے کی بات ہے۔ خبردار ہو جاؤ (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ تمہاری بہتری کس میں ہے وہ (جانتا ہے اور تم) اس مصلحت کو (نہیں جانتے) تمہارا پیدا کرنے والا بخوبی جانتا ہے کہ تمہاری بھلائی کس چیز میں ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر قتال اور جہاد کو فرض کر دینے کے متعلق آیات نازل کی تھیں، لہذا اس سوال کی گنجائش تھی کہ آیا حرمت والے مہینے میں بھی قتال جائز ہے کہ نہیں؟ ادھر دو ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے احوال پر نظر رکھنے کیلئے حضرت عبد اللہ بن جحش کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا تھا، اس لشکر میں سے ایک شخص نے عمرو بن حضری نام کے ایک مشرک کو قتل کر دیا اور یہ قتل رجب میں ہوا جو حرمت والا مہینہ ہے، اس پر مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ ایک طرف تو پیغمبر اسلام اللہ کے دین پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور ہر انکے پیروکاروں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ماہ حرام میں ایک شخص کو قتل کر دیا، حالانکہ حرمت والے مہینہ میں قتال کرنا ملت ابراہیم کے مطابق حرام ہے۔ چنانچہ بہت سارے لوگوں نے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم، آیا کہ وہ حلال ہے یا حرام؟ معلوم کرنا چاہا۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن

پوچھتے ہیں تم سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم۔ کہہ دو اس میں لڑنا بڑا جرم ہے۔ اور اللہ کے راستے سے

سَبِيلِ اللّٰهِ وَكُفْرًا بِهِ وَالسُّجْدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجِ أَهْلِهِ مِنَّهُ الْكَبِيرُ عِنْدَ

روکنا اور اس سے انکار کر دینا، اور مسجد حرام سے روک دینا، اور وہاں کے لوگوں کو حرم سے نکال دینا بہت بڑا جرم ہے

اللّٰهِ وَالْقِتْلَةُ الْكَبِيرُ مِنَ الْقِتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَزِدَّوَكُم

اللہ کے نزدیک۔ اور قتلہ گروں کا قتلہ انکے قتل سے بڑھ کر ہے۔ اور وہ ہمیشہ ہی تم سے لڑتے بھڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ

عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَنْ يَزِدْ دِينَكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ

جو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ اور جو پھر جائے تم میں سے اپنے دین سے، پھر جائے اس حال میں کہ کافر ہے،

فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ

تو وہ لوگ ہیں جن کا کیا دھرا ہا تھا اور آخرت میں۔ اور وہ جہنم والے ہیں۔

هُم فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵۷﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں •

تو اے محبوب! جو لوگ بھی (پوچھتے ہیں) خواہ وہ ایمان والے ہوں۔۔۔ یا۔۔۔ کفر والے

(تم سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم) تو ان سے (کہہ دو) اگرچہ (اس) ماہ (میں لڑنا) ایک (بڑا جرم

(ہے) مگر اس سوال کا حق ان کو نہیں جو اس سے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کئے بیٹھے ہیں۔ ایک طرف تو وہ اپنے بڑے بڑے جرم کو عملاً جرم ہی نہیں سمجھتے، اور دوسری طرف اگر کسی سے کوئی غلطی نادانستہ طور پر ہو جائے۔۔۔ یا۔۔۔ صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر وہ فکری خطا کر بیٹھے تو اس کو ایک سنگین مسئلہ بنا کر شور و غوغا پر اتر آتے ہیں۔

تو اے محبوب صاف صاف واضح طور پر فرما دو کہ لوگو ہوش سے کام لو (اور) اچھی طرح جان لو کہ تمہارا (اللہ) تعالیٰ (کے راستے سے روکنا) اور مسلمانوں کو ایمان سے باز رکھنے کیلئے ظالمانہ طرز عمل اختیار کر لینا (اور اس سے انکار کر دینا) یعنی خدا کا منکر ہو جانا (اور مسجد حرام سے روک دینا) وہاں طواف نہ کرنے دینا، نماز نہ پڑھنے دینا، (اور وہاں کے لوگوں) یعنی وارثین حرم، رسول کریم اور آپ کے صحابہ (کو حرم سے) جبراً (نکال دینا) اور ایسا ماحول پیدا کرنا کہ وہ ہجرت پر مجبور ہو جائیں، تو یہ جرم، حرم میں قتال والے جرم سے کہیں زیادہ سنگین اور (بہت بڑا جرم ہے) اور وہ بھی (اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک)۔ ایسے مجرمین کیلئے کڑی سزا اور دردناک عذاب ہے۔

اب اگر کوئی مسلمان کسی حضرمی۔۔۔ یا۔۔۔ ان جیسے فتنہ گروں کو قتل کر دے تو یہ کوئی بہت بڑا جرم نہیں (اور) نہ ہی ان شریکوں کے شر سے بڑھ کر ہے بلکہ ان (فتنہ گروں کا فتنہ ان کے قتل سے بڑھ کر ہے)۔۔۔ الغرض۔۔۔ انکا فتنہ جتنا بڑا جرم ہے خود ان کو قتل کر دینا اتنا بڑا جرم نہیں۔ مجرمین کا قتل جرم نہیں بلکہ انسداد جرم کی ایک تدبیر ہے۔ اسلئے کہ جب تک یہ رہیں گے فتنہ برپا کرتے رہیں گے (اور وہ ہمیشہ ہی تم سے لڑتے بھڑتے رہیں گے) اور یہ سلسلہ جاری رہیں گے (یہاں تک کہ ہو سکے تو تم کو تمہارے دین) اسلام (سے پھیر دیں) اور کفر میں پہنچا دیں۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ مسلمانوں سے کافروں کی عداوت دائمی ہے۔ یہ اس وقت تک رہنے والی ہے جب تک کہ مسلمان، معاذ اللہ، کفر نہ اختیار کر لے۔ مسلمانو! اچھی طرح سن لو (اور) جان لو کہ (جو پھر جائے تم میں سے اپنے دین) اسلام (سے) کافروں کے دین کی طرف (اور) پھر مر جائے اس حال میں کہ کافر ہے تو) وہ اور اسکے بعد اس جیسے لوگ (وہ لوگ ہیں جن کا کیا دھرا جاتا رہا دنیا اور آخرت میں) مرتد ہو جانے کے بعد وہ واجب القتل ہو گئے، اب انہیں کسی طرح کی امان نہیں۔۔۔ نیز۔۔۔ مال، زوجہ اور میراث ہر ایک پر سے انکا استحقاق جاتا رہا اور آخرت میں بھی نہ انکے لئے کوئی ثواب ہے اور نہ ہی حسن خاتمہ کے ثمرات (اور وہ جہنم والے ہیں) اور ایسا بھی نہیں کہ دخول جہنم

کے کچھ دنوں کے بعد انکی رہائی ہو جائے گی اور جہنم سے باہر کر دیا جائے گا، بلکہ (وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا بیان فرمایا تھا جن کیلئے قطعی طور پر جہنم ہے، اب ان لوگوں کا بیان فرما رہا ہے جو جنت کی امید رکھنے کے حقدار ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

بیشک جو ایمان لائے، اور جنہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا،

أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۰﴾

وہ امید رکھیں اللہ کی رحمت کی۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے •

کہ (بیشک) عبد اللہ بن جحش اور انکے رفقاء جیسے (جو) لوگ بھی (ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی)، اپنا وطن چھوڑا (اور) کافروں سے (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں جہاد کیا، وہ) اس بات کے حقدار ہیں کہ (امید رکھیں اللہ) تعالیٰ (کی رحمت کی)۔ سن لو (اور) یقین کر لو کہ (اللہ) تعالیٰ مومنوں اور مجاہدوں کو (بخشنے والا) اور ان پر (رحمت) فرمانے والا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں جہاد کا بیان کیا گیا تھا اور عربوں میں شراب پینے کا عام رواج تھا اور شراب اور جہاد دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے، کیونکہ شراب کے نشے میں انسان کو اپنے پرانے کی تیز نہیں رہتی تو ایسا شخص کافروں سے جہاد کب کر سکتا ہے۔ نیز وہ شراب کے نشے میں جو اٹھیا کرتے تھے اور جیتی ہوئی رقم غریبوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور بظاہر یہ اچھا کام تھا، مگر وہ نفوس قدسیہ رکھنے والے لوگ جنکے قلب و دماغ نبی کریم کی پاکیزہ تربیت و صحبت کے نتیجے میں محلی و مصلیٰ ہو چکے تھے، انہوں نے ان دونوں کے ہونے والے نقصان کی اہمیت کو محسوس کر لیا تھا، وہ خاموش نہ رہ سکے، چنانچہ حضرت فاروق اعظم اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے ہر گاہ رسالت میں عرض کر ہی دیا، کہ سرکار آپ ہمیں شراب اور جوئے کے حکم سے آگاہ فرمائیں، ساتھ ساتھ ان دونوں میں جو نمایاں خرابی ہے اسکا بھی ذکر کر دیا، جس سے واضح ہو گیا کہ وہ انکے جواز کا حکم نہیں چاہتے، بلکہ انکی خواہش یہ ہے کہ ان دونوں کی حرمت کا حکم نازل فرما دیا جائے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ قُلْ فِيهِمَا إِتْمَاعٌ كَبِيرٌ وَمِنَافِعُ لِلنَّاسِ

پوچھتے ہیں تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں۔ کہہ دو دونوں میں گناہ تو بڑا ہے اور فائدے ہیں عام لوگوں کیلئے

وَاللَّهُ هَهُمَا الْكَبِيرُ مَنْ تَعَرَّهُمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ

اور ان کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان کے فائدہ سے۔ اور پوچھتے ہیں تم سے کہ کیا خرچ کریں۔

قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۗ

کہہ دو جو تمام خرچ سے بچے۔ اسی طرح بیان فرمادیتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں، کہ اب سوچ اور غور سے کام لو۔

تو اے محبوب تمہارے چاہنے والے (پوچھتے ہیں تم سے شراب) یعنی انگور سے نچوڑا ہوا کچا شیرا جو پڑے پڑے جوش کھانے لگا اور جھاگ چھوڑ دیا (اور جوئے) یعنی ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دے دی جائے (کے بارے میں)، تو (کہہ دو) ان (دونوں میں گناہ تو بڑا ہے اور) کچھ (فائدے) بھی (ہیں، عام لوگوں کیلئے) مثلاً: سرور و مستی، کمزور کو تقویت، کھانا، ہضم کرنا، قوت مردانگی میں مدد کرنا، غمگین کو خوشی دلانا، بزدل کو بہادر بنانا، بخیل کو سچی کرنا، جسم کے رنگ کو نکھارنا، بچے کو بولنے پر قدرت دینا اور ارادے بلند کرنا، یہ تو رہے شراب نوشی کے ظاہر میں فائدے۔

رہ گیا جو اتو اس سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اسکے ذریعے نہایت آسانی سے بغیر کچھ خرچ کئے بلا تکلف ایک انسان دوسرے انسان کی دولت کو حاصل کر لیتا ہے، بغیر کسی محنت کے اس کا مالک بن جاتا ہے۔۔۔ بایں ہمہ۔۔۔ ذہن نشین کر لو (اور) جان لو کہ (انکا گناہ زیادہ بڑا ہے انکے فائدے سے) اسلئے کہ شراب نوشی سے آپس میں بغض و عداوت بڑھتی ہے، یہ اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے، انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے، حالت نماز میں 'لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ' میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو، کی جگہ 'اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ' میں پوجتا ہوں جس کو تم پوجتے ہو، کا کفر یہ جملہ زبان سے نکلوا دیتی ہے۔

۔۔۔ نیز۔۔۔ شراب نوشی آدمی کو بے حوصلہ اور اس قدر بے خوف اور احمق بنا دیتی ہے کہ

بسا اوقات شرابی خود اپنے پیشاب سے کھیلنے لگتا ہے، گندی نالیوں میں پڑا رہتا ہے۔ خود اپنی غلاظت سے لہو و لعاب اسکا مشغلہ ہو جاتا ہے۔

۔۔۔ یونہی۔۔۔ قمار بازی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جس کسی کا مال بغیر کار و بار

کے چلا گیا، تو وہ اپنے بالمقابل کا جانی دشمن بن جاتا ہے اور اسکی دشمنی کا انجام یہ ہوتا ہے کہ

جب تک وہ اپنے بالمقابل کو زک نہیں پہنچاتا اسے چین نہیں آتا۔ ویسے بھی قمار بازی انسان

کو کاہل اور نا کارہ بنا دیتی ہے، محنت و کسب کی اسکی ساری صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔
 --- المختصر --- شراب نوشی اور قمار بازی میں روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی بیماریاں
 ہیں اور ان میں پیسہ خرچ کرنا لائق مذمت ہے۔ تو اب سوال پیدا ہوا کہ کس چیز میں پیسہ
 خرچ کرنا لائق تحسین ہے۔

تو اے محبوب اس تعلق سے سوال کرتے ہیں (اور پوچھتے ہیں تم سے کہ کیا خرچ کریں)
 چونکہ اس کلام کا سیاق جہاد ہے اور جہاد کا عظیم ستون اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے، اس وجہ سے اللہ
 تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس سوال کو پھر دہرایا کہ کیا چیز خرچ کریں۔ تو اے محبوب (کہہ دو جو)
 تمہارے، تمہاری اہل و عیال اور تمہاری زیر پرورش رہنے والوں کے (تمام خرچ سے بچ) اور تم کو
 اسکی احتیاج نہ رہے، ایسا بھی نا ہو کہ تم سارا کا سارا مال خیرات کر کے خود محتاج ہو جاؤ اور بھیک مانگتے
 پھرو۔۔۔ یا۔۔۔ تمہارے بعد تمہارے بچوں اور تمہاری کفالت میں رہنے والوں کیلئے کچھ نہ بچے اور انکو
 دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑ جائے۔

--- ہاں۔۔۔ اگر تمہارے پاس بے حساب دولت ہے جو تمہاری ضرورت سے زیادہ
 ہے تو اس زیادہ سرمایہ سے اپنے گرد و نواح اور پڑوس میں رہنے والے غریب مسکین اور
 محتاج، اپنے اسلامی بھائیوں کی ضرور مدد کریں جو زندگی کی اہم ضروریات کیلئے بھی ترس
 رہے ہوتے ہیں، اور اس مقام پر یہ خیال نہ کریں کہ وہ زکوٰۃ ادا کر کے ہر قسم کی ذمہ داری
 سے سبکدوش ہو گئے ہیں، بلکہ انکی ضرورت سے زیادہ جو سرمایہ ہے، اس سے اپنے اسلامی
 بھائیوں کی ضرور مدد کریں۔

یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ زکوٰۃ فرض کر دینے، ان کے مصارف کو متعین کر دینے اور
 اسکے تعلق سے ضروری ہدایت دیدینے کے بعد فطری صدقات کرنے کی ترفیہ و تحریر میں
 حکمت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس میں یہی حکمت ہے کہ جو بے حساب اور اپنی ضرورت سے
 زیادہ دولت کے مالک ہیں وہ صرف اپنی سالانہ زکوٰۃ ادا کر کے مطمئن نہ ہو جائیں، بلکہ فطری
 صدقات کے ذریعہ بھی اتفاق فی سبیل اللہ کرتے رہیں۔

رب کریم کی مہربانی ہے کہ جس طرح فقہ دینے کے شرعی احکام واضح طور پر بیان فرمادیئے
 ہیں (اسی طرح بیان فرمادیتا ہے) اور ظاہر کر دیتا ہے (اللہ) تعالیٰ (تمہارے لئے آیتیں) اپنی مہربانی
 کی نشانیاں تا (کتاب سوچ اور غور سے کام لو)۔

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِن

دنیا و آخرت میں۔ اور پوچھتے ہیں تم سے یتیموں کے بارے میں۔ کہہ دو انکے بہتری کا کام کرنا بہتر ہے، اور اگر

مُنَّ لِصَوْمِهِمْ فِآخِرَاتِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمَقْصِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ

اپنا ان کا مال ملا جلا کر رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ معلوم کر دیتا ہے فساد کی کوالگ خیر خواہ سے۔

وَكُوشَاءَ اللَّهِ لَاَاعْتَنَافِكُمْ إِن اللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

اور اگر اللہ نے چاہا ہوتا تو تم کو ضرور گرفتار مصیبت کر دیتا بیشک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔

فنا ہو جانے والی (دنیا) (و) باقی رہنے والی (آخرت میں) یعنی دنیا سے محبت نہ رکھو اور آخرت کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ دنیا و آخرت کے امور میں انہیں کو اپنا وجود یعنی نقطہ نظر سے تمہارے لئے بہتر ہوں، باقی رہ سکنے والے اور زیادہ نفع بخش ہوں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تھا اور اب مال خرچ کرنے کا ایک مصرف اور محل بتایا جا رہا ہے کہ جو چیزیں تمہاری ضرورت سے زائد ہیں، ان کو یتیموں پر خرچ کرو اور بحسن و خوبی یتیموں کی کفالت کرو اور جان لو کہ جو یتیم تمہاری کفالت میں ہے، اسکا کھانا اپنے کھانے سے الگ کر کے کھانے کی ضرورت نہیں، بلکہ خیر خواہی کی نیت سے اپنا انکا کھانا مشترک رکھو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

یتیم کا کھانا اپنے کھانے سے الگ پکانے میں اگر ایک طرف دو دو سالن پکانے کی مشقت و دشواری پیش آتی ہے تو دوسری طرف یتیم کا کھانا بچ جانے کی صورت میں سڑ جانے کی وجہ سے پھینکنا پڑتا ہے۔۔۔ الفرض۔۔۔ یتیم کی خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے نقد مال اور باقی رہنے والی چیزوں کو الگ اس کے حساب میں رکھو اور جو چیزیں جلد خراب ہونے والی ہیں ان میں اپنا اور یتیم کا کھانا بقدر حساب مشترک رکھو۔

مذکورہ بالا احکام کے تعلق سے واضح علم نہ ہونے کے سبب یتیموں کا مال اپنے پاس رکھنے والے اور ان کے معاملات میں صرف کرنے والے، مال یتیم میں خیانت کے تہدید کی حکم کے پیش نظر اپنے کو یتیموں کی کفالت، انکی نگرانی اور انکے ضروری امور سے بری الذمہ اور کنارہ کش ہو جانے کی خواہش رکھنے والے، اے محبوب تمہاری بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں (اور پوچھتے ہیں تم سے یتیموں) سے نباہ کرنے کی کیفیت (کے بارے میں)، تو اے محبوب ان سے (کہہ دو) کہ (انکے بہتری کا کام

کرنا بہتر ہے)، ان سے پرہیز اور کنارہ کش ہونے کی بہ نسبت (اور) جب صورت حال یہ ہے تو اب (اگر اپنا) اور (انکا مال ملا جلا کر) ایک جگہ (رکھو تو) اس میں کوئی جرم نہیں، اسلئے کہ (وہ تمہارے) دینی (بھائی ہیں) اور بھائی کا یہ حق ہے کہ اس کا بھائی اسکے ساتھ مل جل کر رہے۔

غور سے سنو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ خود تو جانتا ہی ہے، دوسروں کو بھی (معلوم کر دیتا ہے) اور ان پر ظاہر کر دیتا ہے (فسادی) قییموں کے مال میں خیانت کرنے والے اور بے جا تصرف کرنے والے (کو الگ) کر کے (خیر خواہ سے)۔۔۔ الغرض۔۔۔ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں کہ تم میں فسادی کون ہے اور صحیح کون ہے، وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دیگا، تو تم ایسی غلطیوں سے بچو اور اصلاح کے سوا باقی اقدام نہ کرو (اور) سن لو کہ (اگر اللہ) تعالیٰ (نے) چاہا ہوتا تو تم کو ضرور گرفتار مصیبت کر دیتا) اور قییموں کے اموال کے ساتھ تمہارے اپنے مالوں کا اکٹھا رکھنا حرام فرما دیتا اور قییموں کے معاملات کو تمہارے اپنے معاملات سے الگ رکھنے کا حکم فرما دیتا اور قییموں سے میل جول رکھنے سے روک دیتا۔ اس صورت حال میں قییموں کی کفالت کس قدر دشوار اور مشقت میں ڈال دینے والی چیز ہوتی۔ اب اگر اس مشقت میں ڈالنا چاہتا، تو اس کیلئے کیا مشکل تھی، اسلئے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا) ہے۔ وہ عاجز نہیں۔ جو چاہے کرے اور (حکمت والا ہے)، لہذا وہ وہی کرتا ہے جو اسکی حکمت کا تقاضہ ہوتا ہے۔ اسلئے کسی پر وہ اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ مخالفت کا جواز بیان فرمایا تھا، جبکہ تقاضہ یہ تھا کہ یتیم کے مال کے ساتھ اپنا مال مخلوط کرنا بھی جائز ہے اور یتیم لڑکے یا یتیم لڑکی کے ساتھ اپنا۔۔۔ یا۔۔۔ اپنی اولاد کا نکاح کرنا بھی جائز ہے، تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعض مسائل بیان فرمائے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوْا ۗ وَاَلَمْ تَكُوْنُوْا مُمۡرِنًاۙ خَيۡرًاۙ مِّنۡ مُّشْرِكِيۙهٖۚ وَ لَوۡ

اور مت نکاح کرو مشرک والیوں سے یہاں تک کہ ایمان لائیں، اور یقیناً ایمان والی لوٹدی بہتر ہے شرک والی سے کہ شرک والی

اَعۡجَبۡتُمْۙ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوْا وَلَعَبۡدٌ مُّؤْمِنٌ خَيۡرًاۙ مِّنۡ مُّشْرِكٍ

صہیب میں لگے۔ لہذا تم لڑکیوں کو مشرکین کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کریں، اور ہا شبہ مسلمان غلام بہتر ہے ہر مشرک سے،

وَلَوۡ اَعۡجَبۡتُمْۙ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۗ وَاللّٰهُ يَدْعُوۙ اِلَى الْحَيٰثَةِ وَالْمَغۡرَوۙةٖۙ بِاٰذِنِهٖۙ

کہ وہ تمہیں مہماتا لگے۔ دونوں ہا نہیں جنہم کی طرف، اور اللہ ہا نے جنت اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے، اور صاف صاف جان فرمائے

وَيَسِّرْ لَنَا رَبُّكَ كَلِمَاتِنَا لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۱۰﴾

اپنی آیتوں کو لوگوں کے لئے کہ اب سبق لیں •

(اور) فرمایا (مت نکاح کرو شرک والیوں سے یہاں تک کہ ایمان لائیں) وہ مشرک کہ حسن و جمال والی ہو۔۔۔ یا۔۔۔ دولت و ثروت والی ہو۔۔۔ یا۔۔۔ آزاد ہو۔۔۔ الغرض۔۔۔ کچھ بھی ہو مگر جب تک ایمان نہ لائے اس سے نکاح نہ کرو، (اور) اسکے برعکس (یقیناً ایمان والی لوٹھی) خواہ وہ غریب ہو، خوبصورت نہ ہو، بایں ہمہ وہ (بہتر ہے) اس خوبصورت مالدار اور آزاد (شرک والی) کافرہ (سے، گو) وہ (شرک والی) کافرہ حسن و جمال اور کثرت مال کی وجہ سے، (تمہیں اچھی لگے)۔۔۔ یونہی۔۔۔ محتاط ہو جاؤ (اور اپنی لڑکیوں کو مشرکین کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کریں) بچے دل سے مسلمان نہ ہو جائیں (اور) جان لو کہ (بلاشبہ مسلمان غلام بہتر ہے) خواہ وہ خوبصورت نہ ہو اور مال دار نہ ہو (ہر مشرک سے گوءہ تمہیں) اپنے حسن و جمال اور مال و منال کی وجہ سے (اچھا لگے)۔

اس حقیقت کا سمجھ لینا تو ایک عام آدمی کیلئے بھی دشوار نہیں کہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور

بیوی دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جسمانی اور ذہنی قرب ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے

کے عقائد، نظریات، افکار اور خیالات سے متاثر ہوتے ہیں، اسلئے کہ یہ خدشہ ہے کہ مشرک

شوہر کے عقائد سے مسلمان بیوی متاثر ہو یا مشرک عورت کے نظریات سے مسلمان شوہر متاثر

ہو اسلئے اسلام نے یہ راستہ ہی بند کر دیا۔ اگرچہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان شوہر یا بیوی سے

مشرک شوہر یا بیوی متاثر ہو جائے، لیکن جب کوئی چیز نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہو، تو

نقصان سے بچنے کو نفع کے حصول پر مقدم کیا جاتا ہے۔ اسلئے اسلام نے مسلمانوں اور سارے

کافروں کے درمیان مناکحت کا معاملہ بالکل ہی منقطع کر دیا۔ ایمان کی سلامتی اور کفر کے

خطرات سے بچنے کا یہی صاف اور سیدھا راستہ اور مناسب طریقہ ہے۔

اس میں جو حکمت ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ میاں بیوی میں وہ کون ہے جو آپس میں ایک

دوسرے کو اپنا ہم خیال بنانا نہ چاہتا ہو، تو شادی ہو جانے کی صورت میں (وہ) شرک و کفر والیاں اور

شرک و کفر والے (لوگ) اپنی باتوں سے۔۔۔ یا۔۔۔ اپنی محبت میں اسیر کر کے۔۔۔ یا۔۔۔ اپنی صحبت و

قربت کا اثر ڈال کر اس کفر و شرک کی طرف (بلائیں) گے، جو تم کو (جہنم کی طرف) لے جانے کا

سبب ہوگا۔ اور جب تک تم ان کے پورے طور پر ہم خیال نہیں ہو جاؤ گے، اس وقت تک وہ لوگ

مختلف نرم۔۔۔ یا۔۔۔ گرم طور و طریقہ اپنا کر تم کو کافر بنانے کی جدوجہد کرتے رہیں گے، (اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے نبی اور پھر اپنے اولیاء کے ذریعہ تم کو (بلائے) اور بلا تارہے گا اور ان عقائد حقہ اور اعمال صالحہ کی دعوت دے بھی رہا ہے اور دیتا بھی رہے گا، جو تمہیں (جنت اور بخشش کی طرف) لے جانے کے اسباب ہیں، خود اسکے (اپنے حکم) ارادہ (سے اور) اپنی شان کریمہ سے (صاف صاف بیان فرمائے) حلال و حرام کے احکام کو واضح کر دینے والی (اپنی آیتوں کو لوگوں کے فائدے (کیلئے) تا (کہ اب) تو وہ کچھ (سبق لیں) اور نصیحت و ہدایت حاصل کریں۔

اس سے پہلی آیت میں نکاح کا ذکر کیا گیا تھا اور نکاح کے لوازمات میں بیوی کے ساتھ جماع کرنا ہے۔ اب آگے کے ارشاد میں یہ وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ کس حالت میں عورت کے ساتھ جماع کرنا ہے اور کس حالت میں نہیں کرنا۔ اور آگے یہ بھی ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ جماع کا مقصد صرف قضائے شہوت ہی نہیں، بلکہ حصول اولاد بھی ہے، تو جس جگہ سے حصول اولاد ہو سکے وہاں تخم ریزی کرو یعنی عمل معکوس نہ کرو۔۔۔ ہاں۔۔۔ اس عمل تخم ریزی کیلئے کوئی بھی طریقہ اختیار کر سکتے ہو، چنانچہ ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ۔۔۔۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أذىٌ فَأَعْتزلوا النساءِ فِي الْمَحِيضِ وَلَا

اور پوچھتے ہیں تم سے حیض کے بارے میں۔ کہہ دو وہ گندگی ہے، تو ہٹائے رکھو عورتوں کو ایام حیض میں، اور انکی

تَقْرَبُونَهُنَّ حَتَّى يَظْهَرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ

قریب نہ کرو یہاں تک کہ پاک ہو جائیں۔ پھر جب پاک ہو گئیں تو جاؤ انکے پاس اس مقام سے کہ حکم دیتا تم کو اللہ نے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ السَّوَابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۹۰﴾

بلکہ اللہ محبوب بنالیتا ہے بہت تو بہ کرنے والوں اور دوست رکھتا ہے صاف سحر سے ہنے والوں کو۔

اے محبوب تیری خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے ہیں (اور پوچھتے ہیں تم سے حیض کے بارے

میں) تو جواباً (کہہ دو) کہ (وہ گندگی ہے تو ہٹائے رکھو عورتوں کو) مگر ایسا بھی نہیں کہ یہودیوں کی طرح

انکو گھر سے نکال دو، ان کے ساتھ کھانا چینا چھوڑ دو ان کا چہرہ تک دیکھنا گوارا نہ کرو۔۔۔ بلکہ۔۔۔ ان سے

دوری اور علیحدگی صرف اسی حد تک رکھو کہ (ایام حیض میں) ان سے صحبت (اور) جماع کیلئے (انکی

قریب نہ کرو) اور یہ بھی کب تک اور کہاں تک (یہاں تک کہ پاک ہو جائیں)۔

--- الغرض --- وہ بھی نہ کرو جو یہودیوں نے کیا کہ ایام حیض میں عورتوں کو گھر سے نکال باہر کر دیا اور نہ وہی کرو نصاریٰ نے جس کی عادت بنالی ہے کہ وہ حالت حیض میں بھی اپنی بیویوں سے ہم بستری نہیں چھوڑتے۔

--- بلکہ --- تم انکے پاک ہونے کا انتظار کرو (پھر جب) وہ (پاک ہو گئیں تو) صحبت کیلئے (جاؤ ان کے پاس) اور ان سے ہم بستری کرو مگر (اُس مقام سے کہ) جس مقام سے جماع کرنے کا (حکم دیا) ہے (تم کو اللہ تعالیٰ نے)، وہ صرف 'فرج' ہے تو اس کے سوا کسی اور جگہ اپنا تخم ضائع نہ کرو اور جان لو کہ (بے شک اللہ تعالیٰ) (محبوب بنا لیتا ہے) اور اپنا قرب عطا فرماتا ہے محرمات اور ممنوعات شرعیہ سے، بکثرت اور (بہت زیادہ) (توبہ کرنے والوں) کو (اور دوست رکھتا ہے) پاکیزہ اور (صاف ستھرے رہنے والوں) کو۔

نَسَاءَكُمْ حَرِّمَ لَكُمْ فَأْتُوا حُرَّتِكُمْ أَتَىٰ شَيْئُهُمْ وَقَدْ مَوَّالَ أَنْفُسِكُمْ وَ

تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیت ہیں تو جاؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو، اور بیٹنگی بھلائی کر لو اپنے لئے۔ اور

انْفُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مَّلْفُوءَةٌ وَبَشِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اللہ کو ڈرو اور جان رکھو کہ بیشک تم اس سے ملنے والے ہو۔ اور بشارت دے دو ایمان والوں کو۔

اور جان لو کہ (تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیت) کی طرح (ہیں) اور کھیتوں میں تخم ریزی غلہ و اناج حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہے اور جب وہ تمہارے کھیت کی طرح ہے (تو جاؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو) چت کر کے، پٹ کر کے --- یا --- گود میں اٹھا کر --- یا --- جس آسن سے چاہو جبکہ تخم ریزی کی جگہ ایک ہی ہو، اور وہ اولاد پیدا کرنے کی جگہ ہو، بیج ضائع ہونے کا مقام نہ ہو۔

قربت سے پہلے ہی اپنے نفس کو حرام سے محفوظ رکھنے کا قصد کر لو، دل میں نیک اولاد کی خواہش رکھو --- الغرض --- اس عمل سے بھی تمہاری غرض رضائے الہی کا حصول اور حکم الہی کی تعمیل ہی ہو، پھر اس حسن نیت اور عزم و ارادے کی پاکیزگی کے ذریعہ عمل قربت سے پہلے (اور بیٹنگی) ہی (بھلائی) حسن نیت کا ثواب جمع (کر لو)، (اپنے لئے) دین و دنیا کے فائدے کیلئے (اور) امر الہی کی مخالفت اور نہی خداوند کے ارتکاب میں (اللہ تعالیٰ) (کو ڈرو اور جان رکھو کہ) تم جسکے عبادت گزار ہو، جسکی رضا کے طالب ہو (بے شک تم اس سے) اپنے جملہ اعمال کے ساتھ (ملنے والے ہو) اور اسکی بارگاہ میں

پیش ہونے والے ہو، اور اسکے فضل و کرم سے اسکا دیدار بھی کرنے والے ہو۔ تو اے محبوب سنادو (اور بشارت دے دو) بہشت اور دیدار الہی کی (ایمان والوں کو)۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری عورتیں، تمہاری کھیتیاں ہیں اور تم جس طرح چاہو اپنی کھیتوں میں آؤ، پھر فرمایا ایام حیض میں اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات میں جماع کی ممانعت تھی۔ بعض لوگ از خود چار ماہ مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا کر اپنے آپ کو عورتوں سے روک لیتے تھے۔ اس خاص قسم کو ایلاء کہتے ہیں۔ 'ایلاء' کا حکم بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عام قسموں کا بھی حکم بیان فرمادیا۔ بعض لوگ نیکی، پرہیزگاری اور لوگوں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی نہ کرنے کی قسم کھا لیتے تھے، پھر اگر کوئی انکو ٹوٹا کہ تم یہ کار خیر کیوں نہیں کرتے؟ تو وہ کہتے کہ ہماری قسم ٹوٹ جائے گی، ہم نے ان کاموں کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ ایسوں کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاٰیٰتِكُمْ اَنْ تَبْزُوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصَلِّحُوْا

اور نہ بناؤ قسم کھا کر اللہ کو اپنی قسموں کا ہدف، احسان کرنے اور پرہیزگاری کرنے اور لوگوں میں صلح

بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰﴾

کرانے میں۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

لوگوں کو سمجھ سے کام لو (اور نہ بناؤ) خدا کی (قسم کھا کر اللہ) تعالیٰ کے نام (کو اپنی قسموں کا ہدف) نشانہ، بہانہ، سندا اور (احسان کرنے اور پرہیزگاری کرنے اور لوگوں میں صلح کرانے) کی راہ (میں) رکاوٹ۔ اب اگر بالفرض تم نے کسی اچھے کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، تو صرف اسلئے کہ تم نے اس کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، اس کام کو نہ چھوڑو، بلکہ وہ نیک کام کرو اور قسم کا کفارہ ادا کر دو اور دس مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ کپڑے دے دو، یا پھر تین روز سے رکھ لو (اور) سن لو کہ بے شک (اللہ) تعالیٰ تمہارے اقوال اور تمہاری قسموں کا (سننے والا) ہے اور تمہارے احوال اور تمہاری نیوتوں کا (جاننے والا ہے)۔

لَا يَأْخُذُكُمْ اللّٰهُ بِاللّٰغْوِیِّ لِمَا نَبْتُمْ وَلٰكِنْ يُّؤْخِذُكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ

نہیں گرفت فرماتا تمہاری اللہ تمہاری بے معنی قسم پر۔ لیکن ہاں گرفت فرماتا ہے اس قسم کی جس کو تمہارے دلوں نے کمایا ہے۔

قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۰﴾

اور اللہ بخشنے والا حلیم والا ہے۔

اس کریم کا کرم تو دیکھو کہ (نہیں گرفت فرماتا تمہاری اللہ) تعالیٰ (تمہاری بے معنی قسم پر)۔۔۔ مثلاً: تم نے کسی بات کو سچ سمجھ کر قسم کھائی اور وہ جھوٹ نکلی۔۔۔ یا۔۔۔ قسم کا ارادہ کئے بغیر جلدی میں۔۔۔ یا۔۔۔ عادتاً تکلیف کلام کے طور بے اختیارانہ طور پر زبان سے 'واللہ' کا لفظ نکل گیا، تو اس طرح کی لغو قسم کا کوئی کفارہ نہیں اور نہ ہی حق تعالیٰ اس پر مواخذہ فرمائے گا۔ (لیکن ہاں گرفت فرماتا ہے اس قسم کی جس کو تمہارے دلوں نے کمایا ہے) یعنی تمہارے دل نے جس کا ارادہ کیا ہو اور جس کے تعلق سے تمہاری زبان تمہارے دل سے متفق ہو۔ اس فضل الہی کو دیکھو (اور) شکر کرو کہ بے شک (اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) ہے، جو اپنے بندوں کی انکی لغو قسم پر پکڑ نہیں کرتا اور (حلم والا ہے) جیسی تو قصداً جھوٹی قسم کھانے والوں کو سزا دینے اور ان کو عفو و رحمت سے دوچار کرنے میں جلدی نہیں فرماتا اور موقع عطا فرماتا ہے کہ مجرم سچی اور کھری تو بہ کر کے اپنے کو پاک و صاف کر لے۔

زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ جس شخص کو اپنی بیوی کی طرف میلان نہ ہوتا اور وہ غیرت رکھتا کہ اُسے کیونکر چھوڑ دوں کہ وہ دوسرا شوہر کر لے، تو وہ شخص قسم کھا لیتا کہ اتنے برس تک اسکے ساتھ زندگی نہ کرونگا اور پھر اتنی مدت اُسے مقید اور سرگرداں چھوڑ دیتا، وہ بیچاری عورت اُس مدت دراز تک نہ تو بیوہ شمار کی جاتی اور نہ ہی اپنے خاوند سے اپنے دل کی مراد پاتی۔

لَّذِينَ يُؤْتُونَ مِنْ نِسَابِهِمْ تَرْتِيبًا أَرْبَعَةً أُمَّهَاتٌ

انکے لیے جو قسم کھا جائیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کے بارے میں مہلت ہے چار مہینے کی،

فَإِنْ فَاءٌ وَفَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱﴾

پس اگر انھوں نے رجوع کر لیا تو بے شک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔

حق تعالیٰ نے یہ بات ناپسند فرمائی اور حکم کیا (ان کیلئے جو قسم کھا جائیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کے بارے میں) چنانچہ وہ اپنی عورتوں سے یہ کہہ دیں کہ اللہ کی قسم میں تم سے مقاربت نہیں کرونگا۔۔۔ یا۔۔۔ یہ کہہ دیں کہ اللہ کی قسم میں تم سے چار مہینے مقاربت نہیں کرونگا، تو ان کیلئے (مہلت ہے چار مہینے کی)، اگر وہ چاہیں تو اس مدت کے اندر اپنی بیوی سے مباشرت کر کے اپنی قسم توڑ دیں اور اس کا کفارہ ادا کر دیں۔ اس صورت میں ایلاء ساقط ہو جائیگا۔ اب اگر اس نے بے عذر چار مہینے کے اندر رجوع

نہیں کیا، جماع کر کے یا جماع کا وعدہ کر کے، تو اسکی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (پس اگر انہوں نے رجوع کر لیا تو بے شک اللہ تعالیٰ اس صورت میں قسم توڑنے والے کو (بخشنے والا) اور اس کی غلطی کو معاف فرمادینے والا ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ قسم کے خلاف کرنے کو مباح قرار دیکر اور اسکا کفارہ مقرر فرما کر اس طرح کے قسم کھانے والوں پر (رحمت) اور مہربانی فرمانے والا ہے۔)

وَأَنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

اور اگر پکا ارادہ کر لیا طلاق کا تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(اور) اب (اگر) اس نے پہلے ہی سے (پکا ارادہ کر لیا) تھا (طلاق کا) اور اپنی اس سوچ اور اپنے ارادے کو برقرار و مستمر بھی رکھا (تو) وہ جان لے کہ (بے شک اللہ تعالیٰ اس خاوند کے دل کی باتوں کو) سننے والا ہے اور اس کے قصد و ارادہ کا (جاننے والا ہے)۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اگر خاوند بیوی کو طلاق دے دے تو بیوی کو اجازت نہیں کہ وہ وہاں سے اٹھے اور جھٹ سے دوسرے شخص سے جا کر بیاہر چالے، جیسا کہ بیہود کے یہاں قاعدہ تھا۔

وَالطَّلَاقُ يُكْرَهُنَّ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُنَّ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رہیں اپنے آپ کو تین ماہواری، اور حلال نہیں ہے ان کو چھپانا

مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبَعُولَتُهُنَّ

اُس کا کہ پیدا فرمادیا اللہ نے ان کے رحم میں، اگر مانتی ہیں اللہ اور پچھلے دن کو۔ اور ان کے شوہر زیادہ

أَحْسَى بِرُدُّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادَ إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ

حق رکھتے ہیں ان کے لونا لینے کا اس مدت میں اگر ارادہ کر لیا اصلاح کا۔ اور عورتوں کا حق اسی طرح ہے جس طرح ان پر حق ہے

بِالْمَعْرُوفِ وَاللِّزْجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

باضابطہ۔ اور مردوں کو ان پر بڑائی ہے۔ اور اللہ طلب والا حکمت والا ہے۔

حق تعالیٰ بہ غلت دوسرا نکاح کر لینے سے روکتا ہے (اور) فرماتا ہے کہ (طلاق دی ہوئی عورتیں) مبر سے کام لیں، دوسرا نکاح کرنے میں غلت سے کام نہ لیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔ (روکیں رہیں

اپنے آپ کو تین ماہواری) مکمل تین حیض گزر جانے تک - یہ مدت ان عورتوں کیلئے ہے جو جوان ہوں، ان سے جماع کیا گیا ہو، اور وہ حاملہ نہ ہوں۔ اس مقام پر مطلقہ عورتیں سن لیں (اور) جان لیں کہ (حلال نہیں ہے ان کو چھپانا اسکا) جو (کہ پیدا فرما دیا اللہ تعالیٰ (نے ان کے رحم میں)۔

--- الغرض --- حاملہ ہونے کی صورت میں اپنا حمل --- یا --- حائضہ ہونے کی صورت میں اپنا حیض ظاہر نہ کرنا اور انکو چھپالینا ان کیلئے حرام ہے۔ چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں حاملہ --- یا --- حائضہ نہیں ہوں، حالانکہ وہ حاملہ --- یا --- حائضہ ہو۔ یہ چھپانے والی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ عورت چاہے کہ وہ جلد ہی اپنے شوہر سے گلو خلاصی کر لے۔ اسلئے وہ حمل کو چھپاتی ہے تاکہ طلاق کے بعد وضع حمل کا انتظار نہ کرنا پڑے اور بسا اوقات اسی خوف سے حمل گر بھی جاتا ہے --- یا --- حمل اسلئے چھپاتی ہے تاکہ اسکا شوہر بچے کی لالچ میں ازراہ شفقت رجوع نہ کر لے اور اس طرح عورت کی تمنا پوری نہ ہو --- یونہی --- وہ حیض اسلئے چھپاتی ہے تاکہ اسے دوسری طلاق جلد حاصل ہو، اسلئے کہ طلاق السنۃ کا قاعدہ ہے وہ طہر میں واقع ہوگئی ہے۔

چونکہ ایسے معاملات میں عورت کا قول معتبر ہے، اثبات ہو --- یا --- نفی۔ تو عورتوں پر لازم ہے، اسکو پردہٴ خفا میں نہ رکھیں بلکہ ظاہر کریں (اگر مانتی ہیں اللہ) تعالیٰ کو (اور پچھلے دن) یعنی یوم آخرت (کو)۔

--- الغرض --- اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والی عورتیں مذکورہ بالا غلطی کا

ارتکاب نہیں کر سکتیں۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ عدت کی مدت میں بیوی نکاح سے باہر نہیں ہوتی تو اسکا شوہر، شوہر ہی رہتا ہے (اور) باختیار بھی، چنانچہ (ان کے شوہر زیادہ) پورا (حق رکھتے ہیں) رجوع کر کے (انکے لوٹا لینے کا) عدت کی (اس مدت میں اگر ارادہ کر لیا) انکی (اصلاح کا) یعنی انکی خیر خواہی اور ان کی حالت سدھارنے کا۔

گو اس نیت کے بغیر بھی رجعت ہو سکتی ہے، مگر اہل ایمان کی شان یہ ہے کہ اصلاحی نقطہ نظر کو اپنے دوسرے نامناسب خیالات پر غالب رکھیں۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ عورتوں کو طلاق دینے کے بعد رجوع کرنے سے مقصود صرف اصلاح ہو، نہ کہ عورتوں کو ضرر دینا، تو اب یہ واضح فرما دینا چاہتا ہے کہ مرد و عورت کے ایک دوسرے پر

حقوق کیا ہیں؟ اگرچہ دونوں کے حقوق کی نوعیت الگ الگ ہے، لیکن دونوں کو اپنے اپنے حقوق کے مطالبے کا استحقاق ہے۔ بس اسی مطالبہ، حقوق کے استحقاق میں دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ اب حاصل کلام یہ ہوا کہ جس طرح مردوں کو یہ حق ہے کہ وہ عورتوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں۔۔۔ بالکل اسی طرح۔۔۔ عورتوں کو بھی یہ حق ہے کہ وہ مردوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں۔

سن لو (اور) یاد رکھو کہ اسلام میں مردوں پر (عورتوں کا حق اسی طرح ہے جس طرح) خود مردوں کا (ان پر حق ہے باضابطہ) دستور کے مطابق۔

لہذا مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے اخلاق اور حسن سلوک کے ساتھ رہیں۔ ان کو ضرر نہ پہنچائیں۔ ہر فریق اس معاملہ میں اللہ سے ڈرے۔ بیوی خاوند کی اطاعت کرے اور ہر ایک، ایک دوسرے کیلئے بن سنور کر رہے۔ ضرورت کے وقت ہر فریق دوسرے کے کام آئے اور بیماری میں ہر فریق دوسرے کا علاج اور خدمت کرے۔

(اور) اگرچہ صاحب حق ہونے میں دونوں یکساں ہیں اور ایک طرح ہیں لیکن (مردوں کو) اپنی (ان) بیویوں (پر) رب کریم کی عطا کردہ ایک خاص طرح کی فضیلت اور (بڑائی ہے) مثلاً:

- ﴿۱﴾۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو جسمانی اور عقلی قوت زیادہ عطا فرمائی ہے۔
 - ﴿۲﴾۔۔۔ مرد کو عورت کے اخراجات کا کفیل اور اس کے گھر کا منتظم بنایا ہے۔
 - ﴿۳﴾۔۔۔ مرد کو عورت پر حاکم بنایا ہے اور عورت کو مرد کی فرمانبرداری کا پابند کیا ہے۔
 - ﴿۴﴾۔۔۔ مرد کو عورت پر یہ فوقیت دی ہے کہ وہ اس کو اس کی نافرمانی پر تادیب مار سکتا ہے۔
 - ﴿۵﴾۔۔۔ عورت کو اس کا پابند کیا ہے کہ وہ مرد کی غیر حاضری میں اسکی عزت کی حفاظت کرے اور اپنی پارسائی کو بھرو نہ کرے اور شوہر کی غیر حاضری میں اسکے مال کی بھی حفاظت کرے۔
- غرضیکہ جسمانی قوتیں، کھانے پینے، رہائش اور لباس کے اخراجات اور شوہر کے ادا کام کی تعمیل اور اس کے مال اور اپنی عفت کی حفاظت ہر اعتبار سے عورت کو مرد کا تابع اور محکوم قرار دیا ہے۔

(اور) یہ سب کچھ اس خدائے قدیر کی طرف سے ہے جس کو یہ سب کچھ کرنے کا اختیار ہے

اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ (اللہ) تعالیٰ بڑے ہی (غلبہ والا) اور بڑی ہی عزت والا ہے، جو مردوں کو عورتوں پر غالب کرتا ہے اور بزرگی دیتا ہے اور وہی بڑی (حکمت والا ہے) جو بڑی حکمت کے ساتھ بندوں پر خودا کی صلاح و فلاح کے احکام نازل فرماتا ہے۔ ایسے حکیم کے احکام پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

الطَّلَاقُ مَزْنٌ قَامَسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَجِلُّ لَكُمْ

طلاق رجعی دوبار ہے، پھر خوبی کے ساتھ روک لینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا اور نہیں حلال ہے تمہیں

أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ طَرَانٌ

یہ کہ لے لو جو دے چکے ہو انہیں کچھ، مگر یہ کہ دونوں ڈریں کہ نہ پابندی کر سکیں گے اللہ کے قوانین کی تو اگر تمہیں ڈر لگے

خَفِئَهُمُ الْاِيْقِيْمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تَلِكْ

کہ نہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کے حدود کو، تو ان پر کچھ الزام نہیں اس میں جو عورت نے اپنے چھکارے کیلئے دیا۔ یہ

حُدُودَ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوها وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۵﴾

اللہ کے حدود ہیں تو ان سے نہ بڑھو، اور جو بڑھے اللہ کے حدود سے تو وہی ظالم ہیں •

جان لو کہ (طلاق رجعی) جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے (دوبار ہے) جسکا مسنون طریقہ یہی ہے کہ ان کو ایک ہی 'طہر' میں جمع نہ کیا جائے، بلکہ الگ الگ دودفع میں دیا جائے۔ پہلی طلاق کے بعد، عدت کی مدت میں رجوع کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح اسکے بعد والی دوسری طلاق کے بعد بھی عدت کے اندر رجعت کی جاسکتی ہے۔

--- الغرض --- ان دو طلاقوں میں عدت کے اندر بیوی نکاح سے نہیں نکلتی، لہذا ان

دونوں صورت میں بغیر نکاح کے رجوع کیا جاسکتا ہے، تو پھر بہتر صورت جس میں کوئی گناہ

نہ ہو یہی ہے کہ شوہر احسن --- یا --- حسن طریقے پر الگ الگ دودفعہ میں طلاق دے۔

اب اگر وہ عدت کے اندر رجوع کرنا چاہے۔

تو (پھر خوبی کے ساتھ) رجعت کر کے (روک لینا) نکاح سے نہ نکلنے دینا اس کے اختیار میں

(ہے)۔ رجعت اذیت پہنچانے کی نیت سے نہ ہو بلکہ تعلقات خوش گوار بنانے کیلئے ہو۔

--- الغرض --- عدت کی مدت میں بغیر نکاح رجعت صرف مذکورہ بالا دو طلاقوں کے

بعد ہو سکتی ہے۔

ان دو طلاقوں کے بعد یا تو بہ حسن و خوبی رجوع کر لینا چاہئے (یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا) چاہئے، تا کہ اس کی عدت گزر جائے اور اس کے بعد اگر چاہے تو تازہ نکاح کر لے۔ اب اگر اس نے دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق دے دی، تو اب وہ عورت اس کے نکاح سے ایسا نکل جائیگی کہ بغیر 'حلالہ شرعی' کئے اس کے نکاح میں نہیں آ سکتی۔

(اور نہیں حلال ہے تمہیں) اے شوہروں۔۔۔ یا۔۔۔ فریقین کے درمیان لین دین کا فیصلہ کر سکنے والے حاکموں، (یہ کہ لے لو جو دے چکے ہوں انہیں کچھ) مہر وغیرہ دوسرے عطیات۔ (مگر یہ کہ) ایسی صورت میں کہ زن و شوہر (دونوں ڈریں کہ نہ پابندی کر سکیں گے اللہ) تعالیٰ (کے قوانین کی)۔ یعنی حقوق زوجیت، کی رعایت نہ کر سکیں گے (تو اگر) ان کے ظاہری حالات، قرآن اور طرز و ہش کو دیکھ کر (تمہیں ڈر لگے) اے حاکم! فیصلہ کرنے والا! (کہ) زوجین (نہ قائم رکھ سکیں گے اللہ) تعالیٰ (کے حدود کو) یعنی ان حقوق کو جو نکاح کی وجہ سے ان پر مقرر ہوئے ہیں (تو ان پر کچھ الزام نہیں اس میں جو عورت نے اپنے چمکارے کیلئے دیا) خواہ وہ مہر ہو یا کوئی دوسری جائیداد وغیرہ، اور پھر اسکے عوض میں طلاق چاہے، تو چونکہ زیادتی عورت کی طرف سے ہے اور طلاق وہ خود چاہ رہی ہے، تو اسکا مال لیکر طلاق دینے میں شوہر پر کوئی گناہ نہیں۔

ایسے ہی مال دیکر بذریعہ 'خلع' طلاق حاصل کر لینے کی عورت کو بھی اجازت ہے، لہذا اپنے اس عمل سے وہ بھی، گنہگار نہیں ہوئی۔ اور اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو اسے جائز نہیں کہ وہ عورت سے مال لیکر طلاق دے۔ اور جان لو کہ (یہ) یعنی نکاح، بئیمین، ایلاء، طلاق اور خلع وغیرہ سے متعلق خداوندی اوامر و نواہی (اللہ) تعالیٰ (کے حدود ہیں تو) ان کی مخالفت کر کے ان احکام کو چھوڑ کر (ان) حدود (سے) آگے (نہ بڑھو) اور ان سے تجاوز نہ کرو (اور جو بڑھے) اور جس نے تجاوز کیا (اللہ) تعالیٰ (کے حدود سے تو وہی) خود اپنے اوپر زیادتی کرنے والے (ظالم ہیں)۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَهُ زَوْجًا غَيْرًا

پس اگر عورتی طلاق دے دی وہاں کی مطلقہ کو تو وہ صحت عدت میں نہیں اس مرد کیلئے یہاں تک کہ اسے نکاح پچیسویں دوسرے شوہر سے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا

پھر اگر دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے تو اب ان پر کوئی حرج نہیں کہ باہم مل جائیں، اگر دونوں نے طے کر لیا ہو کہ قائم رکھیں گے

حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۰﴾

اللہ کے حدود کو، یہ ہیں اللہ کے حدود، بیان فرماتا ہے ان کو اس قوم کیلئے جو جانتا ہے۔

(پس اگر آخری طلاق دے دی، دو بار کی مطلقہ کو، تو وہ عورت حلال نہیں اس مرد کیلئے

یہاں تک کہ ذائقہ نکاح چکھیں) نکاح کے بعد ہم بستری کر کے طلاق دہندہ کے سوا کسی

(دوسرے) بعد عقد ہو جانے والے (شوہر سے پھر اگر) ہم بستری کر لینے کے بعد (دوسرا شوہر

بھی طلاق دے دے تو) عورت کی عدت کی مدت گزر جانے کے بعد (اب ان پر کوئی حرج نہیں

کہ) نکاح کر کے (باہم مل جائیں)۔

تیسری طلاق کے بعد حلالہ کے بغیر پہلے شوہر کی طرف واپس نہ ہو سکنے کا قانون بڑا ہی

حکیمانہ قانون ہے۔ اس سے ایک طرف طلاق دینے والے کی سرزنش ہوتی ہے کہ اس نے

طلاق کے تعلق سے شرعی ہدایت کا پاس دلچاظ نہیں کیا، تو اس کے بعد کے سارے حالات کا

ذمہ دار وہ خود ہے۔ اور دوسری طرف یہ قانون بے سمجھے بوجھے غلت میں طلاق دے دینے

کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ بھی ہے، اسلئے کہ عام طور پر کسی شوہر کی غیرت اس بات

کو گوارہ نہیں کرتی کہ، اس بیوی کے ساتھ جو اس کے نکاح سے نکل گئی تھی اور وہ پھر اسے

اپنے ہی نکاح میں لانا چاہتا ہے، کوئی دوسرا ہم بستری کرے۔

مذکورہ بالا باہم مل جانے میں کوئی مضائقہ نہیں (اگر دونوں نے) اپنے طور پر آپس میں (طے

کر لیا ہو کہ قائم رکھیں گے اللہ) تعالیٰ (کے حدود کو) احکام الہی کو اور دونوں ایک دوسرے کا حق پہچانیں

گے اور جان لو کہ یہ جو کہا گیا حرام کر دینا، حلال کر دینا۔ تو (یہ ہیں اللہ) تعالیٰ (کے حدود)۔ حق تعالیٰ

کے احکام کے اندازے اور متعینہ سرحدیں (بیان فرماتا ہے ان کو اس قوم کیلئے جو جانتا ہے) اور جانتے

ہیں کہ یہ احکام حق تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اور پھر ان پر ایمان لاتے ہیں۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ

اور جب تم نے طلاق دے دی عورتوں کو پھر وہ اپنی عدت کی مدت تک آہنچیں تو ختم مدت سے پہلے انکو عمدہ طریقہ سے روک لو یا مہربانی سے انکو

بِعَرُوْفِيْ وَلَا تَمْسُكُوْهُنَّ اَصْرًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ

چھوڑ دو، اور ان کو نہ روک ستانے کو کہ حد سے بڑھ جاؤ۔ اور جو یہ کرے تو بے شک اپنے اوپر ظلم کیا۔

نَفْسًا وَلَا تَتَّخِذْ وَاٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۗ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ

اور نہ بناؤ اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا۔ اور ذکر کرو اللہ کی نعمت کا اپنے اوپر،

وَمَا اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ لِيَعْظَمَكُمْ بِهَا

اور جو اتارا تم پر کتاب اور حکمت نصیحت فرماتا ہے تمہاری اس سے،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِیْمٌ ۝

اور ڈرو اللہ کو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

(اور) اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ (جب تم نے طلاق دے دی عورتوں کو پھر وہ اپنی عدت کی مدت تک آپہنچیں تو ختم مدت سے پہلے) رجوع کر کے بھلائی کے ارادے سے، نہ کہ اذیت پہنچانے کیلئے، (ان کو عمدہ طریقہ سے روک لو یا مہربانی سے ان کو چھوڑ دو) تاکہ ان کی عدت پوری ہو جائے اور وہ اپنی ذات کی مالک ہو جائیں۔ ایسا ہرگز نہ کرو کہ عدت کی مدت ختم ہونے میں چند دن باقی ہوں تو رجوع کر لو، پھر طلاق دے دو، پھر عدت کی مدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لو، اسکے بعد پھر طلاق دے دو۔

ظاہر ہے کہ یہ طریقہ کار صرف عورت کو اذیت پہنچانے کیلئے ہے، تو ایسا نہ کرو (اور ان کو نہ روک ستانے کو) کیوں (کہ) جب تم ایسا کرو گے تو تم اپنی اس (حد سے بڑھ جاؤ) گے، جو شریعت اسلامیہ نے تمہارے لئے بنا دی ہے، جس سے تجاوز کر جانا تمہارے لئے جائز نہیں، تو اس حکم الہی کا خیال رکھو (اور) جان لو (جو) کوئی (یہ کرے) گا اور کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے گا (تو) اس نے درحقیقت (بے شک اپنے اوپر ظلم کیا) اور اپنی جان کو خدا کے غضب میں ڈال دیا۔ کیونکہ عورتوں کو ایذا پہنچانے والا صاحب شریعت کے نزدیک ملعون ہے۔ آزار پہنچانا اور ایذا دینا جسکا شیوہ اور پیشہ ہوتا ہے وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔

اب آگے ان لوگوں کی تنبیہ کی جا رہی ہے جو نکاح و طلاق کے احکام کو ہکا اور ناتاقیل التفات سمجھتے تھے اور کہتے تھے ہم تو نبی اور کھیل کرتے تھے۔

لوگوں کو سمجھ سے کام لو (اور نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ٹھٹھا) یعنی احکام الہیہ کا، ان کا انکار کر کے۔۔۔ یا۔۔۔ ان پر عمل نہ کر کے۔۔۔ یا۔۔۔ عمل میں سستی برت کر، مذاق نہ بناؤ (اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا) جو تمہارے (اپنے اوپر) نازل فرمائی گئی ہے،

خصوصاً نکاح کرنے کے باب میں، اس واسطے کہ اگلی امتوں کی شریعت میں پیغمبروں کے سوا کسی کیلئے ایک عورت سے زیادہ نکاح میں رکھنا درست نہ تھا، جبکہ یہاں چار آزاد عورتیں تک ایک آدمی کو نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے۔۔۔ یونہی۔۔۔ اگلی امتوں میں طلاق کے بعد رجوع کرنا جائز نہیں تھا، اس کے برخلاف یہاں درست ہے۔ ایسے ہی۔۔۔ جب تک طلاق دی ہوئی عورت زندہ رہتی، مرد کو اس کے سوا دوسری عورت سے نکاح کرنا حلال نہ تھا اور اس شریعت میں حلال ہے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ تم کو رب کریم نے دینی اور دنیوی سعادتوں کو حاصل کرنے کیلئے جس رستے پر چلنے کی ہدایت دی ہے اور جن جن انعامات و اکرامات سے نوازا ہے ان نعمتوں کا شکر ادا کرو اور انکے حقوق ادا کرو (اور) خاص کر ذکر کرو اس عظیم نعمت کا حق تعالیٰ نے (جو اتارا) ہے (تم پر) تمہاری ہدایت اور تمہارے دین و دنیا کی صلاح و فلاح کیلئے عظیم المرتبت (کتاب) یعنی قرآن کریم (اور حکمت) یعنی سنت رسول اور (صحیح فرماتا ہے تمہاری) اپنی طرف سے نازل کردہ (اس) کتاب و سنت (سے)، تو تم پر لازم ہے (اور) ضروری ہے کہ (ڈرو اللہ تعالیٰ) (کو) اس کے حقوق کی محافظت اور اسکے حقوق واجب کی ادائیگی کر کے (اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے) اس سے کوئی شے مخفی نہیں جو تم عمل میں لاتے ہو۔۔۔ یا۔۔۔ چھوڑتے ہو۔

ایسی صورت میں لازم ہے کہ ہر شخص کتاب و سنت کی حکمرانی کو دل و جان سے قبول کر لے اور اپنی انا کی تسکین کیلئے کوئی فیصلہ نہ کرے۔ عہد رسالت میں ایک ایسا واقعہ ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ بیوی کی عدت کی مدت بھی گزر گئی، پھر سابق شوہر اور سابقہ بیوی دونوں کی خواہش ہوئی کہ دونوں آپس میں نکاح کر لیں لیکن بیوی کے بھائی اسکے لئے راضی نہیں ہو رہے تھے۔۔۔ یونہی۔۔۔ عہد رسالت میں ایسا بھی ہوتا تھا، ایک شخص طلاق دینے کے بعد یہ بھی کوشش کرتا تھا کہ اس کی مطلقہ کے ساتھ کوئی شادی نہ کر سکے۔ چونکہ مذکورہ بالا حالات میں دوسرے نکاح سے روکنا ایک اذیت پہنچانے والی ظالمانہ روش تھی، اسلئے شوہروں اور عورتوں کے ولیوں کو ہدایت کی گئی۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلْيَعْلَمَنَّ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ

اور جب طلاق دیدی تم نے عورتوں کو پھر انھوں نے پوری کر لی اپنی مدت عدت کو، تو تم ان کو نہ روکو اس سے کہ نکاح کر لیں

إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ

اپنے چنے ہوئے شوہروں سے جبکہ باہم رضامند ہو گئے باقاعدہ۔ یہ نصیحت دی جاتی ہے اس کو جو تم میں سے مانے اللہ کو

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾

اور پچھلے دن کو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاک و صاف ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے •

(اور) ارشاد فرمایا گیا کہ اے سابق شوہرو! (جب) ایک۔۔۔ یا۔۔۔ دو (طلاق دیدی تم

نے) اپنی (عورتوں کو پھر انھوں نے پوری کر لی اپنی مدت عدت کو، تو تم) اے اس مطلقہ کو دوسرے

نکاح سے روکنے کی خواہش رکھنے والو خواہ تم اسکے سابقہ شوہر ہو۔۔۔ یا۔۔۔ اس کے ولی (ان) اپنا دوسرا

نکاح کرنے کی خواہش رکھنے والیوں (کو نہ روکو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے چنے ہوئے شوہروں

سے) خواہ وہ اس کا سابق شوہر ہو یا کوئی اور (جبکہ) وہ ہونے والے میاں بیوی (باہم رضامند ہو گئے با

قاعدہ) دستور شرع کے مطابق۔ (یہ) منع کرنے اور باز رکھنے کی ممانعت جو ہم نے کی ہے اس طرح

کی (نصیحت دی جاتی ہے، اسکو جو) بیوہ خلوص (تم میں سے مانے اللہ) تعالیٰ (کو اور پچھلے دن) قیامت

(کو) جس دن سب کو بارگاہ الہی میں حاضر ہو کر جوابدہ ہونا ہے۔ (یہ) تمہارا نصیحت مان لینا یا ممانعت

اور رنج پہچانے سے باز آنا (تمہارے لئے زیادہ پاک و صاف ہے) اپنی مکمل رضامندی سے پہلے ہی

شوہر کی طرف پلٹ آنا، جو پہلے ہی سے دیکھا بھالا ہے، نہایت مناسب طرز عمل ہے۔۔۔ بایں ہمہ۔۔۔

کسی دوسرے سے بھی نکاح کر لینا حرام کے خیال اور فسق فجور کی فکر سے بدرجہا بہتر ہے اور صاف

ستر عمل ہے (اور اللہ) تعالیٰ اس عمل کی صفائی اور اسکی پاکیزگی اور زوجین کی دلی کیفیات کو خوب

(جانتا ہے اور) ان باتوں کی نزاکتوں کو (تم نہیں جانتے)۔

یہاں طلاق کے بعد یہ سوال طبعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں

شیر خوار بچہ ہو تو اس ہدائی کے بعد اسکی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا۔ اسلئے ضروری تھا کہ

پرورش کی ذمہ داریاں جو ماں باپ پر ہیں انہیں اس موقع پر بیان فرمادیا جائے، لہذا یہاں

ان مسائل کا بیان ہوا۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُرْتَمِعَ الرِّضَاعَةَ ط

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو برس کامل اسکے لیے جس نے طے کر لیا دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کو۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِضَاعُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تَكْفُفُ نَفْسٌ إِلَّا وَسْعَهَا ط

اور جس باپ کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا کپڑا ہے حسب دستور۔ نہیں تکلیف دیا جاتا کوئی مگر اس کی سکت بھر۔

لَا تُضَارُّ وَالِدًا بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ ط

نہ ستائی جائے ماں اپنے بچے کی وجہ سے اور نہ باپ اپنی اولاد کی وجہ سے۔ اور باپ کے وارث پر اسی طرح واجب ہے

فَإِنْ أَرَادَ إِفْصَالًا عَنْ تَرَاضٍ فَمِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ

پس اگر ماں باپ نے طے کر لیا دودھ چھڑانے کو باہمی خوشی اور مشورہ سے، تو دونوں پر کوئی الزام نہیں۔ اور اگر تم نے چاہا

أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَأَلْتُمْ مَا اتَّيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ط

کہ دائی سے دودھ پلواؤ اپنے بچوں کو، تو تم پر کوئی الزام نہیں، جب کہ دے دیا ہو تم نے جو کچھ ٹھہرایا تھا باقاعدہ۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ●

اور ڈرو اللہ کو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تمہارے کئے کو دیکھنے والا ہے ●

(اور) ارشاد فرمایا گیا کہ (مائیں) خواہ مطلقہ ہوں۔۔۔ یا۔۔۔ نہ ہوں (دودھ پلائیں اپنی

اولاد کو) اور یہ دودھ پلانا مندرجہ ذیل صورتوں میں ان پر واجب ہے۔

﴿۱﴾۔۔۔ باپ کو اجرت پر دودھ پلوانے کی قدرت واستطاعت نہ ہو۔

﴿۲﴾۔۔۔ کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ آئے۔

﴿۳﴾۔۔۔ بچہ ماں کے سوا کسی اور کا دودھ قبول نہ کرے۔

۔۔۔ ہاں۔۔۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچے کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو، تو

ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے (دو برس کامل)، ایسا نہ ہو کہ ایک برس تو پورا ہو لیکن

دوسرے سال کا کچھ حصہ ہو۔۔۔ الغرض۔۔۔ مکمل دو برس ہونا چاہئے۔

یہاں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مدت رضاع یعنی دو سال تک باپ پر دودھ پلانے کی

مزدوری دینا ضروری ہے، یہاں تک کہ اسکے بعد باپ کو مزدوری دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

مگر یہ مکمل دو سال دودھ پلانا (اس کیلئے) ہے (جس نے طے کر لیا دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کو)۔ یہ بھی خیال رہے کہ (اور) اس پر پورا دھیان رہے کہ یہ شیر خوار بچہ (جس باپ کا بچہ ہے اس) باپ پر یعنی اس کے والد (پر) دودھ پلانے والی (عورتوں کا کھانا) اور (کپڑا ہے) جو (حسب دستور) انصاف و اعتدال کا تقاضہ پورا کرتا ہو اور اس کی طاقت و استطاعت کے مطابق ہو۔ اسلئے کہ (نہیں تکلیف دیا جاتا کوئی مگر اسکی سکت بھر)۔

اسکا ہمیشہ خیال رہے کہ (نہ ستائی جائے ماں اپنے بچہ کی وجہ سے) بایں طور کہ دودھ پیتے بچے کو جبراً اس سے لے لیا جائے اور اس کے باپ کو دیدیا جائے۔۔۔ یا۔۔۔ دودھ پلانے کے واسطے اس پر جبر کیا جائے۔۔۔ یا۔۔۔ یہ کہ اگر وہ بخوشی دودھ پلانے پر راضی ہو جائے تو مرد اسے کھانا کپڑا دینے سے انکار کر دے۔۔۔ یا۔۔۔ نہ ستایا جائے (اور نہ) ہی پریشان کیا جائے (باپ اپنی اولاد کی وجہ سے) کہ عورتیں کھانے کپڑے کے سوا بھی اس سے کچھ اور مانگنے لگیں (اور باپ کے وارث پر اسی طرح واجب ہے) یعنی بچہ کے باپ پر دودھ پلانے والی عورت کا نان و نفقہ اور لباس و خوراک کا خرچہ جتنا واجب ہے اب اس کے نہ ہونے کی صورت میں وارث ادا کرے۔

(پس اگر ماں باپ نے طے کر لیا دودھ چھڑانے کو باہمی خوشی اور مشورہ سے) ان میں سے صرف ایک کی رضا کافی نہیں، اسلئے کہ ممکن ہے کہ دودھ چھڑانے سے بچہ کو تکلیف دینا مطلوب ہو۔۔۔ مثلاً: عورت دودھ پلانے سے تھک گئی ہو۔۔۔ یا۔۔۔ مرد خرچ دینے سے بخل کرتا ہے بسا اوقات قبل از وقت دودھ چھڑانے سے بچے کو جسمانی تکلیف لاحق ہو جاتی ہے۔۔۔ لہذا۔۔۔ دونوں میاں بیوی جو طے کریں، وہ سارے احوال کے مطابق پورے طور پر تفتیش و تشخیص کے بعد طے کریں اور پھر اس پر دونوں متفق ہو جائیں۔ اس کام کیلئے باپ کی رضا اسلئے ضروری ہے کہ وہ بچے کا ولی ہے اور ماں کی رضا اسلئے ضروری کہ وہ بچہ پر زیادہ شفقت رکھتی ہے اور اسکے حال کو بہت اچھا جانتی ہے۔۔۔ الخصر۔۔۔ جب دونوں ہی دودھ چھڑانے پر راضی ہوں، جبکہ دونوں کی رائے اس مسئلہ میں متفق ہوگئی ہو اور دونوں نے سوچ بچار کے بعد طے کر لیا ہو کہ بچے کی بہتری دودھ چھڑانے ہی میں ہے (تو دونوں پر) دودھ چھڑا دینے کی وجہ سے (کوئی الزام نہیں)۔ انھوں نے جو کیا وہ کوئی گناہ نہیں، اس میں کسی طرح کا جرم نہیں۔

اے بچوں کے باپ! اور وہ لوگو جو دودھ پلوانے کے محتاج ہو، غور سے سنو (اور) یاد رکھو کہ (اگر تم نے چاہا کہ دائی سے دودھ پلوؤ اور اپنے بچوں کو تو تم پر کوئی الزام نہیں) اسلئے کہ باپ کو حق پہنچتا ہے کہ غیر عورت کو دودھ پلانے کو کہے اور بچہ کی ماں کو دودھ پلانے سے روک دے، خواہ اس ماں کو دودھ پلانے سے کوئی امر مانع ہو۔۔۔ یا۔۔۔ نہ ہو، مگر یہ اس وقت (جبکہ دے دیا ہو) یعنی دینے کا پکا ارادہ کر لیا ہو (تم نے) بطور عطیہ (جو کچھ) بغیر تنگی و ترشی کے، بلکہ اپنی رضا اور خوشی سے (ٹھہرا لیا تھا) اور آپس میں طے کر لیا تھا (باقاعدہ) بھلائی اور حسن سلوک کے نقطہ نظر سے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ انہیں ایسی چیز دو جو شرعاً و عرفاناً کیلئے اچھی اور مستحسن ہو۔ اسکی شکل یہ ہے کہ حلال کمائی سے دودھ پلانے والی کو مزدوری دیجائے اسلئے کہ دودھ پلانے والی اگر حلال کارزق کھا سکی تو بچے کو نفع ہوگا اور اس کی تربیت کیلئے زیادہ مفید ہوگا، کیونکہ فطرت کا تقاضہ ہے جو بچہ کسی عورت کا دودھ پیتا ہے، تو اسکے اخلاق کا اثر اس بچے پر پڑتا ہے۔ اچھے اخلاق ہوں۔۔۔ یا۔۔۔ برے۔ اسلئے کہا گیا ہے کہ بچے کو ایسی عورت کا دودھ پلانا چاہئے جو اچھے اخلاق و صلاحیت کی مالک ہو۔ اسلئے کہ بیوقوف اور غلط کار عورت کا دودھ بچے کے اخلاق پر برا اثر ڈالتا ہے، جسکا ظہور کسی نہ کسی وقت ضرور ہوگا۔

اس مقام پر یہ بھی خیال رہے کہ یہ عطیہ دودھ پلانے کیلئے شرط نہیں ہے۔۔۔ بایں ہمہ۔۔۔ دایوں کو دودھ پلانے کے عوض کچھ دے دینا نہایت مناسب و مستحسن ہے، اسلئے کہ دودھ پلانے کی مزدوری۔۔۔ یا۔۔۔ عطیہ اگر عورتوں کو نقد اور دست بدست دیدیا جائے تو بچوں کو دودھ پلانے میں انہیں آسانی ہوگی اور بچوں کی اصلاح و تربیت احسن طریقے سے ہوگی۔

تو لوگو! مذکورہ احکام کی رعایت کرتے رہو (اور) بچوں کے دودھ پلانے اور دودھ پلانے والی عورتوں کے حقوق کے بارے میں۔۔۔ نیز۔۔۔ مزدوروں کی مزدوری دبا لینے کے تعلق سے (ڈرو اللہ تعالیٰ) (کو)۔ خدا کو ناراض کر دینے والے اعمال سے اپنے کو بچاؤ (اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے کئے کو دیکھنے والا ہے) کہ تم بچے کو دودھ پلوانے، دودھ چھڑانے اور دائی رکھنے کے تعلق سے کس طرح کا طرز عمل اپناتے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کی عدت کا ذکر فرمایا تھا اور اب بیوہ کی عدت کا ذکر فرما رہا ہے۔ وہ مدت جس میں عورت شوہر کے گھر میں بغیر نکاح کے ٹھہری

رہے اور بغیر عذر شرعی کے، گھر سے باہر نہ نکلے تاکہ اس کے رحم کا استبراء ہو جائے اور اس بات کی جانچ ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں۔۔۔ یا۔۔۔ شوہر کی موت پر سوگ ہو، مطلقہ کیلئے یہ مدت تین حیض ہے اور بیوہ کیلئے یہ مدت چار ماہ دس دن ہے اور جو عورت حاملہ ہو اسکی عدت وضع حمل ہے، خواہ شوہر کی موت کے ایک ساعت بعد وضع حمل ہو جائے۔ عدت وفات میں مدخول بہا، اور غیر مدخول بہا، کا کوئی فرق نہیں۔ چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا صرف شوہر کی موت کے ساتھ خاص ہے اور کسی عزیز یا رشتہ دار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں۔

وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنكُم وَيَدْرُونَ اَزْوَاجًا يَكْتُمْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور جن کو وفات دی جائے تم میں سے اور وہ چھوڑیں بیویاں، تو عورتیں اپنے کور کو رکھیں چار مہینہ

وَعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي اَنْفُسِهِنَّ

دس دن۔ پس جب پوری کر لی اپنی مدت عدت کو تو تم پر کچھ حرج نہیں اس میں جو وہ کر گزری ہوں اپنے بارے میں،

بِالْمَعْرُوفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

قانون کے موافق۔ اور اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کرو۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ جن لوگوں نے اپنی عمر کی مدت پوری کر لی (اور جن کو وفات دی جائے تم میں سے اور وہ چھوڑیں بیویاں تو) انکی وہ (عورتیں اپنے کور کو رکھیں) عقد ثانی سے (چار مہینہ دس دن) بشرطیکہ وہ عورتیں حاملہ نہ ہوں اور لونڈی نہ ہوں، اسلئے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور لونڈی کی عدت دو مہینے پانچ دن ہے۔ (پس جب پوری کر لی) بیوہ عورتوں نے (اپنی مدت عدت کو، تو تم پر) اے مسلمانو!۔۔۔ یا۔۔۔ اے وارثو اور عورتوں کی ولیو (کچھ حرج نہیں اس میں جو وہ) کر گزری ہوں (اپنے بارے میں) اپنا شوہر کر کے باقاعدہ عادل گواہوں کی موجودگی میں، ایجاب و قبول کے ساتھ شری (قانون کے موافق)۔۔۔ یا۔۔۔ مثال کی طور پر نکاح کی غرض سے زینت اور نکاح کے طالبین سے میل جول، اس طرح وہ امور جو عدت کے دوران حرام ہیں۔ اے مردو اور عورتو اس لو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے اس سے جو تم کرو)۔

تو اے اطاعت کرنے والے جب تم نے جان لیا ہے کہ خدا تیرے کام کو جانتا ہے تو
غم نہ کر اس واسطے کہ وہ جزاء خیر تم کو دیگا۔ اور اے گناہ کرنے والے تو بھی سن لے کہ جب تو
یہ جانتا ہے کہ خدا تیرے گناہ سے واقف اور خبردار ہے تو گناہ کرنا چھوڑ دے تاکہ رب تعالیٰ
تجھے عذاب سے رہائی دے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ

اور تم پر کچھ الزام نہیں اس میں کہ پردہ پردہ میں عورتوں کی منگنی کا تم نے پیغام دیا، یا تم نے خواہش نکاح کو اپنے دل میں چھپایا،

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَدُّوهُمْ مَهْنًا وَلَكِنْ لَا تُؤَاعَدُوهُمْ نِسْرًا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا

اللہ کو معلوم ہے کہ بے شک تم عورتوں کو یاد کرو گے، لیکن ہاں نہ وعدہ کرنا ان سے خفیہ مگر یہ کہ بات چیت کرو

قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عَقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ

ایسی جو قاعدہ کی ہو، اور نہ عزم کرو عقد نکاح کا، یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت مقررہ اپنی مدت کو اور جان رکھو

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ

کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے اندر ہے، تو اس کو ڈرو۔ اور جان رکھو کہ بے شک اللہ بخشنے والا حلیم ہے۔

اس مقام پر اے عدت والی عورتوں سے نکاح کی رغبت کرنے والو! تم سن لو (اور) سمجھ لو کہ (تم پر کچھ الزام نہیں) گناہ نہیں (اس میں کہ پردہ پردہ میں) یعنی اشارہ و کنایہ میں عدت والی (عورتوں کی منگنی کا تم نے پیغام دیا یا تم نے خواہش نکاح کو اپنے دل میں چھپایا) مگر (اللہ تعالیٰ) (کو) بخوبی (معلوم ہے کہ بے شک تم) ان (عورتوں کو) لالچالہ (یاد کرو گے)، اس رغبت کی وجہ سے جو تمہیں ان کی ذات سے ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ بات کرنے سے باز نہ آؤ گے تو خیر تم انکا ذکر کرو (لیکن ہاں نہ وعدہ کرنا ان سے خفیہ) ایسے کام کا جو چھپاتے ہو، یعنی ان سے مباشرت و کثرت مجامعت کا وعدہ نہ کرو (مگر یہ کہ) شریعت کے موافق ان سے (بات چیت کرو ایسی جو قاعدہ کی ہو) شریعت کے خلاف نہ ہو، وہ بھی اشارہ و کنایہ نہ کہ صراحتاً۔ ان سے اس طرح کی گفتگو کر سکتے ہو۔۔۔ مثلاً: تو بے شوہر نہ رہے گی۔۔۔ یا۔۔۔ مجھے تجھ جیسی جو رو چاہئے۔۔۔ یا۔۔۔ جب تیری عدت گزر جائے تو مجھے خبر کرنا۔۔۔ مختصر۔۔۔ نکاح کا صاف صاف پیغام دینے سے احتراز لازم ہے مگر اس میں کچھ گناہ نہیں

کہ اشارۃ نکاح کی بات کہیں (اور) اچھی طرح یاد رکھو (نہ عزم کرو) یعنی ایسا پختہ ارادہ نہ کرو جس میں جانب مخالف کی بالکل گنجائش ہی نہ ہو۔ (عقد نکاح کا) اور وہ بھی (یہاں تک کہ پہنچ جائے) کتاب الہی کی طرف سے فرض کی ہوئی (عدت مقررہ اپنی) آخری (مدت کو اور) (جان رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ) (جانتا ہے جو کچھ تمہارے) دلوں کے (اندازے) یعنی ایسے کام کا ارادہ جو جائز نہیں (تو اس کو ڈرو) اور اس کے عذاب و عقاب سے اپنے کو بچاؤ (اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ) (بخشنے والا) ہے، اسے جو اس کے عذاب سے ڈرے۔ اور (علم والا ہے) اسلئے عذاب کی جلدی نہیں فرماتا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ مَا لَكُمْ مَسْوُومٌ أَوْ تَفَرُّوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۗ

نہیں ہے کوئی مہر کی ذمہ داری تم پر اگر تم نے طلاق دیدی اس عورت کو جس کو چھو ابھی نہیں اور کوئی مہر مقرر نہیں کیا،

وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرَهُ وَعَلَى الْمَقْتَرِ قَدَرَهُ

اور انہیں برتنے کو کچھ دے دو صاحب وسعت پر اس کے موافق اور تنگ دست پر اس کے موافق جوڑا دینا،

مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝

باقاعدہ حق ہے، بھلائی کرنے والوں پر •

نکاح کر لینے والو اس مقام پر تم یہ بھی سمجھ لو کہ (نہیں ہے کوئی مہر کی ذمہ داری تم پر اگر تم نے طلاق دیدی اس عورت کو جسکو چھو ابھی نہیں) اور جس سے خلوت سمجھ نصیب ہی نہ ہوئی ہو (اور) ساتھ ہی ساتھ اسکا (کوئی مہر) بھی (مقرر نہیں کیا) گیا ہو۔۔۔ الختم۔۔۔ یہی ایک صورت ایسی ہے جس میں طلاق دینے والے پر بنام مہر کچھ دینا لازم نہیں۔۔۔ ہاں۔۔۔ مگر ایسی مطلقہ کی دلجوئی کیلئے اور کسی نہ کسی حد تک طلاق سے پیدا شدہ اسکی کبیدہ خاطر کی کو کم کر لینے کیلئے۔ اے طلاق دینے والو! انکو بالکل محروم نہ چھوڑ دو (اور انہیں برتنے کو کچھ دے دو) جو اس عورت کے نصف مہر مثل سے زائد نہ ہو۔

یاد رکھو کہ (صاحب وسعت) مالدار (پر اس) کی حیثیت (کے موافق اور تنگ دست) غریب (پر اس) کی استطاعت (کے موافق جوڑا دینا)۔ ایسا جوڑا جو عورت کو فائدہ پہنچا سکے۔ اس مقام پر 'تعد' کی مقدار مقرر کرنا حاکم شرع کی رائے پر موقوف ہے۔۔۔ العرض۔۔۔ 'تعد' کی مقررہ مقدار مذکورہ بالا مطلقہ کو دینا لازم و واجب ہے اور شرع و عرف کے لحاظ سے (باقاعدہ حق ہے) ان (بھلائی کرنے والوں پر) جو اپنے نظموں کیلئے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں نیکی کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔

وَإِنْ طَلَقْتُمْوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً

اور اگر طلاق دی تم نے ان کو قبل اس کے کہ ان کو چھوا، اور مقرر کر دیا تھا تم نے ان کا حصہ مہر، تو آدھا ہے اس کا جو تم نے مقرر

فَرَضْتُمْ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بَيْنَهُمَا عَقْدًا إِنَّهُمَا كَانُوا

کیا تھا، مگر یہ کہ عورتیں وہ بھی معاف کر دیں، یا رعایت نہ لے کر شانِ عنفود کھاوے شوہر وہ جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے۔ اور مردوں کا شان

تَعْفُوا أَقْرَبَ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

عنفود کھانا پر ہیز گاری سے زیادہ قریب ہے اور بھول نہ جاؤ آپس کے فضل و کرم کو۔ بے شک اللہ تمہارے کئے کو دیکھنے والا ہے۔

(اور اگر) ایسی صورت ہے کہ (طلاق دی تم نے ان کو قبل اسکے کہ) تم نے (انکو چھوا) یعنی

خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دیدی (اور) صورت حال یہ تھی کہ (مقرر کر دیا تھا تم نے انکا حصہ مہر تو)

تم پر مطلقہ کو (آدھا) دینا لازم (ہے اس) مقدار (کا جو تم نے مقرر کیا تھا مگر یہ کہ عورتیں) جو عاقلہ اور

بالغہ ہوں اور شرعاً معاف کر دینے کا اختیار رکھتی ہوں (وہ بھی معاف کر دیں)، یہ خیال کر کے کہ یہ مرد

مجھ تک نہیں پہنچا اور میرے وصال سے فائدہ مند نہیں ہوا۔ بہتر یہی ہے کہ اس سے کچھ نہ لوں۔

--- الفرض --- عورت معاف کر دے (یا رعایت نہ لیکر شانِ عنفود کھاوے شوہر وہ جس کے

ہاتھ میں عقد نکاح ہے) یہ سوچ کر کہ یہ عورت میرے نکاح میں تھی اور اب میرے وصال سے محروم و

مایوس ہوئی تو لاؤ جتنا مہر مقرر کیا تھا اسے پورا کا پورا دیکر اس عورت کو خوش کر دوں (اور) ظاہر ہے کہ

مردوں کا اس طرح کی (شانِ عنفود کھانا) جفاکاری کے بہ نسبت (پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے)۔

تو اے مردو! اور عورتو! تم اپنے خیر خواہی اور حسن سلوک کے جذبات کو بے دار رکھو (اور بھول نہ جاؤ

آپس کے فضل و کرم کو) اور جان لو کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (تمہارے کئے کو دیکھنے والا ہے)۔

دوسروں پر تمہاری مہربانیاں تمہاری بخششیں، تمہاری عنایتیں اور تمہارے احسانات، رب کریم سب

کچھ دیکھ رہا ہے اور وہ اپنے فضل و کرم سے احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

سابقہ آیات میں بگڑے ہوئے حالات میں بھی حسنِ علق کے مظاہرہ کی ہدایت فرمائی

گئی ہے اور احسان و مروت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اب اس قوت کی نشاندہی کی

جاری ہے جس سے انسان بخوشی شریعت کے تمام قوانین پر عمل کر سکتا ہے۔ اسی لئے

قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے کہ جہاں جہاں قوانین و احکام کی وضاحت فرماتا ہے، وہیں

کار خیر انجام دلانے والی اس قوت کی طرف بھی راغب کر دیتا ہے جس سے لوگ احکام کی پابندی آسانی سے کر سکیں۔

یہاں بھی خانگی زندگی سے متعلق احکام مطلق، خلع، عدت وغیرہ بیان کر کے نماز کو پابندی سے ادا کرنے کا حکم دیا۔ اسلئے کہ نمازی ذکر الہی کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ ہے۔ اس میں جسم و روح، دل و دماغ، سب مصروف عبادت و مناجات ہوتے ہیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ حقوق العباد کے ذکر کرنے کے بعد حقوق اللہ کی ادائیگی کو لازمی قرار دینے کی ہدایت اور اس کے بعد پھر عائلی احکام کی طرف رہنمائی، یہ سب کچھ اسلئے ہے تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ انسان کیلئے یہ جائز نہیں کہ بیوی بچوں کے ساتھ تعلق، محبت اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں اس قدر مشغول ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کو بھول جائے۔۔۔ الغرض۔۔۔ امور خانہ داری اور نیا داری میں اس قدر منہمک ہو جائے کہ نمازوں کے اوقات میں بھی بیوی بچوں کے گورک و حسدوں میں پڑا رہے اور خدا کی یاد کو بالکل فراموش کر بیٹھے۔

حَفِظُوا عَلٰی الصَّلٰوٰتِ وَ الصَّلٰوۃُ الْاَوْسَطٰی وَ تُوْمُوْا لِلّٰہِ قُنْتِیْنَ ۝

نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور درمیانی نمازی۔ اور کھڑے ہو اللہ کے لیے باادب •

تو اے ایمان والو! نگہبانی کرو سب (فرض) نمازوں کی (ان کو ان کے اوقات میں کما حقہ ان کے متعلق احکام کی رعایت کرتے ہوئے، دائمی طور پر ادا کرتے رہو اور ہمیشہ کیلئے اس پر ثابت قدم رہو) اور درمیانی نماز کی (محافظة سے غافل نہ ہو جاؤ، چونکہ اس نماز کا وقت ایسا ہے کہ اس میں عموماً لوگ کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں اور بعض کی مشغولیت کا عالم یہ ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے سے غافل ہو جاتا ہے اور اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ ایسے ہماہمی اور گہما گہمی کے عالم میں بھی تم اپنی نمازوں کا خیال رکھو اور اس کو اس کے جملہ حقوق کے ساتھ ادا کرتے رہو۔

اس مقام پر اپنے ذہن کو اس غیر ضروری تحقیق میں نہ لگاؤ کہ درمیانی نماز سے مراد کیا ہے؟ اسلئے کہ جب پانچوں وقت کی نماز فرض میں ہے، سب کو ادا کرنے والوں کیلئے وعدہ۔۔۔ اور۔۔۔ ترک کرنے والوں کیلئے وعید ایک ہی طرح کے ہیں، تو کسی نماز کو اہم اور کسی کو غیر اہم سمجھنا، یہ کوئی اچھی سوچ نہیں۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ غافلوں کیلئے ہر نماز کے وقت رکاوٹ کی کوئی نہ کوئی وجہ موجود ہے۔۔۔ مثلاً: نماز فجر کے وقت اس کے خاص سونے کا

وقت ہے۔ نماز ظہر اور نماز عصر کے اوقات میں کاروباری مصروفیات ہیں، نماز مغرب کے وقت کھانے پینے اور فیملی کے ساتھ گپ شپ کے لمحات ہیں اور نمازِ عشاء کے وقت سے پہلے ہی سو جانے کی عادت ہے۔۔۔۔۔

ان حالات میں ہر نماز کی گمرانی اور اسکی محافظت سعادت مندوں اور خشیت الہی رکھنے والوں کا حصہ ہے۔ جس نماز کی ادائیگی جتنی مشقت اٹھا کر کی جائیگی، یقیناً اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بقدر محنت و مشقت ہوگا۔ اس مقام پر یہ بھی قابل غور بات ہے کہ درمیانی نماز سے مراد کیا ہے؟ اسکے تعلق سے اقوال بہت ہیں، جس نے جو قبول کیا، اسکو درمیانی ثابت بھی کر دیا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ کسی نے کہا اس سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ دن کے وسط میں پڑھی جاتی ہے۔ کسی نے کہا اس سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن کی دو نمازوں اور رات کی دو نمازوں کے درمیان پڑھی جاتی ہے۔ کسی نے کہا اس سے مراد مغرب کی نماز ہے، کیونکہ یہ چار رکعت اور دو رکعت کی نمازوں کے درمیان متوسط ہے۔ کسی نے کہا کہ اس سے مراد عشاء کی نماز ہے اسلئے کہ یہ مغرب اور فجر کی نمازوں کے درمیان ہے، جن میں قصر نہیں اور کسی نے کہا اس سے مراد فجر کی نماز ہے اسلئے کہ یہ دن رات کی نمازوں کے درمیان ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ یہ وہ منفرد نماز ہے جو دوسری نماز کے ساتھ ملا کر نہیں پڑھی جاتی۔ اسکے علاوہ بھی بہت سارے اقوال و احتمالات ہیں۔

مذکورہ بالا اقوال میں نمازِ عشاء کے قول کے علاوہ، ہر قول کو جلیل القدر آئمہ و فقہاء کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں امام اعظم کا مسلک کیا ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔ بقول صاحب مدارک، امام اعظم کے نزدیک صلاۃ وسطی عصر کی نماز ہے اور بقول صاحب روح المعانی آپ کے نزدیک صلاۃ وسطی سے ظہر کی نماز مراد ہے۔ فجر، ظہر اور عصر کے تعلق سے کچھ روایتیں بھی ملتی ہیں جن میں ان اوقات کی نمازوں کو صلاۃ وسطی کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔ اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خود صحابہ کرام رضون اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان بھی صلاۃ وسطی کے تعین کے تعلق سے اختلاف تھا۔ حضرت سعید ابن مسیب کے قول سے اس اختلاف کی نشاندہی ہوتی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر صلاۃ وسطی کے تعین کے تعلق سے رسول کریم ﷺ کا کوئی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ ارشاد گرامی ہوتا تو صحابہ کے مابین یہ اختلاف نہیں ہو سکتا تھا۔

اب یہ سارے مختلف اقوال ان حضرات قدسی صفات کے اجتہادات کے مابین اختلافات کا ثمرہ و نتیجہ ہیں۔ ان حالات میں صلاۃ وسطیٰ کا معاملہ شب قدر اور جمعہ کے دن وقت اجابت دعا سے ملتا جلتا ہو گیا۔ جسے شب قدر کے انوار و برکات سے مالا مال ہونا ہو، وہ پورے سال --- یا --- رمضان شریف کے پورے مہینے --- یا --- کم از کم رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرتا رہے --- یونہی --- جمعہ کے دن اجابت دعا کے مخصوص وقت کے طلبگار پر لازم ہے کہ وہ اپنے پورے دن کو ذکر الہی اور دعا و التجا میں گزار دے --- اس طرح --- صلاۃ وسطیٰ کی عظمت والی نماز سے فیضیاب ہونا ہو تو پانچ وقت کی ہر نماز میں اسکو ڈھونڈا جائے --- یعنی --- کسی صورت میں بھی کسی نماز سے غفلت نہ برتی جائے کیونکہ پانچ وقت کی نماز اگر ایک طرف فرض عین ہے تو دوسری طرف تو انہیں میں ایک فضیلت والی نماز بھی مستور ہے جو سراہی ہے۔

--- المختصر --- اپنی تمام نمازوں کو باقاعدہ بحسن و خوبی ادا کرتے رہو (اور) نماز میں (کھڑے ہو اللہ) تعالیٰ (کیلئے باادب) جیسا ایک اطاعت شعار اور خشیت الہی والے کو کھڑا ہونا چاہئے۔ حالت نماز میں نہ ادھر ادھر توجہ ہو اور نہ ہی کسی باہر والے سے بات چیت، بلکہ کھڑے ہو کر ادب و احترام کے ساتھ ذکر الہی میں لگے رہو۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمْنُكُمْ فَأَذْكُرُوا

پس اگر کسی خوف میں تم آگے تو پیدل یا سوار، پھر جب امن میں آگے تم اللہ کا ذکر کرو

اللَّهُ كَمَا عَلَّمَكُمْ فَأَلَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾

جس طرح اس نے تم کو سکھا دیا وہ، جس کو تم نہ جانتے تھے •

(پس اگر کسی) لڑنے والے دشمن --- یا --- ضرر پہنچانے والے درندے --- یا --- ایذا دینے والے کیڑے کے (خوف میں تم آگے تو) اس حال میں بھی نماز نہ چھوڑو بلکہ اگر ٹھہرنا ممکن نہ ہو تو (پیدل) چلتے ہوئے (یا) سواری پر (سوار) رہتے ہوئے نماز پڑھ لو اور لڑائی کی صورت میں جس طرح میسر آئے قبلہ کی طرف رخ کر کے، خواہ پینہ کر کے، ہر حال میں نماز ادا کر لو اور کسی صورت میں نماز نہ چھوڑو اور (پھر جب امن میں آگے تم) اور دل میں کسی طرح کا کوئی خوف نہیں رہا، سارے خطرات دور ہو گئے تو (اللہ) تعالیٰ (کا ذکر کرو) اور نماز پڑھو اور وہ بھی اس طریقے سے پڑھو (جس

طرح اس نے) اسکے آداب و شرائط (تم کو سکھا دیا وہ) ادب و طریقہ (جس کو) اسکے بتانے سے پہلے (تم نہ جانتے تھے)۔۔۔ الختصر۔۔۔ تم اللہ تعالیٰ کا شکر کرو ان نعمتوں کے عوض کہ اس نے تم کو احکام شرائع کی تعلیم دی کہ تم انہیں نہیں جانتے تھے، من جملہ انکے بوقت امن و خوف اقامت صلوة ہے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ معاشرت، ان کے حقوق اور فرائض، انکے طلاق اور عدت کے احکام بیان فرمائے تھے اور چونکہ انکے ساتھ زیادہ اشتغال عبادات میں خارج ہے، اسلئے ان احکام کے درمیان نماز کی حفاظت اور اسکی تاکید کو بیان فرمایا، حتیٰ کہ عین جنگ میں بھی نماز ساقط نہیں ہوتی۔ اور پاپیادہ۔۔۔ یا۔۔۔ سواری پر جس حال میں اور جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھی جائیگی۔ اس تشبیہ کے بعد پھر عورتوں کے ساتھ معاشرت کے احکام بیان فرمائے۔ اور چونکہ پہلے ازواج، طلاق، وفات، مطلقات، غیر مدخولہ کے مہر اور ان کی متاع کا ذکر کیا تھا اسلئے ان احکام کو اب شوہر کی موت کے ذکر پر ختم کیا اور شوہر کی موت کے بعد بیوہ کی عدت کا ذکر فرمایا اور چونکہ پہلے مطلقات غیر مدخولہ کے مہر اور متاع کا ذکر فرمایا تھا تو اب مطلقات مدخولہ کے مہر اور انکی عدت کا ذکر فرمایا۔

وَالَّذِينَ يَتَّبِعُونَكُمْ وَيَدْرُونَ أَرْوَاجَهُمْ قَصِيئَةً أَلَّا رُؤُوفَهُمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ

اور جو وفات دئے جائیں تم میں سے اور چھوڑیں بیبیاں، وہ کریں وصیت اپنی بیبیوں کیلئے نان نفقہ کا سال بھر تک

غَيْرِ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ

بغیر گھر سے نکالنے کے پھر اگر عورتیں خود نکل جائیں تو تم پر کوئی الزام نہیں اس میں جو انہوں نے کر لیا

فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

اپنے متعلق کوئی مناسب امر۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے ●

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ارشاد فرمایا کہ غور سے سنو (اور) جان لو کہ (جو وفات دئے جائیں تم میں سے اور) وہ (چھوڑیں بیبیاں) ان پر لازم ہے کہ قریب المرگ ہونے کی شکل میں موت کی آہٹ محسوس کرتے ہی (وہ کریں وصیت اپنی بیبیوں کیلئے نان نفقہ کا سال بھر تک) کیلئے (بغیر گھر سے نکالنے کے)۔۔۔ الحاصل۔۔۔ ان لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ جو فوت ہونے والے ہیں کہ مرنے سے پہلے اپنی عورتوں کیلئے وصیت کر جائیں کہ ہماری موت کے بعد ہماری عورتیں ہمارے گھروں میں

پورے سال تک ٹھہری رہیں اور انہیں نان نفقہ ملتا رہے اور انہیں گھروں سے باہر نہ نکالا جائے (پھر اگر عورتیں) عدت کی مدت یعنی ایک سال بعد --- یا --- اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے عدت کی مدت کے درمیان ہی گھر سے (خود) ہی (نکل جائیں تو) اسے شوہر کے قرابت والوں (تم پر کوئی الزام نہیں) اور تم پر کوئی گناہ نہیں (اس میں جو انہوں نے کر لیا اپنے متعلق کوئی مناسب امر) جو شریعت کے موافق ہو۔۔۔ مثلاً: بناؤ سنگھار اور شوہر کی تلاش و انتخاب، اور نکاح کے خواہشمندوں سے بات چیت کرتے رہنا وغیرہ۔

یہ ابتداء اسلام کے احکامات ہیں جبکہ شوہروں کے گھروں میں رہنا ان کیلئے ضروری نہیں تھا اور نہ سوگ واجب، بلکہ انہیں ان امور پر اختیار تھا کہ شوہروں کے گھر میں رہ کر نان نفقہ لیں --- یا --- پھر گھروں سے چلی جائیں اور پھر نان نفقہ کا کوئی مطالبہ نہ کریں۔ خیال رہے کہ مذکورہ بالا وصیت کا وجوب 'آیت میراث' کے نزول سے پہلے کا حکم ہے۔ جب 'آیت میراث' نے اسکو شوہر کا وارث بنا دیا اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی اور اولاد ہونے کی صورت میں آٹھویں کا حقدار بنا دیا، تو اب سال بھر کا قیام و طعام کا حکم منسوخ ہو گیا۔۔۔ یونہی --- جب چار مہینے دس دن کو عدت و فوات مقرر کر دیا گیا، تو پھر سال بھر کی عدت والا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

اس مقام پر سن لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (غلط والا) ہے اور جب وہ غالب ہے تو جو اس کے حکم کے خلاف کرتا ہے تو اس سے بدلہ لینے کی قدرت رکھتا ہے۔ غالب ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عظیم (حکمت والا ہے) اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں اور جس معاملہ میں جو حکم فرماتا ہے اس حکم کی پختگی میں کوئی کمی نہیں رہتی۔۔۔ الغرض --- اس کا کوئی کام ناقص اور حکمت کے خلاف نہیں۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا ذکر فرمایا تھا کہ انہیں ایک سال کا نفقہ اور رہائش مہیا کی جائے اور اب اس آیت میں ان مطلقہ عورتوں کا ذکر فرمایا جو طلاق یافتہ اور مدخول بہا عورتیں ہیں کہ اگر ان کا مہر پہلے مقرر تھا تو طلاق کے وقت ان کو انکا پورا مہر ادا کیا جائے اور اگر پہلے انکا مہر مقرر نہیں تھا تو ان کو مہر مثل دیا جائے اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کے حقوق کے بعد، مطلقہ عورتوں کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے، اس میں اشارہ یہ ہے کہ طلاق بھی پمزلہ موت ہے کیونکہ جس طرح شوہر کی موت کے بعد شوہر سے علیحدگی ہو جاتی ہے، اسی طرح طلاق کے بعد بھی شوہر سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ وہ

مطلقات جن کو مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی ہو، ان کا حکم پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے، لہذا اس آیت میں مطلقات سے وہ عورتیں مراد ہیں جن کو مباشرت کے بعد طلاق دی گئی ہو۔

وَلِلْمُطَلَّاقَاتِ مَتَاعُ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۴۰﴾

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کیلئے بھی نان نفقہ ہے مناسب طریقہ سے، واجب ہے پرہیزگاروں پر •

تو سن لو (اور) جان رکھو کہ مباشرت کر لینے کے بعد (طلاق دی ہوئی عورتوں کیلئے بھی) مہر کے علاوہ عدت کی مدت میں (نان نفقہ) بھی (ہے مناسب طریقے سے) اوسط درجہ کا، نہ زیادہ نہ کم، اور یہ بھی (واجب ہے) شرک و کفر سے پرہیز کرنے والے (پرہیزگاروں پر) یعنی مسلمانوں پر۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيٰتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۱﴾

اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتوں کو کہ اب عقل سے کام لو •

جس طرح یہ احکام بیان کئے (اسی طرح بیان فرماتا ہے) اور ظاہر کرتا ہے (اللہ تعالیٰ تمہارے) فائدہ کے (لئے) اپنے احکام پر مشتمل (اپنی آیتوں کو) تاکہ تمہارے ہر ہر عمل کے تعلق سے حسب ضرورت احکام الہی کی شکل میں رب کریم کی ہدایتیں ملتی رہیں تاکہ (کہ اب عقل سے کام لو) اور ان احکام کو قبول کر لینے اور ان میں غور و فکر کرنے میں مصروف ہو جاؤ۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ طلاق بہ منزلہ موت ہے اور طلاق سے رجوع کرنا بہ منزلہ حیات ہے، گو ان پر موت و حیات کا اطلاق بطور مجاز ہے۔۔۔ المختصر۔۔۔ پہلی آیات میں دنیاوی اور معاشرتی زندگی کے حساب سے موت و حیات کا ذکر کیا گیا تھا اور اب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ دینی اور اخروی اعتبار سے موت اور حیات کا ذکر فرما رہا ہے اور چونکہ قریب ترین امت بنو اسرائیل تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے جہاد کے معاملے میں بنو اسرائیل کے احوال بیان فرمائے۔

یہ لوگ طاعون کی صورت میں موت کے ڈر سے بھاگے۔ اللہ نے ان پر موت طاری کی اور پھر ان کو زندہ کیا۔ اس میں بھی موت و حیات کا ذکر ہے۔ پھر ان کو جہاد کا حکم دیا۔ اس میں بھی موت و حیات کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل کے یہ سارے قصے اور ان کے پہلوؤں کے

تعلق سے یہ ساری خبریں اہل کتاب کے ہر خاص و عام لوگوں پر ظاہر تھیں اور انکی اتنی شہرت تھی کہ اسکی حیثیت چشم دید حالات کی طرح ہوگئی، لہذا ایسے مشہور و معروف واقعات سے لاعلمی حیرت و استعجاب کا باعث ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ

کیا تم نے دیکھا نہیں انھیں جو نکلے تھے اپنے گھروں سے، اور وہ کئی ہزار تھے موت کے خوف سے،

فَقَالَ لَهُمْ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ

تو فرمایا ان کو اللہ نے کہ مر جاؤ۔۔۔ پھر زندہ فرمادیا ان کو۔ بے شک اللہ ضرور لوگوں پر فضل

عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۹۱﴾

فرمانے والا ہے۔ لیکن زیادہ لوگ ناشکر گزار ہیں •

تو (کیا تم نے) اے دیکھنے والے اور سوچ بوجھ رکھنے والے اپنی چشم علم و ادراک سے بھی (دیکھا نہیں انھیں) اور تعجب کے ساتھ نگاہ نہیں ڈالی ان پر (جو) شہر واسط کے داوردان قریہ کے رہنے والے تھے اور وہ سب کے سب اپنے طاعون زدہ شہر سے (نکلے تھے) اور باہر ہو گئے تھے (اپنے گھروں سے اور وہ) بھی بہ اختلاف روایات چار ہزار۔۔۔ یا۔۔۔ آٹھ ہزار۔۔۔ یا۔۔۔ دس ہزار۔۔۔ یا۔۔۔ تیس ہزار۔۔۔ یا۔۔۔ چالیس ہزار۔۔۔ یا۔۔۔ ستر ہزار۔۔۔ الفرض۔۔۔ (کئی ہزار تھے)۔ اس شہر میں جب پہلی بار طاعون آیا، کچھ لوگ جو باہر جانے کی استطاعت رکھتے تھے وہ باہر نکل گئے، باقی شہر میں رہ گئے۔ باہر نکلنے والے سب بچ گئے مگر شہر کے رہنے والے بہت سارے لوگ طاعون کا شکار ہو گئے۔ اسلئے جب دوسری بار طاعون کا حملہ ہوا تو پھر سب کے سب (موت کے خوف سے) شہر سے نکل گئے اور شہر سے دور دو پہاڑوں کے درمیان ایک میدان میں ٹھہر گئے۔

انکے اس طرز عمل نے تقدیر الہی پر ان کے ایمان کی کمزوری ظاہر کر دی۔۔۔ نیز۔۔۔ انکے کردار سے ایسا لگا کہ انھوں نے بیماری ہی کو موثر حقیقی سمجھ لیا ہے۔ رب علیم وخبیر انکے دلی خیالات و احساسات کا جاننے والا تھا۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے بطور سزا، ان سب کو کسی بیماری آزاری کے بغیر ہی اسی موت سے ہمکنار کر دیا جس سے وہ بھاگے تھے اور پھر سات آٹھ دنوں ہی میں انکی وہ حالت بنا دی کہ قریب کے گاؤں والے آ کر ان کی تدفین نہ

کر سکے اور صرف ان کے چاروں طرف دیوار کھڑی کر دی تاکہ وہ جنگلی درندوں کا لقمہ نہ بن سکیں ایک عرصہ گزر جانے کے بعد ان کی ہڈیوں کے ڈھانچے بھی منتشر ہو گئے۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ طاعون زدہ شہر سے باہر آ کر انھوں نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم اب موت سے بچ گئے، (تو) ایسی صورت میں (فرمایا ان) سب (کو اللہ تعالیٰ نے) اپنے دو فرشتوں کی زبان سے (کہ مر جاؤ)، چنانچہ وہ سب کے سب مر گئے اور ظاہر ہو گیا کہ کوئی شخص بیماری سے نہیں مرتا بلکہ حکم الہی سے مرتا ہے۔

چونکہ یہ موت طبعی نہیں تھی جس کے بعد زندگی نہیں عطا فرمائی جاتی، بلکہ یہ موت سزا کے طور پر ان کے نظریات و خیالات کی اصلاح کیلئے تھی، تاکہ جب انہیں زندگی دے دی جائے تو پھر وہ ایسی غلطی نہ کریں اور کسی بیماری کو موت کیلئے موثر حقیقی نہ سمجھ لیں۔

ایک عرصہ دراز کے بعد اُدھر سے باختلاف روایات حضرت حزقیل المعروف بہ ابن العجوز، خلیفہ کالب بن یوقنا، خلیفہ یوشع بن نون۔۔۔ یا۔۔۔ حضرت شمعون۔۔۔ یا۔۔۔ حضرت شمویل ذوالکفل۔۔۔ یا۔۔۔ حضرت یوشع بن نون کا گزر ہوا۔ وہاں کی صورت حال دیکھ کر آپ بہت حیرت زدہ ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی فرمائی، اور ان کی زبان کو اپنا حکم نافذ کرنے کا ذریعہ بنا دیا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے جب ہڈیوں سے کہا کہ اے ہڈیوں! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو تم اٹھا ہو جاؤ، یہ سنتے ہی سب اٹھا ہو گئیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ خداوند کا حکم ہے کہ اے ہڈیوں کے ڈھانچے تم گوشت و پوست کا لباس پہن لو، یہ سن کر سارے ڈھانچے گوشت و پوست والے ہو گئے۔ پھر پیغمبر نے ارشاد فرمایا کہ حکم الہی ہے کہ اب تم سب زندہ ہو کر کھڑے ہو جاؤ تو سب سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

تو اس طرح (پھر زندہ فرما دیا) اللہ تعالیٰ نے (انکو)۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے بحکم خداوندی پہلے ان مرنے والوں کی بوسیدہ ہڈیوں سے خطاب کیا، پھر انکے بے روح ڈھانچوں کو مخاطب فرمایا، اور پھر انکے بیجان گوشت و پوست کے پیکر کو حکم دیا، انھوں نے پیغمبر کی آواز سنی، تجھی اور انکے حکم کی تعمیل کی۔

اب اس خطاب کی دو ہی صورت بنتی ہے:

﴿۱﴾۔۔۔ اگرچہ پیغمبر نے براہ راست انہیں کو مخاطب بنا کر حکم الہی ظاہر فرمایا، لیکن ان کے توسط سے درحقیقت خطاب انکی ارواح سے تھا اور چونکہ سنا، دیکھا، سمجھا یہ سب کچھ

روح کی صفات ہیں تو ان کی روحوں نے سنا، سمجھا اور اپنے خدا داد تصرفات کو بروئے کار لا کر ان کی بوسیدہ ہڈیوں کو چلتے پھرتے پیکر انسانی میں بدل دیا۔

﴿۲﴾۔۔۔ پیغمبر کا خطاب انہیں بوسیدہ ہڈیوں، بے جان ڈھانچوں اور بے روح گوشت و پوست کے پیکروں ہی سے تھا، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیغمبر کا خطاب سنا، سمجھا اور انکے حکم کی تعمیل کی۔۔۔

پہلی صورت میں ظاہر ہو گیا کہ مردے بھی سنتے، دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔۔۔ اسلئے کہ دیکھنا سنا اور سمجھنا، یہ سب کچھ روح کی صفات ہیں۔۔۔ تو۔۔۔ مردوں سے وابستہ ارواح کا سنا دیکھنا اور سمجھنا ہی مردوں کا سنا، دیکھنا اور سمجھنا قرار پایا۔۔۔ اور دوسری صورت میں واضح ہو گیا کہ سنتے، دیکھتے، سمجھتے وغیرہ کیلئے روح صرف سبب عادی ہے، سبب حقیقی و لازمی نہیں، اسلئے بے روح اشیاء بھی دیکھتے سنتے اور سمجھتے کی خدا داد صلاحیتیں رکھتی ہیں اور خدا کی قدرت کاملہ سے یہ چیز باہر نکلیں کہ وہ بے روح چیزوں کو جو چاہے سنا دے، جو چاہے دکھا دے اور جو چاہے سمجھا دے۔۔۔ بے روح اشیاء کا سنا، دیکھنا، سمجھنا۔۔۔ بلکہ۔۔۔ دردِ محبت سے آشنا ہونا، یہ صرف ممکن نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ جسکی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اسٹن حناٹہ اور جنیل احمد کی مثالوں سے تو ہر صاحبِ علم باخبر ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے ظاہر ہو گیا کہ (بے شک اللہ تعالیٰ ضرور لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے) ان لوگوں کو اسلئے زندہ کیا تاکہ وہ عبرت پکڑیں اور پھر سعادتِ عظمیٰ حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہیں اور ان کے سوا دوسرے لوگ جو اس واقعہ کو سنیں، انہیں بھی عبرت اور غور و فکر کی جانب ہدایات ملے (لیکن زیادہ) اکثر و بیشتر (لوگ نا شکر گزار ہیں) خصوصاً بنی اسرائیل، کہ انہوں نے ایسے ایسے معجزے دیکھے اور حکم الہی نہ مانا۔

وَقَالُوا إِنَّا سَابِلُونَ اللَّهَ وَعَلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

اور لڑو اللہ کی راہ میں، اور جان رکھو کہ بے شک اللہ سنتے والا جاننے والا ہے۔

۔۔۔۔۔ تو۔۔۔ مسلمانو! تم عبرت حاصل کرو (اور) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے (لڑو) جہاد کرو (اللہ تعالیٰ) (کی راہ میں) اس کی رضا اور خوشنودی کیلئے، اسکے دین کو بلند کرنے کیلئے۔ جس طرح طاعون سے بھاگنے والوں نے دیکھ لیا کہ بھاگنے کے بعد بھی وہ موت سے نہیں بچ سکے۔ اسی

طرح جہاد سے بھاگنے والے بھی سمجھ لیں کہ بھاگنے سے انہیں موت سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہو کر رہے گی، پھر کیوں نہ وہ راستہ اختیار کرو جو بہ حال میں کامیابی و سرخروئی کا راستہ ہے، اور وہ ہے خدا کی راہ میں جہاد، جس میں بچنے والا غازی ہو کر نصرت الہی اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔۔۔ اور۔۔۔ مرنے والا شہید ہو کر حیات دائمی اور نجات اخروی حاصل کر لیتا ہے۔

تو مسلمانو راہ خدا میں جہاد کرو (اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ (سننے والا) ہے۔ وہ اسکی بات بھی سنتا ہے جو کسی دوسرے کی ترغیب سے جنگ پر حاضر ہوا اور اسکی بات بھی جو کسی دوسرے کی نفرت دلانے سے جنگ پر نہ جاسکا اور یونہی وہ (جاننے والا ہے) تمہارے ان اعمال کو جنہیں تم اپنے دلوں میں چھپاتے ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ جنگ سے محروم رہنے والا جنگ پر کیوں نہ حاضر ہو سکا۔۔۔ نیز۔۔۔ وہ مجاہد کے جہاد اور اسکی غرض اور نیت کو بھی جانتا ہے کہ وہ جنگ پر حاضر ہوا تو کیوں؟ دینی مفاد مد نظر تھا۔۔۔ یا۔۔۔ دنیوی۔ اب اگر اسکی دنیوی غرض ہے تو اسے اخروی ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

اس سے پہلی آیت میں جہاد کا حکم دیا تھا اور جہاد مال کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جہاد کیلئے سواریاں، آلات حرب اور خوراک و رسد کو مال کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اسلئے اگلی اس آیت میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور اللہ کے دین کی سر بلندی کیلئے مال خرچ کرنے کو اللہ کو قرض دینے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ یہ مال ضائع نہ ہوگا بلکہ آخرت میں کئی گنے اجرو ثواب کے ساتھ تمہیں مل جائیگا۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَصْعَاقًا كَثِيرَةً

کوئی ہے جو دے اللہ کو قرض حسنہ، تو بڑھادے اللہ اس کو کئی زیادہ گنا۔

وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۰﴾

اور اللہ ہی تنگی ڈالے اور وہی فراخی بخشے، اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تو (کوئی ہے جو) اللہ تعالیٰ کی اور اسکے دین کی سر بلندی کی محبت میں (دے اللہ) تعالیٰ کے ضرور تمند بندوں (کو) ان کے طلب کرنے پر اپنے پاک اور حلال مال سے (قرض حسنہ) یعنی ایسا قرض جسے دینے میں نال منول نہ کرے اور جلدی کرے۔۔۔ یا۔۔۔ قرض دیکرا احسان نہ رکھے۔۔۔ یا۔۔۔ عوض کا طالب نہ ہو۔

اس طرح کے قرض دینے کا ثواب صدقے سے زیادہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں قرض سے مراد راہِ خدا میں صدقہ دینا ہے۔ صدقہ کی تعبیر قرض سے اس لئے کی گئی کہ جس طرح قرض دینے والے کو زر قرض ملنا لازم ہے، اسی طرح خدا کی راہ میں صدقہ دینے والے کو صدقہ کا عوض ملنا لازم ہے۔ اس صورت میں قرض حسن اسی کو کہیں گے جو خالصاً لوجه اللہ ہو اور اپنے حلال و طیب مال سے ہو۔

اس ارشاد میں دراصل اس تمنا کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ کوئی سعادت مند آگے بڑھے اور راہِ خدا میں اپنا حلال و طیب مال خرچ کرے (تو بڑھادے اللہ) تعالیٰ (اس) کے مال کے اجر (کو) دس گنا، ستر گنا، سات سو گنا، چودہ سو گنا، بلکہ اس سے بھی (کئی زیادہ گنا) صدقہ کرنے والے ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ صدقہ کرنے سے انکا مال کم ہو جائیگا اور وہ تنگی کا شکار ہو جائیگے۔ تنگی و کشادگی یہ کسی کے اختیار کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ یہ دونوں خدا ہی کی طرف سے ہیں تو جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی) جس پر چاہے (تنگی ڈالے اور وہی) جسکو چاہے (فراخی بخشے) یہ دونوں کام رب کریم اپنے علم و حکمت اور اپنی تدبیر و تقسیم کے مطابق انجام دیتا ہے۔

--- الغرض --- جس بندے کے ساتھ جو کرتا ہے، اس بندے کے حال کی درستی اور بھلائی اسی میں ہے۔ اس دنیا میں سبھی کو چند روز رہنا ہے (اور) پھر بالآخر اے لوگو تم سب (اسی کی) جزا (کی طرف لوٹائے جاؤ گے) تو اصل کام آنے والی دولت وہی ہے جس کو آخرت کیلئے محفوظ کر لیا جائے اور حفاظت کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ خالصاً لوجه اللہ راہِ خدا میں خرچ کر کے خود خدا ہی کی حفاظت میں دے دیا جائے۔

اس سے پہلے آیتوں میں مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے کیلئے گھمبلی امتوں میں سے ان لوگوں کے احوال کو بیان فرمایا تھا جو موت سے ڈر کر بھاگے تھے، پھر بھی ان کو موت نے آیا تا کہ مسلمان یہ نور کریں کہ جب موت سے مفر نہیں تو کیوں نہ شہادت کے آئینہ میں موت کا استقبال کیا جائے۔ اور اب ان آیتوں میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو جو جہاد کا مکلف کیا ہے، وہ ان پر کوئی پہلا اور نیا حکم نہیں ہے۔ ان سے پہلے بھی بنو اسرائیل کو جہاد کا مکلف کیا گیا تھا اور جب کسی حکم کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ

ہر زمانے میں ہر امت کو اس حکم کا مکلف کیا جاتا رہا ہے تو اس حکم کا بارِ مشقت کم ہو جاتا ہے۔
 نبی کریم ﷺ سے آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل اللہ کے حکم کی اطاعت اور آپ کی نبوت
 پر ایمان لانے میں فضولِ ضد، بحث اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے، تو نبی کریم ﷺ کو ان کی
 ضد اور کج بحثی سے ملال ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کیلئے یہ آیات نازل فرمائیں اور
 آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک نبی کے زمانے میں بنو اسرائیل کی ضد اور
 ہٹ دھرمی کی طرف متوجہ فرمایا، کہ یہ ضد اور ہٹ دھرمی ہمیشہ سے بنو اسرائیل کا وطیرہ رہا ہے
 اور یہ ان کے عمل کا ایک تسلسل ہے جو آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل میں بھی پایا جاتا ہے۔

أَمْ تَرَى إِلَى الْمَلَأِينَ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّ لَهُمْ ابْعَثْ لَنَا

کیا تم دیکھ نہیں چکے بنی اسرائیل کی ایک جمعیت کو بعد زمانہ موسیٰ کے، جب کہ وہ بولے اپنے نبی کو کہ ہمارے لیے کسی کو بادشاہ
 مَلِكًا نَقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا
 بنا کر کھڑا کر دو کہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں۔ کہا کچھ دور نہیں تم سے، کہ اگر فرض کر دیا جائے تم پر لڑنا، یہ کہ نہ لڑو۔

قَالُوا وَمَالْنَا أَلَّا نَقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أَخْرَجَنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاؤُنَا

سب بولے اور ہمارے لیے کیا وجہ ہے کہ نہ لڑیں اللہ کی راہ میں، حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں اپنے گھروں اور بچوں سے۔۔۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَكَّلُوا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝

پھر جب فرض کیا گیا ان پر لڑنا تو مند پھیر لیا مگر ان کے تھوڑوں نے، اور اللہ ظالموں کو جاننے والا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا (کیا تم) اپنی نگاہ علم و ادراک سے (دیکھ نہیں چکے) معلوم نہیں کر سکتے اور

وہ بھی ایسا معلوم ہونا گویا کہ وہ آپ کا چشم دید ہے اور اسے آپ کھلی آنکھ سے دیکھ چکے ہیں۔ (نبی
 اسرائیل کی ایک جمعیت کو) یعنی ایک گٹ بنا کر رہنے والے بنی اسرائیلی اشراف و صاحبانِ عقل و
 دانش کی جماعت کو، جن کا زمانہ (بعد زمانہ) حضرت (موسیٰ علیہ السلام) کے) ظہور پذیر ہوا (جب کہ وہ
 بولے اپنے نبی) حضرت اشوئیل۔۔۔ یا۔۔۔ حضرت السبع۔۔۔ یا۔۔۔ حضرت یوشع بن نون
 ۔۔۔ یا۔۔۔ حضرت شمعون۔۔۔ الفرض۔۔۔ اس عہد میں موجود اپنے پیغمبر (کو) اور ان کی خدمت میں
 درخواست پیش کی (کہ) آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے (ہمارے لئے کسی کو بادشاہ بنا کر کھڑا کر دو)
 تا (کہ ہم) اسکی قیادت میں اور اسکی مدد و نصرت سے (لڑیں) اور جہاد کریں (اللہ تعالیٰ کی راہ
 میں) جا لوت اور اسکی قوم عمالقہ کے ساتھ۔

یہ قوم، قوم عاد کے باقیات سے تھی جو بت پرست اور شرک کرنے والی تھی۔ اسکو بنی اسرائیل سے پوری عداوت تھی، بنی اسرائیل اس سے عاجز تھے، چونکہ ان میں کوئی بادشاہ اور حاکم نہ رہا تھا جسکی قیادت میں وہ اس قوم کا مقابلہ کر سکتے، اسلئے انھوں نے اپنے پیغمبر سے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست پیش کر دی کہ اسکی مدد سے جہاد کر سکیں۔ چونکہ اس دور کے پیغمبر کے علم و خبر میں سابقہ قوم بنی اسرائیل کی سرکشیوں، منہ زوریاں اور بد اعمالیاں تھیں اسی کے پیش نظر انھوں نے جو اب ان سے (کہا) ارشاد فرمایا کہ (کچھ دور نہیں تم سے) تمہارے اسلاف کے رویوں کو دیکھتے ہوئے (کہ اگر فرض کر دیا جائے تم پر لڑنا) اور جہاد کرنا تو (یہ) متوقع ہے (کہ نہ لڑو) اور مد مقابل کی ظاہری قوت و شوکت کو دیکھ کر جہاد سے منہ موڑ لو اور بھاگ کھڑے ہو۔

یہ سن کر (سب بولے اور) کہہ پڑے کہ (ہمارے لئے کیا وجہ ہے کہ نہ لڑیں) اور وہ بھی (اللہ کی راہ میں حالانکہ) یعنی اب صورت حال یہ ہے کہ ان ظالموں کے ظلم و ستم سے (ہم نکالے گئے ہیں اپنے گھروں) سے (اور) دور کر دئے گئے ہیں اپنے (بچوں سے)۔ جالوت نے اپنے زمانہ کے بادشاہوں کی اولاد میں سے چار سو چالیس آدمی قید کئے تھے اور کتنے گروہوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا تھا۔ اسی سبب سے وہ لڑائی کرنے میں مبالغہ اور اصرار کرتے تھے۔

تو (پھر جب فرض کیا گیا ان پر) دین کے دشمنوں کے ساتھ (لڑنا) بھڑنا اور جہاد کرنا (تو) دشمنوں کو دیکھنے کے بعد اسکی ظاہری قوت و شوکت سے ایسا مرعوب ہوئے کہ جہاد سے (منہ پھیر لیا) اور بھاگ کھڑے ہوئے (مگر ان کے تھوڑوں نے) یعنی اہل بدر کی تعداد کے مطابق صرف تین سو تیرہ آدمیوں نے پوری ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا۔

خود ہی جہاد کیلئے اپنی آمادگی ظاہر کرنے والو اور پھر خود اس سے منہ موڑ لینے والو اور اپنے نبی کی اطاعت سے انکار کر دینے والو، غور سے سنو (اور) جان رکھو (اللہ) تعالیٰ جہاد سے منہ پھیر لینے والے (ظالموں کو) خوب (جاننے والا ہے) اور ان کو قراری واقعہ سزا دینے والا ہے۔

--- مختصر --- جب بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے ایک بادشاہ مقرر کر دینے کی درخواست پیش کی جو جہاد میں ان کی قیادت کر سکے، پھر پیغمبر نے جو انہیں الزام دیا اسکا انھوں نے معقول جواب پیش کر دیا اس کے بعد پیغمبر نے ہارگاہ الہی میں درخواست پیش کر دی کہ وہ ایک بادشاہ اس قوم کے واسطے مقرر فرمادے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نبی کی

درخواست قبول فرمائی اور نبی کے پاس ایک عصا اور ایک روغن سے بھر ہوا برتن پہنچا دیا اور فرمایا کہ تمہارے گھر میں جس کے آنے سے یہ روغن جوش مارنے لگے۔۔۔ نیز۔۔۔ یہ عصا جس کے قد کے برابر ہو، وہی شخص اس قوم پر سلطنت کرنے کے لائق ہے۔

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ آپ نے اسکا اعلان فرمایا، پھر لوگوں کا آپ کے مکان پر آنا جانا شروع ہو گیا۔ اتفاقاً حضرت طالوت ایک دن اپنے باپ کے حکم سے ان کے گم شدہ اونٹوں کو تلاش کرتے ہوئے پیغمبر کے مکان پر حاضر ہوئے۔ انکی مالی حیثیت بہت کمزور تھی۔ کھال صاف کرنا اور ایک سٹقا کا کام انجام دینا، یہی انکا پیشہ تھا۔ مگر مشیت الہی دیکھیے کہ انکے آتے ہی برتن کا روغن جوش کھانے لگا اور جب پیمائش کی گئی تو عصا انکے قد کے مطابق اتر ا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَلَيْسَ لَكَ الْمَلِكُ

اور انکو کہا انکے نبی نے کہ بیشک اللہ نے کھڑا کیا ہے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ۔ سب بولے کس طرح ہوگی اسکی حکومت

عَلَيْكُنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمَلِكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتِ سَعَةً مِنَ الْمَالِ

ہم پر، حالانکہ ہم زیادہ حق دار ہیں حکومت کے، اور اس کو تو مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔

قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي

کہا بے شک اللہ نے اس کو تم پر چن لیا ہے اور علم و جسم میں اسکی کشادگی بڑھادی۔ اور اللہ اپنا

مُلْكُهُ مِنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰﴾

• ملک جس کو چاہے دے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے •

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ حکم ربانی (اور) امرا الہی کے پیش نظر پہلے جوش مارنے والے روغن سے کچھ

لیکر حضرت طالوت کے سر پر لگایا اور پھر (ان کو کہا ان کے نبی نے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے کھڑا کیا ہے) مقرر کر دیا ہے (تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ)۔ مگر حضرت طالوت کی غربت و افلاس سے لوگ حیرت میں پڑ گئے اور سوچنے لگے کہ جس کے پاس مال و دولت نہیں، وہ دشمنوں کے مقابل میں ہماری کیا مدد کر سکتا ہے۔ لہذا کچھ لوگوں نے انکار کی نیت سے اور کچھ لوگوں نے صرف حکمت معلوم کر لینے کی غرض سے۔۔۔ الفرض۔۔۔ (سب بولے کس طرح ہوگی اس کی حکومت ہم) جیسے مال و دولت رکھنے والوں اور سرمایہ داروں (پر حالانکہ ہم) ان سے (زیادہ حق دار ہیں حکومت کے اور) رہ

گیا وہ، تو وہ ایک غریب اور نادار انسان ہے۔ قیادت کیلئے، دوسرے لازمی امور تو ایک طرف (اس کو تو مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی)۔

اس پر (کہا) پیغمبر نے (بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر چن لیا ہے) اور جب یہ خدائی انتخاب ہے تو اس میں کسی غلطی کا امکان نہیں۔ ویسے بھی قیادت و امارت اور امور سلطنت کو انجام دینے کیلئے علم و دانش کی فراوانی اور جسمانی قوت و توانائی کی کثرت درکار ہوتی ہے، تو خدا نے تمہارے لئے جس کو بادشاہ منتخب فرمایا ہے اس کو امور سلطنت کے انجام دینے کی پوری صلاحیت فرمادی ہے (اور علم و جسم) دونوں (میں اس کی کشادگی بڑھادی) ہے۔ چنانچہ اگر ایک طرف وہ لڑائی کے فن، امور سیاست اور تدبیر مملکت میں دانا و بینا ہے، تو دوسری طرف جسمانی حیثیت سے بہت خوبصورت، سر بلند، حسین گردن والا اور اپنے زمانے کے لوگوں میں قد آور ہے (اور) یاد رکھو کہ (اللہ تعالیٰ جو مالک الملک علی الاطلاق ہے وہ اپنا ملک جس کو چاہے دے اور) بے شک (اللہ تعالیٰ وسعت والا) ہے اور بڑا فضل کرنے والا ہے، اس امر میں کہ جسے چاہتا ہے اس کے قبضہ و قدرت میں اختیار دیدیتا ہے اور اسے سلطنت کرنے کی صلاحیت عطا فرمادیتا ہے اور (علم والا ہے) وہ خوب جانتا ہے کہ سلطنت کرنے کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

اس دور کے بنی اسرائیلی بھی عجیب تھے کہ خود اپنے پیغمبر کی زبان سے حکم الہی سننا، حضرت طاہر کی آمد پر رون کا جوش مارنا اور کلمہ کا حضرت طاہر کے قدم کے مطابق ہونا، ان تمام باتوں کو دیکھنے سننے کے بعد بھی، وہ حضرت طاہر کے منجانب اللہ بادشاہ مقرر ہو جانے پر پوری طور پر مطمئن نہ ہو سکے، چنانچہ وہ اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کی بحث و تکرار کی پرانی روش اور جت و جلیہ کی پرانی عادت کے موافق عاجزی اور فروتنی کے ساتھ اپنے پیغمبر کی بارگاہ میں گزارش پیش کی کہ طاہر کے برگزیدہ ہونے پر ہمیں کوئی دلیل اور علامت چاہئے، تاکہ ہمارے دلوں میں اس کی فرمانبرداری اور خیر خواہی کی رغبت پیدا ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ بِيَهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ

اور کہا ان کو ان کے نبی نے کہ ہے ایک ایسی علامت اس کی کہ آئی ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں سامان سکون ہے

لَكُمْ وَبَيِّنَاتٍ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ

تمہارے سب کی طرف سے اور یہاں ہوا تمہارے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کا، انہی ہیں اس کو فرماتے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ

بِإِيَّايَ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا

بِحَبِيبٍ وَأَخِيهِ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ

بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلِقُوا اللَّهَ كَمِمَّنْ فِيْنَا قَلِيلًا

وَالَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلِقُوا اللَّهَ كَمِمَّنْ فِيْنَا قَلِيلًا

عَلَيْتُمْ فَمِنَّا كَثِيرٌ مِّنْ آلِ إِبْرَاهِيمَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاللَّهُ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ

جماعت میں کہ غالب آچکی ہیں بڑی جمیعت پر اللہ کے حکم سے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

--- چنانچہ --- ستر --- یا --- اسی ہزار آدمی آپ کے ہمراہ ہو گئے۔ اس دن ہوا بہت تیز اور

گرم چل رہی تھی (پس جب الگ کر لیا طالوت نے لشکروں کو) اور اپنے نبی کے حکم سے اپنے آراستہ

کئے ہوئے لشکروں کو لیکر شہر ایلیا سے باہر آ گئے تو (کہا) طالوت نے الہام ربانی سے --- یا --- اپنے

نبی سے اطلاع پا کر کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ اس گرم ہوا میں (آزمانے والا ہے تم کو) اردن اور

فلسطین کے درمیان ظاہر ہونے والی (ایک نہر سے) تاکہ تمہیں دکھائے کہ مطیع کون شخص ہے اور

عاصی کون ہے، (تو جس نے) تفسیحی کے غلبہ کے سبب صبر نہیں کیا اور نبی کے فرمان کا خیال نہ کیا اور سیر

ہو کر (اس سے پی لیا، تو وہ مجھ سے) میرے دین و مذہب کو ماننے والوں میں سے (نہیں)۔ اس کے

برخلاف جو اپنے نبی کی ہدایت کا پاس و لحاظ رکھے (اور جو اس کو نہ چکھے) اور اس سے نہ پیئے (تو بے

شک وہ مجھ سے) میرے دین و مذہب کو ماننے والوں میں سے (ہے)۔ یہ پینے کی پابندی اس کیلئے

ہے جو ایک چلو سے زیادہ پینا چاہے (مگر وہ جو چلو بھر لے لے اپنے ہاتھ میں) اسکو اتنا کرنے کی

رخصت ہے۔ --- نیز --- ایک چلو پر قناعت کر لینا ہی اس کیلئے کافی ہے۔

--- الخضر --- حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کی راہ میں ایک نہر پیدا کر دی اور جب

لشکر اس گرم ہوا میں بہت شدت سے پیاسا اس نہر پر پہنچا (تو لشکریوں نے پی لیا نہر سے) خوب سیر

ہو کر (مگر ان کے تھوڑوں نے)۔

صرف تین سو تیرہ افراد نے اپنے نبی کی ہدایت کا پاس و لحاظ رکھا اور نبی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک ہی چلو پانی پر قناعت کر لی۔۔۔ مگر۔۔۔ یہ چلو ان کیلئے اتنا بابرکت ثابت ہوا کہ ہر ایک اپنے ایک چلو پانی ہی سے سیراب ہو گیا، بلکہ ہر ایک چلووں میں پینے کے بعد جو پانی بچا اس سے انکی چھاگلئیں اور مشکئیں بھی بھر گئیں۔ انکے برخلاف جنھوں نے نبی کی ہدایت کو نظر انداز کر دیا اور ایک ایک چلو سے زیادہ پی لیا، انکے ہونٹ کالے ہو گئے اور پیاس حد سے زیادہ بڑھ گئی کہ جتنا زیادہ پانی پیتے، زیادہ پیاس سے ہوتے تھے۔

چنانچہ وہ نہر کے کنارے ہی پڑے رہ گئے دشمن کے لشکر سے ملاقات تک نہ کی۔ اور ایک قول کے مطابق ان کے لشکر کے چھیاٹھ ہزار آدمی نہر کے پار نہ اترے، اس میں سے صرف چار ہزار آدمی پار اترے تھے (پس جب پار کر لیا نہر کو طالوت نے اور اس کے صاحب ایمان ساتھیوں نے) یعنی ان ساتھیوں نے جو حضرت طالوت کی بات مان چکے تھے تو وہ لوگ جو خلاف کر کے پار نہ اترے تھے۔۔۔ یا۔۔۔ چار ہزار آدمی جو پار اترے تھے جب انھوں نے جالوت کا لشکر دیکھا تو ان میں سے تین ہزار چھ سو ستاسی آدمی ڈر کر اور بیدل ہو کر (بولے کہ نہیں ہے طاقت ہم میں) کہ (آج جالوت اور اسکے لشکروں کے) مد (مقابل) ہو کر اس سے لڑ سکیں۔

۔۔۔ الخضر۔۔۔ ہم جالوت سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس وقت (کہا ان) تین سو تیرہ نفوس قد سیر رکھنے والے (لوگوں نے جو سمجھتے ہیں) اور یقینی طور پر جانتے ہیں (کہ بے شک وہ ملنے والے ہیں اللہ تعالیٰ سے) اور اسکی طرف سے بہترین صلہ اور اچھی جزا سے فیضیاب ہونے والے ہیں کہ ایسا بہت ہوا (کہ کتنی چھوٹی جماعت ہیں کہ) جو اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت سے (غالب آچکی ہیں بڑی جمعیت پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے)۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ ایمان والوں کی کامیابی لشکر و سپاہ کی مرہون منت نہیں، بلکہ ان کی کامیابی اور فیروز بختی صرف حکم الہی اور نصرت خداوندی کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے ساتھ جس کے ساتھ ہے، کامیابی بھی اس کے ساتھ ہے (اور) بے شک (اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) وہ صابرین جو اپنی نفسانی خواہشات کیلئے کچھ نہیں کرتے، انکا ہر عمل صرف رضائے الہی اور حکم خداوندی کی تعمیل کیلئے ہوتا ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا آفِرْغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَكُنْتِ

اور جب کل کر آگئے جالوت اور اس کے لشکروں کے لیے عرض کیا، اے ہمارے پروردگار انڈیل دے ہم پر صبر،

أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۰﴾

کو اور جمادے ہمارے قدموں کو، اور مدد فرما ہماری کافروں پر

(اور جب) حضرت طالوت کی معیت میں تین سو تیرہ نفوس قدسیہ والے (کھل کر) سامنے

(آگئے) اور (جالوت) جیسے گراں ڈیل، بظاہر رعب دار، حالت جنگ میں ایک ہزار رطل لوہے کے لباس میں غرق، سر پر تین سو رطل کا خود رکھنے والے۔

خیال رہے کہ بارہ اوقیہ کا ایک رطل ہوتا ہے، جو ملک شام میں پانچ پونڈ کا اور مصر میں پونے سولہ اونس کا ہوتا ہے۔

--- المختصر --- سر سے پیر تک لوہے کے لباس میں ڈوبے ہوئے جالوت (اور اس کے)

آٹھ لاکھ سوار جبار، خنجر کش، تیغ زن، نیزہ دار (لشکروں) سے مقابلہ (کیلئے) صف بندی کری تو بارگاہ خداوندی میں اپنی پوری شان بندی کے ساتھ عاجزانہ طور پر (عرض کیا اے ہمارے پروردگار انڈیل دے ہم پر صبر کو) ایسا صبر جو درجہ کمال تک پہنچا ہوا ہو اور ہمیں ان صابریں میں کر دے خود تیری ذات اور تیری نصرت و اعانت جن کے ساتھ ہے (اور جمادے ہمارے قدموں کو) یعنی میدان جنگ میں ہمیں ثابت قدم رکھ (اور مدد فرما ہماری کافروں) کے گروہ (پر)۔

فَهَرَمَوْهُمْ بِأَذْنِ اللّٰهِ وَكُتِلَ دَاوُدَ جَالُوتَ وَآتَتْهُ اللّٰهُ التَّلْكَ وَالْحِكْمَةَ

تو کھست دی ہی ان کو اللہ کے حکم سے، اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور یان کو اللہ نے حکومت اور حکمت

وَعَلَّمَهُ وَمَنَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ

اور سکھاد یان کو جو چاہا۔ اور اگر نہ ہو دفع کرنا اللہ کا لوگوں کو بعض کو بعض سے، البتہ تباہ ہو چکی ہوتی

الْأَرْضَ وَلَٰكِن اللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۱﴾

زمین۔ لیکن اللہ فضل و کرم والا ہے دنیا بھر پر

(تو کھست دی ہی) ایمان والوں نے (ان) کافروں (کو اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے) اور

اسکی مدد اور اسکی توفیق سے (اور قتل کیا داؤد) بن بیشا (نے جالوت کو) ایک پتھر اس کے خود پر مارا وہ خود اس کے سر میں ٹوٹ کر دھنسا اور اسکا بھیجا پتھر گیا اور پھر اسکا لشکر تتر بتر ہو گیا۔

اس مقام پر یہ واقعہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت داؤد کے والد بزرگوار اپنے بیٹوں کے ساتھ حضرت طالوت کے لشکر میں تھے ان تمام بیٹوں میں حضرت داؤد ساتویں نمبر پر اور سب سے چھوٹے تھے۔ اس عہد کے پیغمبر نے یہ حکم الہی حضرت طالوت تک پہنچا دیا کہ جالوت کے قتل کر دینے والے حضرت داؤد ہی ہیں، چنانچہ حضرت طالوت نے ان کے والد کے ذریعہ انہیں طلب کر لیا۔ حضرت طالوت نے یہ شرط کر لی تھی کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا اسے اپنی بیٹی دوں گا اور اسے اپنی سلطنت میں شریک کر لوں گا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ انہوں نے حسب وعدہ اپنی بیٹی حضرت داؤد کے نکاح میں دیدی اور آدمی سلطنت بھی ان کے حوالے کر دی، آخر کو تمام سلطنت کے وہی مالک ہو گئے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ فضل خداوندی ہوا (اور) دے (دیا ان کو) یعنی حضرت داؤد کو (اللہ تعالیٰ نے) جالوت کو قتل کر دینے کے بعد (حکومت) اور بادشاہی (اور حکمت) نبوت و زبور (اور سکھایا ان کو) زرہ بنانے کی صنعت، پرندوں کی زبان، انبیاء کرام کو کام آنے والے علوم اور اس کے سوا (جو چاہا)۔ پس سمجھ لو (اور) جان رکھو کہ (اگر نہ ہو دفع کرنا اللہ تعالیٰ (کا لوگوں کو بعض بعض سے) یعنی اگر اللہ تعالیٰ مشرکوں کو جہاد کرنے والے مومنوں کے ذریعے دفع نہ کر دیتا، تو) (البتہ تباہ ہو چکی ہوتی زمین)، کفر کی سیاہی کے سبب سے اور زمین کی منفعتیں زائل ہو جاتیں۔ (لیکن) چونکہ (اللہ تعالیٰ فضل و کرم والا ہے) صرف مومنین ہی پر نہیں بلکہ (دنیا بھر پر)، اسلئے اس نے انسانوں کے ذریعہ سرکش انسانوں کو دفع کر دینے کا جو قانون بنایا ہے اس میں حکمت ہی حکمت ہے۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۰﴾

یہ ہیں آیتیں اللہ کی پڑھتے ہیں ان کو تم پر بالکل ٹھیک۔ اور بے شک تم رسولوں سے ہو۔

تو اے محبوب! یہ سارے قصے جو ہم نے تمہیں سنائے ہیں۔۔۔ مثلاً: موت سے بھاگنے والوں کا ذکر، پھر انکا مرنا اور جینا، طالوت کی بادشاہت اور ایک بچے کے ذریعہ ظالم و جابر قوموں پر غالب آنا، وغیرہ (یہ) سب (ہیں آیتیں) نشانیاں (اللہ تعالیٰ) (کی، پڑھتے ہیں ان کو تم پر)

جبرائیل کے توسط سے (بالکل ٹھیک)۔ یہ ساری باتیں بالکل صحیح اور واقع کے مطابق ہیں۔ ان کے یقینی ہونے میں خود اہل کتاب کو بھی شک نہیں، اسلئے کہ خود ان کی کتابوں میں بھی اسکا ذکر ہے (اور بے شک تم رسولوں سے ہو)۔ جبھی تو تم ان تمام واقعات کے تعلق سے صحیح صحیح خبریں دے رہے ہو۔ کسی کتاب میں پڑھے بغیر اور کسی اہل کتاب سے سنے بغیر اس طرح کے بیانات پیش کرنا یہ رسولوں ہی کا کام ہے جن کو حق تعالیٰ کی طرف سے علوم عطا کئے جاتے ہیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ یہی وہ ہیں جن کے علوم و معارف وحی الہی سے ہم رشتہ و وابستہ ہیں۔



اس پارہ کی تفسیر مجملہ تعالیٰ ۱۰ اشرفیہ ۱۳۲۸ھ / ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو مکمل ہوئی

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَع

یہ سارے رسول، بڑائی دی ہم نے ان کے بعض کو بعض پر۔ انھیں سے وہ ہے جس سے کلام فرمایا اللہ نے اور بلند فرمایا
بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ
بعض کو درجوں۔ اور دی ہم نے عیسیٰ فرزند مریم کو کھلی نشانیاں، اور تائید فرمائی ہم نے ان کی روح مقدس سے۔
وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ
اور انشاء اللہ نہ لاتے وہ جو ان کے بعد ہوئے بعد اس کے کہ آچکی تھیں روشن باتیں،

وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فِيهَا مِنْ آمِنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

لیکن وہ مختلف ہو گئے۔ تو ان میں سے کسی نے مانا اور ان میں سے کسی نے انکار کر دیا۔ اور انشاء اللہ

مَا اقْتَتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ

وہ نہ لاتے۔۔۔۔۔ لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اے محبوب ﷺ (یہ سارے رسول) جگے ہر ہر فرد سے بظلمہ تعالیٰ آپ باخبر ہیں۔۔۔ یا۔۔۔

اس سورۃ مبارکہ میں جن میں بعض کا نام لیکر۔۔۔ صراحتاً، اور بعض کا نام لئے بغیر۔۔۔ اشارتاً، ذکر کیا جا چکا ہے اور خود آپ بھی جن میں شامل ہیں، اگر چہ ان میں سے ہر نبی، صفت نبوت میں دوسرے نبیوں کے۔۔۔ یونہی۔۔۔ ہر رسول، صفت رسالت میں دوسرے رسولوں کے مساوی ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ صفت نبوت میں ایک نبی کو دوسرے نبی پر اور صفت رسالت میں، ایک رسول کو دوسرے رسول پر کوئی امتیازی شان حاصل نہیں، لیکن (بڑائی دی ہم نے ان کے بعض کو بعض پر)۔ کسی کو صرف ایک مخصوص فرقے کی طرف مبعوث کیا، کسی کو بہت سارے فرقوں کی طرف بھیجا، کسی کی دعوت ایک محدود زمانے والوں کیلئے تھی اور کسی کی دعوت سارے زمانے والوں کیلئے تھی۔ کوئی صرف انسانوں کا رسول بن کر آیا اور کوئی جن وانس سبھی کیلئے۔۔۔ بلکہ۔۔۔ ساری مخلوق کیلئے رسول بنا کر مبعوث کیا گیا۔

(انھیں سے وہ ہے جس سے کلام فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے) عرشِ معلیٰ پر اور وہ ہیں حضور آئیہ،

رحمت ﷺ اور جنت میں جیسے حضرت آدم علیہ السلام۔۔۔ نیز۔۔۔ کوہ طور پر جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود طالب کلام الہی تھے اور ان کی درخواست واستدعاء پر رب کریم نے کوہ طور پر خصوصیت کے ساتھ بلا کر انھیں اپنی ہم کلامی کے شرف سے مشرف فرمایا اور **وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكَلُّمًا** ارشاد فرمایا کہ اس کو ظاہر بھی فرمادیا، اسلئے حضرت موسیٰ

ﷺ کو کلیم اللہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا اور یہی آپ کے کلمے کا دوسرا جز ہو گیا۔

(اور بلند فرمایا بعض کو درجوں) دوسرے مراتب عالیہ اور فضائل کثیرہ رکھنے والے رسولوں پر، کیونکہ وہ بفضلہ تعالیٰ ان تمام کمالات کا جامع ہے، جن کا حصول ایک ممکن کیلئے ممکن ہے، جن کی رفعت شان عارفین کیلئے ایسی جانی پہچانی ہے کہ وہ اس کو مخاطب کر کے بول پڑے کہ:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آنچه خواباں ہمہ دارند تو تہاداری

-- ایسا رفیع الشان کہ اگر کسی ذات کیلئے مطلقاً رفعت درجات

کا ذکر کیا جائے تو ذہن اس کی طرف جائے۔۔۔ فضیلت جو علم و تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، عظمت جو کسی عظیم کی ذات سے بلا واسطہ یا بلا واسطہ نسبت کا نتیجہ ہے، شرافت جو اعلیٰ نبی کا ثمرہ ہے اور کرامت جو حکم الہی اور فضل ربانی کی نوازش ہے، یہ ساری رفعتیں، یہ سارے کمالات اور یہ ساری خوبیوں، جن کی ذات ستودہ صفات سے وابستہ ہوں اور وہ بھی اس خصوصیت کے ساتھ کہ انکا ہر ہر کمال، اپنے درجہ کمال پر ہو، جس کے اوپر کسی ممکن کیلئے کمال کا تصور نہ کیا جاسکے۔۔۔ نیز۔۔۔ لغت میں کوئی ایسا کلمہ نہ ہو جو اس رفیع الدرجات کے آخری درجہ کی معرفت کراسکے۔

اگرچہ علم الہی میں ان کے کمالات محدود ہوں، لیکن ساری مخلوقات کے علم و ادراک میں وہ لامحدود ہوں۔ تقریب فہم کیلئے یہ سمجھ لیا جائے کہ جس طرح اعداد محدود ہیں، مگر کوئی ایسا عدد نہیں جس پر کوئی اضافہ نہ کیا جاسکے۔ ہر اضافے کے بعد وہ فی نفسہ محدود ہو جائے گا، مگر دوسرے اضافے کی گنجائش باقی رہے گی۔ مذکورہ بالا شان و شوکت، فضیلت و عظمت اور شرافت و کرامت والی رفیع الدرجات اور جامع کمالات ذات وہی ہے جو اپنی خلقت میں اول ہے، بعثت میں آخر ہے۔ نبوت میں ظاہر ہے اور حقیقت میں باطن ہے۔ جس کی ہر آنے والی گھڑی، پچھلی گھڑی سے بہتر ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ ذات گرامی ہے حضور آید رحمت سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی۔

چونکہ اس سورۃ مبارکہ کا اکثر حصہ بنی اسرائیل کے احوال پر مشتمل تھا تو انکے دو عظیم رسول حضرت موسیٰ ﷺ اور حضرت عیسیٰ ﷺ کا ذکر اس انداز سے کیا گیا کہ ذہن انہی کی طرف جائے۔ ان میں بھی حضرت موسیٰ ﷺ کے ذکر میں اتنی صراحت نہیں ہے جو حضرت

عیسیٰ کے ذکر میں ہے، اسلئے کہ آپ کا نام لیکر بات کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ:
(اور وہی ہم نے عیسیٰ فرزند مریم کو) یعنی انکو جو حضرت مریم کے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، خدا۔۔۔ یا۔۔۔ خدا کے بیٹے اور اس کے شریک نہیں، جیسا کہ عیسائیوں نے ان کے تعلق سے گمان کر رکھا ہے۔

صراحت کے ساتھ نام لیکر فرزند مریم کہہ کر تعارف کرانے میں عیسائیوں کے باطل خیال کا ردِ بلیغ ہے۔

حضرت مریم کے یہ فرزند جمیل بڑی شان والے تھے، ہماری نوازشات کا مرکز تھے۔ چنانچہ عطا کی ہم نے انکو (کھلی نشانیاں) زیادہ تر حسی معجزات۔۔۔ مثلاً: مردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد اندھوں کو بینا کرنا اور برص اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کرنا وغیرہ (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (تائید فرمائی ہم نے ان کی روح مقدس) جبرائیل امین (سے) جنہوں نے ابتداء میں نَفْخِ رُوحِ كَذَرِيْعَةٍ مدد کی، پھر آپ کو علوم سکھائے اور آپ کے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کرتے رہے اور جہاں جہاں آپ جاتے وہ آپ کے ساتھ ساتھ رہتے، یہاں تک کہ آخر میں جب یہودیوں نے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کو آسمان پر اٹھا کر لے گئے۔

اس بیان سے یہودیوں کا ردِ بلیغ ہو گیا جو حضرت عیسیٰ ﷺ کو نبی ماننا تو الگ رہا، ایک شریف انسان ماننے کیلئے بھی تیار نہ تھے۔ ان پر واضح کر دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم المرتبت رسول، صاحب آیات و معجزات و معجزات عظیمہ تھے۔ حضرت جبرائیل امین کی تائید ہر ہر وقت انکے ساتھ تھی۔۔۔ الختصر۔۔۔ ان کی ذات شریفہ کے تعلق

سے عیسائیوں کی افراط اور یہودیوں کی تفریط دونوں باطل ہیں۔

اس مقام پر سننے والوں کو (اور) یقین کر لو کہ (انشاء اللہ) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپس میں اختلاف کر کے (نلا) پڑ (تے وہ) لوگ (جو) اپنے اپنے (ان) ہر ہر رسولوں (کے بعد ہوئے) اور وہ بھی (بعد اس کے کہ) انکے پاس پہلے ہی سے (آچھی تھیں) انکے رسولوں کی طرف سے (روشن باتیں)، یعنی معجزات باہرہ اور آیات ظاہرہ جو حق کی حقیقت کو واضح کر رہی تھیں اور جن کی مخلصانہ پیروی، بلاوجہ باطل کی حمایت کرنے کیلئے آپس میں لڑنے جھگڑنے اور اختلافی ماحول بنانے سے بالکل یہ کنارہ کش ہو جانے کی داعی اور اسکے لئے موجب تھیں، (لیکن) ہاآخراً اللہ تعالیٰ کی رضا کا خیال

کے بغیر اپنی نفسانیت کے دباؤ میں اہل باطل اہل حق سے اختلاف کر بیٹھے چنانچہ (وہ مختلف ہو گئے، تو ان میں سے کسی نے) جو اہل حق تھے، راہ راست کو اپنائے رکھا اور (مانا) اپنے اپنے رسولوں کی جملہ ہدایات کو اور وہ اپنے ایمان پر ثابت رہے اور ایمانی تقاضے کے مطابق نیک عمل کرتے رہے۔
(اور ان میں سے کسی نے) جو اہل باطل تھے، رسولوں کی ہدایات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے (انکار کر دیا)۔ اس طرح حق و باطل کا اختلاف سامنے آ گیا، جو اہل حق اور اہل باطل کے درمیان عادتاً لڑنے کا سبب بن گیا۔

--- الخضر --- رسولوں کے امور و معاملات کے تعلق سے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اسکی سنت قدیمہ یہی رہی ہے کہ جن لوگوں کی طرف وہ مبعوث کئے جاتے ہیں، انکا ہر فردان پر ایمان لانے والا اور ان کی اطاعت کرنے والا نہیں ہوتا، نہ ان کی حیات میں اور نہ ان کی وفات کے بعد --- بلکہ --- اگر کچھ ماننے والے ہوتے ہیں تو کچھ انکار کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ اس ارشاد میں اپنے حبیب ﷺ کیسے تسلیم بھی ہے، کہ اسے محبوب! آپ فکر مند نہ ہوں۔ اگر کچھ لوگ آپ پر ایمان نہیں لارہے ہیں اور آپ کی ہدایت کو قبول نہیں کر رہے ہیں، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ سے پہلے آنے والے رسولوں کے ساتھ بھی یہی سب کچھ ہوا ہے۔ ہدایت و ضلالت اور سعادت و شقاوت کا ٹکراؤ ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

(اور) مشیت الہی کو منظور نہ ہوتا تو (انشاء اللہ وہ) سب کے سب دین حق کو قبول کر لیتے اور ان کے عہد میں دین اسلام کے ماننے والوں کے سوا کوئی نہ ہوتا۔ اور جب سب کا دین و مذہب ایک ہو جاتا تو پھر دین و مذہب کے نام پر کسی اختلاف، کسی لڑائی اور کسی تصادم کا سوال ہی نہیں اٹھتا، تو پھر وہ آپس میں دین کے نام پر (نہ لڑتے) اور نہ ہی انکے بیچ بنام مذہب کوئی اختلاف ہوتا۔ (لیکن) ایسا کیسے ہوتا، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ سب کے ارادوں پر غالب ہے اور (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رب کریم نے بندوں کو بھی قدرت و اختیار سے نوازا ہے بندوں کا دوسرے بندوں سے اختلاف کرنا، ان میں بعض کا ایمان لانا اور بعض کا اپنے کفر پر جما رہنا، اور یہ سب کچھ اپنے ہی ارادہ سے کرنا، یہ سب قدرت و اختیار ہی کا تو ثمرہ ہے۔ اور یہ

سارے مذکورہ بالا امور بھی ایسے ہیں جنکا تعلق اعضاء و جوارح کے اعمال و افعال سے نہیں کہ اس میں جبر و قہر کا گوشہ نکل سکے، یہ سارے اعمال خود عامل کی دلی تحریک کا نتیجہ ہیں۔

--- الغرض --- قادر مطلق اپنے بندوں کو قدرت و اختیار دے دینے کے بعد خود ان

بندوں کے تعلق سے بے اختیار اور بے قدرت نہیں ہو جاتا۔ قادر مطلق نے اپنے بندوں کو نہ

مختار کل بنایا ہے کہ اپنی مرضی سے جو چاہے کریں اور نہ ہی مجبور محض بنایا ہے کہ وہ اپنے

ارادے سے کچھ کر ہی نہ سکیں۔ کسی بندے کو اگر کھڑا کر کے کہا جائے کہ اپنا داھنا پاؤں اٹھاؤ،

وہ فوراً اٹھالے گا اور ظاہر ہے کہ یہ کام اس نے اپنے اختیار ہی سے کیا ہے لیکن اگر اسی سے

کہا جائے کہ دایاں پیر اٹھا رہنے دو اور اب بایاں پیر اٹھاؤ، تو وہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس سے یہ

بات واضح ہو گئی کہ انسان مجبور محض نہیں ورنہ ایک پیر بھی نہیں اٹھا سکتا۔۔۔ یونہی۔۔۔ وہ مختار

محض بھی نہیں ورنہ دونوں ہی پیر اٹھا لیتا۔

--- الختم --- اسکا معاملہ رب کریم نے جبر و اختیار کے درمیان رکھ چھوڑا ہے۔ رب

کریم کی سنت قدیمہ نے اپنے بندوں کو فکر و دانش اور عقل و سمجھ سے سرفراز فرمایا اور انھیں

عمل کی قوت عطا فرمائی، نیک و بد سمجھنے کا شعور دیا۔ اور پھر ان پر انبیاء کرام کے ذریعہ ہدایت و

نجات کا راستہ واضح اور روشن فرمادیا اور اسکو اختیار دیا کہ وہ اپنی مرضی سے ہدایت و ضلالت،

دونوں میں سے جو راستہ چاہے اپنالے، تو کسی نے اپنی فکر سلیم اور عقل مستقیم سے کام لیتے

ہوئے راہ راست اختیار کی اور بعض دوسروں نے نفسانی شہوات اور دنیاوی خواہشات پر

اپنی مرضی سے اپنی روحانی ترقی کو قربان کر دیا۔

--- الختم --- انسانوں کو جو اختیار دیا گیا ہے اس سے وہ قدرت خداوندی کے باہر نہیں

نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت اتنی زبردست اور ہمہ گیر ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ جس

طرح اس نے انسان کو عمل کرنے کی آزادی دی ہے، وہ اس سے یہ آزادی سلب کر کے اسکو

صرف راہ راست پر چلنے کیلئے مجبور کر سکتا ہے اور اسی طرح اختلاف کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن مصلحت عامہ اور حکمت ہائیکہ کا تقاضہ یہی ہے کہ حق و باطل کی یہ آویزش جاری رہے اور

ہر شخص اپنی مرضی سے حق و باطل میں سے جسے چاہے اختیار کر لے۔

رب علیم و حکیم نے اس کائنات کو مجموعہء اضداد بنایا ہے۔ موجودات میں صرف ذات

خداوندی ہی ایک ایسی ذات ہے جو:

لَا يَنْدَلُهُ اَوْ لَا ضِدْلَهُ

۔۔۔ کی شان رکھتی ہے، نہ اسکی کوئی ضد ہے اور نہ ہی اسکا کوئی شریک ہے۔ کائنات میں اضداد کو ایک دوسرے کی پہچان کا ذریعہ بنانا، ضابطہ معرفت کی ایک اہم کڑی ہے۔ ایک ضد کو دوسری ضد سے پہچانا ایسا معروف و متعارف ہے کہ ایک عام آدمی بھی اس سے بے خبر نہیں:

تُعْرِفُ الْاَلْشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا

چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔

۔۔۔۔ کے قاعدے سے ہر باشعور باخبر ہے۔ غور کیجئے کہ اگر آفتاب ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے ہمارے نصف انحصار پر رہتا تو ہم نور آفتاب کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہتے۔ اور ان سوالات کا واضح جواب دینا ہمارے بس میں نہ ہوتا کہ نور آفتاب کیا ہے؟۔۔۔ کہاں ہے؟۔۔۔ اس سے فائدہ کیا؟۔۔۔ ہمیں یہ نور کیوں نہیں دکھائی دے رہا ہے؟۔۔۔ شجر، حجر، زمین، آسمان۔۔۔ الختصر۔۔۔ حیوانات، نباتات، جمادات، عمارتوں کے درو دیوار، انکے نقش و نگار اور رنگ و روغن سب نظر آ رہے ہیں، مگر اس میں وہ کون سی چیز ہے جسے نور کہا جاسکے؟ رہ گیا آفتاب تو وہ تو آفتاب ہے، اسکو نور کہنے کی کیا وجہ ہے؟ ہماری آنکھیں ہم کو سب کچھ دکھا رہی ہیں، آخر یہ نور کیوں نہیں نظر آتا؟۔۔۔ وغیرہ۔۔۔ وغیرہ۔

۔۔۔ الختصر۔۔۔ آفتاب کی دائمی موجودگی کی صورت میں ہر خاص و عام کو ان سوالات کے جوابات سے مطمئن کر دینا اور 'نور کی کما حقہ معرفت' کر دینا ایک دشوار امر ہے۔ لیکن جیسے ہی آفتاب غروب ہوا اور ہر طرف تاریکی چھا گئی، مذکورہ بالا سارے سوالات کے جوابات خود بخود ذہن میں آنے لگے اور ایک عام ذہن بھی سوچنے لگے کہ آفتاب کے ساتھ ساتھ ایک ایسی چیز بھی غائب ہوگئی جسکی وجہ سے ہمیں کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ ہماری آنکھ کی روشنی ہمارے لئے بیکار ہوگئی ہے۔ کائنات کی ساری چیزیں اپنی حالت میں موجود ہیں، عمارتوں کے نقش و نگار فنا نہیں ہو گئے، مگر اب ہماری حالت ایسی ہوگئی ہے کہ نہ تو عمارتوں کے درو دیوار نظر آ رہے ہیں اور نہ ہی انکے نقش و نگار۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کس دیوار پر سفیدی کتنی ہے اور سیاہی کتنی ہے؟ اسکا کون سا حصہ سرخ ہے اور کون سا سبز، وغیرہ وغیرہ۔

ہماری وہ آنکھیں جن سے ہم سب کو دیکھتے تھے، وہ اس اندھیرے گھپ میں ایسا بے نور

ہو گئی ہیں، خود اپنے ہی جسم کو نہیں دیکھ پارہی ہیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ نور آفتاب وہ ہے، جو رہے تو سب نظر آئے اور نہ رہے تو کچھ بھی نہ دکھائی دے۔ نور آفتاب کا کام موجودات کا بنانا اور مٹانا نہیں، بلکہ انکو واضح طور پر دکھا دینا ہے تاکہ دیکھنے والا دھوکا نہ کھائے اور سفیدی کو سیاہی اور سیاہی کو سفیدی نہ سمجھ لے۔

اس مقام پر یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ خود ہماری آنکھوں کا نور اسی صورت میں ہمارے کام کا ہے، جب ایک دوسرا نور بھی اسکا معاون و مددگار اور اسکا رفیق ہو۔ اب اگر آفتاب کا نور نہ ہو تو، آنکھ کا نور کیا دیکھ سکے؟۔۔۔ یونہی۔۔۔ آنکھ کا نور نہ ہو، تو پھر آفتاب کے نور میں کیا نظر آسکے؟۔۔۔ المختصر۔۔۔ ظلمت شب نے نور آفتاب کی قدر و قیمت، اسکی اہمیت و ضرورت اور اسکی حقیقت و ماہیت کو جس قدر جاگرا کر کیا ہے، اگر یہ ظلمت نہ ہوتی، تو اس پر پردے ہی پڑے رہتے۔

رب عظیم و حکیم نے باطل کی ظلمتوں کی تخلیق فرمائی اور ان ظلمتوں کو باقی رکھنے اور ان کو بڑھا دینے والے عناصر کو بھی چھوٹ دے رکھی ہے اور ان سب کو اپنے غیر متناہی، الامجد و اور بے پناہ اختیارات و قدرت کے باوجود، اپنی کائنات میں رہنے دے رہا ہے تاکہ یہ ظلمتیں نور حق کی معرفت کراتی رہیں۔ اور نور حق کی قدر و قیمت اور اسکی اہمیت و ضرورت کو ظاہر کرتی رہیں۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ باطل نے حق کی خوب خوب پہچان کرا دی۔ اب اگر بالفرض یہ حق و باطل کی آویزش نہ ہوتی، پوری کائنات میں از اول۔۔۔ تا۔۔۔ آخر حق اور اہل حق کے سوا کسی کا وجود نہ ہوتا، پھر تو اس کائنات میں انبیاء کرام و مرسلین عظام کی تشریف آوری ضروری نہ رہ جاتی۔ اس صورت میں انکا ظہور ایک غیر ضروری امر قرار پاتا اور پھر یہ دنیا خدا کی محبتوں کے انوار و برکات سے محروم رہ جاتی۔

اس مسئلے پر یوں بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

’میں ایک خزانہ مخفی تھا تو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں

فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ، تو میں نے ساری مخلوق کو پیدا فرما دیا۔‘

۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ خدا نے عز و جل کی ذات۔۔۔ یا۔۔۔ اسکی کسی صفت

کی حقیقت و ماہیت کو سمجھنا تو ’مخالات فرد میں سے ہے اور کائنات کی عقل و ادراک سے

وراء الوری ہے۔ تو اب اسکی معرفت صرف اس کے مظاہر کی معرفت ہی سے ہوگی اور وہ بھی ہر عارف کو اسکی اپنی فہم و دانش کے مطابق ظاہر ہے کہ آفتاب کو براہ راست دیکھ کر سمجھنا اور ہے، اور اسے آئینے کے اندر دیکھ کر سمجھنا اور ہے۔

خدائے عظیم و حکیم کی ہر ہر صفت درجہء کمال والی ہے، جس کے اوپر کمال کا کوئی درجہ نہیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ وہ کمال کا وہ نقطہ ہے جس پر اضافہ نہ کیا جاسکے۔ تو اب نہ خدا کی رحمت و مغفرت کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی قہر و جبر کی۔ اور یہی حالت دوسری صفات کمال کی بھی ہے، تو جہاں ایک طرف خدا کی بے پناہ رحمت و مغفرت اور اسکے فضل و کرم کی معرفت کیلئے مرحومین و مغفورین اور ان پر بے پناہ نوازشات الہیہ کی معرفت کی ضرورت ہے، تو وہیں دوسری طرف خدائی قہر و جبر اور اسکے عدل و انصاف کی معرفت کیلئے مقہورین و ضالین و مَعْصُوبِ عَلَيْهِمْ اور ان پر خداوندی قہر و غضب کی نوعیت کی معرفت کی بھی ضرورت ہے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ خدا قادر مطلق ہے کہ وہ اپنی معرفت جس طرح چاہے، جس کو چاہے،

اور جتنا چاہے کرائے۔۔۔ نیز۔۔۔ اپنی جس صفت کا مظہر جس کو چاہے بنائے۔۔۔ پس بارگاہ

خداوندی میں یہی دعا کرنی چاہئے کہ مولیٰ تعالیٰ تو ہمارا مالک حقیقی ہے۔۔۔ تو ہمیں اپنا مخلص

بندہ بنا کر رکھ۔۔۔ ہمارے اعمال و افعال اور اقوال و کردار سے یہی ظاہر ہو، کہ ہم تیرے

عاجز بندے ہیں اور تو ہمارا حقیقی مالک ہے۔۔۔ ہمارے اندر ہمیشہ روح سعادت کار

فرما رہے اور ہم میں کبھی ایسی جرأت پیدا نہ ہو سکے کہ ہم اعتراض و اعتراض کے نقطہ نظر سے

تجھ سے یہ سوال کریں کہ:

’اے مالک تو نے ایسا کیوں کیا؟‘

۔۔۔ وہ بھی کوئی مالک ہے جو اپنے بندوں کی بے جا خواہشات

اور انکے خود ساختہ اصولوں کا پابند ہو اور اپنے معاملات میں بندوں کے مشوروں کا محتاج ہو

۔۔۔ المختصر۔۔۔ حق و باطل کے درمیان کی آویزش مصلحت خداوندی اور حکمت ربانی کے بالکل

مطابق ہے۔ اب جبکہ حق و باطل کے درمیان اختلاف ایک ناگزیر امر ہے، اور یہ ہو کر ہی

رہے گا، تو اس کیلئے اہل حق کو جہاد کرنے کی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے اور ظاہر ہے کہ اسکی

تیاری کیلئے سرمایے کی بھی ضروری پڑے گی تو۔۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ائْتُوا بِمَالِكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ

اے ایمان والو! خرچ کرو اس مال سے کہ روزی دی ہم نے تم کو، پہلے اسکے کہ آئے دو دن جس میں نہ ہر ایک کیلئے تجارت ہے

وَلَا حِلَّةَ وَلَا مَسْفَاةَ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۱۵﴾

اور نہ دوستی ہے اور نہ سفارش ہے۔ اور انکار کرنے والے آپ ہی ظالم ہیں •

(اے ایمان والو) جہاد و قتال کی صورت حال پیش آ جانے کی صورت میں --- یا ---

فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آ جانے کی شکل میں --- یا --- فی سبیل اللہ صرف رضائے الہی کے حصول کیلئے (خرچ کرو اس مال سے کہ روزی دی ہم نے تم کو) اس کام میں تاخیر نہ کرو اور مرنے سے پہلے ہماری ہی عطا کردہ دولت سے جس قدر نیکیاں جمع کر سکو، کر لو۔ اور اس طرح جب تک تم دنیا میں ہو آخرت کیلئے منافع حاصل کر لو، کیونکہ ان منافع کا آخرت میں حاصل کرنا ممکن نہیں ہے، اسلئے (پہلے اسکے کہ آئے وہ دن جس میں نہ ہر ایک) کس و ناکس (کیلئے تجارت ہے) جس طرح دنیا میں انسان اپنے آپ کو مصیبت اور تکلیف سے بچانے کیلئے بعض چیزیں خرید لیتا ہے، قیامت میں کسی کیلئے اس کی گنجائش نہیں رہے گی (اور نہ) ہی اس دن پر ہیز گاروں کے سوا ان کافروں کے دنیا میں گہرے دوستوں کی کام آنے والی (دوستی ہے) اسلئے کہ یہ لوگ اس دن آپس میں ایک دوسرے سے دشمن ہو گئے (اور) ان کافروں کیلئے (نہ) ہی کسی سفارش کرنے والے کی (سفارش ہے) --- اللہ کے

نیک بندوں کو اذن شفاعت عطا فرمایا جائیگا، مگر صرف مؤمنین کیلئے۔

--- المختصر --- کافروں کی سفارش کیلئے نہ کسی کو اذن خداوندی ملے گا اور نہ ہی بغیر اذن

کوئی سفارش کر سکے گا۔ --- المختصر --- مسلمانوں کیلئے مسلمانوں کی دوستی اور ان کی سفارش کام آئے

گی۔ کسی کی دوستی اور سفارش کام نہ آنے والی عمروی صرف کفار کیلئے ہے (اور) ان کافروں کو یہ حق

نہیں پہنچتا کہ وہ اسے اپنے اوپر ظلم قرار دیں، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ تو حید و رسالت، قیامت و

آخرت --- الغرض --- دین حق کا (انکار کرنے والے آپ ہی) اپنے اوپر اندھیر کرنے والے

(ظالم ہیں)۔ ان دین حق سے انکار پر اٹل رہنے والوں پر بار بار صاف و شفاف انداز میں فصیح و بلیغ

بیچائے میں واضح کیا جا چکا ہے کہ ---

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

اللہ، نہیں کوئی معبود سوا اسکے۔ خود زندہ، سب کا قائم رکھنے والا۔ نہ آئے اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون وہ ہے جو سفارش کرے اس کے پاس، مگر اس کے حکم سے۔ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے

وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ

اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور نہیں گہر میں لاسکتے کچھ اسکے علم سے، مگر جس قدر اس نے خود چاہا۔ گنجائش دے دی اسکی کرسی

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿۲﴾

نے آسمانوں اور زمین کو۔ اور نہیں بار ہوتی اس کو نگہبانی دونوں کی۔ اور وہی بلند و برتر ہے۔

(اللہ) تعالیٰ کی ذات جو واجب الوجود، قدیم بالذات، تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے اور تمام

نقص سے بری ہے، وہی اور صرف وہی عبادت کی مستحق ہے اور (نہیں) ہے (کوئی معبود سوا اس کے)

جو ہمیشہ سے (خود زندہ)، اپنی حیات میں کسی کا محتاج نہیں اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ اس پر کبھی

موت طاری نہ ہوگی۔ جواز خود قائم ہے اور (سب کا) سارے عالم کا (قائم رکھنے والا) ہے اور اسکے

نظام کی تدبیر فرماتا ہے۔ اور (نہ آئے اس کو اونگھ) جو نیند کا مقدمہ ہے، چونکہ اسکی ذات تھکاوٹ اور سستی

سے پاک ہے، تو غفلت کی جو کیفیت تھکاوٹ و سستی کا ثمرہ ہے، اس سے بھی پاک ہے۔

(اور) یونہی (نہ) ہی آئے اسکو (نیند) اسلئے کہ نیند سے دماغ کے اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے

ہیں جسکے بعد علم و ادراک معطل ہو جاتا ہے اور حواس کا شعور و ادراک بھی موقوف ہو جاتا ہے اور ظاہر

ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ معنی محال ہے، کیونکہ وہ اس عظیم کائنات کا موجد اور اسکے نظام کو جاری

رکھنے والا ہے اور ہر لمحہ اور ہر آن اس کائنات میں تغیر واقع ہو رہا ہے اور اس کے علم اور اسکی توجہ سے

ہو رہا ہے۔ وہ ہر وقت ہر چیز کے ہر حال کا عالم ہے، بے خبر اور سونے والا نہیں ہے۔ (اسی کا ہے جو کچھ

آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے) تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق، سب اس کے بندے اور اسکی

ملکیت ہیں، ہر چیز اسکی قدرت اور اس کی مشیت کے تابع ہے۔ اور (کون وہ ہے جو سفارش کرے)

کسی کی (اس کے پاس، مگر اس کے حکم سے) اللہ تعالیٰ کی جلالت، عظمت اور اسکی کبریائی کا یہ تقاضہ

ہے کہ اسکی اجازت کے بغیر کوئی شخص اسکے حضور شفاعت نہ کر سکے گا۔ (جانتا ہے) اللہ تعالیٰ (جو کچھ

ان) آسمان والوں اور زمین والوں (کے آگے) یعنی سامنے یا گزر چکے اس دنیا کے امور سے (اور) جانتا ہے (جو کچھ ان کے پیچھے ہے) ان کے بعد آنے والا ہے۔

--- الغرض --- اللہ تعالیٰ انکے ماضی و مستقبل دونوں سے باخبر ہے (اور) یہ کائنات والے (نہیں گھیر میں لاسکتے) احاطہ نہیں کر سکتے (کچھ) بھی (اس کے علم) یعنی اسکی معلومات (سے، مگر جس قدر اس نے خود چاہا)۔۔۔ الخضر۔۔۔ تمام کائنات کا علم تو الگ رہا، ایک ذرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم کتنا وسیع ہے کہ انسانی عقل اسکا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ مخلوق کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وہ عطا فرماتا ہے۔

--- (منجائش دے دی اسکی کرسی نے) یعنی اسکے علم نے۔۔۔ یا۔۔۔ اسکی عظمت نے۔۔۔ یا۔۔۔ اسکی قدرت و ملکیت نے۔۔۔ یا۔۔۔ اسکی وہ عظیم و وسیع اور طویل و عریض مخلوق نے جو عرش کے نیچے ہے اور آسمانوں کے اوپر ہے اور کرسی کے نام سے موسوم ہے۔۔۔ یا۔۔۔ اس نے جسکی حقیقت کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، (آسمانوں اور زمین کو)۔۔۔ الحاصل۔۔۔ اسکے علم، اسکی عظمت اور اسکی قدرت و حکمت۔۔۔ یا۔۔۔ اسکی وہ پراسرار عظیم و جلیل مخلوق جو آسمانوں اور زمینوں کا احاطہ کئے ہوئے اور اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے جسکے دائرے سے نہ آسمان باہر اور نہ ہی زمین (اور نہیں باہر ہوتی اس کو گھمبانی دونوں کی)۔

--- الغرض --- آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو نہیں تھکتی بلکہ یہ حفاظت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سھل اور آسان ہے۔ وہ ہر چیز کا قائم رکھنے والا اور ہر چیز کا محافظ و گھمبان ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، اسکا ارادہ اٹل ہے اور جسکا ارادہ کر لے، اسکو ضرور کر گزرتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے (اور وہی) ہر شے سے (بلند و برتر ہے) کبریائی اور بڑائی اسی کو زیبا ہے جس کی نازل فرمودہ سبکی ٹھکڑہ والا ایک آیت جسے آپؐ اکرسی کے نام سے جانتے ہیں۔ دوسری آیات قرآن سے منجم ہے۔ ہر ہر نماز کے بعد اس آیت کریمہ کا تلاوت کرنے والا دوسری نماز تک رب کریم کی حفاظت میں رہتا ہے اور وفات پاتے ہی جنت کی بہاروں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اس آیت کی حفاظت کی سعادت صدیقین و شہداء ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ کو رات کو پڑھ کر سونے والا خدا کی حفاظت خاص میں آجاتا ہے اور صبح تک شیطان اسکے قریب نہیں آسکتا۔

اب رہ گئی یہ شکل جس میں اعلاء کلمۃ الحق کیلئے اللہ کی بنائی ہوئی زمین پر خود رب قدیر نے صالحین کو جبکا وارث قرار دیا ہے، اللہ کے دین کو قائم کرنے کیلئے اور خدا کی ضابطہ امن و امان کو نافذ کرنے کیلئے خدا کی بنائی ہوئی زمین کو فتنہ و فساد سے پاک و صاف کر دینے کیلئے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس کائنات ارضی پر ہر حیثیت سے دین خداوندی کو غالب کر دینے کیلئے اور مفسدین کو اس درجہ مجبور و مقہور کر دینے کیلئے کہ وہ کہیں فتنہ و فساد برپا کرنے کو سوچ بھی نہ سکیں، جیسے کہ فتح مکہ، فتح طائف، فتح خیبر۔۔۔ یونہی۔۔۔ مصر، شام، عراق، اور ایران وغیرہ کی فتوحات، یہ سب بھی حقیقی معنوں میں **اَلْاِكْرَاةُ فِي التَّبِيْنِ** نہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔ یہ ان حقیقی مجرمین کی سزا ہے جو خدا کی زمین پر رہتے ہیں، اسکی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسکا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، اس کے باوجود اسکی اطاعت و فرمانبرداری نہیں کرتے، بلکہ اسکی زمین پر فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں۔ یہ خدا کے باغی ہیں اور ساری دنیا کے عقلاء کا فیصلہ ہے کہ باغیوں کی سزا ہی قتل کر دینا ہے۔ کوئی حکومت اگر باغی کو قتل کراتی ہے، تو اس حکومت کو جابر و ظالم نہیں کہا جاسکتا۔۔۔ الغرض۔۔۔ جہاد کی یہ آخری شکل جو بہ شرط استطاعت صرف 'فرض کفایہ' ہے، یہ بھی **اَلْاِكْرَاةُ فِي التَّبِيْنِ** کے خانے میں نہیں آتی۔

اس مقام پر قابل غور بات یہ بھی ہے کہ کسی کو زبردستی کسی ایسے کام کیلئے آمادہ کرنا اور اس کو مجبور کرنا جس میں درحقیقت اسکے لئے کوئی بھلائی نہ ہو، یہ وہی **اَلْاِكْرَاةُ** ہے جو ناپسندیدہ ہے۔ سب اگر کسی ایسے کام کیلئے مجبور کیا جائے جس میں خیر ہی خیر ہے تو یہ بظاہر **مُصَوِّرًا اَلْاِكْرَاةُ** تو ہے مگر **حَقِيْقًا اَلْاِكْرَاةُ** نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ دین اسلام، از اول تا آخر، خیر ہی خیر ہے، تو اس 'خیر کل' کیلئے 'حقیقی' اکرآہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یونہی اس 'خیر کل' کیلئے **اَلْاِكْرَاةُ** کی ضرورت بھی نہیں۔

کیونکہ (یقیناً پھٹ گئی) ممتاز ہو کر الگ ظاہر ہو گئی (ہدایت)، سیدھی راہ جو خدا تک پہنچاتی ہے (گمراہی) خدا سے دور کر دینے والی راہ (سے)۔۔۔ یعنی۔۔۔ کفر، اسلام سے اور حق، باطل سے تمیز ہو گیا۔ حق کے اس قدر واضح ہو جانے کے بعد اور باطل کو اچھی طرح پہچان لینے کے بعد، کسی صاحب شعور سے یہ متصور نہیں کہ وہ باطل کا انکار نہ کرے اور حق پر ایمان نہ لائے۔

(تو) اب (جو) نیک بخت (انکار کر دے) بتوں، کابنوں، ساحروں، معبودان باطل، ہر ہر سرکش اور حد سے تجاوز کرنے والوں اور تمام شرارتوں کا سرغنہ (شیطان کا) اور صرف اس انکار پر ٹھہرنے

جائے بلکہ ایمان لائے (اور) دل کی سچائیوں کے ساتھ (مان جائے اللہ) تعالیٰ (کو) اور اسکی نازل فرمودہ جملہ ہدایت کو، (تو واقعی اس نے مضبوط کڑا تھام لیا) اور اسکے ہاتھ میں ایمان، قرآن، کلمہ، اخلاص، اعتقاد حق، ایسا سب جو رضاء الہی تک پہنچا دے، خدا سے عہد و فاداری، اتباع سنت، خداوندی اوامر کے امتثال اور اس کے نواہی سے اجتناب کا عزم۔۔۔ الغرض۔۔۔ توفیق خیر اور سعادت دارین، کی ایسی مضبوط زنجیر آگئی ہے کہ (نہیں ہے اسے کسی قسم کی شکستگی) ٹوٹنا، کٹنا (اور اللہ سننے والا ہے) اسکی بات جو عَزْوَةٌ وَثِقَىٰ کے ساتھ تو سل رکھتا ہے اور (جاننے والا ہے) اس شخص کی نیت خالص جس نے اس عَزْوَةٌ وَثِقَىٰ یعنی 'مضبوط پکڑ' کو پکڑ رکھا ہے۔ روح سعادت رکھنے والوں کو کہ۔۔۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
اللہ مددگار رہے ان کا جو مان گئے، نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف۔ اور جنہوں نے انکار کیا،

أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ يُخْرِجُوهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ

ان کے مددگار شیطان ہیں، نکالتے ان کو نور سے تاریکیوں کی طرف۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

وہی ہیں جہنم والے، وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں •

(اللہ) تعالیٰ (مددگار ہے) معین و ناصر ہے، محبت فرمانے والا ہے اور کارساز ہے (انکا جو مان گئے) بالفعل۔۔۔ یا۔۔۔ مان لینے کا پکا ارادہ کر لیا ہے۔۔۔ یا۔۔۔ علم الہی میں جن کا ایمان ثابت ہے (نکالتا ہے ان کو) اپنی ہدایت و توفیق سے کفر و معاصی کی (تاریکیوں سے)، ایمان و ایقان اور طاعت و استقامت کے (نور کی طرف اور) انکے برخلاف (جنہوں نے انکار کیا) بالفعل۔۔۔ یا۔۔۔ انکار کرنے کا عزم کر لیا ہے۔۔۔ یا۔۔۔ علم الہی میں جنکا انکار ثابت ہے (انکے مددگار شیطان) اور راہ حق سے بھٹکا دینے والے، کعب بن اشرف اور جی بن اخطب اور ان جیسے سارے مصلین و مگرہ گرا افراد اور اصنام (ہیں)، ان کے دلوں میں باطل و سو سے اور شبہات ڈال کر، نفع و ضرر کے تعلق سے انکے خود ساختہ نظریات کو دلوں میں راسخ کر کے اور ان کو اس خام خیالی میں مبتلا کر کے کہ بتوں کی پرستش ہی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس طرح (نکالتے) ہیں (انکو) یعنی ان میں کھلے کافروں کو فطرت اسلامیہ

کے اس (نور سے) جن پر انسان کی تخلیق فرمائی گئی ہے۔۔۔ یا۔۔۔ دین برحق کی حقانیت کے دلائل و بیانات کی اس روشنی سے، جس نے انکے فہم و ادراک کو اپنے گھبرے میں لے رکھا ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ ان کو ایمان لانے سے روکتے ہیں اور جو ایمان لائے، ان کو نکالتے ہیں نور ایمان سے کفر و ضلالت اور ان میں انہماک کی (تاریکیوں کی طرف)۔ جان لو کہ (وہی) کفر کرنے والے، اپنے طاعتوں کے ساتھ (ہیں جنہم) میں رہنے (والے) اور صرف چند دن نہیں بلکہ (وہ) سب (اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے اور کفار کے دوست شیطان ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ایک مثال مومن کی اور ایک مثال کافر کی بیان فرما رہا ہے تاکہ اس قاعدے کی وضاحت ہو اور اس قاعدے پر دلیل قائم ہو۔

مومن کی مثال میں حضرت ابراہیم کو بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنی ذات اور صفات پر دلیل پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور انہوں نے کافر کے شبہات کا قلع قمع کر دیا اور کافر کی مثال میں نمرود بن کنعان بن سام بن نوح علیہ السلام کو بیان کیا۔ یہ زمین پر پہلا بادشاہ تھا جس نے بابل میں قلعہ بنایا تھا، اپنے سر پر شاہی تاج رکھا تھا اور سرکشی کر کے ربوبیت کا دعویٰ کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد زمین پر لا جواب و حیران ہوا۔ اس سے پیشتر کسی سے یہ امور صادر نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو مخاطب فرما کر یاد دلاتا ہے کہ۔۔۔

الَّذِي تَرَىٰ إِلَىٰ الْدِينِ خَاصِرًا أُولَٰئِكَ فِي رَيْبٍ أَنَّهُ اللَّهُ الْمَلِكُ إِذْ قَالَ

کیا تم دیکھ نہیں چکے جس نے جنت لڑائی تھی ابراہیم سے انکے رب کے بارے میں کہ وہ رکھی تھی اسکو اللہ نے حکومت، جب کہا

إِبْرَاهِيمَ رَبِّيَ الَّذِي يُعْتَمِدُ عَلَىٰ آتَا أَحِي وَأُمِّيَّتٌ قَالَ إِبْرَاهِيمُ

ابراہیم نے میرا رب ہے جو زندہ کرتا اور مار ڈالتا ہے، بولا کہ میں علماتا ہوں۔ کہا ابراہیم نے

فَلَمَّا لَمَسَ يَأْتِي بِاللَّيْلِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِي بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ

تو بے شک اللہ اتنا ہے سورج اور رب سے، تو لے آجتم سے،

فَبِمَتِ الْدِينِ كَفَرًا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۰﴾

تو جو چکا کر دیا گیا وہ جس نے کفر کیا تھا۔ اور اللہ راہ نہیں لاتا ظالم قوم کو۔

اے محبوب (کیا تم) اپنی نگاہ علم و ادراک سے (دیکھ نہیں چکے) اس کم عقل، ناسمجھ، فہم و فراست سے عاری، کٹ جتنی کرنے والے کو، (جس نے حجت لڑائی تھی) اور بظاہر مناظرانہ طور و طریق اپنانا چاہا تھا، اسے یہ بھی خبر نہیں کہ مناظرہ کا معنی ہے فریقین کی دلائل میں نظر کرنا۔۔۔ المختصر۔۔۔ انانیت ہٹ دھرمی، کج بحثی اور اپنی ضد پر قائم رہنا اور اپنے موقف پر اڑے رہنا مناظرہ نہیں ہے۔۔۔ الحاصل۔۔۔ اس کٹ جتنی کرنے والے نے کٹ جتنی بھی کی تو کس سے؟ حضرت (ابراہیم سے) اور وہ بھی کس کے بارے میں (انکے رب کے بارے میں) چوں (کہ دے رکھی تھی اس کو اللہ تعالیٰ (نے حکومت)۔ بادشاہی ملتے ہی اس نے حجت بازی شروع کر دی، اس پر اسے اس کے کبر نے ابھارا، چنانچہ وہ سرکشی میں پڑ گیا اور حجت باز بن بیٹھا۔

اس کو تو چاہئے یہ تھا کہ جب اسے بادشاہی ملی تھی، تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا، لیکن اس نے اسکے برعکس کیا۔ یعنی جو اس پر واجب تھا، اس کے خلاف کیا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ اپنی قید سے نکال کر آتش کدہ میں ڈالنے سے پہلے۔۔۔ یا۔۔۔ آتش کدہ سے صحیح و سلامت نکل آنے کے بعد اس نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ جسکی طرف تو ہم کو بلاتا ہے؟ تو اے محبوب کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نمرود کے اس سوال کے جواب میں (جب کہا ابراہیم نے میرا رب ہے) وہ (جو زندہ کرتا) ہے اور جان کی صلاحیت رکھنے والے بے جان جسم میں روح ڈالتا ہے (اور) روح رکھنے والے اجسام سے انکی روح نکال کر انھیں (مار ڈالتا ہے)۔

نمرود اس قدر کم عقل تھا کہ وہ مار ڈالنے اور زندہ کرنے کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہا۔۔۔ الغرض۔۔۔ درحقیقت احیاء کیا ہے؟ اور امات کیا ہے؟ وہ سمجھ ہی نہ سکا اور اس نے خیال کیا کہ کسی گناہ گار مجرم کو جرم سے بری کر دینا اور اسے چھوڑ دینا اسکو زندہ کر دینا ہے۔ اور یونہی کسی بے گناہ کو قتل کر دینا، یہ اس کو مردہ کر دینا ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم کے کلام کے جواب میں وہ (بولاً کہ میں) بھی (جلاتا) اور (مارتا ہوں)۔ نمرود نے یہ کہہ کر دوسرے بلائے جنھیں اس نے جیل میں ڈال رکھا تھا۔ اس میں ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو رہا کر دیا۔ پھر کہنے لگا کہ دیکھئے اے ابراہیم میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم کا جواب نہایت خوبی والا تھا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں ہو سکتی جب تک اس کی صفات کا علم حاصل نہ ہو اور ساتھ ہی اسکے افعال بھی معلوم ہوں کہ وہ ایسے افعال

کا مالک ہے کہ اسکے افعال کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں، خواہ وہ بزمِ خویش کتنی ہی قدرت رکھتا ہو۔ احياء و امات یعنی مارنا اور جلانا اسی قبیل سے ہے۔ حضرت ابراہیم نے نمرود کو سمجھانے کیلئے قدرت الہی کو بطور دلیل پیش کیا اور اس کو سمجھانے کیلئے بطور مثال احياء و امات کو پیش کیا۔ نمرود اپنی کم عقلی کے سبب قدرت الہی کی اس مثال کو سمجھنے سے قاصر رہا، تو پھر فوراً ہی حضرت ابراہیم نے قدرت الہی کی دوسری مثال پیش فرمادی۔

اور نمرود کے جواب میں (کہا) حضرت (ابراہیم نے، تو بیشک اللہ) تعالیٰ (لاتا ہے) نکالتا ہے، ظاہر فرماتا ہے روز آند (سورج) کو (پورب) کی جانب سے، آفتاب طلوع ہونے والی جگہ (سے) تو اگر (تو) بھی خدائی قدرت رکھنے والا ہے تو (لے آ) سورج کو اسکے غروب ہونے والی جگہ، (پچھتم) کی جانب (سے)۔ اس مثال کو پیش کر کے اس کم عقل کی کٹ جتنی کے سارے دروازے بند کر دئے گئے (تو) اس مثال سے (بھوپکا کر دیا گیا وہ) یعنی نمرود (جس نے) کٹ جتنی کر کے (کفر کیا تھا)۔۔۔ الغرض۔۔۔ وہ مبہوت و متحیر و مدہوش ہو گیا اور اسکی حجت منقطع ہو گئی (اور اللہ) تعالیٰ (راہ پر نہیں لاتا) کٹ جتنی کرنے سے (ظالم قوم کو) اور انہیں ہدایت کی توفیق نہیں عطا فرماتا۔

اب تک حضرت ابراہیم کے تعلق سے جو واقعہ بیان کیا گیا، اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کو ثابت کرنے کا بیان تھا اور اب جو واقعہ پیش کیا جا رہا ہے اس میں قیامت کے بعد زندہ کرنے اور حشر کو ثابت کرنے کا بیان ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ یہ دوسری مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کا والی و ناصر ہے جو انہیں ہر طرح کی تاریکی سے نکال کر نورانی دنیا میں پہنچا دیتا ہے۔ کسی چیز کا 'علم الیقین' اسکے 'عین الیقین' اور 'حق الیقین' کے اعتبار سے ایک طرح کی تاریکی ہی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت عزیر کو 'علم الیقین' سے نکال کر 'عین الیقین' بلکہ 'حق الیقین' کی روشنی تک پہنچا دیا۔

اٰذْ كَاذِبِي مَرَّ عَلٰی قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰی عُرُوشِهَا قَالَ اَلِي لَيْحِي

یاجیسے وہ، جو گزرا آبادی پر جو گری پڑی تھی اپنے چھتوں پر۔ کہا کیسے جلائے گا ان کو،

هٰذِهِ اِنَّ اللّٰهَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَامَاتُهُ اللّٰهُ مِائَةٌ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِئْتُمْ

اللہ ان کے مرنے کے بعد۔ تو موت دی ان کو اللہ نے سو برس کو، پھر اٹھ کھڑا کر دیا ان کو۔ فرمایا کتنا تم ظہرے،

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَى

عرض کیا میں ٹھہرا ایک دن یا اس سے کم۔ فرمایا بلکہ تم ٹھہرے رہے سو برس، تو دیکھو اپنے کھانے

طعامك وشرابك لم يَكْسِبَنَّهٗ وَاَنْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ

کی طرف اور پانی کی طرف کہ سزا نہیں، اور دیکھو اپنے گدھے کو، اور ہماری حکمت ہے کہ بنا دیں تم کو نشانی لوگوں کیلئے

وَاَنْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا الْحَمِيمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ

اور دیکھو ہڈیوں کی طرف، کیا اٹھاتے ہیں ہم انکو، پھر پہناتے ہیں انکو گوشت، تو جب ظاہر ہو گیا واقعہ ان پر،

قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

کہا میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہرچاہے پر قادر ہے •

تو اے محبوب! کیا نہیں ملاحظہ فرمایا تم نے حضرت ابراہیم سے کٹ جتنی کرنے والے کا واقعہ

مذکورہ بالا (یا) قدرت الہی کو سمجھانے کیلئے اس (جیسے) کا حال۔ کون؟ (وہ) یعنی فقہائے صحابہ اور

اکثر تابعین کے بقول حضرت عزیر، اور دوسرے اہل علم حضرات کے مختلف اقوال کی روشنی میں الگ

الگ کوئی فرد (جو گزرا) ایک تباہ شدہ برباد ہو جانے والی (آبادی پر) یعنی بیت المقدس پر جسے بخت

نصر نے تباہ و برباد کر دیا تھا اور (جو گری پڑی تھی اپنے چھتوں پر)۔

ایک روایت کے مطابق بنی اسرائیل جب شر اور فساد برپا سمجھنے کرنے میں حد سے

گزرے تو اللہ تعالیٰ نے بخت نصر بابل کو ان پر مسلط کر دیا، جو چھ لاکھ جھنڈ لیکر ان پر

چڑھائی کیلئے روانہ ہوا، شام کے علاقوں پر حملہ کرتا ہوا بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ

بجادی اور بنی اسرائیل کے تین گروہ بنائے، ایک کو قتل کیا، دوسرے گروہ کو شام میں ٹھہرایا

اور تیسرے گروہ کو قید کیا، وہ ایک لاکھ تھے۔ ان کو اپنے ساتھ لاکر بادشاہوں میں تقسیم

کر دیا۔ ہر ایک کے حصے میں چار چار سو غلام آئے۔

حضرت عزیر رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر رضی اللہ عنہ

کو ان سے نجات بخشی تو وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر بیت المقدس سے گزرے تو اسے نہایت

زبوں حالی میں دیکھا جو اپنے اہل سے خالی ہو گئی تھی۔ پہلے اسکی چھتیں گریں پھر ان پر اسکی

دیواریں گر پڑیں۔

اس طرح کی ویران آبادیوں کو پھر آباد کر دینا قدرت الہی سے بعید نہیں، اسکا پختہ عقیدہ رکھتے

ہوئے صرف عادت کے طور پر ایک عام ناظر کی سوچ کے مطابق انہوں نے خیال کیا اور زبان سے

(کہا، کیسے جلائے گا) آباد و معمور فرمائے گا (ان کو) ان برباد و خانہ خراب ہو جانے والوں کو (اللہ تعالیٰ (ان کے مرجانے) برباد و نیست و نابود ہو جانے (کے بعد، تو موت دی ان کو اللہ تعالیٰ (نے سو برس کو) عبرت والی موت، جیسے ان لوگوں پر عبرت والی موت طاری کی تھی جو طاعون کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل پڑے تھے۔

--- الغرض --- یہ وہ موت نہ تھی جو انقضائے اجل اور مدت عمر پوری ہو جانے کے بعد طاری کی جاتی ہے۔ (پھر) سو برس بعد ان کو حیات عطا فرما کر ان کے سابقہ اوصاف و کمالات کے ساتھ (اٹھ کھڑا کر دیا) اور (ان کو) ایک فرشتہ کے ذریعے (فرمایا) کہ (کتنا تم ٹھہرے، عرض کیا میں ٹھہرا ایک دن --- یا --- اس سے کم)۔

چونکہ دن کے ابتدائی حصے میں ان پر موت طاری ہوئی تھی اور دن کے آخری حصے میں انکو زندہ کیا گیا اور پھر جب انھوں نے دیکھا کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا، تو انھوں نے گمان کیا کہ انھوں نے دن کے کچھ حصے میں قیام کیا ہے۔۔۔ الختم۔۔۔ یہ خبر اگرچہ خلاف واقعہ تھی لیکن چونکہ اس میں انکے مقصد و ارادہ کا دخل نہیں تھا، اسلئے اسے کذب نہیں قرار دیا جائیگا۔

انھوں نے اپنے گمان سے جو کچھ کہا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کے ذریعہ (فرمایا) تم اتنا ہی نہیں ٹھہرے جتنا تمہارا خیال ہے، (بلکہ تم ٹھہرے رہے سو برس)۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھنا ہو (تو دیکھو اپنے کھانے) کیلئے اپنے جھولے میں محفوظ کی ہوئی انجیر (کی طرف اور) اپنے پینے کیلئے مشکیزے میں محفوظ کردہ (پانی) کی طرح شیرہ انگور (کی طرف) جو (کہ) اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی (سزا نہیں)، بلکہ دونوں اپنی اسی حالت میں ہیں اور انکی تازگی کی کیفیت وہی ہے جو ان کو محفوظ کر لینے کے وقت تھی اور ظاہر ہے کہ یہ چیز عادتاً نہیں ہونی چاہئے تھی۔

اس منظر کو دیکھنے سے بظاہر یہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تم نے اپنی مدت قیام کا جو اندازہ لگایا ہے، وہ صحیح ہے۔ مگر اسی کو دیکھ کر ابھی کوئی فیصلہ نہ کرو (اور دیکھو اپنے گدھے) کی حالت (کو) جس کے جسم کے سارے اجزاء سڑگل کے مٹی میں مل گئے تھے، صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں تھیں اور وہ بھی بہت ہی خستہ حالت میں۔ اس منظر کو دیکھ کر اس بات کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے کہ فرشتے کے ذریعے رب تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے کہ اسے عزیر تم سو برس ٹھہرے۔

اب موجودہ شہر کا جائزہ لینے کے بعد تم پر یہ حقیقت اور بھی روشن ہو جائیگی۔ جان لو (اور)

اچھی طرح سمجھ لو کہ اپنی قدرت کاملہ کے اس مظاہرے میں (ہماری) یہ (حکمت ہے) اور یہ راز ہے (کہ بنادیں تم کو نشانی) خود تمہارے لئے نہیں، اسلئے کہ تم تو نبوت والے ہو اور حشر و نشر پر یقین و اذعان رکھنے والے ہو، بلکہ ان (لوگوں کیلئے) جو اس عہد میں موجود تھے جنہیں آپ کے حالات دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔

چنانچہ جب آپ اپنے مکان کی تلاش میں نکلے اور اندازے سے وہاں تک پہنچ گئے تو وہاں ایک بڑھیا سے ملاقات ہوئی جو نابینا تھی اور اٹھنے بیٹھنے سے عاجز تھی۔ اس بڑھیانے حضرت عزیر کا زمانہ پالیا تھا۔ حضرت عزیر گھر میں داخل ہوتے ہی فرمانے لگے یہ گھر تو عزیر کا ہے۔ بڑھیا بولی ہے تو انہی کا، لیکن عزیر عليه السلام کے ذکر سے تمہیں کیا غرض۔ انہیں تو اس وقت پوری صدی گزر گئی۔ اب انکا نشان تک باقی نہیں رہا اور یہ کہہ کر خوب روئی۔

حضرت عزیر عليه السلام نے فرمایا بی بی! عزیر عليه السلام میں ہی ہوں۔ بڑھیا بولی سبحان اللہ، یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کہاں عزیر عليه السلام اور کہاں تم۔ حضرت عزیر عليه السلام نے فرمایا، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک صدی تک موت دے دی تھی اور اب اس نے مجھے پھر زندہ فرمایا ہے۔ اگر ایسی بات ہے اور واقعی تم عزیر ہو تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ 'مستجاب الدعوات' تھے۔ تو اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو میرے لئے دعا مانگئے کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی واپس لوٹا دے۔ اس پر مجھے یقین ہوگا کہ تم واقعی عزیر عليه السلام ہو۔

حضرت عزیر عليه السلام نے اس بڑھیا کیلئے دعا مانگی اور اپنا ہاتھ اسکی آنکھوں پر پھیرا تو وہ بڑھیا بینا ہو گئی، پھر آپ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو، چنانچہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بالکل صحیح و سالم اور تندرست ہو گئی۔ پھر بڑھیانے غور سے دیکھا، تو واقعی وہ حضرت عزیر عليه السلام تھے، تو فوراً کہا:

'میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ واقعی عزیر عليه السلام ہیں۔'

پھر وہ بڑھیا بنی اسرائیل کے محلوں میں چل پڑی۔ بنی اسرائیل اپنی مجلسوں کے مختلف مشاغل میں مصروف تھے۔ ان میں حضرت عزیر عليه السلام کے صاحب زادے بھی تھے جو اس وقت ایک سو اٹھارہ^{۱۱۸} سال کے تھے، بلکہ انکے پوتے اور پڑپوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ بڑھیانے زور سے پکارا، لوگو آ جاؤ، دیکھو عزیر عليه السلام تمہارے ہاں تشریف لائے ہیں۔ ابتداء لوگوں نے بڑھیا کی ایک نہ سنی، مگر جب اس نے اپنا واقعہ سنایا اور اپنی بینائی کی تندرستی

کی بات کی، تو لوگوں نے یقین کر لیا اور حضرت عزیر ؑ کی طرف ٹوٹ پڑے۔
 عزیر ؑ کے صاحب زادہ صاحب نے فرمایا کہ میرے باپ کے دو بازوؤں کے
 درمیان ہلال کی طرح ایک سیاہ تل تھا۔ اگر وہ ہے، تو میں سمجھوں گا کہ واقعی آپ میرے باپ
 ہیں۔ چنانچہ حضرت عزیر ؑ نے دونوں بازو کھولے تو واقعی وہ تل موجود تھا۔ ان باتوں
 کے علاوہ، آپ کے عزیر ؑ ہونے کی ایک نشانی یہ بھی سامنے آگئی، وہ یہ کہ بخت نصر
 نے اپنے دور میں چالیس ہزار تورات کے حفاظ کو قتل کرا دیا تھا۔ اسکے بعد انکے پاس تورات
 کا ایک نسخہ بھی نہیں رہ گیا۔ لیکن حضرت عزیر ؑ نے تمام تورات ان سب کو سنادی اور
 ایسی صحیح کہ زیر و زبر اور نقطے کا بھی فرق نہ آنے دیا۔

جن لوگوں کو بخت نصر نے قیدی بنایا تھا، انکی اولاد میں سے ایک وہاں موجود تھا جو بخت
 نصر کے مرنے کے بعد بیت المقدس میں آکر مقیم ہو گیا، وہ کہنے لگا کہ میرے باپ نے مجھے
 دادا کی بات سنائی کہ ہم نے بخت نصر کی قید کے دوران میں تورات کو انگور کے باغ میں دفن
 کر دیا تھا۔ اگر مجھے اپنے دادا کے باغ کی نشاندہی کراؤ، تو میں تمہیں وہ تورات نکال دوں گا۔
 چنانچہ وہ لوگ اس باغ میں پہنچے، تو وہاں سے تورات کو نکال کر حضرت عزیر ؑ کی قرأت
 کا مقابلہ کیا تو حرف بہ حرف صحیح نکلا، تب انہیں یقین ہوا کہ واقعی یہی عزیر ؑ ہیں۔

--- المختصر --- حضرت عزیر کے ان واقعات میں لوگوں کیلئے خداوندی حکمت و قدرت
 کی واضح نشانیاں ہیں۔ اب رہ گیا حضرت عزیر ؑ کا یہ اشتیاق کہ وہ دیکھ لیں کہ رب
 تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ فرماتا ہے، تو رب تعالیٰ نے انکی یہ خواہش بھی پوری فرمادی۔

(اور) فرمایا، اے عزیر! (دیکھو) تم اپنے گدھے کی (ان ہڈیوں کی طرف)۔ اپنی قدرت
 کاملہ سے (کیسا اٹھاتے ہیں ہم ان کو)، کیونکر حرکت دیتے ہیں ہم انہیں، اور ایک کو دوسرے پر جاتے
 ہیں (پھر پہناتے ہیں ان) ہڈیوں (کو گوشت) اور چمڑے کا لباس۔ حضرت عزیر کو ان امور کا 'علم
 البقین' پہلے ہی سے حاصل تھا (تو) اب (جب) اس کا مشاہدہ فرم لینے کے بعد 'عین البقین' کی شکل میں
 (ظاہر ہو گیا) یہ (واقعہ ان پر) تو (کہا میں جانتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے)
 جس نے صرف یہی نہیں کہ میرے 'علم البقین' کو 'عین البقین' تک پہنچا دیا بلکہ خود مجھ پر موت طاری کر
 کے اور پھر سو برس کے بعد زندہ فرما کر، میرے اس 'عین البقین' کو 'حق البقین' کا مرتبہ عطا فرمادیا۔
 حضرت عزیر ؑ کے اس واقعہ کے تعلق سے اس طرح بھی فرمایا جاسکتا ہے کہ جب

حضرت عزیر علیہ السلام کا ایک برباد اور تباہ شدہ بستی کی طرف سے گزر ہوا تو اس یقین کے باوجود کہ قادرِ مطلق اس کو پھر نئے سرے سے آباد کر دینے کی قدرت رکھتا ہے، انکے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت کا ملکہ کا کرشمہ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں۔ چونکہ نبیؐ مستجاب الدعوات ہوتا ہے، اسلئے رب کریم نے انکی خواہش کو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ پھر اپنی قدرت کا ملکہ کا ایسا مظاہرہ فرمایا جس نے عقلِ انسانی کو حیران و ششدر کر دیا۔

--- چنانچہ --- اس نے، اکثر مفسرین کے اختیار کردہ قول کے مطابق، ان پر حقیقی طور پر موت طاری کر دی۔۔۔ اور --- بعض مفسرین کے بقول ان کو گہری نیند سلا دیا اور ایک سو سال تک ان سے حس اور حرکت کو سلب کر لیا، پھر ان میں دوبارہ حس اور حرکت کو لوٹا دیا۔ گویا وہ سوئے ہوئے تھے، پھر بیدار ہو گئے۔ انکے حواس معطل ہونے کے ستر سال بعد وہ بستی دوبارہ تعمیر ہو گئی تھی اور اس میں بنو اسرائیل لوٹ آئے تھے۔ حضرت عزیر کے اٹھنے اور اپنی سابقہ حالت میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کے ذریعہ ان سے سوال کیا --- یا --- ہاتفِ نبی نے ندا کی کہ آپ کتنی دیر ٹھہرے؟

چونکہ انھوں نے اپنے بدن میں اندر باہر کسی طرح کا کوئی معمولی تغیر بھی ملاحظہ نہیں فرمایا اور اپنے کو ظاہری باطنی اوصاف کے لحاظ سے بالکل ویسا ہی پایا جیسا کہ وہ سو برس گزرنے سے پہلے تھے، انکی عمر بھی وہی رہی جو پہلے تھی، اسلئے کہ سن و سال گزرنے کا ان پر کوئی اثر نہ تھا۔۔۔ جبکہ انکے بیٹے اور پوتے بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور پھر انھوں نے اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو بھی دیکھا۔ اس میں بھی کسی طرح کا تغیر نظر نہیں آیا۔ بلکہ اس کو بالکل تروتازہ پایا۔ ان حالات کے پیش نظر، انھوں نے ہاتفِ نبی کے جواب میں فرمایا کہ میں ایک دن --- یا --- اس سے بھی کم ٹھہرا۔۔۔ اس پر ہاتفِ نبی نے کہا کہ اے عزیر آپ اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ کم و بیش صرف ایک ہی دن نہیں ٹھہرے، بلکہ سو برس ٹھہرے۔

اور اب آئیے اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے، اس نے آپ کے کہنے کو بھی سچ کر دیا ہے اور سو برس والی بات کو بھی ثابت فرمایا ہے۔ اگر آپ کو اپنی بات کی سچائی دیکھنی ہو تو، آپ اپنے کو دیکھئے اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھئے جو بالکل تروتازہ ہیں جو دلیل ہیں کہ آپ پر اور آپ کے کھانے پینے والی چیزوں پر کم و بیش صرف ایک ہی دن گزرا۔ اسکے

برعکس، اب ذرا اپنے گدھے کو ملاحظہ کیجئے۔

--- نیز --- اپنے اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کے سوا کائنات کی دوسری چیزوں پر نظر ڈالئے تو آپ پر صاف ظاہر ہو جائیگا، کہ ان سب پر سو برس گزر گئے۔ آپ کیلئے اور آپ کی خوراک کیلئے وہ دن کم و بیش ایک ہی دن تھا، جبکہ آپ کے گدھے کیلئے اور عالم کی دوسری اشیاء کیلئے وہ سو برس تھا، اور بے شک اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ کسی کے ایک دن کو کسی دوسرے کیلئے سو برس بنا دے۔۔۔ یونہی۔۔۔ کسی کے سو برس کو کسی اور کیلئے ایک ساعت میں سمیٹ لے۔

قیامت کا پچاس ہزار سال کا دن، اگر کسی بندے کیلئے صرف دو رکعت نفل پڑھنے کی مدت کے مطابق ہو جائے۔۔۔ یا۔۔۔ سفر معراج جو مکہ سے بیت المقدس، وہاں سے آسمانوں، اور وہاں سے عرش معلیٰ وغیرہ تک کا ایک تفصیلی سفر تھا جو ایک طویل وعریض مدت کو حاوی تھا، اسے اگر مکہ شریف کے لحاظ سے تھوڑی سی رات کا سفر بنا دیا جائے، ایسا کہ سفر شروع کرنے سے پہلے، گھر کے دروازے کی جو زنجیر ہلی تھی، وہ ہلتی ہی رہ جائے۔۔۔ یا۔۔۔ بستر جو گرم تھا، اسکی گرمی ختم نہ ہونے پائے اور سفر مکمل ہو جائے۔ یہ سب چیزیں بھی اللہ کی قدرت کا ملہ سے باہر نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چاہے پر قدرت والا ہے۔

حضرت عزیر رضی اللہ عنہ کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرانے کے بعد اب آگے کی آیت میں حضرت ابراہیم کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرانے کا ذکر ہے، یہاں بھی اللہ تعالیٰ کا وہ کرم شامل حال ہے جو ایمان و یقین والے بندوں کو بے اطمینانی کی ظلمت سے نکال کر اطمینان کے نور کی طرف لے جاتا ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

فَلَمَّا قَالَ ابْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى

اور جبکہ کہا ابراہیم نے میرے پروردگار مجھ کو دکھا دے کہ کیسے تو جلاتا ہے مردوں کو فرمایا کہ کیا تم نے نہیں مانا۔ عرض کیا مانا کیسے نہیں۔

وَكٰنَ لِيّٰظِمٰتِيْنَ قَلْبِيْ قَالَ فَاخْذِ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اَلَيْكَ ثُمَّ اَجْعَلْ

مگر اسلئے کہ میرا دل مطمئن ہو۔ فرمایا، تو لو چار پرند، پھر ان کو اپنے سے ہلاؤ، پھر رکھو

عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يٰٰ اٰتِيْنٰكَ

ہر پہاڑ پر ان کی ایک ایک بولی، پھر اٹھیں ہلاؤ، دو تہا رہے پاس

سَعِيًّا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

دوڑے آئیں گے، اور جان رکھو کہ بے شک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔

اے محبوب یاد کیجئے (اور) ذہن میں حاضر کر لیجئے اس وقت کو (جبکہ کہا ابراہیم نے کہ میرے پروردگار، مجھ کو دکھا دے کہ) اپنی قدرت کاملہ سے (کیسے تو جلاتا ہے مردوں کو)۔ مجھے تیرے مردہ زندہ کرنے کی اصل میں شبہ نہیں، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے مردے زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرادے۔ اس پر قادر مطلق نے (فرمایا کہ) اے ابراہیم (کیا تم نے نہیں مانا، تم تو اس کو پہلے ہی مان چکے ہو، جب ہی تو نمرود سے تم نے کہا تھا، کہ **الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ** کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔

اس پر حضرت ابراہیم نے (عرض کیا، مانا کیسے نہیں) اے رب تو بخوبی جانتا ہے کہ میں اس پر ایمان لا چکا ہوں (مگر) میری یہ عرض (اسلئے) ہے (کہ میرا دل مطمئن ہو) جائے اور جس کا مجھے 'علم الیقین' حاصل ہے، اس کا 'عین الیقین' بھی حاصل ہو جائے۔

حضرت ابراہیم نے جس مودبانہ انداز سے اپنا معروضہ پیش کیا، اس کا ثمرہ انھیں یہ ملا کہ

رب قادر مطلق نے نہایت آسان طریقے سے ان کے سوال کا جواب عطا فرمادیا اور انھیں

انکی شان کے لائق اطمینان کی دولت بخش دی۔۔۔ اس کے برخلاف حضرت عزیر نے اپنے

حیرت و استعجاب کو جس انداز سے ظاہر فرمایا، اس کے نتیجے میں خود ان پر موت طاری کر دی گئی

۔۔۔ نیز۔۔۔ انکے گدھے کے مردہ ہونے اور پھر زندہ ہونے میں سو برس لگ گئے، پھر کہیں

جا کر ان کو 'احیاء موتی' کا عینی مشاہدہ ہو سکا۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ حضرت ابراہیم عليه السلام کی مودبانہ گزارش پر اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) اے ابراہیم تم

'احیاء موتی' اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتے ہو (تو لو چار پرند) اور (پھر ان کو اپنے سے ہلا

لو) اپنے سے اچھی طرح مانوس کر لو اور خود بھی انکو اچھی طرح پہچان لو، اسکے بعد انھیں ذبح کر کے انکے

پروں کو الگ کر کے، انکے ٹکڑے کر کے، انکی بوٹی بوٹی کر دو اور پھر سب کو ایک ساتھ ایسا ملا دو اور آپس

میں خلط ملط کر دو کہ امتیاز نہ رہ جائے کہ کس کی بوٹی کدھر ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم عليه السلام نے جانوروں کو ذبح کیا اور انکے ٹکڑے پارچے، گوشت،

خون، رگ، پٹھے، ہڈی، تلی اور بازوؤں کو ٹکڑے کر کے باہم ملا دیا اور ایک روایت کے مطابق

ہاون دستہ میں کوٹ ڈالا یہاں تک کہ وہ باریک ہو کر خوب مل گئے۔

یہ سب کچھ کر لینے کے بعد (پھر رکھ دو ہر) ہر اس (پہاڑ پر) جو تم سے قریب ہو اور جس پر رکھنا ممکن ہو سکے (ان) پرندوں (کی) کم از کم (ایک ایک بوٹی)، چنانچہ انھوں نے باختلاف روایات ان بوٹیوں کو مختلف حصوں میں بانٹ دیا اور پھر ان میں سے ایک ایک حصے کو چار۔۔۔ یا۔۔۔ سات۔۔۔ یا۔۔۔ دس پہاڑوں پر رکھ دیا اور ان سب کے سروں کو اپنے پاس رکھا۔ اور پھر حکم الہی کے مطابق کہ جب ذبح کر کے سب کو ایک دوسرے میں ملا کر پہاڑوں پر رکھ چکو، تو (پھر انہیں بلاؤ، وہ) پرندے تمہارے بلانے کے جواب میں (تمہارے پاس دوڑے آئیں گے)۔ از کر نہیں آئیں گے، تا کہ ظاہر ہو جائے کہ سر سے پیر تک انکا ہر عضو صحیح و سالم ہے اور وہ سب اپنی سابقہ حالت ہی میں واپس آ گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے چار پرندوں کا انتخاب فرمایا تھا۔ وہ وہی ہیں جو انسانوں سے نسبتاً زیادہ مانوس ہیں اور ان سے قریب رہنے والے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق جن کے نام یہ ہیں: ﴿۱﴾۔۔۔ کبوتر ﴿۲﴾۔۔۔ مرغ ﴿۳﴾۔۔۔ کوا ﴿۴﴾۔۔۔ مور۔۔۔ بعض روایتوں میں کبوتر کی بجائے گدھ اور بعض میں اسکی جگہ بطخ کا ذکر ہے۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان چاروں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر آواز دی، اے کبوتر، اے مرغ، اے مور، اے کوا، اپنے سروں کی طرف دوڑو، خدا کے حکم سے۔ یہ سننا تھا ہر ایک کے اجزاء دوسرے سے جدا ہو کر اپنے میں مل گئے اور انکے بدن درست ہو گئے، پھر وہ جانور زمین میں اپنے سروں کی طرف دوڑنے لگے، چونکہ اڑنے میں جانور کی کیفیت کم دکھائی دیتی ہے اور زمین پر چلنے میں بہت اچھی طرح نظر آتی ہے، اسلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں تک، وہ بے سر کے بدن دوڑ کر آئے اور وہاں سے از کر اپنے اپنے سروں سے، جو حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں تھے، لپٹ گئے۔

تو اے ابراہیم بن لو (اور جان رکھو کہ بیشک اللہ تعالیٰ (غلبہ والا) ہے۔ جو تو نے مانگا، اس میں عاجز نہیں اور (حکمت والا ہے) اپنے ہر کام میں۔ جو کچھ کرتا ہے وہ نہایت ہی محکم ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسی واقعہ پر غور کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ مردہ سنتا بھی اور سمجھتا بھی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دوڑ بھی سکتا ہے اور پرواز بھی کر سکتا ہے۔ **سکھ صرف اسلئے مردہ کہا جاتا ہے کہ اس میں روح نہیں۔۔۔ الفرض۔۔۔ روح سے جو زندگی ملتی ہے، وہ اس میں نہیں اور چونکہ روح کسی کی حیات و لوازم حیات کیلئے ایک سبب**

عادی ہے، نہ کہ 'سبب لازمی'، اسلئے یہ بالکل ممکن ہے کہ کسی میں روح نہ ہو، لیکن اس میں زندگی ہو اور وہ بغیر روح کے بھی بطور خرق عادت سنے، دیکھے، سمجھے، چلے، پھرے، دوڑے، اڑے۔۔۔ الخضر۔۔۔ اسکے سارے حواس ظاہری اور باطنی بغیر روح کے بھی کام کریں۔

اب اگر بالفرض کسی میں روح والی زندگی نہیں ہے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ کسی معنی میں بھی زندہ نہیں۔ ایسے زندگی گانی کے آثار و اطوار کا ظہور از روئے عقل محال نہیں، بلکہ ممکن ہے۔ اور صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہے جیسا مشاہدہ حضرت ابراہیم کے واقعہ میں مذکور پرندوں نے کرادیا۔

حضرت ابراہیم یہی مشاہدہ فرمانا چاہتے تھے کہ کسی روح والے جسم سے روح کے نکل جانے کے بعد اس میں روح کیسے واپس آتی ہے؟ عام طور سے عرف میں اسی کو 'احیاء موتی' کہا جاتا ہے کیونکہ عرف و عادت میں کسی جسم کی وہ زندگی جس کا سبب روح ہو، اسکو حیات کہا جاتا ہے اور پھر اس جسم سے روح کے نکل جانے کو اسکی موت قرار دیا جاتا ہے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی معروف و متعارف معنی میں حیات و موت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔

چنانچہ خود انھیں کے ہاتھوں سے پرندوں کو ذبح کرایا گیا تاکہ جانے پہچانے معنی میں پرندوں کے مردہ ہونے کا 'عین الیقین' حاصل ہو جائے اور پھر ان پرندوں کے اجزاء بدن کو اس حال میں بلانے کا حکم دیا گیا کہ وہ سب کے سب بے روح تھے۔ صدائے ابراہیمی پر انکی دوڑ بھی اس حالت میں ہوئی کہ سب کے سر کٹے ہوئے تھے، سارے سر حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں تھے، لہذا یہاں کسی کیلئے اس گمان کی بھی گنجائش نہیں رہ گئی کہ یہ دوسرے پرندے آگئے۔

اگر یہ دوسرے پرندے ہوتے، تو انکے اپنے سر کہاں گئے؟ اور یہ دوسرے پرندوں کے سروں سے کیسے جڑ گئے؟ جبکہ حالت یہ تھی کہ ان میں سے ہر ایک پرندے کی بونیاں الگ الگ ہو جانے کے باوجود اپنے اپنے ہی سابقہ جسم سے جا کر مل گئیں تھیں۔

اب اگر بالفرض یہ مان ہی لیا جائے یہ سر کٹے پرندے پہلے والے نہیں تھے بلکہ دوسرے تھے، اس صورت موہومہ میں بھی یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ جب وہ سر کٹے تھے تو معروف و متعارف میں بے روح ہونے کی وجہ سے مردہ ہی تھے اور ان کو بھی روح والی زندگی سروں

سے جڑ جانے کے بعد ہی ملی۔۔۔ الخضر۔۔۔ حضرت ابراہیم نے پرندوں کے مردہ ہونے کو بھی دیکھا اور زندہ ہونے کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ چنانچہ آپ کو انکے مردہ ہونے اور زندہ ہونے دونوں کا علم یقین حاصل ہو گیا۔

سابقہ آیات کے ذریعہ حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم کے حالات معلوم ہو جانے کے بعد یہ بات مدلل ہو جاتی ہے کہ دنیاوی زندگی ہی سب کچھ نہیں بلکہ یہاں کی زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی پیش آنے والی ہے۔ وہ آخرت کی زندگی ہے، تو اب یہ سمجھنا ضروری ہو گیا کہ اس دوسری زندگی میں کیا چیز انسان کے کام آ سکتی ہے اور کون سا عمل وہاں نفع دے سکتا ہے اور ظاہر ہے وہ صدقہ و خیرات ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَتَتْكَ سَبْعَ سَنَابِلٍ
ان کی مثال جو خرچ کریں اپنے مال کو اللہ کی راہ میں، ایسی جیسے ایک دانہ، جس نے اگائے سات بالیوں کو،
فِي كُلِّ سَبِيلَةٍ قَائِلَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۹۰﴾

ہر بالی میں سو دانہ۔ اور اللہ بڑھائے جس کے لیے چاہے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

خاصاً لوجہ اللہ صدقہ و خیرات کرنے والوں کی خوش نصیبی اور فیروز بختی دیکھنی ہو تو غور سے سنو کہ (ان) خوش بختوں کے نفقات یعنی خرچ کئے ہوئے مال (کی مثال جو) بے شائبہ غرض اور بے قصہ عوض نکالیں اور (خرچ کریں)، صرف کریں (اپنے مال کو) خود اس مال کو اپنے فضل و کرم سے عطا کرنے والے (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) صرف اسی کی رضا کیلئے، (ایسی) ہے (جیسے ایک دانہ) جس کو اچھی زمین میں بویا گیا ہو اور (جس نے اگائے سات بالیوں کو) اس طرح کی سات شاخیں اسکی جڑ سے پھوٹیں اور ہر شاخ پر ایک بالی ظہور پذیر ہوئی اور پھر (ہر بالی میں سو دانہ) نمودار ہوئے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ ایک دانہ سے سات سو دانے حاصل ہوئے (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (اللہ) تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے (بڑھائے) سات سو کو سات ہزار کر دے، بلکہ اس سے بھی زیادہ کر دے (جس) خیر و خیرات کرنے والے (کیلئے چاہے) اسکی نیت خیر کے مطابق۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) ہے اور وسیع پیمانے پر بخشش فرمانے والا ہے۔ اسکی عطا کی کوئی انتہا نہیں اور خرچ کرنے والوں کو، اگلی نیتوں کو، اور انکے ارادوں کو بخوبی جاننے والا ہے۔ اور ان سب کا (علم) رکھنے والا ہے۔

مذکورہ بالا مثال سے جہاں ایک طرف یہ ظاہر کرنا ہوا کہ زیادتی کی صورت کیا ہے؟ وہیں یہ رغبت دلانا بھی مقصود ہے کہ لوگ یہ خیال کر کے کہ ایک کا بدلہ سات سو ہے، ہمیشہ خیر و خیرات کرنے میں مشغول رہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ اجر کے مختلف مدارج کس حساب سے ہیں؟۔۔۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں حساب سے خرچ کرنے والے کو اجر حساب سے ملے گا اور جو بے حساب کرے گا، اسے بے حساب اجر عطا فرمایا جائیگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اجر و ثواب کے مدارج کا فرق خود خرچ کرنے والے کی نیت اور اسکے اخلاص کے مدارج کے اعتبار سے ہے۔ زیادہ اخلاص والے کو زیادہ اجر ملے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرق حالات کے اعتبار سے ہے۔ کسی سرمایہ دار دولت مند کا کسی غریب کو دو روٹی دے دینا۔۔۔ یا۔۔۔ کسی متوسط الحال کا کسی کو دو روٹی دے دینا، یہ سب نیکیاں ہی ہیں، لیکن وہ شخص جو صرف دو روٹی ہی رکھتا ہے، تو وہ اگر اسکو کسی غریب کو دیدے اور خود بھوکا رہ جائے، اسکی نیکی اس ارب پتی اور کھرب پتی کی نیکی کے برابر ہے جو اپنا سارا مال راہِ خدا میں دیدے اور اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھے۔

اجر کی زیادتی صبر کا بھی ثمرہ ہوتی ہے۔ اچانک تکلیف پہنچنے اور نقصان ہو جانے کی صورت میں صبر کرنا اور زبان پر حرف شکایت نہ لانا، یہ بھی انسان کو بڑے اجر کا مستحق بنا دیتی ہے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ یہ سارے اجر و ثواب اس صورت میں حاصل ہونگے جب صدقہ دینے کے بعد احسان نہ جتایا جائے اور جس کو صدقہ دیا، اس کو طعنہ دے کر اذیت نہ پہنچائی جائے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا

جو خرچ کریں اپنے مال کو اللہ کی راہ میں، پھر نہ پیچھا کریں اس کا جو خرچ کیا، احسان جتا کر

وَلَا أَدْمَىٰ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۹۰﴾

اور نہ دکھ دے کر، تو انکے لیے اجر ہے انکے رب کے پاس۔ اور نہ ان کو کوئی خوف اور نہ رنجیدہ ہوں

تو (جو خرچ کریں اپنے مال کو اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) یعنی جہاد۔۔۔ یا۔۔۔ کسی بھی کارِ خیر

میں (پھر نہ پیچھا کریں اس کا جو خرچ کیا، احسان جتا کر) ادھر دیا اور پھر اسکے بعد احسان بھی جتا دیا اور یہ بھی نہیں سوچا کہ حقیقت میں اس نے کیا دیا؟ جو دیا وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی کی عطا فرمودہ

توفیق سے اس نے دیا، وہ تو اللہ تعالیٰ کے بندے تک اللہ کی عطا کردہ نعمت کا پہنچا دینے کا ایک ذریعہ ہی تو تھا، پھر اس نے کیا دیا؟ جس کا وہ احسان جتا رہا ہے اور لینے والے کو ذہنی طور پر دکھ پہنچا رہا ہے۔ ایسے لوگ کسی اجر کے مستحق نہیں، اسلئے جس خوش بخت نے عمل خیر و خیرات کا انجام دیا اور اپنا عمل ضائع نہیں کیا احسان جتا کر (اور نہ) ہی (دکھ دیکر، تو ان) ایسے روح سعادت رکھنے والوں (کیلئے اجر) عظیم (ہے انکے رب) کریم (کے پاس اور نہ ان پر کوئی خوف) کہ کہیں انکا اجر و ثواب کم نہ ہو جائے (اور نہ) ہی وہ (رنجیدہ) خاطر (ہوں) یہ سوچ کر کہ کہیں انکے ثواب ضائع نہ ہو جائیں۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذَىٰ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۹۰﴾

اچھی بولی اور معاف کر دینا، بہتر ہے اس صدقہ سے کہ پیچھے لگائے جس کے دکھ کو۔ اور اللہ بے پرواہ علم والا ہے۔

--- المختصر --- اے ایمان والو، ضرور تمند، فقیر اور سوال کرنے والے کے ساتھ (اچھی بولی)

خوش کلامی، نرم گفتگو اور نیک وعدہ (اور) اگر انکی طرف سے کوئی نہ خوش گوار حرکت ہوگئی ہو جس سے دل کو تکلیف پہنچی ہو، تو تم انکے کلام کی بخنی اور درستی اور ان کے گڑ گڑانے اور تنگ کرنے سے پہنچنے والی تکلیف کو درگزر کرتے ہوئے انکے ساتھ خوش کلامی کے ساتھ پیش آؤ اور انکا نرم لب و لہجہ میں جواب دینا، تو تمہارا یہ (معاف کر دینا) یا انکے جواب میں تمہاری خوش گفتاری کی وجہ سے خود رب کریم کا تمہاری مغفرت فرمادینا تمہارے لئے (بہتر ہے) تمہارے (اس صدقے سے) جو (کہ) تمہارے نامناسب تکلیف دہ قول و فعل کے سبب اذیت پہنچانے والا ہو جائے۔

وہ بھی کوئی قابل تعریف صدقہ ہے کہ ادھر صدقہ دے اور پھر فوراً ہی (پیچھے لگائے جس کے دکھ) پہنچانے والی حرکت (کو)۔ سمجھ لو (اور) اچھی طرح یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (بے پرواہ) ہے۔ انکے ان صدقوں سے، جو اپنے صدقوں کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر خراب کرتے ہیں (اور علم والا ہے) قتل والا ہے، احسان جتانے والوں اور ایذا پہنچانے والوں کو عقوبت اور عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا تو۔۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْلُغُوا أَصْدَقَتَكُمْ بِالسَّنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُتَّبَعُ

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان رکھ کر اور دکھ سے کر، جیسے وہ جو طریق کرے اپنے مال کو

مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ

لوگوں کے دکھاوے کو اور نہ مانے اللہ کو اور پچھلے دن کو، تو اس کی مثال ہے اس چکنے پتھر کی

عَلَيْهِ تَرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَكَرَّكَ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا

جس پر مٹی ہے، پھر پڑے اس پر زردار مینہ، تو چھوڑ دے اس کو صاف پتھر، نہ متصرف ہوں گے کسی چیز پر جو کمایا انھوں نے،

وَاللَّهُ لَيَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۲۰﴾

اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا کافر قوم کو •

(اے ایمان والو نہ ضائع کر دو) اور نہ باطل کر دو (اپنے صدقات) کے اجر و ثواب (کو)

لینے والے محتاج پر (احسان رکھ کر، اور) اسے (دکھ دے کر) جسمانی --- یا --- ذہنی طور پر تکلیف

پہنچا کر، زبان سے اسے بھک منگا کہہ کر، ترش روی کے ساتھ اس سے پیش آکر، تیوری بھنوں چڑھا

کر۔ ذہن نشین رہے کہ اگر فقیر نہ ہو تو امیر صفت جو دو کرم کا مظہر نہ ہو سکے۔ یاد رکھو کہ مال اللہ کی ملک

ہے، اللہ ہی اسکا مالک حقیقی ہے۔

امیر آدمی کی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ وہ اس مال کا حامل اور بار بردار ہے اور

احسان مالک مال کا ہے، تو پھر جو جمال اور مال بردار کی طرح ہو اور خدا کی دی ہوئی دولت کو

اسی کی عطا فرمودہ توفیق سے اسی کے بندوں تک پہنچانے کا محض ایک ذریعہ ہو، کم از کم اسکو

تو اپنے کو محسن سمجھنے کی غلطی نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں اگر نعمت پانے والا از خود بطینیب خاطر اس

ذریعہ کا شکر گزار ہو اور نعمت اس تک پہنچانے کی وجہ سے اسکا احسان مند ہو، تو اس کو اسکی اعلیٰ

نفسی اور سعادت مندی پر محمول کیا جائے گا۔۔۔ المختصر۔۔۔ صدقہ دینے والا وہ صرف خیر کا

مظہر واقع ہوا ہے، تو اسے چاہئے کہ نعمت کے شکرانے میں خود احسان مند رہے، نہ یہ کہ

دوسرے پر اپنا احسان رکھے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذا دے کر ضائع نہ

کرو اور ان کے اجر و ثواب سے محروم نہ ہو جاؤ اور ویسے نہ بنو (جیسے وہ) منافق (جو خرچ کرے اپنے

مال کو) لیکن اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کیلئے نہیں، بلکہ (لوگوں کے دکھاوے کو) لوگ دیکھیں اور اسکی

سختاوت کی تعریف کریں (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (نہ مانے اللہ) تعالیٰ (کو) تو پھر جو خدا ہی کو نہ

مانے، تو وہ خدا کی رضا و خوشنودی کا تصور کیسے کر سکتا ہے؟

(اور) یونہی نہ مانے (چھپلے دن) یعنی روز حساب و کتاب، قیامت (کو) اور ظاہر ہے کہ جب حساب و کتاب اور جزاء و سزا والے دن پر ایمان ہی نہیں تو وہ وہاں کے کسی اجر و ثواب کا کیا خیال کر سکتا ہے۔ (تو اسکی) اور اسکے نفقہ کی (مثال ہے اس چکنے پتھری جس پر مٹی ہے) تو چکنا پتھر ہوا منافق اور مٹی ہوئی اس کے وہ صدقات جو صرف لوگوں کو دکھانے کیلئے دئے گئے (پھر پڑے اس پر زور دارینہ) بڑی بڑی بوندوں والی تیز بارش (تو) وہ بارش مٹی کو بالکل بہا لے جائے اور (چھوڑ دے اس کو صاف پتھر) ایسا کہ اس پر مٹی کا اثر بھی نظر نہ آئے۔

--- الغرض --- جب حساب رہائی کے امر سے عدل کا بندہ برے گا تو ان صدقوں کا اثر بالکل

دھوا جائیگا اور زیادہ کار صدقہ دینے والا، پتھر کی طرح صاف اور بے حاصل ہو جائیگا۔ اور ریا کاروں کے

سب کاموں کا یہی حال ہے۔

اس مقام پر دو صورتیں قابل غور ہیں، ایک ہے ریا کاری کے طور پر کوئی عمل کرنا۔۔۔ اور۔۔۔ دوسری ہے نیک عمل کر لینے کے بعد احسان جتنا اور تکلیف پہنچانا۔ پہلی صورت میں عمل کرنے والا سرے ہی سے کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا۔ تو اس کا پتھر عمل کرنے سے پہلے جیسے بے مایہ تھا، اسی طرح عمل کر لینے کے بعد بھی تہی دامن رہتا ہے اور دوسری صورت میں عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے نیک اعمال کا اجر و ثواب پاتا ہے۔ مگر پھر احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کی وجہ سے عدل خداوندی اسکے اجر و ثواب کو مناد دیتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں بندوں کو روکا کہ ایسے برے اعمال کا ارتکاب کر کے اپنے نیک عمل کو باطل نہ کرو۔ رب کریم نے جگہ جگہ پر نیک اعمال پر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، مگر بندہ اس اجر و موعود کے پانے کا مستحق اسی وقت قرار دیا جاتا ہے جبکہ وہ محض عبادت اور اطاعت کے طور پر اعمال انجام دے اور اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہے۔

اب اگر کسی کیلئے کسی نیک عمل پر براہینتہ کرنے والا اسی اجر کا حصول ہو، رب کریم نے اپنے مخلص بندوں کیلئے جبکہ وعدہ فرمایا ہے، تو اسکے لئے بھی اپنے عمل کو ریا کاری سے بچانا ہوگا، ایسا کہ اخلاص فی العمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، رہ گئے وہ مخلص بندے اور روح سعادت رکھنے والے نفوس قدسیہ جو کسی لالچ و تمنا میں خدا کی عبادت نہیں کرتے بلکہ صرف اس کو راضی رکھنے کیلئے عبادت کرتے ہیں، انکی شان ہی زالی ہے اور انکی بولی بھی کچھ اس طرح کی ہوتی ہے کہ الہ العالمین! میں نے تیری جنت کی لالچ میں۔۔۔ یا۔۔۔

تیرے جہنم کے خوف سے تیری عبادت نہیں کی ہے، بلکہ میں نے صرف تجھی کو عبادت کے لائق پایا، اسی لئے تیری ہی عبادت کی۔

--- الغرض --- ایسے ریاکار جو صرف ریاء کے طور پر خرچ کرتے ہیں (نہ متصرف ہونگے کسی چیز پر جو کمایا انھوں نے) یعنی جو چیز صدقہ دی ہو دکھانے کو --- الغرض --- وہ نہیں قدرت پائیگے اس بات کی کہ وہ اپنے ریاکارانہ اعمال سے کوئی فائدہ اٹھاسکیں (اور) سمجھ رکھو کہ (اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا) یعنی ہدایت پانے کا مقصد دل ہی میں نہیں ڈالتا (کافر قوم کو) یعنی کافروں کو خیر و ارشاد کا راستہ نہیں دکھاتا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشْيِئًا

اور ان کی مثال، جو خرچ کریں اپنا مال اللہ کی مرضی چاہنے کو اور اپنے کو ثابت قدم رکھنے کو،

مِنَ الْقَوْمِ كَمَثَلِ جَذَّةٍ ابْرَأَتْ أَبْصَارَهَا وَإِبِلٍ فَاثَتْ أَكْهَابَ ضَعْفَيْنِ

ایسی ہے جیسے، باغ ہونیلے پر، جس پر بڑی زور کی بارش تو باغ دو نے پھل لایا۔

فَإِنَّ لَهُمْ يَصِيبُهَا وَإِبِلٌ فَطَلَّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۰﴾

پھر اگر اس پر بارش نہ ہوئی تو شبنم ہے۔ اور اللہ جو کچھ کرتے ہو دکھ رہا ہے۔

اس سے پہلے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں انکے صدقات کی مثال ان دانوں کی طرح ہے جنھوں نے سات سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر ہر خوشے میں سو سو دانے ہیں۔

(اور) اب فرمایا جا رہا ہے (ان) لوگوں (کی مثال جو خرچ کریں اپنا مال، اللہ تعالیٰ کی

مرضی چاہنے کو اور) اسلام پر اپنا دل مضبوط رکھنے کیلئے اور (اپنے کو ثابت قدم رکھنے کو)۔

--- الغرض --- جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اسلام پر اپنے دل کو مضبوط رکھنے کیلئے خرچ

کرتا ہے، اپنے کو احکام شریعت پر عمل کرنے کا عادی بناتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو ایسی

نیوتوں اور ایسے کاموں سے محفوظ رکھتا ہے، جن سے وہ نیک اعمال فاسد ہو جائیں اور اپنے

دل کو ثابت قدم رکھنے کیلئے ذکر الہی کرتا رہتا ہے۔ اور جس پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو کہ جو

شخص اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے، اس کا دل اسلام پر اس وقت تک مضبوط نہیں ہوتا

جب تک اس کا خرچ کرنا محض اللہ کی رضا جوئی کیلئے نہ ہو۔

تو ایسے پیکران اخلاص کے اعمال خیر و خیرات کی مثال (ایسی ہی جیسے باغ ہو) مناسب اونچائی رکھنے والے (ٹیلے پر) جو سردی کے نقصان سے محفوظ ہو اور لطافت کی وجہ سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے نقصان نہ پہنچاسکیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ نہ وہ بہت نیچے کی زمین میں ہو کہ سردی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے تباہ کر دیں اور نہ ہی اتنے بلند و بالا پہاڑ پر ہو، کہ وہاں کی سرد اور تیز ہواؤں کی شدت کو برداشت نہ کر سکیں، بلکہ وہ درمیانی جگہ ہو، نہ بہت اونچی، نہ بہت نیچی (جس پر پڑی زور کی بارش تو باغ) اپنے مالک اور صاحب باغ کیلئے (دو نے پھل لایا)۔

ایک سال میں اتنا پھل دیا جتنا اور زمینیں دو برس میں دیں (پھر اگر اس پر) زور دار (بارش نہ ہوئی تو) اس پر معمولی بارش بلکہ (شبنم) کافی (ہے)۔ چونکہ وہ زمین اچھی ہے، اسکی ہوا خوشگوار ہے، ایسے میں بیج اچھا اثر کرتا ہے۔۔۔ الخضر۔۔۔ مخلصین جو کچھ خدا کی رضا کیلئے صدقہ دیتے ہیں، وہ اچھے بدلے سے خالی نہیں، وہ صدقہ خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔

اس مقام پر یہ لطیف نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ جس نے اللہ کے راہ جہاد میں خرچ کیا،

اسکی مثال دانوں سے دی ہے اور جس نے اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر اپنا دل مضبوط رکھنے

کیلئے خرچ کیا ہے، اسکی مثال باغ سے دی ہے۔ جس طرح باغ میں درختوں کی جڑیں زمین

میں پیوست اور مضبوط ہوتی ہیں، اسی طرح اس خرچ کرنے والے کے سینے میں اسلام کی

جڑیں پیوست اور مضبوط ہیں۔ اسکے برخلاف غلے کے دانے کھیتوں سے حاصل ہوتے ہیں

اور کھیت کی جڑیں زمین میں مضبوط نہیں ہوتیں۔

۔۔۔ نیز۔۔۔ کھیت میں پانی لگانے کی ہر کھیتی کے وقت ضرورت ہوتی ہے، اور باغ پانی

لگانے سے مستغنی ہوتا ہے۔ سو اسی طرح جہاد کیلئے ہر مرتبہ جہاد کے وقت مال خرچ کرنے کی

ضرورت ہے اور جو اللہ کی رضا جوئی کیلئے خرچ کرتا ہے، اس کیلئے کسی وقت اور موقع کی قید

نہیں۔ وہ ہر وقت اللہ کی رضا جوئی کیلئے خرچ کر سکتا ہے۔

(اور) جان رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ تم (جو کچھ کرتے ہو) اسے (دیکھ رہا ہے) نہ کسی کا اخلاص

اس سے چھپا ہے اور نہ ہی کسی کی ریا کاری۔

اب آگے ریا کاروں کے صدقہ کی دوسری مثال پیش کی جا رہی ہے۔۔۔

أَيُّدُ أَحَدِكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

کیا تمہارا کوئی چاہے گا کہ اسکے ایک باغ ہو کھجور اور انگوروں کا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں،

الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَةٌ ضِعْفًا

اسکے لیے اس میں ہر طرح کے پھل ہیں، اور اس کو پہنچا بڑھا پا، اور بچے ہیں کمزور،

فَأَصَابَهَا عَصَا فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

پھر پہنچا اس باغ کو گبولا جس میں آگ ہے، تو باغ جل گیا۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ

لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۵﴾

تم کو آیتیں کہ اب غور و فکر کرو •

(کیا تمہارا کوئی چاہے گا) ظاہر ہے کہ نہیں چاہے گا (کہ اسکے ایک باغ ہو کھجور اور انگوروں

کا) جس کو اس نے بڑی محنت سے لگایا ہو اور اچھی طرح اسکی نگہداشت کرتا رہا ہو اور وہ باغ بھی ایسا

کہ (جسکے نیچے نہریں جاری ہوں) اور حالت یہ ہے کہ (اس) باغ والے (کیلئے اس) باغ (میں)

صرف کھجور و انگور ہی نہیں جنکا ذکر انکی بہتری اور کثرت کے سبب سے کر دیا گیا ہے، بلکہ (ہر طرح کے)

۔۔۔ الغرض ۔۔۔ طرح طرح کے (پھل) دینے والے درخت (ہیں اور) اب صورت حال یہ ہو گئی

کہ (اس) باغ کے مالک (کو پہنچا بڑھا پا) وہ بالکل ضعیف ہو گیا کہ اب کسی محنت کے لائق نہ رہ گیا

(اور) اس بڑھا پے میں اس کے بال (بچے) بھی (ہیں) جو چھوٹے ہیں اور بے حد (کمزور) ہیں جو

کوئی کام اور کسی طرح کی محنت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے (پھر) ایسے وقت میں (پہنچا اس باغ کو)

گرم ہواؤں کا (گبولا)، ایسی لو (جس میں آگ ہے تو) اسکی وجہ سے شاداب و سرسبز (باغ جل گیا)

اور خاکستر ہو گیا اور باغ والا حیران و غمگین رہ گیا۔

منافق اور ریاء کار کے عمل کی یہ مثال ہے کہ عدل الہی کی گرم ہوا انکے باغ اعمال کو جس

سے انھیں پھلوں کی امید ہے، جلادگی اور وہ محروم و مغموم رہ جائینگے۔

(اسی طرح) یعنی اس بیان کے مانند جو کہ بیان کیا گیا ہے جہاد کے بارے میں اور اتفاق فی

سبیل اللہ، کا مسئلہ اور حضرت عزیر عليه السلام کا قصہ وغیرہ وغیرہ۔ (بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ تمہارے

لئے (تم کو) مخاطب فرما کر توحید کی تحقیق اور دین کی تصدیق کے متعلق واضح دلائل اور اپنی روشن

(آیتیں) تا (کہ) تم ان میں (اب) تو (غور و فکر کرو) اور انکے اندر جو نصیحتیں ہیں، ان سے عبرت

حاصل کر کے ان پر عمل کرو۔

اور اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ مومن کو بہتر بدل اور بزرگی نصیب ہوگی۔ مومن کی سعی رنگ لائے گی اور مومن نے اپنے اعمال کو جلاء اور رونق بخشی، اسکے برخلاف منافق کو تباہی و بربادی نصیب ہوگی۔ منافق کی کوششیں رائگاں جائیگی اور منافق کے اعمال اکارت اور ضائع ہوں گے اور اسکے اموال گھائے اور خسارے میں پڑے اور اس کا خاتمہ برباد ہوا اور اس پر آخرت کا وبال بڑھا اور سخت ہوا۔

--- الختمہ --- مومن کا حال ایسا ہے جیسے ایک کھیتی۔ آگے پھر اسکی جز بھی مضبوط اور پھل بھی شیریں اور شائیں بھی خوش نما اور منافع بھی بے شمار۔ اسکے برعکس منافق کا حال یہ ہے جیسے کسی کی تجارت گھائے میں اور سامان چوری ہو جائے اور بڑھا پا گھیر لے۔ کوئی یار و مددگار نہ ہو جس سے حال تباہ ہو جائے اور پھر ہر طرف سے دکھ اور رنج کے سامان بہم پہنچیں۔ غور کیجئے کہ کیا یہ دونوں برابر --- یا --- کسی بات میں ایک دوسرے کے مشابہ ہو سکتے ہیں۔ سابقہ آیات کریمہ نے ظاہر فرمادیا کہ صدقہ کرنے والے کی نیت میں اخلاص ہونا چاہئے اور لوگوں کو دکھانے اور سنانے کی غرض نہیں ہونی چاہئے اور نہ ہی فقراء پر احسان جتا کر اور طعنے دیکر انھیں اذیت پہنچانی چاہئے۔ --- الختمہ --- صدقہ و خیرات کا مقصود اصلی صفا باطن اور تزکیہ نفس ہونا چاہئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا مِنْ طَهَبْتُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ

اے ایمان والو! وہ پاکیزہ مال جو کہ تم نے کمایا، اور جو کہ ہم نے نکالا تمہارے لیے زمین سے،

وَلَا تَكْتُمُوا الْحَقِّئَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِأَخِيذِهِ إِلَّا أَنْ تُغْضُوا فِئِدَ

اور بے مصرف چیز کا ارادہ نہ کرو، کہ اس سے خرچ کرو، حالانکہ ملے تو تم نہ لو گے اس کو، بلکہ اس میں آگھ دہائے۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَنِّي حَمِيدٌ ﴿۳۴﴾

اور جان رکھو کہ بے شک اللہ ہے پروردگار لائق حمد ہے •

تزکیہ و تطہیر قلب کے اس جوہر نایاب کے حصول کیلئے (اے ایمان والو!) دل کی سچائی کے ساتھ اسلام کو قبول کر لینے والو (دو) خرچ کرو خدا کی رضا کیلئے اپنا (پاکیزہ مال) جو رذی ناکارہ اور ناقابل استعمال نہ ہو، خواہ وہ مال وہ ہو (جو کہ تم نے) تمہارت اور دستکاری کے ذریعہ (کمایا اور) خواہ وہ مال وہ

ہو (جو کہ ہم نے نکالا تمہارے) فائدے کے (لئے زمین سے) غلہ اور میوہ دار درخت کی شکل میں۔
اے ایمان والو! اگر پیروی ہی کرنی ہے تو ان مخلصین مالدارانصار کی پیروی کرو جو کھجور
پکنے کے وقت جو بہت کچی کچی چینی ہوئی ہوتی تھیں، ایک دوسرے سے چھپا کر مسجد نبوی
کے کونے میں رکھ جاتے تھے تاکہ مہاجرین میں سے جو محتاج لوگ ہیں، اسے نوش
فرمائیں۔ تم دنیا سے محبت کرنے والے اس مالدار کی نقل نہ کرو جو دو سو صاع خراب کھجوریں
علائیہ لایا اور انھیں اچھی کھجوروں میں ملا دیا، تو تم ایسا نہ کرو۔

(اور بے مصرف) خراب، ردی اور ناقابل استعمال (چیز کا ارادہ نہ کرو)۔ ایسا (کہ) اس کو
اکٹھا کر کے (اس) میں (سے خرچ کرو)۔۔۔ الغرض۔۔۔ خیر و خیرات صاف ستھرے پاکیزہ مال سے
کرو، خراب اور ردی مال سے نہیں اور نہ ہی ایسے مال سے جو بذات خود حرام ہو۔۔۔ یا۔۔۔ کسی حرام چیز
کو ذریعہ بنا کر حاصل کیا گیا ہو۔ اور کیسے تم خراب مال دوسروں کو دینے پر راضی ہوتے ہو (حالانکہ)
جب صورت حال یہ ہے کہ اگر بالفرض اس طرح کا خراب مال کسی دینے والے کے ہاتھ سے تمہارے
حقوق کی ادائیگی میں خود تمہیں (ملے تو تم نہ لوگے) اور نہ قبول کرو گے (اس) مال (کو) آنکھ کھول کر
ہوش و حواس کی صحت و سلامتی کی صورت میں۔ اب ایسے مال کو قبول کر لینے کی تمہارے پاس یہی
نا پسندیدہ صورت رہ جاتی ہے کہ تم سستی اور سہولت سے کام لو اور صاف ستھرے مال سے صرف نظر کر لو
اور خرابی و برائی دیکھنے سے آنکھیں بند کر لو۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ (بغیر اس میں آنکھ دبائے) اصل صورت حال سے صرف نظر کئے اور جان
بوجھ کر انجان بنے، تو خود ایسا مال قبول کر لینے پر راضی نہیں ہو سکتے۔ تو تم یقین کر لو (اور جان رکھو کہ
بیشک اللہ تعالیٰ (بے پرواہ) ہے اس شخص سے جو برا مال صدقہ دیتا ہے اور وہ بذات خود (لا لاق حمد
ہے)۔۔۔ نیز۔۔۔ تعریف کرنے والا ہے۔ اس شخص کی جو پاکیزہ مال میں سے صدقہ دیتے ہیں۔

الشَّيْطٰنُ يَعِدُّكُمْ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۗ وَاللّٰهُ يَعِدُّكُمْ

شیطان دھمکی دیتا رہتا ہے تم کو محتاج ہو جانے کی اور حکم دیتا رہتا ہے تم کو بے شرم ہو جانے کا اور اللہ وعدہ فرماتا ہے

مَغْفِرَةً لِّكُمْ مِنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

اپنی طرف سے بخشش و فضیلت کا۔ اور اللہ وسعت والا دانہ ہے۔

رہ گیا (شیطان) کا معاملہ، خواہ وہ شیاطین جن سے ہو خواہ شیاطین انس سے۔۔۔ یا۔۔۔ نفس
 مارہ ہو، اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ (دھمکی دیتا رہتا ہے تم کو محتاج ہو جانے کی) اور ڈراتا رہتا ہے کہ اگر
 تم ایسے ہی خیر و خیرات میں خرچ کرتے رہو گے، تو محتاج ہو جاؤ گے (اور) شیطان صرف یہی نہیں کرتا
 بلکہ (حکم دیتا رہتا ہے تم کو بے شرم ہو جانے کا)، صدقہ دینے سے روکتا ہے اور بخل و امساک پر ابھارتا
 ہے (اور اللہ تعالیٰ (وعدہ فرماتا ہے) صدقہ دینے پر (اپنی طرف سے) آخرت میں تمہارے گناہوں
 کی (بخشش) فرمادینے کا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ دنیا میں نیک بدلہ دینے کا اور روزی میں زیادتی و
 فراوانی (وفضیلت کا)، تو تم خیر دار ہو جاؤ (اور) جان رکھو کہ (اللہ تعالیٰ (وسعت والا) اور بہت
 فضل فرمانے والا ہے صدقہ دینے والوں پر، اور بخوبی (دانا) اور جاننے والا (ہے) اس بات کا کہ
 صدقہ دینے والے فضل و مغفرت کے زیادہ مستحق ہیں۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

دے حکمت جسے چاہے۔ اور جس کو حکمت دی گئی، بے شک اس کو بڑی دولت دی گئی۔

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ

اور نصیحت نہیں مانتے مگر ہوش مند لوگ۔

جو (دے) دیتا ہے صدقہ دینے کی (حکمت) اپنے بندوں میں سے (جسے چاہے) تاکہ وہ
 جان لے کہ کیا صدقہ دینا چاہئے؟ اور کسے دینا چاہئے؟۔۔۔ نیز۔۔۔ اپنے اس باطنی شعور سے بندہ
 القاءِ رحمانی اور وسوسہ شیطانی میں امتیاز کر سکے (اور) ظاہر ہے کہ (جس کو) اس شعور عرفانی اور فراست
 ایمانی سے نوازا گیا اور (حکمت دی گئی) تو (پہلک اسکو) بہت زیادہ نیکی اور خیر کثیر۔۔۔ المرض۔۔۔
 بہت (بڑی دولت) دے (دی گئی) ہے۔

مَنْ تَعَالَى فِي مَالِهِ وَالْأَنْفُسِ فَهُوَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ

جو علم و حکمت کیلئے خیر کثیر کا اللہ استعمال فرمائے۔ اس صورت میں عالم کو چاہئے کہ وہ دنیا داروں

کی اصلاح نہ کرے اور اس کی خدمت کا ادارہ نہ بنائے، مگر اسلئے کہ عالم کو حق تعالیٰ

نے خیر کثیر سے نوازا ہے اور دنیا دار کو محتاج حیل عطا فرماتا ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ اس حقیقت کو

سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اسلئے کہ ان نصیحتوں کو در یافت نہیں کرتے۔

(اور) ان سے (نصیحت نہیں مانتے مگر ہوشمند لوگ) جو صاف اور تیز عقل والے ہوتے ہیں، جن کی عقول خالص ہیں، جو وہم اور خواہشاتِ نفسانی کی طرف جھکاؤ سے محفوظ ہیں۔

--- الختم --- اس سے باعمل علماء و حکماء ہی مراد ہیں۔ ہر ہر مکلف مراد نہیں، اگرچہ

وہ صاحب عقل ہو۔

وَمَا الْفَقَّهُ مِنْ لَفْقَةٍ أَوْ نَذْرَتُمْ مِمَّنْ نَذَّرِ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ

اور جو بھی تم نے خرچ کیا یا کوئی بھی منت مانی، تو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے۔

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۱۵﴾

اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار

اس مقام پر اے ایمان والو، یہ بھی ذہن نشین رکھو (اور) اچھی طرح سمجھ لو کہ (جو) کچھ (بھی) تم نے خرچ کیا (خواہ تھوڑا)۔۔۔ زیادہ، چھپا کر۔۔۔ یا۔۔۔ کھلے عام، فرض کے طور پر یا مستحب طریقے سے، ریا کاری کی راہ سے یا خالص نیت سے اور خدا کی راہ میں یا غیر خدا کی راہ میں (یا کوئی بھی منت مانی) اور اس طرح ایک غیر واجب کام کو اپنے اوپر واجب کر لیا، وہ نذر معین ہو یا غیر معین، طاعت میں۔۔۔ یا۔۔۔ معصیت میں، بالشرط ہو۔۔۔ یا۔۔۔ بلا شرط، مال سے متعلق ہو۔۔۔ یا۔۔۔ افعال سے، جیسے نماز، روزہ وغیرہ وغیرہ (تو بے شک اللہ) تعالیٰ (اس کو جانتا ہے، اور) فراموش نہیں فرمادیتا، تو سن لو کہ (نہیں ہے ظالموں کیلئے) جو دکھانے کو خرچ کرتے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ مال حرام سے صدقہ کرتے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ گناہ کے ساتھ نذر کرتے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ نذر تو طاعت ہی کے ساتھ کرتے ہیں، مگر اسے وفا نہیں کرتے (کوئی مددگار) جو آخرت میں انکی مدد کرے اور ان سے آخرت کے عذاب کو روک لے۔۔۔ الحاصل۔۔۔ رضائے الہی کیلئے راہِ خدا میں صدقہ نکالنا ہر حال میں بہتر ہے۔

إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعْمَتْ حَيْزٌ وَإِنْ تُخْفَوْهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ

اگر علانیہ دو صدقات، تو بھی کیا خوب، اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو دو، تو یہ

حَيْزٌ لَكُمْ وَيُكْفِرُ عَنْكُمْ مِمَّنْ سَبَّاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۶﴾

بہتر ہے تمہارے لیے۔ اور دور کر دے گا تم سے تمہارے کچھ گناہ۔ اور اللہ تمہارے کیے سے باخبر ہے۔

تو (اگر) کھلے عام ظاہر کر کے (اعلانیہ دو) اپنے (صدقات، تو) یہ عمل (بھی کیا خوب) ہے

اس واسطے کہ اوروں کو اسکے سبب سے رغبت ہوگی، بخیلوں پر الزام ہوگا اور بے گانوں کے دل اہل حق کے ساتھ آشنائی اور دوستی کرنے پر مائل ہونگے (اور اگر) خفیہ طور پر صدقہ دینے والے اپنے (اس) عمل (کو چھپاؤ اور) چھپا کر (فقیروں کو دو، تو یہ) بھی (بہتر ہے تمہارے لئے) اسلئے کہ تمہارا یہ صدقہ دکھانے اور سنانے کی آفت سے دور رہتا ہے اور فقیر بھی لینے کی ذلت اور بے عزتی سے محفوظ رہتا ہے۔

عبدالرسالت مآب میں صحابہ کرام صدقات چھپا کر دینے کے واسطے بڑا اہتمام اور مبالغہ فرماتے تھے، خواہ وہ صدقات فرض ہوں۔۔۔ یا۔۔۔ نفل۔۔۔ لیکن بعد کے بعض علماء کرام کا عقار یہ ہے کہ فرض صدقوں۔۔۔ مثلاً: زکوٰۃ وغیرہ میں ظاہر کر کے دینا اولیٰ ہے تاکہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ یہ زکوٰۃ نہیں دیتا، تو یہ اعلانیہ زکوٰۃ وغیرہ نکالنا خدا کا حکم بجالانے میں جلدی کرنے کی دلیل ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ یہ عمل زکوٰۃ ادا کرنے میں دوسرے مال داروں کو رغبت اور ان میں شوق پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ ہاں مگر نفل صدقوں میں چھپا کر دینا اولیٰ ہے، بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، چھپا کر نفل صدقہ دینا ظاہر کر کے دینے سے ستر درجہ اولیٰ اور افضل ہے۔ حدیث شریف میں اسی پوشیدہ صدقے کے بارے میں ارشاد ہے:

’پوشیدہ صدقہ رب کے غضب کو فرو کر دیتا ہے۔‘

یہ رب کریم کا کتنا بڑا کرم ہے کہ صدقے کے تعلق سے فرمایا کہ اگر اخفاء کر دے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔

(اور) وہ رب کریم (دور کر دے گا تم سے تمہارے کچھ گناہ) جو مظالم اور حقوق العباد سے نہ ہوں۔ جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ صدقہ میں اظہار۔۔۔ یا۔۔۔ اخفاء کے تعلق سے تم جو کرتے ہو، اس (تمہارے) ہر (کئے سے باخبر ہے)۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ صدقات واجبہ کافروں کو نہیں دئے جاسکتا، خواہ وہ کافر ’حرابی ہوں یا ذمی۔۔۔ لیکن۔۔۔ نفل صدقہ ذمی کافر کو دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

نہیں ہے تمہارے لئے۔ ان کی ہدایت، ہاں، اللہ ہدایت دے جسے چاہے۔ اور جو اچھی چیز خرچ کرو، تو وہ تمہارے آپ کیلئے

فَلَا لِنَفْسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوا

فائدہ مند ہے۔ اور نہیں ہے، راہ خدا میں دینا تمہارا مگر یہ کہ اللہ کی مرضی چاہئے کہ۔ اور جو اچھا مال دو

مَنْ خَيْرٌ يَوْفٍ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلَمُونَ ﴿۱۰﴾

تم کو پورا پورا دیا جائے گا، اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا •

تو اے محبوب! تمہارے دامنِ کرم سے وابستہ ہو جانے والے اور دل کی سچائی کے ساتھ اسلام قبول کر لینے والے انصار نے خلعتِ ایمان سے سرفراز ہونے اور نبوی کلامِ ہدایتِ التیام سے عقل و معرفت حاصل کر کے ممتاز ہونے کے بعد، اپنے مشرک رشتے داروں اور بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودی قرابت داروں کو جو نفقہ دینا بند کر دیا ہے۔۔۔ یا۔۔۔ نفقہ دینے میں کراہت محسوس کر رہے ہیں اور وہ بھی اسلئے تاکہ وہ ہدایت قبول کر لیں۔

تو اے محبوب! تمہیں تو بخوبی معلوم ہے کہ (نہیں ہے تمہارے ذمہ انکی ہدایت) اور انہیں

منزل مقصود تک پہنچا دینا۔ آپ کا فریضہ صرف نیک راستہ دکھانا ہے، نہ کہ منزل تک پہنچا دینا۔ تو پھر صرف انکی ہدایت کی خواہش کر لینے سے انکا ہدایت یافتہ ہونا کب ضروری ہے (ہاں اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے (ہدایت دے) اور ایمان والا بنادے (جسے چاہے)۔

تو اے محبوب! آپ اپنے چاہنے والوں کو خبر کر دیں کہ صرف کسی کی ہدایت کی خواہش کر لینے

سے اسکو ہدایت نہیں ملتی، تو پھر ہدایت ناقبول کرنے کی صورت میں بھی تم اپنے ذمی کافر رشتے داروں کو نفقہ دے سکتے ہو۔ (اور یاد رکھو (جو) بھی (اچھی چیز) مال وغیرہ تم (خرج کرو) گے (تو وہ تمہارے آپ کیلئے فائدہ مند ہے) اسکا ثواب تمہاری طرف رجوع کرنے والا ہے جس پر تو نے خرچ کیا، وہ کافر ہو، خواہ مسلمان (اور) بھلا اس خرچ کرنے کا فائدہ تم کو کیوں نہ پہنچے، اسلئے کہ (نہیں ہے راہِ خدا میں دینا) خرچ کرنا (تمہارا، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ (کی مرضی) اور اسکی خوشنودی (چاہنے کو)۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ تمہارا کام ریا کاری کے طور پر نہیں ہے، بلکہ جو کچھ کیا ہے، وہ ثواب حاصل کرنے کیلئے کیا ہے۔ (اور) جب تمہاری نیت خالص ہے، تو سن لو کہ (جو) بھی (اچھا) پاکیزہ طیب و طاهر، حلال (مال دو) گے تو (تم کو) اسکا (پورا پورا) اجر و ثواب (دیا جائیگا، اور) تمہارے مخلصانہ اعمال کے ثواب میں کچھ کم کر کے بفضلہ تعالیٰ (تم پر ظلم نہ کیا جائیگا)۔۔۔ الغرض۔۔۔ تم مظلوم نہ ہو گے۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا فِي الْأَرْضِ

یہ صدقے ان فقیروں کیلئے ہیں جو اللہ کی راہ میں مصروف کر دیے گئے، زمین میں کہیں آجائیں سکتے،

يَحْسَبُهُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعْفُفِ لَعَرَفَهُمْ سِيَاهَهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ

بے خبر خیال کرے کہ مالدار ہیں انکے سوال سے بچنے سے۔ تم پہچان لو گے انکو انکی روپ رنگت سے۔ نہیں سوال کرتے

الْحَائِئِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۰﴾

لوگوں سے گڑگڑا کر۔ اور تم جو خیرات میں دو، تو بے شک اللہ اس کا جاننے والا ہے۔

اور اچھی طرح جان لو کہ (یہ صدقے) کم و بیش ان چار سو فقراء، اہل صفہ یا قریش کے فقراء، مہاجرین، جو مختلف غزوات میں زخمی ہو کر اپنا بچ ہو گئے تھے اور مرض کی وجہ سے زندگی کے کام کاج اور سفر کرنے سے معذور ہو گئے تھے یا کفار کے حصار میں گھر جانے والوں اور نکلنے کی صورت نہ پاسکنے والوں۔۔۔ یا۔۔۔ خود کو جہاد کیلئے وقف کرنے والوں۔۔۔ مگر۔۔۔ فقر کی وجہ سے جہاد نہ کرسکنے والوں۔۔۔ یا۔۔۔ ان محتاج لوگوں، جو اپنی بلند ہمتی اور خود داری کی وجہ سے صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے تھے۔۔۔ یا۔۔۔ جو فقراء جہاد میں مشغول رہنے کی وجہ سے تجارت کرنے کیلئے زمین میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ یہ صدقے (ان فقیروں کیلئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں) جہاد و عبادت وغیرہ میں (مصروف کر دیئے گئے) ہیں۔ چنانچہ ہمیشہ لڑائی میں مشغول رہنے۔۔۔ یا۔۔۔ ہمیشہ عبادت میں مصروف رہنے کے سبب (زمین میں) تجارت کے واسطے۔۔۔ یا۔۔۔ روزی تلاش کرنے کیلئے (کہیں آجائیں سکتے) جیسے حضرت عمار ابن یاسر، حضرت بلال، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان جیسے دوسرے وہ نفوس قد سیدہ والے، مدینہ شریف میں جنکا کوئی مکان نہیں تھا جہاں وہ رات گزار سکتے۔

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ وہ مسجد نبوی کے گوشے میں شب بسر کرتے اور دن کو بارگاہ رسالت مآب میں حاضر رہتے، کسی کی طرف متوجہ و ملتفت نہ ہوتے، نہ کسی سے کچھ سوال کرتے اور نہ کسی طرح اپنی روزی ڈھونڈتے، ایسا کہ اگر کوئی انکے حال سے ناواقف (بے خبر) انہیں دیکھے تو (خیال کرے کہ) یہ لوگ (مال دار ہیں)۔ یہ یگان (انکے سوال سے بچنے) اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنے کی وجہ (سے) ہوتا ہے۔

لیکن اسے محاکمہ تمہارا حال ظاہر ہے چنانچہ جب جب یہ تمہاری بارگاہ میں حاضر ہونگے، تو (تم) بنوئی (پہچان لو گے انکو انکی روپ) اور (رنگت سے)۔۔۔ المرض۔۔۔ انکے چہرے کی زردی ضعف

جسمانی، پشت کی خمیدگی اور آنسوؤں کی کثرت، یہ وہ علامتیں اور نشانیاں ہیں، جو انکی حالت کی معرفت کرا دیتی ہیں۔ انکی شان عجیب ہے، یہ بہت ہی غیور طبیعت کے مالک ہیں، اسی لئے (نہیں سوال کرتے لوگوں سے گڑگڑا کر)، منت و عاجزی سے پیچھے ہڑ کر، خوشامد کر کے، اسلئے کہ یہ لوگ 'صفت تعفف' سے موصوف ہیں اور 'تعفف' کہتے ہی ہیں سوال نہ کرنے کو۔ انکا ترک سوال کرنا بھی شفقت و مہربانی کی وجہ سے ہے، اسلئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سوال کریں اور سامنے والا اسکو رد کر دے۔ اور پھر وہ:

مَا أَفْلَحَ مَنْ رَدَّ السَّائِلَ

نہیں فلاح پائی اس نے جس نے سائل کو رد کر دیا

-- کی وعید کا مستحق ہو جائے۔ جان لو (اور) یاد رکھو کہ (تم) اصحاب

صفہ اور دیگر مستحقین کو (جو خیرات میں دو) گے (تو بے شک اللہ) تعالیٰ (اسکا جاننے والا ہے) کہ کے دیتے ہو اور کس واسطے دیتے ہو۔۔۔ الغرض۔۔۔ تمہارا کوئی نیک عمل رب کریم ضائع نہیں فرمایگا اور اپنے فضل و کرم سے اسکا بھرپورا اجر عطا فرمایگا۔

الَّذِينَ يُبْقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ

جو لوگ خرچ کریں اپنے مال کو رات دن، پوشیدہ اور علانیہ، تو ان کے لیے ان کا اجر ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۰﴾

• ان کے رب کے پاس، اور نہ ان پر کوئی خوف اور نہ وہ رنجیدہ ہوں

آیات سابقہ میں صدقہ کرنے کی بار بار ترغیب کے بعد اب یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ صدقہ کرنے کیلئے کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ دن اور رات کے کسی بھی وقت میں، خفیہ۔۔۔ یا۔۔۔ اعلانیہ صدقہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ سیدنا علی مرتضیٰ ؑ کا ایک موقع پر اپنے پاس موجود چار درہموں کو اس طرح صدقہ کرنا کہ ایک درہم انھوں نے رات میں خرچ کیا، ایک دن میں، ایک خفیہ اور ایک اعلانیہ۔

اور جب سرکار رسالت مآب نے انکو اپنے اس عمل کی حکمت ظاہر کرنے کو ارشاد فرمایا تو انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ، کہ صدقہ دینے کا طریقہ ان چار صورتوں کے سوا اور کوئی مجھے نظر نہ آیا، تو میں نے چاروں صورتوں کو لازم پکڑا، اس آرزو میں کہ انہی میں سے کم از کم ایک تو قبول ہو کر عمل رضامیں پہنچ جائے۔

--- یونہی۔۔۔ حضرت صدیق اکبر ؓ نے بھی ایک بار اپنے چالیس ہزار دینار میں سے دس ہزار چھپا کر، دس ہزار ظاہر کر کے، دس ہزار دن میں اور دس ہزار رات میں، فی سبیل اللہ خرچ کر دیا۔

--- تو۔۔۔ یہ دونوں حضرات اور ان کے سوا وہ سارے خدا کے مخلص بندے (جو لوگ خرچ کریں) راہِ حق میں مستحقین پر (اپنے مال کو رات دن پوشیدہ اور علانیہ)۔۔۔ یا۔۔۔ ان میں سے کسی وقت بھی کسی طریقے سے، (توان) سب (کیلئے انکے) صدقوں (کا اجر ہے) ہمیشہ رہنے والی جنت، اور نہ ختم ہو سکنے والی نعمت کی شکل میں (انکے رب کے پاس، اور) مزید براں (نہ ان پر) کبھی کسی کا اور کسی طرح کا حضرت رساں (کوئی خوف) ہوگا (اور نہ) ہی (وہ رنجیدہ) خاطر (ہوں) گے۔ ان کیلئے خوف و غم کا سوال ہی کیا کیونکہ وہ 'عند ربہم' کے مقامِ عنایت سے سرفراز کئے جانے والے ہیں اور منصبِ قرب الہی پر فائز المرام ہو جانے والے ہیں۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا يَقْوَمُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ

جو کھائیں سود، نہ کھڑے ہوں گے مشر میں مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ، جس کو شیطانی بنا دیتا ہے آسیب

مِنَ الْمَيْسِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ

چھو کر۔۔۔ یہ اس سبب سے کہ انہوں نے کہا کہ بیع بس سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ حلال فرمایا اللہ نے بیع کو

وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ

اور حرام فرمایا سود کو۔ تو آگیا جسکے پاس پیغام نصیحت اسکے رب کی طرف سے، پھر وہ باز آ گیا، تو اسی کا جو پہلے لے چکا۔

وَأَمْرًا إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۰﴾

اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جس نے پھر کیا تو وہ جہنم والے ہیں، اس میں مدتوں رہنے والے •

آیات سابقہ میں راہِ خدا میں صدقہ دینے کا ذکر تھا اور اب اسکی ضد یعنی سود کا ذکر فرمایا

جا رہا ہے، تاکہ ایک ضد سے دوسری ضد کی اچھی طرح معرفت ہو جائے۔

۔۔۔ صدقہ و سود کے درمیان مندرجہ ذیل فرق نمایاں ہیں:

۱)۔۔۔ صدقہ میں انسان کسی ظاہر اور دنیاوی معاوضہ کے بغیر ضرورتاً خود کو اپنے مال سے کچھ دیتا ہے اور اپنے مال کو کم کرتا ہے۔ اسکے برعکس، سود میں انسان ضرورتاً خود کو قرض دیکر ایک مدت معینہ کے بعد اس سے اصل رقم سے ایک معین زیادتی کو وصول کرتا ہے اور

اپنے مال کو بڑھاتا ہے۔

﴿۲﴾ --- صدقہ دینے والا بلا معاوضہ اپنا مال دیتا ہے، جبکہ سود کھانے والا بلا معاوضہ دوسرے کا مال لیتا ہے۔

﴿۳﴾ --- صدقہ دینے والے کے مال میں اللہ برکت دیتا ہے اور سود کھانے والے کی برکت مٹاتا ہے۔

﴿۴﴾ --- صدقہ دینے والے کی نظر صرف آخرت کی بھلائی پر ہوتی ہے اور سود لینے والے کی نظر، صرف دنیا کی ظاہری بہتری پر ہوتی ہے۔

﴿۵﴾ --- صدقہ کا باعث خدا ترسی اور ہمدردی ہے اور سود کا محرک خدا سے بے خوفی اور خود غرضی ہے۔

﴿۶﴾ --- صدقہ دینے والا مشکلات میں مبتلا لوگوں کو سہارا دیتا ہے اور سود کھانے والا مصیبت کے مارے لوگوں کی رگوں سے خون نچوڑتا ہے۔

-- سود کھانا، صدقہ دینے کی مکمل ضد ہے اور ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اس وجہ سے قرآن مجید، ایمان کے بعد کفر، نور کے بعد ظلمت، اور جنت کے بعد دوزخ کا ذکر فرماتا ہے اور یہاں پر صدقے کے بعد سود کا ذکر فرما رہا ہے۔ سود لینے کو سود کھانے سے تعبیر فرمایا ہے، اسلئے کہ جو چیز لے لی جائے، اسکی واپسی کا امکان ہوتا ہے اور جو چیز کھالی جائے، اسکی واپسی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ اس سے کسی چیز کی وصولیابی کا شدید ہونا ظاہر ہوتا ہے۔۔۔ المختصر۔۔۔ سودی کاروبار ایک لعنت ہے، جو سود خوار کو حشر میں مخلوط الحواس کر دینے والا ہے۔

تو (جو کھائیں سود) کے مال (کو) سودی معاہدے سے حاصل کردہ اس زیادتی کو جو بلا معاوضہ ہو، تو یہ سود خوار بعث و نشر کے واسطے جب اپنی قبروں سے اٹھیں گے، تو ان کے ہوش و حواس گم ہونگے، پیروں میں لرزہ ہوگا اور انکی کیفیت یہ ہوگی کہ وہ (نہ کھڑے ہونگے حشر) کے میدان (میں) مگر جیسے ہڑا ہوتا ہے وہ جس کو خطمی بنا دیتا ہے آسیب چھو کر)۔

اہل عرب کا گمان تھا کہ جب جن، آدمی کو مس کرتا ہے، تو اسکی عقل کو پریشان اور دماغ کو پراگندہ کر دیتا ہے۔ اس پر ایک جنونی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، وہ مرگی زدہ لگنے لگتا ہے۔ مذکورہ جنونی کیفیت تو ہر دیکھنے والے کیلئے جانی پہچانی ہے اور مقصود کلام صرف اسی کیفیت

کی معرفت ہے۔ یہ جنونی صورت حال کیوں پیدا ہوئی۔ اسکے تعلق سے مختلف لوگوں کا گمان کیا ہے؟ سے قطع نظر یہاں مقصود کلام صرف اسی کیفیت کی معرفت ہے جو لوگوں کے عام مشاہدے میں ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ میدان قیامت میں سود خوروں کی حالت دیوانوں جیسی ہوگی۔ یہی دیوانگی انکی پہچان ہوگی، اسی کو دیکھ کر اہل محشر سمجھ لیں گے کہ یہ سود خوار ہے۔ (یہ) دیوانگی اور مجبوط الحواسی (اس سبب سے) ہوگی کیوں (کہ انھوں نے کہا بیع، بس سود ہی کی طرح ہے)۔ اپنے اس کلام میں ان لوگوں نے سود کی حلت میں کس قدر مبالغہ سے کام لیا اور سود کی حلت کو اصل اور مشبہ بہ قرار دیا۔۔۔ نیز۔۔۔ بیع کی حلت کو سود کی حلت پر قیاس کیا، اب اگر بالفرض وہ یوں کہتے کہ سود بیع کی طرح ہے تو یہ بات بھی اگرچہ پوری طور پر صحیح نہ ہوتی، مگر اتنا تو ہوتا کہ بیع کی حلت کے اصل ہونے کا اعتراف ہو جاتا۔ یہاں تو معاملہ ہی الٹ دیا ہے اور سود کو حلت میں اصل قرار دے دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ، نہ بیع سود کی طرح ہے اور نہ ہی سود بیع کی طرح۔ دونوں ایک طرح کیسے ہو سکتے ہیں۔

(حالانکہ حلال فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے بیع کو، اور حرام فرمایا سود کو) تو خدا کا حلال فرمودہ خدا ہی کے حرام کردہ کی طرح کیسے ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی دیکھا جائے تو بیع و سود بہ چند وجوہ ایک دوسرے کی طرح نہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔ تجارت کرنے والا تا جرمنڈی سے تھوک فروشوں سے تھوک کے حساب سے سامان خریدتا ہے، وہاں سے کسی گاڑی میں سامان لا کر لاتا ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اپنا وقت، محنت، اور ذہانت کو استعمال کرتا ہے، پھر اس کو کسی کے ہاتھ کچھ زیادہ میں فروخت کر دیتا ہے۔ یہ زیادتی خود اسکی نظر میں اور اسکے خریدار کی نگاہ میں، اسکی محنت اسکی ذہانت اور اسکے وقت کا بدل قرار پاتی ہے۔ اسکے برعکس سود خور۔۔۔ مثلاً: دس ہزار روپے پر ایک ماہ بعد جو دو روپے زیادہ لے رہا ہے، اسکے لئے اسکے وقت، محنت اور ذہانت میں سے کوئی چیز خرچ نہیں ہوتی۔

﴿۲﴾۔۔۔ تاجر کیلئے تجارت میں نفع و نقصان دونوں کا امکان ہے۔ اسکے برخلاف، سود خور جو اپنے روپے پر سود وصول کر رہا ہے، اسکو نقصان کا کوئی خطرہ نہیں۔

﴿۳﴾۔۔۔ تجارت میں مال اور قیمت کے تبادلے کے بعد بیع مکمل ہو جاتی ہے، لیکن سود میں اصل رقم واپس کر دینے کے بعد بھی، اس پر سود و سود کا سلسلہ عرصہ دراز تک قائم رہتا ہے۔

ہر صاحب فہم مستقیم باسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ حرکت و عمل کی تعلیم دینے والا، رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک، ہمسایوں سے ہمدردی، فقراء اور مساکین اور دیگر ضرورت مندوں کے ساتھ شفقت، اور ایثار کی تلقین کرنے والا دین اسلام، کسی ایسے کسب کی اجازت کیسے دے سکتا ہے، جس میں انسان کی کوشش اور جدوجہد کا دخل نہ ہو۔

وہ صدقہ کرنے اور قرض حسن دینے کی ترغیب دیتا ہے اور ضرورت مندوں کے استحصال سے منع کرتا ہے اور مال کو صرف جائز اور مشروع طریقے سے لینے کی اجازت دیتا ہے، جس میں کسی پر ظلم نہ ہو۔ اسلام چند ہاتھوں میں دولت کی مرکز ہو جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں 'ربا' کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں۔۔۔ الخضر۔۔۔ 'ربا' کی حرمت میں حسب ذیل حکمتیں ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔ سود میں بغیر کسی عوض کے نفع ملتا ہے اور شریعت نے بغیر حق شرعی مال لینے کو ناجائز قرار دیا ہے اور کمزوروں اور ناداروں کے استحصال سے منع کیا ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔ سود خوری کی وجہ سے انسان بغیر کسی عمل کے پیسہ کمانے کا عادی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سود کے ذریعہ تجارت یا صنعت حرفت میں کوئی جدوجہد کے بغیر پیسہ حاصل ہو جاتا ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔ سود خوری کی وجہ سے مفلسوں اور ناداروں کے دلوں میں امراء اور سرمایہ داروں کے خلاف کینہ اور بغض پیدا ہو جاتا ہے۔

﴿۴﴾۔۔۔ سود خوری کی وجہ سے صلہ رحمی کرنے، صدقہ و خیرات کرنے اور قرض حسن دینے والے مکارم اخلاق مٹ جاتے ہیں۔ پھر انسان ضرورت مند غریب کی مدد کرنے کے بجائے اس کو سود پر قرض دینے کو ترجیح دیتا ہے۔

۔۔۔ الخضر۔۔۔ سود اور بیع دونوں ایک طرح نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام فرما دیا

ہے اور بیع کو حلال کر دیا ہے۔

(تو) اب (آگیا جسکے پاس) سود کی حرمت کے تعلق سے (پیغام، نصیحت اسکے رب کی طرف سے) اور اس پر واضح ہو گیا کہ اسکے رب کریم نے سود لینا منع فرما دیا ہے (پھر) رب کی اس ہدایت کے بعد (وہ باز آگیا) اور فوراً ہی ہمیشہ کیلئے سودی کاروبار سے کنارہ کش ہو گیا اور سود لینے سے رک گیا (تو) وہ مال (اسی کا) ہے، (جو) مال سود کی حرمت کا حکم آنے سے پہلے، وہ (لے چکا) ہے، لہذا وہ مال اس سے واپس نہیں لیا جائیگا اور صرف یہی نہیں بلکہ رب کریم اپنے کرم سے اسکے سابقہ گناہ بخش

دے گا (اور اسکا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے)۔

یعنی اسکے آنے والے زمانے کے مہمات اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگہبانی سے متعلق ہیں کہ وہ توفیق کو اسکی رفیق کرے گا، تا کہ وہ شخص اس گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور آئندہ سو خواری سے محفوظ رہے۔۔۔ نیز۔۔۔ جو شخص نصیحت پہنچنے کے بعد سو خواری چھوڑ دیا، اسکو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جزا عطا فرما یگا۔۔۔ یا۔۔۔ اپنے عدل سے جو چاہے گا، کرے گا، کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مالک اور حاکم علی الاطلاق ہے۔

(اور جس نے) سوہ کی حرمت جان لینے کے بعد اسکو حلال سمجھتے ہوئے (پھر کیا)، یعنی دوبارہ سوہ لے لیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ اپنے قول و عمل سے اسکی حرمت کا منکر ہو گیا، (تو وہ جہنم والے ہیں) اور (اس میں مدتوں رہنے والے) ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کی حرمت کا انکار کفر ہے اور کافر کیلئے دائمی جہنم ہے۔

اب اگر کوئی سوہ کی حرمت کا انکار نہ کرے، پھر بھی سوہ لے، تو یہ بھی اگر چہ دائمی عذاب جہنم کا مستحق ہے، لیکن چونکہ اسکے پاس ایمان کی نیکی ہے اور رب کریم اپنے بندوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا، تو ان جیسوں کا معاملہ رب کریم کی مشیت کے حوالے ہے، وہ چاہے تو انھیں مدت دراز تک، عذاب میں مبتلا رکھے اور چاہے تو بالکل معاف فرمادے۔ عرصہ دراز تک دوزخ میں رکھنے کی تعبیر مجاز اللفظ دوام سے بھی کر دی جاتی ہے۔

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۰﴾

مٹاتا ہے اللہ سوہ کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو۔ اور اللہ نہیں پسند فرماتا کسی ناشکرے گنہگار کو •

اس مقام پر یہ اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ سوہ کے مال میں برکت نہیں رہتی اور جس مال

میں سوہ کا مال شامل ہوتا ہے، وہ مال بھی ضائع ہو جاتا ہے، کیونکہ (مٹاتا ہے) اور گھنٹا ہے (اللہ تعالیٰ (سوہ) کے مال (کو)۔ یعنی کتنا ہی زیادہ ہو، اسکا انجام نقصان و خسران ہی کی طرف کھینچتا ہے، اسلئے کہ سوہ کے مال سے اگر کوئی شخص صدقہ دے اور حج یا جہاد میں خرچ کرے، وہ قبول نہیں ہوتا، اس سے بڑھ کر نقصان اور کیا ہوگا؟

علاوہ ازیں، حرام ذرائع سے حاصل کردہ اسوال ظاہر بہت زیادہ نظر آتے ہیں، لیکن

مہلک بیماری، آزاری، ناگہانی آفات اور ذہنی و قلبی اضطراب و بے قراری۔۔۔ الغرض۔۔۔ گونا گوں پریشانیوں اور الجھنوں کی شکل میں اس کے مصارف بھی اس قدر نمودار ہو جاتے ہیں، کہ اس دولت سے سود خور کو جھوٹی شان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر اگر کسی کی آمدنی یومیہ ایک لاکھ روپے ہو، لیکن اسکے لازمی اخراجات ایک لاکھ سے زیادہ ہوں، تو کیا یہ اس شخص سے زیادہ بہتر اور مطمئن ہو سکتا ہے، جسکی یومیہ آمدی صرف سو روپے ہے مگر اسکا یومیہ خرچ پچاس روپے سے زیادہ نہیں۔

ایک لاکھ کمانے والے کے مال کی بے برکتی اور سو روپے کمانے والے کے مال میں برکت، وہ ان کمانے والوں کی محنت۔۔۔ یا۔۔۔ عدم محنت کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ یہ سب قادر مطلق کے قبضہ و اختیار کی بات ہے، جس نے طے فرما دیا ہے کہ وہ حرام کمائی کو اسکے نتیجہ و ثمرہ کے لحاظ سے برابر فرماتا رہے گا اور حلال روزی میں برکتیں عطا فرمائے گا۔

چنانچہ وہ برکت عطا فرماتا ہے (اور بڑھاتا ہے صدقات کو) صدقے کتنے ہی کم ہوں اسکا ثواب زیادہ ہی ہوگا۔ اچھی طرح سے سن لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ تعالیٰ) (نہیں پسند فرماتا) سود کو حلال ٹھہرانے والے (کسی ناشکرے) کا فر کو۔۔۔ یونہی۔۔۔ سود کھانے پر مصر رہنے والے (گنہگار کو)۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ

بے شک جو ایمان لائے اور نیک کام کئے، اور نماز قائم رکھی، اور زکوٰۃ دیا کیے، ان کے لیے ان کا اجر ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۰۰﴾

اُن کے رب کے پاس۔ اور نہ اُن پر کوئی خوف اور نہ وہ رنجیدہ ہوں

اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے وہ ہیں (بے شک جو ایمان لائے) اللہ تعالیٰ کے امر و نہی پر (اور نیک کام کئے) حکم الہی کے مطابق کام انجام دیتے رہے (اور نماز قائم رکھی)، یعنی کما حقہ دائمی طور پر اسے ادا کرتے رہے (اور) صاحب نصاب ہونے کی صورت میں سال بسال قانون کے مطابق (زکوٰۃ دیا کئے) اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں برتی، تو یہ وہ نفوس قدسیہ والے ہیں کہ (ان کیلئے) انکا اجر ہے (قیامت کے دن) (انکے رب کے پاس، اور نہ ان پر) آنے والی کسی تکلیف کا (کوئی خوف) ہے (اور نہ) ہی (وہ) اپنی محبوب شے کے فوت ہو جانے پر (رنجیدہ) خاطر (ہوں) گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۳۵۵﴾

اے ایمان والو! ڈرو اللہ کو اور چھوڑ دو جو بقایا ہے سود کا، اگر تم ایمان والے ہو •

اور اب جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام فرمادیا ہے اور وہ سود خور کو پسند نہیں فرماتا، تو ایمانی مزاج کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر اسلام قبول کرنے سے پہلے --- یا --- اسلام قبول کرنے کے بعد، مگر سود کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے قبل، کسی نے کسی سے سودی لین دین کا معاہدہ کر لیا ہے، جیسا کہ بنی عمرہ اور قبیلہ، ثقیف والوں نے بنی مغیرہ مخزومی اور دوسرے قریشیوں سے کر رکھا تھا، تو اب سود کی حرمت کا حکم نازل ہو جانے کے بعد، ان پر لازم ہے کہ جس سے انھیں اپنے معاہدے کے حساب سے سودی رقم وصول کرنی ہے، وہ اس سے صرف اپنی دی ہوئی اصل رقم ہی وصول کریں۔ اور سودی رقم کو چھوڑ دیں اور اس کو حاصل کرنے کیلئے زور و زبردستی کا مظاہرہ نہ کریں۔

--- الغرض --- (اے ایمان والو! ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچاؤ (اور چھوڑ دو جو بقایا ہے سود کا)، یعنی جس سے تم نے سودی کاروبار کیا ہے اور اسکے پاس تمہاری جو سودی رقم بچ رہی ہے اور جس پر تمہارا قبضہ نہیں ہوا، تو اب تم اس کو پورے طور پر چھوڑ دو (اگر تم) حقیقی طور پر (ایمان والے ہو)، کیونکہ حقیقی ایمان کو مستلزم ہے کہ حکم الہی پر عمل کیا جائے۔

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِمَحْرَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتِغُوا فَلَکُمْ رُءُوسٌ

پس اگر تم نے یہ نہ کیا، تو تیار ہو جاؤ لڑائی کیلئے اللہ اور اس کے رسول سے۔ اور اگر تائب ہو گئے، تو تمہارے لیے تمہاری

أَمْوَالِکُمْ لَا تُظْلَمُونَ وَلَا تَظْلَمُونَ ﴿۳۵۶﴾

اصل رقم ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ •

(پس اگر تم نے یہ نہ کیا) جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے، یعنی حرام سے بچنے کا، تو اب اگر تم عمل نہیں

کرو گے اور بقایا سود کو وصول کرو گے --- یا --- سرے سے اسکی حرمت کا انکار کرو گے --- یا ---

حرمت کا اقرار تو ہے، لیکن پھر بھی اسکا ارتکاب کرو گے (تو) ان تمام صورتوں میں (تیار ہو جاؤ لڑائی

کیلئے) ایک مخصوص قسم کی جنگ کیلئے، اتنی بڑی جنگ جسکا کسی کو اندازہ معلوم نہیں اور وہ بھی کس کی طرف

سے، (اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسول) کی طرف (سے)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب جہنم کے ذریعہ

اور اسکے رسول کی طرف سے حق کی حمایت میں لٹھنے والی تلوار و جہاد کے ذریعہ۔

(اور) پھر تم (اگر تائب ہو گئے) جیسا کہ بنی عمر اور قبیلہ ثقیف والے تائب ہو گئے اور بول پڑے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں، (تو تمہارے لئے تمہاری اصل رقم ہے)۔ تم انھیں مکمل طور پر اپنے مقرضوں سے لے لو اور (نہ) زائد مال لیکر (تم) اپنے مقرضوں پر (ظلم کرو اور نہ) ہی ایسا ہو کہ (تم ظلم کئے جاؤ) اور تم مظلوم ہو جاؤ۔۔۔ الغرض۔۔۔ انکی وجہ سے تمہارے لئے بھی کمی نہیں کی جائیگی کہ تمہیں اصل سے کم دیا جائے۔۔۔ یا۔۔۔ تمہارے مال میں خسارہ ڈالا جائے۔

یہ اسکے لئے ہے جو اپنی غلطی سے تائب ہو اور اگر وہ تائب نہیں ہوا اور مومن ہو کر اس موذی کاروبار سے باز نہیں آتا، تو اگر وہ عامی آدمی ہے تو قید کر کے اسے تغیر کیا جائے اور قید میں بند رکھا جائے، یہاں تک کہ وہ اس غلطی سے سچے دل سے توبہ کر لے اور اگر وہ عامی آدمی نہیں، بلکہ ظاہری شان و شوکت کا مالک ہے، تو اس کے ساتھ امام وقت جنگ کا اعلان کرے، رب کریم کی اس اجازت کے پیش نظر کہ سود چھوڑ کر اصل رقم قرضدار سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

وَإِنْ كَانَ ذُو عَسْرَةٍ فَمَقْرَةٌ إِلَىٰ مِيسِرَةٍ وَإِنْ قَضَاؤُا

اور اگر قرضدار تنگ دست ہے تو حق مہلت ہے آسانی سے ادا کر سکنے تک اور قرض معاف کر دو

خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۵۶﴾

تو زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر دانائی سے کام لو

(اور اگر) صورت حال یہ ہے کہ تمہارا (قرضدار تنگ دست ہے) جیسا کہ ثقیف کے ساتھ یہی پیش آ گیا تھا کہ جب انھوں نے اپنی اصل رقم کا بنو مغیرہ سے مطالبہ کیا، تو بنو مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور کہا کہ اس وقت ہمارے پاس مال نہیں ہے اور کہا جس وقت ہمارے پھل اترینگے، ہم اس وقت ادائیگی کر دیں گے۔ اب اگر ایسی صورت حال پیش آجائے (تو حق مہلت ہے آسانی سے ادا کر سکتے تک)۔ ایسی صورت میں اسکی فرخ دستی تک مہلت دینا واجب ہے (اور) اگر مہلت دینے کے بجائے (قرض معاف کر دو تو) یہ (زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر دانائی سے کام لو) اور اس حقیقت کو سمجھ لو جو کچھ حق تعالیٰ فرماتا ہے اس میں دونوں جہاں کی مصلحت اور ہمیشہ کیلئے کامیابی ہے۔ معاف کر دینا اگرچہ مستحب ہے مگر اجرام میں واجب سے زیادہ ہے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ
اور ڈرو اس دن کو کہ لوٹائے جاؤ گے جس میں اللہ کی طرف۔ پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر ایک

مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۰۰﴾

جو اس نے کمارکھا ہے اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔

اے ایمان والو! آیات ربا میں مذکور ہدایات کو معلوم کر لینے کے بعد آخر میں اس بلیغ نصیحت کو ہوش و حواس کی کمال بیداری کے ساتھ سن لو (اور ڈرو اس دن کو کہ) جس دن تم سب لوگ اللہ سے ملاقات کرو گے اور (لوٹائے جاؤ گے جس) دن (میں اللہ) تعالیٰ کی بارگاہ عظمت (کی طرف)۔ اس دن تمہارے وہ برے اعمال سامنے آئیں گے جو تم کو ہلاک کر دیں گے اور تمہیں لوگوں کے سامنے شرمندہ و رسوا کریں گے۔ وہ اعمال کی جزا کا دن ہے۔ اس دن کوئی نیک عمل ہو سکے گا اور نہ کسی برے کام پر توبہ ہو سکے گی۔ وہ ثواب، عتاب اور محاسبہ کا دن ہے۔ اس دن ہر شخص کو اس کے ہوئے کاموں میں پوری پوری جزا دی جائیگی۔ خواہ اسکے عمل نیک ہوں یا بد، خیر ہوں یا شر، اس دن ہر عمل سامنے آجائیگا اور کوئی چھوٹا یا بڑا عمل باقی نہیں بچے گا (پھر) اللہ تعالیٰ ان اعمال کی جزا دے گا۔۔۔ الغرض۔۔۔ (پورا پورا بدلہ دیا جائیگا ہر ایک) کو اسکا (جو اس نے کمارکھا ہے اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے) اور ان پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کی جائیگی۔

غور کرو اس ذات سے ظلم کیسے متصور ہو سکتا ہے جو برائی پر صرف اتنی ہی سزا دیتا ہے جتنی وہ برائی ہو اور نیکی کا دس گنا اجر بڑھا کر دیتا ہے، بلکہ کبھی ایک نیکی پر سات سو گنا، کبھی اس سے بھی زیادہ اور کبھی بے حساب اجر دیتا ہے۔ اے بدکار! وہ تجھ پر عدل کرے گا، تو اس دن کے آنے سے پہلے توبہ کر لے اور اپنے آپ کو اسکے فضل و کرم کا سزاوار کر لے اور اے نیکو کار! اس دن کے آنے سے پہلے اپنی نیکیوں کو اور بڑھا لے، وہ تجھ پر فضل کریگا۔

بعض روایات کے مطابق یہ قرآن مجید کی آخری آیت ہے، اس آیت کریمہ کے نزول کے

بعد نبی کریم ﷺ باختلاف روایات نورائیں۔۔۔ یا۔۔۔ سات دن۔۔۔ یا۔۔۔ تین گھنٹے۔۔۔ یا۔۔۔

ایکس دن۔۔۔ یا۔۔۔ کیا اس دن وہ اس عالم شہادت میں باحیات رہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُتِلْتُمْ فَمِنَ اللَّهِ وَمِنَ النَّاسِ فَمَنْ سَبَّحَ بِحَمْدِ اللَّهِ فَلَا حَسْرَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

اے ایمان والو! جب لین دین کا معاملہ کرنا ہو تو اس کو لکھ لو۔ اور لکھنے والے کو ہا ہے

بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْب كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَمَدَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ

کہ تمہارے درمیان انصاف سے لکھے، اور کاتب کتابت سے انکار نہ کرے جیسا کہ اس کو اللہ نے سکھا دیا، تو اس کو لکھنا چاہیے۔

وَلْيَسِّرِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ

اور لکھے لکھائے وہ جس پر حق ہے، اور وہ ڈرے اللہ اپنے رب کو، اور کم نہ کرے اس حق سے کچھ۔ پس اگر

كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُبَيِّنَ هُوَ

جس پر حق ہے، وہ بے وقوف یا کمزور ہو یا لکھنا نہ سکتا ہو،

فَلْيَسِّرْ لَهُ بِالْعَدْلِ وَأَسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا

تو اس کا ولی لکھا دے انصاف سے۔ اور گواہی کرا لو دو گواہوں کی اپنے مردوں سے۔ پھر اگر

رَجُلَيْنِ فَجَزَلٌ وَأَمْرَئِن مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا

دو مرد نہ ہوں، تو ایک مرد اور دو عورتیں جو مرضی مطابق ہوں گواہوں سے، ان عورتوں میں ایک بھول جائے تو یاد

فَتَذَكَّرْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ط وَلَا يَأْب الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْمَأُ أَنْ تَكْتُبُوهُ

دلادے ایک دوسری کو۔ اور نہ انکار کریں گواہ لوگ جب بلائے جائیں۔ اور سستی نہ کرو، چھوٹا معاملہ ہو

صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا

یا بڑا، اس کی میعاد تک لکھنے میں یہ اللہ کے نزدیک بڑا انصاف اور گواہی کیلئے زیادہ مضبوط، اور تمہارے شک میں نہ پڑنے کیلئے

إِلَّا أَنْ تَكُونُوا تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

زیادہ قریب ہے، مگر یہ کہ دکانداری نقد ہو کہ باہم ہاتھوں ہاتھ پھراتے ہو تو تم پر کوئی الزام نہیں

أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ

اس کے نہ لکھنے کا۔ اور گواہ کر لیا کرو جب خرید و فروخت کرو۔ اور نہ نقصان پہنچے پہنچانے کا تیب، اور نہ گواہ۔ اور اگر یہ

تَفَعَّلُوا فَإِنَّهُ فَسُوقٌ بِكُمْ وَالْتَقُوا اللَّهَ وَيَعْلَمُ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۷۰﴾

کیا، تو بے شک یہ تمہاری نافرمانی ہے، اور اللہ کو ڈرو، اور سکھاتا ہے تم کو اللہ، اور اللہ ہر ایک کو جاننے والا ہے

اس سے پہلی آیتوں میں صدقہ دینے اور سود نہ لینے کا حکم دیا تھا اور ان آیتوں میں کاروبار

اور تجارت میں لین دین کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ صدقہ دینا اور سود نہ لینا، مال میں کمی

کا سبب ہے اور تجارت مال میں افزائش کا سبب ہے۔ اس سے پہلے رکوع میں سود کا ذکر تھا

اور اس رکوع میں کاروبار میں ادھار کے تحفظات کا ذکر ہے۔ سود قرض کی ناجائز صورت

ہے اور کاروبار میں بلا سود قرض، قرض کی جائز صورت ہے۔

صدقہ اور قرض میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور تعاون ہے اور سود میں سنگدلی ہے اور سرکشی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر کے مال میں اضافہ کرنے کے ناجائز طریقہ سے روکا اور تجارت کو حلال کر کے مال میں اضافہ کرنے کے جائز طریقے کی طرف رہنمائی کی۔ اور شرعی عقود میں جس عقد کا بدل قرض ہو، اسکے تحفظات اور معاملات میں صفائی کیلئے یہ ہدایات فرمائی کہ۔۔۔

(اے ایمان والو! جب لین دین کا معاملہ کرو قرض کی صورت میں) کسی (مدت مقررہ تک)

کیلئے جس میں مہینہ۔۔۔ یا۔۔۔ برس نامزد کر دیا گیا ہو (تو اس) سے متعلق ضروری تفصیلات یعنی معاملہ کے وصف، معاملہ کرنے والوں کے نام، مبلغ حق اور مقدار مدت، ان ساری باتوں (کو) دستاویز میں (لکھ لو اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارے درمیان انصاف سے لکھے) اور درستی و سچائی کا طرز عمل اپنائے۔ لکھنے میں مدت اور مال میں کمی زیادتی نہ کرے (اور) کوئی بھی (کاتب) جسے کتابت کیلئے طلب کیا جائے وہ (کتابت سے انکار نہ کرے)۔ فراغت و فرصت ہونے کی صورت میں یہ کتابت بعض کے نزدیک فرض عین ہے۔ ایک قول پر پہلے فرض عین تھا، پھر وَلَا يَضْرِبُ كَاتِبًا سے منسوخ کر دیا گیا۔

ایک دوسرے قول پر یہ فرض کفایہ ہے اور بعضوں کے نزدیک مستحب ہے، یعنی جب اس سے لکھنے کیلئے کہا جائے، تو اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ وہ انکار نہ کرے اور مہربانی کا مظاہرہ کرے (جیسا کہ) اس پر مہربانی فرماتے ہوئے (اس کو اللہ) تعالیٰ (نے) لکھنا (سکھا دیا) ہے (تو اسکو) بھی (لکھنا چاہئے) اور لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔

(اور) یہ بھی خیال رہے کہ از خود (لکھے) یا کسی سے (لکھائے) یہ کام (وہ) کرے (جس پر حق ہے)، یعنی جس نے قرضہ لیا ہے کیونکہ وہی مشہود علیہ ہے۔ پس ضروری ہے کہ تحریر میں اس کا اقرار تحریر کرے (اور) چاہئے کہ (وہ) لکھنے والا۔۔۔ یا۔۔۔ لکھانے والا (ڈرے) (اللہ) تعالیٰ (اپنے رب کو اور کم نہ کرے) اقرار کے وقت (اس حق سے) جو اس پر ہے (کچھ) بھی۔

چونکہ اس میں منہن غلۃ کے ارتکاب کے اسباب پائے جاتے ہیں، اسلئے کہ انسان فطری طور پر چاہتا ہے کہ ضرر و نقصان سے بچے اور جو اسکے ذمہ ہے یا تو سرے سے نہ ہو یا ہو تو بالکل کم۔ اسلئے مذکورہ ارشاد میں لکھانے والے پر سخت پابندی کی گئی ہے اور ایک طرف اسے اللہ تعالیٰ

سے ڈرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری طرف بَحْسُ یعنی کمی کرنے سے روکا گیا ہے۔

(پس اگر) وہ (جس پر حق ہے وہ بے وقوف) ناقص العقل، فضول خرچ اور حد سے زیادہ خرچ کرنے والا ہو (یا کمزور ہو)۔۔۔ مثلاً: لڑکا ہو۔۔۔ یا۔۔۔ بوڑھا بے کار ہو (یا لکھ لکھناہ نہ سکتا ہو) یعنی خود بخود لکھانے سے عاجز ہو، مثلاً: گونا گوا ہو۔۔۔ یا۔۔۔ دستاویز نویسی سے ناواقف و جاہل ہو۔۔۔ یا۔۔۔ اسی طرح کے دوسرے عوارض ہوں (تو) چاہئے کہ (اس کا ولی) جو اس کے جملہ امور کا منتظم ہو۔۔۔ یا۔۔۔ اسکے قائم مقام ہو مثلاً: با اختیار متولی۔۔۔ یا۔۔۔ وکیل۔۔۔ یا۔۔۔ مترجم وغیرہ وغیرہ، اس کی طرف سے (لکھا دے انصاف سے) جس میں نہ کمی ہونے زیادتی۔

(اور) ان سے دو گواہ طلب کرو تا کہ وہ صحیح صحیح باتیں بتا سکیں جو تمہارے درمیان لین دین کا معاملہ طے ہوا۔۔۔ المختصر۔۔۔ (گواہی کرا لو دو گواہوں کی) تم (اپنے مردوں سے) جو دیندار، آزاد، بالغ اور مسلمان ہوں، اسلئے کہ یہ کلام الہی معاملات سے متعلق ہے۔ (پھر اگر دو مرد) گواہ (نہ ہوں) یعنی بروقت کسی وجہ سے دو مرد گواہی کیلئے نہ مل سکیں (تو) چونکہ یہ معاملہ حدود و قصاص سے متعلق نہیں ہے، اسلئے (ایک مرد اور دو عورتیں جو) تمہاری پسند اور (مرضی) کے (مطابق ہوں گواہوں سے) یعنی جنہیں تم گواہ بنانا چاہتے ہو۔ ظاہر ہے کہ ان میں بعض ایسے ہونگے جنہیں تم گواہی کیلئے پسند کرو گے، اسلئے کہ ان کی اہلیت اور ان پر تمہارا اعتماد صرف تمہیں کو معلوم ہے۔

اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے معاملہ کو لکھنے اور اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم استجابی ہے جس میں ہمارے لئے بہتری اور خیر خواہی ہے اور یہ دین و دنیا میں احتیاط کیلئے ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں۔ اب رہ گئی یہ بات کہ عورتوں کی گواہی میں تعدد کی علت کیا ہے؟ تو یہ اسلئے کہ عام طور پر عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں اور عموماً وہ بھول کا شکار ہو جاتی ہیں۔

تو احتیاطاً ان کے ساتھ دوسری عورت کو شامل کر دینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بالفرض (ان عورتوں میں) سے (ایک بھول جائے، تو یاد دلا دے) ان میں سے (ایک) یاد رکھنے والی (دوسری) بھول جانے والی خاتون (کو)۔

اس مضمون کے بعد اب گواہوں کو گواہی دینے پر ترغیب دی جا رہی ہے۔

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ارشاد ہے جسے سنو (اور) یاد رکھو کہ (نہ انکار کریں گواہ لوگ، جب) گواہی

کے ادا کرنے۔۔۔ یا۔۔۔ گواہ بننے کیلئے وہ (بلائے جائیں)۔

۔۔۔ الخضر۔۔۔ جب مدعی شاہد کو بلائے تو شہادت کو چھپانا جائز نہیں بلکہ شہادت ادا کرنا فرض ہے۔۔۔ ہاں۔۔۔ تحمل شہادت کرنا مستحب ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ ادائے شہادت اور ہے اور تحمل شہادت اور ہے۔

تو اے شاہدو! جب تمہیں گواہی کیلئے طلب کیا جائے، تو تم انکار نہ کرو۔۔۔ الخضر۔۔۔ اس طرح کے معاملات قلمبند کر لیا کرو (اور) کسی طرح کی (سستی) کا مظاہرہ (نہ کرو)۔۔۔ نیز۔۔۔ کسی طرح کا ملال ظاہر نہ کرو۔ اگرچہ قرض کے معاملات بکثرت ہوں، (چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا) قلیل ہو۔۔۔ یا۔۔۔ کثیر۔۔۔ مجمل ہو یا مفصل، یعنی مقروض کے جو کچھ ذمہ ہے اسے اقرار کے مطابق (اسکی) مقرر کردہ (میعاد تک لکھنے میں)۔۔۔ الحاصل۔۔۔ اس طرح کے معاملات کو لکھ کر محفوظ کر لینے ہی میں بہتری ہے۔ اے ایمان والو! (یہ) تمہارا مقرر کردہ میعاد کو لکھ لینا (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) یعنی اسکے حکم میں زیادہ اچھا، موزوں اور (بڑا انصاف) ہے اور (گواہی) دینے اور اسے قائم رکھنے (کیلئے زیادہ) ثابت، معین و مددگار (مضبوط اور تمہارے شک میں نہ پڑنے کیلئے زیادہ قریب ہے)۔

۔۔۔ الخضر۔۔۔ تمہارے شک کو دور کرنے کیلئے، یہی طریقہ قریب تر ہے کہ اس میں یقین ہوگا کہ قرضہ کون سی شے ہے؟ اور اس کی کتنی مقدار ہے؟ اور اسکی میعاد کیا ہے؟ اور اسکے کون کون گواہ ہیں؟ وغیرہ، وغیرہ۔

ہاں (مگر یہ کہ دکان داری نقد ہو کہ باہم ہاتھوں ہاتھ پھراتے ہو) یعنی وہ تجارت جو تمہارے درمیان چلتی رہتی ہے، دونوں بدل حاضر و موجود ہوتے ہیں اور لین دین دست بدست ہوتی ہے (تو تم پر کوئی الزام نہیں اس کے نہ لکھنے کا) چونکہ یہ نقدی سودا ہے۔ تو اس میں نہ جھگڑے کا خطرہ ہے اور نہ ہی بھولنے کا۔ (اور) خیال رکھو کہ (گواہ کر لیا کرو جب) جب (خرید و فروخت) کیا (کرو) بیع کا لین دین ہو۔۔۔ یا۔۔۔ کسی قسم کا لین دین ہو، گواہ بنانا احتیاطاً ہے (اور) یہاں اس بات کا بھی لحاظ رہے کہ (نہ نقصان پہنچے پہنچائے کا تب اور نہ گواہ)، یعنی نہ تو کا تب یا گواہ کسی کو نقصان پہنچائے اور نہ ہی کا تب و گواہ کو کوئی تکلیف دے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ جب کا تب کو لکھنے کو طلب کیا جائے، تو وہ آئے اور کام بنا دے۔ اور جانے والے کو نہ لکھ دینے سے ضرر نہ پہنچائے اور کتابت مقصودہ کو لکھنے سے باز نہ رہے۔۔۔

یونہی۔۔۔ گواہ شہادت معلومہ کے ادا کرنے سے نہ رکے۔۔۔ یونہی۔۔۔ اگر کاتب و گواہ کسی کام میں مشغول و مصروف ہوں اور دوسرا کاتب و گواہ بہ آسانی مل جاتا ہو، تو پھر خواہ مخواہ کیلئے پہلے والے کاتب و گواہ کا وقت ضائع کر کے انھیں دکھ نہ پہنچائے۔

(اور اگر یہ کیا) یعنی جس کام سے روکا گیا، اسی کا ارتکاب کر بیٹھے، (تو بیشک) تمہارا (یہ) عمل (تمہاری) کھلی (نافرمانی ہے) اور اطاعت الہی سے باہر ہونا اور فاسقوں میں شامل ہونا ہے، لہذا ایسا نہ کرو (اور اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) اور اس کے اوامر و نواہی کی مخالفت سے بچو، جس میں سے ایک یہ نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا بھی ہے۔ باخبر کرتا ہے (اور سکھاتا ہے تم کو اللہ) تعالیٰ اپنے احکام کو جن میں بے شمار حکمتیں ہیں (اور اللہ) تعالیٰ (ہر ایک) شے (کو جاننے والا ہے)۔ تمہارے احوال اس سے مخفی نہیں اور تمہیں ان کی جزا دے گا۔

۔۔۔ الحاصل۔۔۔ حقوق العباد کی رعایت واجب ہے۔ امور دینی ہوں یا دنیوی، اموال پر احتیاط لازم ہے۔ جو شخص حق کیلئے سعی کرتا ہے، وہ نجات پا گیا ورنہ گمراہی کے گڑھے میں پھنسا۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم

اور اگر تم مسافر ہو اور کسی کاتب کو نہیں پایا، تو رہن باقبضہ ہو پھر اگر امین بنا یا تم میں سے بعض نے

بَعْضًا قَلِيلًا الَّذِي أَوْثِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ

بعض کو، تو ادا کرے جو امین بنا یا گیا اس کی امانت کو، اور ڈرے اللہ اپنے رب سے۔ اور نہ چھپاؤ گواہی کو۔

وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ إِتَمَّ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ

اور جو اس کو چھپائے تو اس کا دل گنہگار ہے۔ اور اللہ تمہارے کئے کو جاننے والا ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جس طرح کاتب و شاہد اعتبار و اعتماد کے ذرائع میں سے ہیں۔۔۔ یونہی۔۔۔ اعتبار و اعتماد کی ایک صورت اور بھی ہے۔

(اور) وہ یہ کہ (اگر تم مسافر) یا عازم سفر (ہو)، سفر کی طرف متوجہ ہو اور تمہیں دین پرستی کوئی معاملہ کرنا ہو (اور) صورت حال یہ ہو کہ تم نے (کسی) دستاویز نوٹس (کاتب کو نہیں پایا) یا فوری طور پر کاغذ، قلم اور دو دوات میسر نہیں کہ کتابت کرائی جاسکے، (تو) پھر ایسے (رہن) جو (باقبضہ ہو) کی بنا پر دین کا معاملہ کرو (پھر اگر امین بنا یا تم میں سے بعض نے بعض کو) اور اس پر اعتبار کیا اور اسکے تعلق سے

سے نیک گمان کیا (تو) چاہئے کہ وہ (ادا کرے جو امین بنایا گیا) اور جس پر اعتبار و اعتماد کیا گیا (اس) امین بنانے والے (کی امانت کو)۔

--- الخضر --- اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کسی شخص سے کوئی چیز ادھا خریدنی ہے اور 'بائع' کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے تمہیں دوران سفر کا تب یا گواہ دستیاب نہ ہوں، تو پھر ایسی صورت میں 'بائع' کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے، اپنی کوئی چیز اسکے پاس رہن رکھ دو، جس پر 'بائع' صرف قبضہ کرے گا، وہ اس میں تصرف کرنے اور اس سے استفادہ کرنے کا مجاز اور مختار نہیں ہے۔ اس مقام پر رہن رکھنے کیلئے سفر میں ہونے کی قید اتفاقی ہے، اسلئے کہ احکام القرآن للخصاص کی تصریح کے مطابق تمام شہروں کے فقہاء اور عامۃ السلف کے نزدیک شہر میں بھی کسی چیز کا گروی رکھنا جائز ہے۔۔۔ الحاصل۔۔۔ امین پر لازم ہے کہ اس پر جو اعتماد کیا گیا ہے، اسکا پاس و لحاظ رکھے اور امانت کو ادا کر دینے میں کسی خیانت کا مظاہرہ نہ کرے۔

(اور) ایسا کرنے سے (ڈرے اللہ) تعالیٰ (اپنے رب) معبود (سے)۔ یہ امر جو بکلیت ہے اور اس پر اجماع ہے کہ قرضوں کا ادا کرنا واجب ہے۔ حاکم کو چاہئے کہ وہ مقرض کو قرض ادا کرنے کا حکم دے۔ اور مقرض کو قرض ادا کرنے پر مجبور کرے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے ظاہر ہو گیا کہ اعتماد کی صورت میں 'وشیقہ' لکھوانے، گواہ بنانے اور گروی رکھنے کو ترک کرنے کی رخصت ہے۔

اے گواہو! جب تمہیں حاکم کی طرف بلا یا جائے، تو تم گواہی کو صحیح طریق سے ادا کرو (اور نہ چھپاؤ گواہی کو) بایں طور کہ گواہی ادا کرنے سے اپنے کو روک لو۔ اچھی طرح یاد رکھو، اگر تمہاری گواہی نہ دینے سے صاحب حق کا حق ضائع ہو جاتا ہو، تو تمہارا یہ گواہی چھپانا حرام ہے، جس پر سخت وعید نازل فرمائی گئی ہے، تو اچھی طرح سن لو (اور) یاد رکھو کہ (جو اس کو چھپائے، تو اس کا دل گنہگار ہے) اور ظاہر ہے کہ جب دل فاسد ہو گیا تو سارا جسم فاسد ہو گیا۔

--- الغرض --- گواہی چھپانے کا تعلق فقط زبان کے گناہوں سے نہیں، بلکہ اسکا تعلق دل سے بھی ہے۔ دراصل گناہ کا اصلی تعلق تو قلب ہی سے ہے۔ دل ہی اسکا ارتکاب کرتا ہے، زبان تو صرف دل کی ترجمان ہوتی ہے۔

اس مقام پر اچھی طرح جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (تمہارے) گواہی چھپانے

---یا۔۔۔ گواہی ظاہر کرنے کے ہر عمل اور ہر ہر (کئے کو جاننے والا ہے)۔ تو اے لوگو! ہوش و حواس کی صحت و سلامتی کا مظاہرہ کرو اور اچھی طرح یقین کر لو کہ۔۔۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اگر علانیہ کر گزرو جو تمہارے دلوں میں ہے،

اَوْ مَخْفُوٰةٍ يُحٰسِبُكُمْ بِهٖ اللّٰهُ فَيَغْفِرْ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ

یاد دل میں ہی رکھ کر چھپالو، جو اب طلب کریگا تم سے اسکا اللہ۔ تو جس کو چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے۔

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

● اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے

(اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں) میں ہے (اور جو کچھ زمین میں ہے) آسمان اور زمین کی حقیقت میں امور داخلہ ہوں یا خارجہ، جو انہی سے حاصل ہونے والے ہیں، وہ ذوی العقول ہوں کہ غیر ذوی العقول سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ پیدائش و ملک و تصرف کے لحاظ سے کسی وجہ سے بھی کوئی اسکا شریک نہیں۔ لہذا اسکے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کرو (اور اگر علانیہ کر گزرو) اور ظاہر کر دو تو لازماً و فعلاً عزم بالجزم کر کے اس برائی کو (جو تمہارے دلوں میں ہے یاد دل میں ہی رکھ کر چھپالو) یعنی اسے لوگوں سے ایسا پوشیدہ کرو کہ کسی کو بھی اسکی اطلاع نہ ہو سکے اور ہر طرح سے ان سے مخفی رہے جیسے گواہی چھپانا، مشرکین سے دوستی کرنا اور دیگر منافی کا خفیہ ارتکاب۔

خیال رہے کہ ان میں وہ اعمال داخل نہیں جو وساوس انسان کے دل پر آتے ہیں۔

ایسے ہی وہ خیالی باتیں جس پر کسی قسم کا ولی ارادہ نہیں اور نہ ہی اس پر دل جمتا ہے، اسلئے کہ

تکلیف اعمال، وسعت انسان کے مطابق ہوتی ہے، اور ان وساوس وغیرہ کا دلچسپ قوت

بشریہ ہے۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ قیامت کے دن (جو اب طلب کرے گا تم سے اس) تمہارے ظاہر و پوشیدہ

ہر عمل (کا اللہ تعالیٰ)، (تو) اب اسے پورا پورا اختیار ہے کہ وہ (جس کو چاہے بخشے)، خواہ وہ گناہ

کبیرہ ہی کیوں نہ ہو (اور جسے چاہے عذاب دے)، خواہ وہ گناہ صغیرہ والے ہی کیوں نہ ہوں۔ (اور)

بیشک (اللہ تعالیٰ) (ہر چاہے پر قادر ہے) تو مغفرت۔۔۔ یا۔۔۔ تعذیب، جسکے ساتھ جو چاہے کرے۔

مغفرت اگر اسکا افضل ہے تو تعذیب اس کا عدل ہے اور وہ قادر مطلق اپنے ہر چاہے پر

قدرت والا ہے۔ یہ بھی رب کریم کا فضل ہے کہ اگر کسی کے دل میں اچانک برائی کا خیال آجائے جسے 'حاجس' کہتے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ برائی کا بار بار خیال آئے جسے 'خاطر' کہتے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ جس برائی کا خیال آئے، ذہن اسکی طرف راغب ہو اور اسکے حصول کیلئے منصوبہ بنائے، جسے 'حدیث نفس' کہتے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ اس برائی کو حاصل کرنے کا رجحان غالب ہو، ساتھ ہی ساتھ کسی اندیشے کے پیش نظر ایک مغلوب خیال یہ بھی کہ اسکو حاصل نہ کیا جائے، اسکو 'ہم' کہتے ہیں۔ ان تمام صورتوں میں مواخذہ نہیں ہوتا، لیکن اگر 'مغلوب جانب' بھی زائل ہو جائے اور اس چیز کے حصول کا پختہ ارادہ ہو جائے اور وہ اپنے نفس کو اسکے حصول پر آمادہ کر لے اور اسکی نیت کر لے جسے 'عزم' کہا جاتا ہے، تو وہ مستحق مواخذہ ہے، خواہ اسکے بعد گناہ کا فعل نہ کرے۔

۔۔۔ الحاصل۔۔۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا مالک ہے، خالق ہے اور ہر چیز اسکی مملوک و مخلوق ہے، تو مالک کو حق ہے کہ اپنی مملوک کو جس چیز کا چاہے مکلف کرے۔ چنانچہ اس نے ہمیں تو حید و رسالت اور قیامت اور جزا اور سزا کے ماننے کا مکلف کیا اور اس سورۃ مبارکہ میں بہت سارے اسلامی عقائد و اعمال کے اصول و فروع کو بیان فرمایا کہ ان عقائد کو ماننے اور اعمال پر عمل کرنے کی تکلیف دی اور پھر اپنے ان ماننے والوں کی عظمتوں کو ظاہر فرمانے کیلئے، انکا ذکر خیر کیا اور فرمایا کہ۔۔۔

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ

مان لیا رسول نے جو کچھ اتارا گیا ان کی طرف انکے رب کی جانب سے اور سب ایمان والے، ہر ایک نے مان لیا اللہ کو

وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا

اور اسکے فرشتوں کو اور اسکی کتابوں کو اور اسکے رسولوں کو کہ ہم فرق نہیں کرتے اللہ کے رسولوں سے کسی کے ماننے میں، اور سب نے کہا کہ

سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ

ہم نے سنا اور اطاعت کی تیری۔ بخشش ہوا سے ہمارے پروردگار اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

(مان لیا رسول نے) منصب رسالت کے قتل اور تبلیغ کے ساتھ (جو کچھ اتارا گیا ان کی طرف

ان کے رب کی جانب سے)۔ یعنی قرآن کی آیتیں، دین کے احکام اور شرع کے حقوق۔ رسول کریم تو پہلے ہی سے ایمان والے تھے، لیکن کلام الہی کا نزول جیسے جیسے ہوتا گیا، آپ تفصیلی طور پر علم و تصدیق

والے ہوتے گئے (اور) آپ ہی کی ہدایت کی روشنی میں (سب ایمان والے) بھی مانتے چلے گئے۔
ہاں ایمان والوں کا ماننا اقرار و تصدیق کے ساتھ رہا۔

پھر مسلمانوں کی تعظیم و توقیر کے واسطے ذکر میں پیغمبر ﷺ کے ساتھ انھیں بھی ملا دیا۔

اور ارشاد فرمایا کہ پیغمبر اور انکے متبع الغرض (ہر ایک نے مان لیا اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی اسکے وجود ازلی وابدی کو، اسکے اسماء حسنیٰ اور صفات جلال و جمال کو۔۔۔ نیز۔۔۔ اسکے مضبوط افعال اور کامل احکام کو (اور اس کے فرشتوں کو) کہ حضرت کبریا کے مقرب ہیں، اسکی بیٹیاں نہیں ہیں اور حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں انبیاء کے پاس اور رسولوں کے وحی آنے کا سبب ہیں (اور اسکی کتابوں کو) جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہیں، وہ سب حق ہیں اور اللہ کا کلام ہیں، مخلوق نہیں ہیں۔ (اور اسکے رسولوں کو) کہ سب پاک ہیں، معصوم ہیں اور برگزیدہ ہیں اور وحی الہی پڑھنے والے اور راہ حق کی طرف بلانے والے ہیں۔

۔۔۔ نیز۔۔۔ نبی کریم اور سارے مسلمان لوگ کہتے ہیں (کہ ہم فرق نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے کسی کے ماننے میں) کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں، بلکہ ہم سب پر ایمان لاتے ہیں بخلاف یہود و نصاریٰ کے، کہ حسد کی وجہ سے بعض رسولوں کے منکر ہیں۔ یہ مسلمان ان سرکش لوگوں کی طرح نہیں ہیں، جو کلام الہی سن کر کہتے ہیں 'سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا' ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور نہیں تسلیم کیا، بلکہ ان اطاعت شعاروں نے سعادت مندی کا مظاہرہ کیا (اور سب نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی تیری) پھر کمال شان بندگی اور غایت عجز و انکساری کے ساتھ سب نے التجا کی کہ ہم پر تیری (بخشش) کا نزول (ہو) اور تو ہماری مغفرت فرما۔ (اے ہمارے پروردگار) تیرے سوا ہمارے لئے کوئی بچاؤ و ماویٰ اور مفرومقر نہیں (اور) بالآخر ہمیں (تیری ہی) بارگاہ عظمت و رحمت کی (طرف لوٹنا ہے)۔

امت نے جب دین کے احکام کو بے چون و چرا قبول کر لیا تو رب کریم نے اپنے محبوب

کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے میرے رسول میں نے بھی تیری امت پر آسانی کر دی تم اپنے

امتوں کو خوش خبری سنا دو کہ۔۔۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا

نہیں ہم دیتا اللہ کسی کو بھراؤ اس کی سکت بھراؤ، اسی کا نفع ہے جو نیکی کمائی، اور اس پر وبال ہے جو بدی حاصل کی، پروردگار

لَا تَوَاجِدُنَا اِنْ نَسِيتَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَا

ہم پر گرفت نہ کر اگر ہم بھول گئے یا چوک گئے۔ پروردگار! اور نہ رکھ ہم پر بوجھ، جس طرح

عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَكَ عِندَهُ

تو نے رکھا تھا ان پر جو ہم سے پہلے تھے۔ پروردگار! نہ بوجھل کر ہم کو اس سے جس کی ہم کو سکت نہیں، اور معاف فرما دے ہم کو۔

وَاعْفُرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

اور بخش دے ہم کو۔ اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا مولیٰ ہے تو ہماری مدد فرما، قوم کفار پر

(نہیں حکم دیتا اللہ) تعالیٰ (کسی کو مگر اسکی سکت بھر) یعنی اسی کام کا حکم دیا جائے جس کو انجام

دے سکنے کی اس میں قدرت ہو تو (اسی) ذات مکلف (کا نفع) اور فائدہ (ہے) اس میں (جو نیکی)

اس نے (کمانی) یعنی باسانی کا خیر انجام دے کر حاصل کی (اور اس پر) ہی (وبال ہے) برا انجام

ہے اس برائی کا (جو بدی) اس نے بڑی محنت و مشقت سے (حاصل کی) ہے۔

اس مقام پر سعادت مندوں اور اطاعت شعاروں کے دلوں سے یہی التجا نکلتی ہے کہ

(پروردگار!)، اے ہمارے رب (ہم پر گرفت نہ کر) اور ہم پر کوئی عذاب نازل نہ فرما۔ (اگر ہم بھول

گئے) اور کوئی نیک کام ہم سے فوت ہو گیا، (یا چوک گئے) یعنی بے قصد و ارادہ کسی ممنوع کام کے

مرتب ہو گئے۔ یونہی (پروردگار!) (اور)، اے ہمارے رب (نہ رکھ ہم پر) ہمارے اوپر بھاری

(بوجھ) (جس طرح) کا بھاری بوجھ (تو نے رکھا تھا) ان پر (جو ہم سے پہلے تھے) یعنی یہود و نصاریٰ

جن پر تکالیف شاقہ اور سخت احکام نازل فرمائے گئے تھے۔

--- نیز --- (پروردگار!) اے ہمارے رب (نہ بوجھل کر ہم کو اس سے جسکی ہم کو سکت نہیں)

ہمارے سروں پر وہ وزن نہ رکھ جو ہم اٹھانہ سکیں --- الغرض --- وسوسوں اور دلوں میں بے قصد و

ارادہ آجانے والے خیالات پر ہماری گرفت نہ فرما، اسلئے کہ اپنے کو ان سے بچانا ہمارے بس سے

باہر ہے (اور معاف فرما دے ہم کو) ہماری خطاؤں اور ہماری بھول چوک کو، (اور بخش دے ہم کو)

ہمارے چھوٹے بڑے گناہوں کو، (اور ہم پر رحم فرما) ہماری عبادت قبول فرما کر۔ (تو ہمارا مولیٰ

ہے) ناصر و مددگار ہے، کام بنانے والا ہے (تو ہماری مدد فرما) اور فتح و نصرت عطا فرما (قوم کفار پر)

کافر لوگوں پر --- ﴿آمین﴾

- ﴿۱﴾ --- حضرت عطاراوی ہیں کہ 'سورۃ بقرہ' کی ان دو آیتوں کو جب حضرت جبرائیل نے نبی کریم کے سامنے پڑھا، تو آپ نے کہا۔۔۔ ﴿۱ امین﴾
- ﴿۲﴾ --- حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت ہے کہ جس نے رات میں سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو پڑھا وہ اسکے لئے کافی ہے۔
- ﴿۳﴾ --- حضرت عقبہ ابن عامر راوی ہیں کہ سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو بار بار پڑھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے اپنے نبی ﷺ کو فضیلت دی ہے۔
- ﴿۴﴾ --- حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورۃ بقرہ کی دو آیتیں عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں۔ مجھ سے پہلے یہ کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔
- ﴿۵﴾ --- حضرت شداد بن اوس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی، اس میں سے دو آیتیں نازل کیں اور سورۃ بقرہ کو ان پر ختم کیا۔ جس گھر میں تین راتیں ان دو آیتوں کو پڑھا جائیگا، اس گھر میں شیطان نہیں ٹھہرے گا۔

بجملہ تعالیٰ آج ۲۸ اپریل ۲۰۰۸ء بروز دوشنبہ۔۔۔ سورۃ البقرہ کی تفسیر مکمل ہوگئی

سُورَةُ الْاِنْفَالِ ۳

یہ سورت ترتیب مححف کے اعتبار سے 'تیسری سورت' ہے اور نزول کے اعتبار سے 'سورہ انفال' کے بعد ہے۔ یہ سورت مدنی ہے اور انہیں بالافتاق دوسو آیتیں ہیں اور بیس رکوع ہیں۔ اس سورۃ کا نام ال عمران ہے کیونکہ اس سورت میں ال عمران یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت مریم اور انکی والدہ محترمہ کو فضیلت دینے کا ذکر ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے مندرجہ ذیل دوسرے بھی نام ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔ زہراء: جس کا معنی ہے صاف، روشن، چمک دار اور روشن کرنے والی چیز۔ چونکہ یہ سورہ نور و ہدایت پر مشتمل ہے اسلئے اسکو زہراء فرمایا گیا۔

﴿۲﴾۔۔۔ سورۃ الکنز: کنز کے معنی ہے خزانہ۔ اس سورت کو کنز اسلئے فرمایا گیا کہ اس میں عیسائیت کے اسرار کا خزانہ ہے، اور نبی کریم نے نجران کے عیسائیوں سے جو مبادشہ فرمایا تھا، اس سے متعلق آیات اس سورہ میں زیادہ ہیں۔

﴿۳﴾۔۔۔ سورۃ طیبہ: چونکہ تورات میں ال عمران کا نام 'طیبہ' ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ اس سورت میں طیبین کے تمام اوصاف کو جمع کر کے ذکر فرمایا گیا ہے۔

سُورَةُ الْاِنْفَالِ ۳ تَفْسِيْرُهَا

سورۃ آل عمران مدنیہ نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشے والا آیات ۲۰۰ رکوع ۲۰

ایسی مبارک سورہ کی تلاوت کی جاتی ہے (نام سے اللہ کے) جو بہت (بڑا مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مسلمانوں کی خطاؤں کو (بخشنے والا) ہے۔

الْم

• الم •

(الم) جسکی ابتداء یوں ہے کہ عربی زبان میں 'حروف ہجا' میں سے 'الم' بھی ہے، جسکا ہر کلمہ اسرار الہی کا گنجینہ اور علوم و معارف کا خزینہ ہے۔

ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے؟ یہ تو وہی رب علیم وخبیر جانے کہ ان حروف سے

اسکی اپنی مراد کیا ہے۔۔۔ یا۔۔۔ اس کے بتانے اور خبر دینے سے وہ رسول جانے جن پر ان کلمات کو نازل فرمایا گیا ہے۔ اس مقام پر تو یہ خیال کیا ہی نہیں جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمات تو نازل فرمائے لیکن اسکے معنی و مطلب سے آگاہ نہیں فرمایا۔ اسلئے کہ ایسی صورت میں یہ نزول فرمانا ہی 'کار عبث' ٹھہرے گا، اللہ تعالیٰ کی ذات جس سے پاک و صاف ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس مقام پر یہ بات بھی عقلاً مستبعد نہیں کہ رسول کریم کی شان تو بڑی ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے رسول کے توسط سے ان کلمات کے اسرار و رموز میں سے جتنا چاہے اس سے اپنے کسی بھی نفوس قدسیر رکھنے والے نیک بندوں کو بھی باخبر فرمادے۔

کیا تعجب ہے کہ اسکے 'الف' سے حق تعالیٰ کے اس، 'آلائے عمیم' کی طرف اشارہ ہو جو دنیا میں علی العموم سب کو شامل ہیں اور اسکے 'لام' سے اسکے اس 'لقائے کریم' کی خبر دی جا رہی ہو جو آخرت میں خاص لوگوں کو پہنچے گی۔۔۔ یونہی۔۔۔ اسکے 'میم' سے خدا کی اس 'محبت قدیم' کی معرفت کرائی جا رہی ہو، جو دونوں جہاں میں 'انحص الحواص' لوگوں کو حاصل ہے۔

۔۔۔ الختصر۔۔۔ کلمہ 'جلالت' اللہ کا 'الف'، لفظ 'لطیف' کا 'لام'۔۔۔ نیز۔۔۔ کلمہ 'مجید' کا 'میم' آپس میں مل جانے کے بعد معارف و معانی، جلالت و عظمت اور رحمت و رافت کا ایک ایسا بحر ناپیدا کنار بن جاتے ہیں جن کو کما حقہ سمجھ لینا انسانی ذہن و فکر کے بس کی بات نہیں۔ تو اے لوگو! تم اپنے ذہنوں کو ان کلمات طیبات کے رموز و اسرار کو سمجھنے کیلئے حیران و پریشان نہ کرو اور اپنے ذہن و فکر پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو اور آؤ تم ان باتوں کو سنو جو تمہارے لئے ہیں، اور جن سے تمہاری ہدایت مقصود ہے، تو سنو!

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝

اللہ، نہیں کوئی معبود سوا اسکے، ہمیشہ زندہ، سب کو قائم رکھنے والا ●

(اللہ) تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے کیونکہ (نہیں) ہے (کوئی معبود) برحق (سوا اسکے) جو (ہمیشہ زندہ) ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے اور وہ بھی ایسا کہ ہر زندہ کی زندگی اسی سے ہے اور وہی خود قائم رہتے ہوئے (سب کو قائم رکھنے والا) ہے، ایسا کہ ہر قائم رہنے والے کا قیام اسی کے سبب سے ہے۔

اس مقام پر یہ واقعہ بھی ذہن نشین رہے کہ ایک مرتبہ نجران کے بعض نصاریٰ کو خیال ہوا

کہ وہ مدینہ منورہ آ کر حضور آئیہ رحمت ﷺ سے مناظرہ کریں، چنانچہ وہ آئے۔ نبی کریم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے اس کو قبول کرنے کے بجائے، بحث شروع کر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا منوانے پر لگ گئے۔

نبی کریم ﷺ نے بڑے سنجھے ہوئے انداز میں داعیانہ کرؤفر کے ساتھ انکے سوالات کا ایسا جواب دیا کہ وہ ساکت و صامت رہ گئے اور چپ ہو کر مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضور آئیہ رحمت ﷺ کے جواب کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے انکے سوالات کے جوابات خود انہی کے دین و مذہب کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں عطا فرمائے۔

ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے مذہب میں خدا کو فنا ہو جانا ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ اللہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا، تمہارا حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا ان پر موت طاری ہوگی یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، ان پر موت طاری ہوگی۔ اس کے بعد دریافت فرمایا کہ کیا حضرت عیسیٰ کی تصویر شکم مادر میں بنائی گئی، انہوں نے اس کا بھی اقرار کیا اور پھر جب یہ دریافت کیا کہ کیا خدا کی بھی کہیں صورت گری کی گئی ہے؟ تو جواب دیا نہیں، ایسا نہیں کیا گیا۔

پھر معلوم فرمایا کہ کیا تم لوگ حضرت عیسیٰ کے شکم مادر سے پیدا ہونے، ان کے کھانے پینے، چلنے پھرنے، سونے جاگنے کے قائل ہو؟ ان لوگوں نے اس کا بھی اقرار کیا۔ اس کے بعد آپ نے پوچھا کہ کیا تمہارا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ خدا ان تمام چیزوں سے پاک و صاف اور منزہ و مبرا ہے؟ ان لوگوں نے اپنے اس عقیدے کا بھی اعتراف کر لیا۔

ظاہر ہے کہ اس گفتگو کے بعد ان کیلئے اس اعتراف کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ حضرت عیسیٰ کسی طرح سے بھی خدا۔۔۔ یا۔۔۔ خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے اور وہ بھی انہیں کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں۔ نبی کریم کی اس گفتگو کی سب سے واضح خوبی یہ تھی کہ ان کو خود انہی کی کتابوں اور انہی کے نبی کی ہدایتوں کی روشنی میں ان کو قائل فرمایا۔

اس سورۃ ال عمران کی ابتدائی نواسی آیتیں خاص طور پر انہی کیلئے نازل فرمائی گئیں۔ ان نصاریٰ کا جھگڑا کبھی حضرت عیسیٰ کی الوہیت سے متعلق رہا اور کبھی رسول کریم کی نبوت و رسالت سے۔ تو سورت کی ابتداء میں حق تعالیٰ کی الوہیت اور حیات اور قومیت کا ذکر نازل فرمایا گیا۔ بعدہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نبوت کا بیان فرمایا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ آپ ﷺ کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ۔۔۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿۱۰﴾

اتارا تم پر کتاب کو حق کے ساتھ، تصدیق فرماتی اس کی جو آگے ہو چکی، اور اتارا توریت اور انجیل کو۔

مَنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْقُرْآنَ ۙ

اس سے پہلے ہدایت لوگوں کیلئے، اور اتارا حق و باطل کا امتیاز۔

اللہ تعالیٰ نے بتدریج آہستہ آہستہ (اتارا تم پر) نازل فرمایا۔ اپنی عظیم بلندرتبہ (کتاب کو)

کتابیں تو اور بھی نازل کی گئی ہیں لیکن کمالات اور بلندرتبہ ہونے کے لحاظ سے ایک

کتاب ہے جسے علی الاطلاق کتاب کہا جاسکے۔۔۔ الغرض۔۔۔ جہاں مطلقاً کتاب کا ذکر کیا

جائیگا تو ذہن ایسی کتاب عظیم کی طرف جائیگا۔

اس کتاب میں کوئی بات ناحق نہیں ہے بلکہ یہ از اول تا آخر (حق کے ساتھ) ہے۔ اسکے

احکام میں عدل ہے، اسکی خبروں میں سچائی ہے، وہ خبریں تو حید سے متعلق ہوں۔۔۔ یا۔۔۔ اسکے دوسرے

متعلقات سے۔۔۔ نیز۔۔۔ اسکے وعدے بھی حق ہیں اور وعیدیں بھی۔۔۔ الغرض۔۔۔ اسکی ساری ہدایتیں

حق ہی حق ہیں۔ اس حال میں کہ وہ (تصدیق فرماتی اسکی جو آگے) پہلے نازل (ہو چکی) اپنے سے

پہلی کتابوں میں یعنی گزشتہ نازل شدہ کتابوں میں مذکورہ دین کے اصول۔۔۔ مثلاً: توحید، نبوت، معاد،

سچی خبریں اور گزری ہوئی شریعتوں کے بعض مسائل۔۔۔ الختصر۔۔۔ یہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے

والی کتاب اپنے سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتابوں کی تصدیق فرمانے والی ہے۔

پہلی امتوں کی ہدایت کیلئے بھی حق تعالیٰ نے کرم فرمایا (اور) یکبارگی (اتارا) حضرت موسیٰ

پر (توریت) کو، (اور) حضرت عیسیٰ پر (انجیل کو، اس) عظیم کتاب (سے پہلے ہدایت) کرنے والی

اسرائیلی (لوگوں کیلئے)۔

یہ دونوں کتابیں یہودیوں اور عیسائیوں کو راہ حق دکھانے والی تھیں۔ دونوں کتابوں میں

خدا کے سوا کسی اور کی معبودیت کی نفی مذکور ہے۔ اور اس نفی سے یہود کے اس قول کا بطلان

ثابت ہے جو وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی شان میں کہتے ہیں۔۔۔ الختصر۔۔۔ رب کریم

نے کرم فرمایا۔۔۔

(اور) ان تمام کتب ساویہ کی شکل و صورت میں یا آخری کتاب قرآن عظیم کی شکل میں (اتارا)

حق و باطل کا امتیاز)۔

ان مقدس کتابوں میں حق و باطل کو ایسا واضح طور پر الگ الگ کر دیا ہے کہ ایک عام سمجھ دار انسان کیلئے بھی ان کو سمجھ لینا زیادہ دشوار نہیں رہ گیا۔ فرقان سے قرآن کریم مراد لینے کی صورت میں اس کا ذکر مکرر ہو جاتا ہے لیکن چونکہ اس تکرار سے تعظیم اور اظہارِ فضل مقصود ہے، اسلئے کوئی مضائقہ نہیں۔ اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف رمضان شریف کی لیلۃ القدر میں یکبارگی نازل کیا گیا اور پھر اسکو بتدریج زمین کی طرف اتارا گیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ قرآن کریم میں دو جہتیں ہیں 'انزال' کی بھی اور 'تنزیل' کی بھی، تو اسکے لئے یہ دونوں کلمات استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۱۰﴾

بے شک جو منکر ہو گئے اللہ کی آجوں سے، ان کیلئے سخت عذاب ہے۔ اور اللہ غلبہ والا بدلہ لینے والا ہے۔
بخوبی یاد رہے کہ حق و باطل کے امتیاز کے آجانے کے بعد (پیکر جو) لوگ (منکر ہو گئے اللہ) تعالیٰ (کی آجوں سے)، یعنی ان میں سے، کسی سے جنکا ہر ایک ہدایت کرنے کی راہ میں علامت اور نشان ہے۔۔۔ مثلاً: قرآن کریم، انبیاء کرام، انکے معجزات اور نبی آخر الزماں علیہم الصلوٰۃ والسلام وغیر ہم، (ان کیلئے سخت عذاب ہے) جسکا کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا (اور اللہ) تعالیٰ سب پر (غلبہ والا) ہے۔ اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا، جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ جس طرح کا حکم کرتا ہے، وہی ہوتا ہے اور وہ (بدلہ لینے والا ہے)، صاحب انتقام ہے۔ اس جیسا کوئی انتقام نہیں لیتا، وہ کافروں پر عذاب اور غضب نازل فرمانے والا ہے۔ اور اچھی طرح سمجھ لو کہ۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿۱۱﴾

بے شک اللہ، نہیں پوشیدہ ہے اس پر کچھ، زمین میں اور نہ آسمان میں۔
(پیکر اللہ) تعالیٰ ایسی شان والا اور علم و خبر والا ہے کہ (نہیں پوشیدہ ہے اس پر کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں) یعنی تمام اشیاء اسکے علم میں ہیں۔ وہ کافروں کے کفر کو، مومنوں کے ایمان کو اور انکے تمام اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس پر انھیں قیامت میں جزا دے گا۔
حضرت سید الطائفین کو جو بعض غائب چیزوں کا علم تھا، وہ حق تعالیٰ کے علم دینے ہی سے تھا تو یہ مطابقت علم حضرت سید الطائفین کی ربوبیت اور معبودیت پر دلیل نہیں ہو سکتا۔

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰﴾

وہی ہے جو شکل و صورت بخشتا ہے تم کو ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے۔ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اسکے سوا، غلبہ والا حکمت والا۔ غور تو کرو کہ (وہی ہے جو شکل و صورت بخشتا ہے تم کو) تمہاری (ماؤں کے پیٹ میں) اپنی مرضی کے مطابق (جیسی چاہے) مرد و عورت، سیاہ و سفید، کامل و ناقص، طویل و قصیر، حسین و قبیح، وغیرہ وغیرہ۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت انکی مادر مہربان کے شکم مبارک میں بنی تھی اور ظاہر ہے کہ جسکی صورت بنے، وہ خود اپنی صورت بنانے والا نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے کہ جسکی صورت بنی، وہ مخلوق ہے، اور مخلوق خالق کی محتاج ہوتی ہے اور خدا کسی کی محتاج نہیں ہوتا۔۔۔ الغرض۔۔۔ جسکی رحم میں تصویر کھینچی جائے، وہ خدا اور خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ اسلئے کہ وہ مرکب ہوتا ہے۔۔۔ یا۔۔۔ مرکب میں حلول کرنے والا ہوتا ہے۔ اور معرض فنا و زوال میں ہوتا ہے۔ اور خدا، فنا و زوال سے پاک ہے۔ اسلئے وہ قطعی طور پر اس بات سے منزہ ہے کہ حضرت عیسیٰ۔۔۔ یا۔۔۔ کوئی بھی اسکے بیٹے ہوں اور خدا کے ہم جنس ہو کر، اسکی الوہیت میں شریک ہو کر عبادت کے مستحق ہو جائیں۔

کیونکہ (نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اسکے سوا) یہ تکرار، وحدانیت کی تحقیق کے واسطے ہے اور نصاریٰ کے قول 'ثالث ثلثا' کو باطل قرار دینے کیلئے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پوجنے کے لائق اللہ تعالیٰ ہی ہے جو (غلبہ والا) بے مثل و بے مانند ہے اور (حکمت والا) دانا مضبوط و محکم کام والا ہے، جو اپنی مخلوق کو عجیب و غریب طریقے سے پیدا فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَبِهَاتٌ ۗ

وہی ہے جس نے اتارا تم پر اس کتاب کو، انکی کچھ آیتیں صاف صاف مطلب کی ہیں، وہی کتاب کی بنیاد ہیں، دوسری کئی معنی رکھنے والی۔

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ

تو وہ جن کے دلوں میں کجی ہے، تو پیچھے لگ جاتے ہیں اس کے، جو کئی معنی کی آیت ہوئی کتاب سے، فتنہ کے شوق

وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ

اور کتاب سے اپنی بات بنانے کی خواہش میں۔ حالانکہ نہیں جانتا کتاب کے اصل مطلب کو، اللہ کے سوا۔ اور مضبوطی رکھنے والے علم میں

يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۱۱﴾

کہتے ہیں ہم اس کو مان گئے، سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت نہیں قبول کرتے مگر عقل مند لوگ۔

اور اے محبوب (وہی) غلبہ و حکمت والا (ہے جس نے اتارا تم پر) اپنی (اس) حکمت والی (کتاب کو) جس کی شان یہ ہے کہ (اس کی کچھ آیتیں صاف صاف مطلب کی ہیں) جو عبارت کے لحاظ سے مضبوط اور احتمال و اشتباہ کے اعتبار سے محفوظ ہیں۔ اور اس قدر واضح المراد ہیں کہ انکا معنی سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ انکے کلمات سے جو ظاہر ہوتا ہے، وہی مراد ہے اور جو مراد ہوتی ہے، وہی ظاہر ہے۔

یہاں یہ بات بھی فائدے سے خالی نہیں کہ لفظ و طرح کے ہوتے ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔ جس میں ایک معنی کے سوا دوسرے معنی کا احتمال ہی نہ ہو۔ اسکو 'نص' کہیں گے۔

﴿۲﴾۔۔۔ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو، اسکی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ لفظ کی

دلالة دو معنوں پر ہو اور دوسرے یہ کہ دو سے زیادہ معنی پر ہو۔ اور پھر یہ دلالت ہر معنی پر مساوی ہوگی۔۔۔ یا۔۔۔ نہیں۔ تو جس میں دو معنوں کا احتمال ہو، تو اس کو عرف میں 'محمتم' کہا جائیگا۔ اور جس میں کئی معنی کا احتمال ہو، تو یہ دیکھا جائے کہ اکا وہ معنی کون سا ہے۔ جبکہ احتمال 'راجح' ہے، تو اگر اس 'راجح' کی طرف نسبت ہو تو اسے 'ظاہر' کہیں گے اور اگر 'مرجوح' کی طرف نسبت ہو، تو اسے 'مؤول' قرار دیں گے۔

ایسی صورت میں جو 'نص' اور 'ظاہر' ہے، وہ 'محمتم' ہے اور جو 'محمتم' و 'مؤول' ہے، وہ 'متشابہ' ہے۔۔۔ قرآن کریم میں بعض مقامات پر قرآن کریم کی تمام آیات کو 'محمتم' قرار دیا ہے۔ بعض دوسرے مقام پر تمام آیات کو ایک دوسرے کے 'متشابہ' بتایا گیا ہے۔ ان مقامات پر 'محمتم' و 'متشابہ' کا یہ اصطلاحی معنی مراد نہیں، بلکہ وہاں 'محمتم' کا معنی یہ ہے کہ قرآن کریم کی تمام آیات مضبوط اور پختہ ہیں۔ ان میں کسی قسم کا شک نہیں اور نہ ہی ان کو آپس میں 'تاقض' ہے اور یہ خلل اندازی سے بالکل پاک اور محفوظ ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ یہ مطلب ہے کہ اب آیات قرآن منسوخ ہونے سے محفوظ ہیں۔۔۔ اسی طرح۔۔۔ وہاں 'متشابہ' کا معنی یہ ہے کہ قرآنی آیتیں صحیح المعنی، بہترین نظم و نسق، فصاحت و بلاغت کے انتہائی درجہ پر ہونے اور شان اجمالی رکھنے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

۔۔۔ الحاصل۔۔۔ اس کتاب مقدس میں صاف صاف مطلب رکھنے والی 'محمتم' آیتیں ہیں

(وہی کتاب کی بنیاد ہیں) یعنی قرآن کریم کی اصل اور اسکا مغز ہیں اور وہی قرآن کریم کی اصولی آیات ہیں اور ایسی عمدہ ہیں کہ باقی آیات تاویل کر کے انھیں کی طرف راجع کی جاتی ہیں۔ ان کے سوا

(دوسری) آیتیں جو (کئی معنی رکھنے والی) ہیں۔

--- الغرض --- ان میں چند معنی کا احتمال ہوتا ہے، جس میں کسی معنی کو مراد لینے میں دوسرے پر ترجیح نہیں۔ ان کے معنی مراد کو سمجھنے کیلئے کمال غور و فکر اور زبردست نظر و دقیق کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ، اسکا جو ظاہر ہوتا ہے، وہ مراد نہیں ہوتا اور جو مراد ہوتا ہے، وہ ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ کچھ ایسی صورت حال ہوتی ہے کہ اگر اس سے جو ظاہر ہو، وہی مراد لے لیا جائے، تو وہ کسی ناکسی محکم آیت سے ضرور نکر جائیگی اور اسکے خلاف ہو جائیگی۔

متشابہ کے تعلق سے عطر تحقیق یہ ہے کہ متشابہ کی تین قسمیں ہیں:
﴿اول﴾ --- جسکی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو جیسے وقت وقوع قیامت اور دابتہ الارض کے نکلنے کا وقت۔

﴿ثانی﴾ --- جسکی معرفت کا انسان کیلئے کوئی ذریعہ ہو، جیسے مشکل اور غیر مانوس الفاظ اور مجمل احکام۔

﴿ثالث﴾ --- وہ جو ان دونوں کے درمیان ہو، علماء راہنہین کیلئے اسکی معرفت حاصل کرنا ممکن ہے اور عام لوگوں کیلئے ممکن نہیں ہے۔

نبی کریم نے جس جس کیلئے دین کی فقہ اور تاویل کے علم کے عطا فرمانے کی دعا فرمائی ہے۔ اسکا تعلق اسی قسم کے متشابہات کا علم ہے۔ متشابہات کی مذکورہ بالا پہلی اور دوسری قسم کے علم کا ذریعہ صرف اور صرف اعلام الہی اور عطائے خداوندی ہے، جہاں انسانی فہم و اوراک کی رسائی نہیں۔

(تو) نجران کے عیسائی، جی بن اخطب اور اس کے اصحاب جیسے یہودی علماء، منکرین بعثت، مبتدعین --- الغرض --- ہر (وہ) فرقہ والے (جنگلے دلوں میں کچی ہے) کھوٹ ہے، یعنی انکے دل حق سے منہ موڑ کر خواہشات نفس کی طرف لگ جائیں --- یا --- کلام الہی میں شک کرنے لگیں (تو) یہ لوگ (پچھے لگ جاتے ہیں اسکے) اور پیروی کرنے لگتے ہیں --- نیز --- باطل تاویل کرنے لگتے ہیں، انکی (جو کئی معنی کی) گنجائش رکھنے والی (آیت ہوئی کتاب) الہی کے متشابہات (سے)۔

یہ سب وہ اسلئے نہیں کرتے کہ وہ حق کے متلاشی ہیں اور اس بات کو ماننے والے ہیں کہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، بلکہ وہ لوگ یہ سب کچھ (فتنہ) برپا کرنے (کے شوق اور کتاب سے اپنے) گڑھی ہوئی (بات بنانے) اور اس کو منوانے (کی خواہش میں) ایسا کرتے ہیں تاکہ اپنی قوم

کے جاہلوں کو شک میں ڈالیں۔ (حالانکہ) صورت حال یہ ہے کہ (نہیں جانتا کتاب کے) تشابہات و مقطعات کے (اصل مطلب کو اللہ تعالیٰ کے سوا) کوئی بھی، اور جو لوگ علم پر ثابت قدم ہیں (اور) آیات کے مضامین کو نص قطعی کی طرف راجع کرتے ہیں۔

--- الغرض --- (مضبوطی رکھنے والے) ہیں اپنے (علم میں)۔ وہ آیات تشابہات کی من مانی معنی آفرینیوں سے اپنے کو باز رکھتے ہیں اور (کہتے ہیں) کہ فضول لایعنی تاویلات سے ہمیں کیا غرض۔ ہمارا کام تو صرف کلام الہی کو دل کی سچائی کے ساتھ مان لینا ہے تو (ہم) خلوص دل کے ساتھ (اس) سچائی (کو مان گئے) ہیں کہ یہ حکمتا و تشابہات --- الغرض --- پورا کلام الہی، سب کا (سب ہمارے پروردگار کی طرف سے) نازل فرمودہ (ہے)۔ اس حقیقت کو نہیں سمجھ پاتے (اور نصیحت نہیں قبول کرتے مگر عقلمند لوگ)، یعنی وہ لوگ جن کی عقول غلط خواہشات کی طرف مائل نہیں اور وہ 'جو دت ذہن اور' حسن نظر رکھنے والے ہیں۔ یہ صاحبان فکر و نظر اور پیکر ان علم و عمل، بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے رہتے کہ ---

رَبَّنَا لَا تُذِخْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَدُنْكَ رَحْمَةً

پروردگار نہ کج فرما ہمارے دلوں کو بعد اس کے، کہ ہدایت بخشی تو نے ہم کو، اور دے ہمیں اپنے پاس سے رحمت۔

إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۱۰﴾

بیشک تو ہی بڑا دینے والا ہے •

(پروردگار نہ کج فرما) نہ پھیر اور نہ ٹیزھا کر (ہمارے دلوں کو)، یعنی ہمارے قلوب کو حق کے راستے سے ہٹا کر تشابہات کی ایسی تاویل کرنے کے شوق میں نہ لگا، جس سے تو راضی نہ ہو (بعد اسکے کہ) ہمیں حق --- یا --- تاویل صحیح --- یا --- ایمان کی طرف (ہدایت بخشی تو نے ہم کو اور) اے رب کریم (دے ہمیں)، عطا فرما اپنے فضل سے، (اپنے پاس) اپنی بارگاہِ کرم (سے) اپنی خاص اور وسیع (رحمت) جو ہمیں تیرے قریب کر دے اور ہم اسکے ذریعے تیرے قرب حقیقی سے کامیابی حاصل کریں۔ (بیشک تو ہی بڑا دینے والا ہے) ہر عطیہ کا تو ہی عطا فرمانے والا ہے --- نیز ---

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ أَلَمْ يَلْمِ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْلِبُ الْمُبِرَّادِ ﴿۱۱﴾

پروردگار بیشک تو اکٹھا کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن، جس میں کوئی شک نہیں۔ بیشک اللہ نہیں کرتا غلط وعدہ •

(پروردگار بے شک تو اکٹھا کرنے والا ہے لوگوں کو) انکی موت کے بعد (ایک دن)، یعنی قیامت کے دن جو حساب و جزا کا دن ہے، (جس) کے وقوع (میں کوئی شک نہیں) اور اس میں ہونے والے واقعات مثلاً: حشر و نشر اور حساب و جزا کے واقعہ ہونے میں بھی کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ (پیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں کرتا خلاف وعدہ) جو اس نے بعث و نشر کے بارے میں کیا ہے۔

ذہن نشین رہے کہ 'خلف وعدہ' الوہیت کے منافی ہے۔ جب وعدہ ہو گیا کہ قیامت میں ان سب کو اٹھانا ہے اور انکی دعا کو قبول کرنی ہے تو یہ ہو کر رہے گا۔ اس مقام پر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ 'تشابہات' اور 'مقطعات' کے تعلق سے مذکورہ بالا گفتگو کی روشنی میں جو سب سے محتاط اور 'اسلم' راستہ نکلتا ہے، وہ یہی ہے کہ اسکی کوئی تاویل نہ کی جائے اور اسکو 'متجانب اللہ' مانتے ہوئے اسکے کلام الہی اور برحق ہونے پر ایمان رکھا جائے اور اپنے اس ایقان و اذعان کا مظاہرہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکامات و ارشادات کی شکل میں جو بھی نازل فرمایا گیا ہے، ہم ان سب کو آنکھ بند کر کے ماننے والے ہیں، خواہ ان احکامات کی حکمتوں اور ان ارشادات کے معنی و مفاد ہم تک ہماری عقلوں کی رسائی ہو یا نہ ہو۔

اسلئے کہ جس نے یہ طے کر لیا ہے کہ ہم قرآن کریم کی وہی بات مانیں گے جو ہماری سمجھ میں آجائے۔ اسی طرح ہم اس خدائی حکم کو تسلیم کریں گے، جسکی حکمت ہماری عقلیں سمجھ لیں، تو اس شخص کو یقین کر لینا چاہئے کہ وہ خدا پر ایمان لایا ہی نہیں۔ وہ تو اپنی عقل اور اپنی سمجھ اور شعور پر ایمان لایا ہے۔

--- المختصر --- 'مقطعات' و 'تشابہات' کو کلام الہی کا حصہ بنا دینے میں ایک فائدہ یہ بھی نظر آتا ہے کہ اس سے ایمان والوں کے ایمان کا امتحان ہو جاتا ہے، کہ آیا وہ خدا پر ایمان لانے والے ہیں۔ یا۔۔۔ اپنی عقل پر۔ 'تشابہات' کی تاویلات کے تعلق سے 'محتاط روش' اور 'اسلم' طریقہ تو وہی رہا جسکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ جب دل میں کجی رکھنے والوں نے 'مقطعات' و 'تشابہات' میں بے جا معنی آفرینیاں شروع کر دیں اور اس طرح لوگوں کو راہ حق سے ہٹانے کی جدوجہد کرنے لگے۔

یہاں تک کہ **يٰۤاَيُّهَا اللّٰهُ وَجْهَ اللّٰهِ** وغیرہ وغیرہ کی ایسی تاویل کرنے لگے، جس نے خدا کو بھی مجسم بلکہ ایک طرح کا بت بنا کے رکھ دیا۔ ساتھ ہی ساتھ کسی بھی کلام کو بے سمجھے ماننے کے جذبے کو مصطلح کر دیا۔ ان حالات میں 'علمائے ربانیین' اور 'ارباب حق و یقین' نے 'تشابہات'

وغیرہ کی تاویل کے سلسلے میں ایک 'سالم طریقے' کی رہنمائی فرمائی اور اسکے لئے 'کتاب و سنت' اور 'ائمہ اعلام' کے ارشادات کی روشنی میں مندرجہ ذیل اصول مرتب فرمائے:

﴿۱﴾ --- 'حروف مقطعات' اور 'کلمات تشابہات' کی تاویل ایسی کی جائے جو کسی محکم آیت سے نہ ٹکرائے۔

﴿۲﴾ --- وہ تاویل ایسی نہ ہو جو کسی مسلمہ شان والے کی شان اور عظمت والے کی عظمت کو دانداز کرے۔

﴿۳﴾ --- یہ معنی آفرینی زبان و بیان کے معروف و متعارف ضابطوں کے خلاف نہ ہو۔

﴿۴﴾ --- 'دلائل شرعیہ' سے اس معنی آفرینی کی صحت و درستگی کی پشت پناہی ہو رہی ہو۔

--- تو یہ ہے تشابہات کی تاویلات صحیحہ کے تعلق سے صالحین کی روش۔

رہ گئے دلوں میں کبھی رکھنے والے زانغین، تو انھوں نے تو صرف سادہ لوح انسانوں کو بہکانے اور راہ حق سے دور رکھنے کیلئے فاسد تاویلات کا سہارا لینا چاہا۔ اور جب انھیں اس حرکت سے خاطر خواہ فائدہ نہیں حاصل ہوا، تو وہ نبی کریم ﷺ کی ذات مقدس کو اپنے جاہلانہ اعتراضات کا نشانہ بنانے لگے اور سوچنے لگے کہ شاید ہم ایسے ہی، لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی ذات سے دور رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

چنانچہ یہود قریظہ اور نصیر --- یا --- کفار قریش، رسول مقبول کے تعلق سے بکنے لگے۔ یہ تو تھنات و فقیر ہیں، لا ولد ہیں، اسکے برعکس ہم مال و متاع والے اور آل و اولاد والے ہیں --- انھیں --- یہ لوگ اپنے مال و آل پر فخر و ناز کرتے تھے، تو اسے محبوب و اشع لفظوں میں ارشاد فرما دو کہ ---

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ

بلکہ جنہوں نے کفر کیا، ہرگز ان کو بے پرواہ نہ کر سکیں گے ان کے مال، اور نہ ان کی اولاد

مَنْ أَلَّفَ بَيْنَ إِهْنٍ وَآوَلِيكَ هُمْ وَثُودُ النَّارِ

اللہ سے کچھ بھی، اور وہی ہیں جہنم کا ایدھن •

(بے شک) مذکورہ بالا لوگ اور ان جیسے دوسرے (جنہوں نے کفر کیا ہرگز ان کو بے پرواہ نہ کر سکیں گے)، انھیں ہرگز بچانہ سکیں گے اور ہرگز نفع نہ دے سکیں گے (ان کے مال) جس کو وہ منافع

کے حصول اور دفع نقصانات کیلئے خرچ کرتے ہیں (اور نہ) ہی (ان کی اولاد) اپنے دکھ درد میں جن پر یہ بھروسہ کرتے ہیں اور جن کے سبب سے وہ فخر و مباحات کرتے ہیں، یہ سب انھیں نہ بچا سکیں گے (اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ بھی اور وہی) کفر سے موصوف لوگ (ہیں جنہم کا ایندھن) جن سے جہنم کی آگ کو بھڑکایا جائیگا۔

--- الغرض --- کفر و عدم نجات اور اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب میں انکا وہی حال ہے جو فرعونیوں اور ان سے پہلے والے سرکشوں کا تھا۔

كذآبِ اِلٰ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

مثل انداز فرعونیوں کے، اور جو ان سے پہلے تھے۔ جھٹلایا ہماری آیتوں کو، تو گرفت فرمائی انکی

بِذُنُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۱

اللہ نے انکے گناہوں کی وجہ سے۔ اور اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے۔

--- المختصر --- انھوں نے روش اختیار کی (مثل انداز) و عادت (فرعونیوں کے اور) قوم شمود، قوم نوح اور قوم لوط وغیرہ کے (جو ان سے پہلے تھے)۔ جس طرح انھوں نے جھٹلایا اسی طرح ان لوگوں نے بھی (جھٹلایا) تھا (ہماری آیتوں) ہماری کتابوں اور ہمارے پیغمبروں (کو، تو گرفت فرمائی انکی اللہ تعالیٰ نے، انکے گناہوں) اور انکے انکار و تکذیب (کی وجہ سے اور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ (اللہ تعالیٰ ایسوں پر) سخت عذاب فرمانے والا ہے۔ تو جس طرح پہلے کافروں پر سخت عذاب نازل فرمایا گیا، اسی طرح بعد والے کفار کیلئے بھی اسی طرح کا عذاب ہے۔

مدینہ شریف کے یہودیوں نے بدر کے دن کفار و مشرکین پر جب نبی کریم کا غلبہ مشاہدہ کیا تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی قسم، یہ وہی نبی ہیں جنکی خوشخبری حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنائی، تورات میں جنکی تعریف موجود ہے، یہ سن کر بہت سے یہودی آپ ﷺ کی تابعداری پر آمادہ ہو گئے۔ مگر بعض شر پسندوں نے کہا عجلت سے کام نہ لو، انکے تعلق سے دوسری نشانیاں بھی دیکھ لی جائیں۔

--- پھر --- غزوہ احد میں جب اہل اسلام کی شکست ہوئی، تو پھر ان یہودیوں نے آپ کی نبوت میں شک کیا اور سوچا کہ اگر نبی ہوتے تو شکست نہ ہوتی، بلکہ انھوں نے یہاں تک کیا کہ حضور ﷺ سے جو پہلے معاہدہ کر لیا تھا اسے بھی توڑ دیا۔ کعب بن اشرف تو

ساتھ سواروں کو لیکر اہل مکہ سے جا ملا، اس کے بعد سب نے مل کر حضور ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کا اتفاق کیا۔۔۔ تو اے محبوب:

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَعْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَاَبْسَ الْاِهَادُ ۝

کہہ دو ان کو جنھوں نے کفر کیا، کہ نزدیک ہے کہ تم مغلوب ہو گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف۔ اور وہ نہایت برا بستر ہے •
(کہہ دو اٹکو) یعنی یہودیوں سے (جنھوں نے) جنگ احد میں شہادت اور زبان درازی کی اور (کفر کیا کہ نزدیک ہے کہ تم) دنیا میں (مغلوب ہو) جاؤ (گے)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمادیا کہ بنو قریظ مارے گئے، بنو نضیر جلا وطن ہوئے اور خیبر مفتوح ہوا، انکے ماسوا دوسرے اہل کتاب پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ یہ حضور ﷺ کے بین اور واضح معجزات میں سے ہے۔

۔۔۔ تو۔۔۔ اے یہودیو! یہ تو رہا تمہارا دنیا میں حال (اور) رہا تمہارا حال آخرت میں، تو تم وہاں (ہانکے جاؤ گے) ذلت کے ساتھ تمہیں لیجا یا جائیگا۔ (جہنم کی طرف اور وہ نہایت برا بستر ہے) برا ٹھکانہ اور گندی قرار گاہ ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِتْنَةِ الْمُكَافِرِينَ ۚ وَاللَّهُ تَعَالَىٰ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَخْرَجَ

بیٹک تمہارے لیے نشانی تھی ان دو گروہوں میں جو باہم بھڑ گئے تھے، ایک گروہ لڑ رہا تھا اللہ کی راہ میں، اور دوسرا

كَافِرًا يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأَىٰ الْعَيْنُ ۗ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ

گروہ کافر، کہ دیکھیں ان کو اپنے سے دو ٹا پشیم خود۔ اور اللہ قوت دے اپنی مدد سے جسے چاہے۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝

ہے شک اس میں ضرور عبرت ہے سو جو بوجھ والوں کیلئے •

اے اپنی اور کفار کی گنتی کو دیکھ کر دھوکا کھانے والے یہودیو! تمہیں مغلوب ہونا ہے اور محمد عربی ﷺ نبی برحق ہیں۔ ان دونوں باتوں کی سچائی سمجھنے کیلئے (بے شک تمہارے لئے) واضح (نشانی تھی ان دو گروہوں میں جو باہم بھڑ گئے تھے)، پھر میں جنگ کیلئے آپس میں مل گئے تھے، اگرچہ کفار کو اپنی کثرت پر ناز اور اپنے غلبہ کا یقین تھا لیکن انھیں منہ کی کھانی پڑ گئی اور خود اے یہودیو تمہیں بھی نقصان اٹھانا پڑا۔

ان دو گروہوں میں (ایک گروہ لڑ رہا تھا اللہ تعالیٰ (کی راہ میں)، اسکی رضا کیلئے، اس کے دین کی بقا کیلئے، اور اعلیٰ کلمۃ الحق کیلئے) اور دوسرا گروہ کافر) اللہ و رسول سے کفر کرنے والوں کا تھا اور صورت حال یہ تھی (کہ دیکھیں ان کو اپنے سے دو ناچشم خود) یعنی کفار کھلی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے۔

--- یا --- خود مسلمانوں کی اصلی تعداد سے انھیں دو گنا محسوس کر رہے تھے یعنی ان کو تین سو تیرہ ۳۱۳ مسلمان، چھ سو چھپیس ۶۶ نظر آ رہے تھے --- یا --- خود مسلمان لوگ کافروں کو اپنی تعداد سے دو گنا ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ایک ارشاد میں یہ بھی وضاحت فرمائی گئی ہے **يُقَالُ لَكُمْ فِي آيَاتِنَا** یعنی تم انھیں قلیل نظر آ رہے تھے اور یہاں فرمایا گیا کہ تم انھیں دو گنے محسوس ہو رہے تھے، دراصل بات یہ تھی ان کو مسلمانوں کی کثرت و قلت مختلف اوقات میں دکھائی گئی۔ انکا گاہے قلیل اور گاہے کثیر نظر آنا قدرت کاملہ کے آثار اور معجزہ نبوی کے اظہار کیلئے زیادہ بلیغ ہے۔

اسکے اندر حکمت یہ نظر آ رہی ہے کہ ابتدائے جنگ میں کفار کو اہل اسلام معمولی اور چند گنتی کے محسوس ہوئے، اس پر مسلمانوں نے لڑائی کیلئے انکے دل بندھ گئے، بلکہ اپنی کثرت و قوت کے غرور سے انکی جرات میں اضافہ ہوا، لیکن جب میدان جنگ میں ایک دوسرے کے سامنے ہوئے، تو مسلمانوں کی تعداد انھیں دگنی محسوس ہوئی۔ اس سے انکے حوصلے پست ہو گئے، یہاں تک کہ وہ مغلوب بھی ہو گئے اور ادھر خود مسلمانوں نے کافروں کو اپنے سے دو گنا دیکھا، حالانکہ وہ سہ گنا سے زیادہ تھے۔ مسلمان صرف تین سو تیرہ اور کفار تقریباً ایک ہزار ۱۰۰۰ تھے۔

گمراہ کفار مسلمانوں کو اپنے سے صرف دو گنا نظر آئے، اس میں راز یہ تھا کہ رب کریم نے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم ایک مسلمان کو دو کافروں پر غالب کر دیں گے۔۔۔

وَمَا تَكُنَّ صَابِرَةً يَغْلِبُؤَامَانَتَيْنِ ﴿الانفال: ۶۶﴾

ایک سو صابر ہوں تو چھپیس گے دو سو کو

۔۔۔ تو اپنے مقابل کی تعداد اپنے سے دگنی محسوس کرنے کی صورت میں

خدا کے وعدہ پر بھروسہ کرتے ہوئے مسلمان کسی کم ہمتی اور مایوسی کا شکار نہیں ہونگے اور لڑائی پر پوری توجہ مرکوز رکھیں گے اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی نصرت سے غلبہ حاصل کر لیں گے۔

غزوہ بدر میں کافروں کی نظر میں مسلمانوں کا اپنی اصلی تعداد سے زیادہ نظر آتا۔ اور۔۔۔ مسلمانوں کی نظر میں کافروں کا انکی اصلی تعداد سے کم نظر آتا، یہ سب قدرت الہیہ کی کھلی نشانیاں ہیں اور نبی کریم ﷺ کا روشن معجزہ ہے۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (قوت دے) دیتا ہے (اپنی مدد سے) اور اپنی خاص نصرت و عنایت سے (جسے چاہے) اسباب عادیہ کے بغیر ہی مدد فرمادے۔ (بیشک اس) قلیل کو کثیر اور کثیر کو قلیل کر دینے میں اور بہت زیادہ ساز و سامان اور آلات حرب۔۔۔ نیز۔۔۔ افرادی قوت رکھنے والوں کو ایک چھوٹی سی جماعت، وہ بھی بے سرو سامان سے مغلوب کر دینے (میں ضرور عبرت) و نصیحت (ہے سو جو بوجھ بوجھ والوں کیلئے) جو دل کی بینائی رکھنے والے صاحب بصیرت ہیں۔

جو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ دنیا کی ساری چیزیں یہاں کے مال و متاع سب کوفنا ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس دائمی اجر و ثواب ہے جس کیلئے فنا نہیں۔ فانی چیزوں کیلئے باقی رہنے والی نعمتوں کو ترک کر دینا سمجھ داری کی بات نہیں ہے۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ابو حارثہ بن عاتقہ نصرانی جیسی سوچ رکھنے والے ہیں، جو اللہ کے رسول کو برحق جانتے ہوئے بھی اسلئے ایمان نہیں لائے کہ روم کا بادشاہ مجھ سے خفا ہو چاہیگا اور جو کچھ مجھے مال و دولت دے رکھا ہے وہ سب مجھ سے واپس لے لیگا۔ اسی طرح کی نافرمانی سوچ رکھنے والے ہیں وہ لوگ کہ۔۔۔

رُئِينَ لِلنَّاسِ حُبَّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ

نظر فریب بنا دی گئی لوگوں کیلئے خواہشات کی محبت، عورتوں اور بیٹوں، اور تہہ بہ تہہ

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ

سونے چاندی کے ڈھیروں، اور نشان دہیے ہوئے گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیت سے۔

ذَلِكَ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ﴿۲۰﴾

یہ اس زندگی کی پٹھنی ہے۔ اور اللہ، اسی کے پاس ہے اچھا لوکانہ۔

(نظر فریب بنا دی گئی) ہے جن مشرک (لوگوں کیلئے) دنیاوی مال و متاع کی (خواہشات کی محبت) کس سے کس سے محبت؟ (عورتوں) سے، شیطان انہی کے ذریعہ مردوں کو بہت جلد پھانستا ہے (اور بیٹوں) سے، انہی کیلئے انسان مال و دولت جمع کرنے کا حریص ہو جاتا ہے، مگر طلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا۔ انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حدود کی حفاظت نہیں ہو پاتی۔ بے شک اولاد ایک عظیم ترین

فنتہ ہیں، اگر زندہ رہیں تو آزمائش میں ڈالتے ہیں اور مر جائیں تو غمگین کرتے ہیں۔ (اور تمہ بہ تمہ سونے چاندی کے ڈھیروں) سے، یعنی اکٹھا کئے ہوئے یا گاڑے ہوئے خزانوں سے، (اور نشان دیئے ہوئے) آراستہ، خوب تیار۔۔۔ یا۔۔۔ ابلق (گھوڑوں) سے، (اور مویشیوں) یعنی اونٹ گائے اور بکریوں سے، (اور کھیت سے) یعنی کاشتکاری سے۔

یہ تمام اشیاء لوگوں کو فتنہ و آزمائش میں ڈالنے والی ہیں۔ بال بچے سب کیلئے، سونا چاندی تاجروں کیلئے، گھوڑے بادشاہوں کیلئے۔ دوسرے جانور دیہاتیوں کیلئے، انکے پالنے والوں کیلئے اور کھیتی باڑی کسانوں کیلئے، فتنہ و آزمائش ہیں۔

(یہ) ساری چیزیں جو اوپر مذکور ہوئیں (اس) دنیوی (زندگی کی پونجی ہے) اس سے صرف دنیاوی زندگی ہی میں فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ہر انسان کو یہاں کی یہ ساری چیزیں یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ ہی جانا ہے۔ اچھی طرح جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (اسی کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ) اور ہمیشہ رہنے کی جگہ بہشت، جس کیلئے فنا نہیں۔

دنیا کے مال و متاع سے متوقع خطرات اور ان کی بے وقعتی اور بے ثباتی ظاہر فرمادینے کے بعد اب اس سے اعراض و بے رغبتی کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے۔ چنانچہ محبوب کی زبان سے یہ پیغام پہنچایا جا رہا ہے، کہ اے محبوب صرف اپنے غریب اصحاب ہی سے نہیں بلکہ صاف لفظوں میں سب سے۔۔۔

قُلْ اَدْبَابُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَلَّتْ

کہہ دو کیا ہم بتا دیں تم کو اس سے بہتر۔ انکے لئے جو پرہیزگار ہوئے انکے رب کے پاس جنتیں ہیں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ

کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور پاکیزہ بیبیاں ہیں،

رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِصِيْرٍ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

اور اللہ کی طرف سے خوشنودی ہے۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے بندوں کو

(کہہ دو) کہ اے دنیاوی مال و متاع رکھنے والو!۔۔۔ یا۔۔۔ اسکو حاصل کرنے کی خواہش

رکھنے والو! (کیا ہم بتا دیں تم کو اس سے بہتر؟) یعنی تمہیں ان دنیا کی لذیذ اشیاء سے بہتر کاپہ پیو دے

دیں؟ مگر یہ اعلیٰ اور ارفع چیز ہر ایک کا مقدر نہیں ہے۔۔۔ بلکہ۔۔۔ یہ (ان) خوش بختوں (کیلئے) ہے

(جو پرہیزگار ہوئے) اور اپنے کو کفر و شرک سے بچایا، جیسے عام مسلمان۔۔۔ یا۔۔۔ وہ جو بری باتوں سے درگزرے۔۔۔ یا۔۔۔ متاع دنیا سے ہاتھ دھولیا، جیسے کہ اصحاب صفہ تو ایسوں کیلئے (انکے رب کے پاس جنتیں ہیں) باغات ہیں۔ ایسے باغات (کہ جگے نیچے نہریں جاری ہیں) وہ (اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور) اس میں ان کیلئے (پاکیزہ زمیںیں ہیں) جو ظاہری عیوب۔۔۔ مثلاً: حیض، ناک کے گندے پانی اور اپنی پارسائی کو داندرا کرنے سے۔ اور باطنی عیوب۔۔۔ مثلاً: حسد، غضب اور اپنے ازواج کے غیر کی خواہش رکھنے سے۔۔۔ الغرض۔۔۔ ہر عیب سے پاک و صاف ہیں۔

(اور) صرف اتنا ہی نہیں، ان کیلئے (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے خوشنودی ہے) ایسی رضامندی جس کا اندازہ کرنا محال ترین ہے۔

جب بندہ معرفت الہی میں مستغرق ہو جاتا ہے تو اس کا پہلا مقام یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ

سے راضی ہوتا ہے اور آخری مقام یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا اور وہ اللہ

تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہو جاتا ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (دیکھنے والا ہے) اپنے سارے (بندوں کو) اور ان کے اعمال و احوال کو بھی۔ اس وجہ سے ان کو نیکیوں پر ثواب دیا اور برائیوں پر جس سزا کے وہ لائق ہیں وہ سزا دے گا۔ اب اگر کوئی جاننا چاہتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھتے ہیں اور پھر ان کو بہترین کرامات سے نوازا جاتا ہے، تو وہ سن لے کہ۔۔۔

الَّذِينَ يَهْتَدُونَ رَبَّنَا إِنَّنا أَمَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذابَ النَّارِ

• وہ جو کہیں کہ پروردگار ایک ہم مان گئے، تو بخش دے ہمارے گناہوں کو، اور بچا ہم کو عذاب جہنم سے

یہ (وہ) لوگ ہیں بارگاہ خداوندی میں (جو) یہ عرض کریں اور (کہیں کہ پروردگار ایک ہم مان گئے) اور تجھ پر اور تیرے نبی ﷺ پر اور تیرے نبی الطیبین کے ذریعہ تیری جو جو ہدایتیں ملیں اور جو جو احکامات موصول ہوئے، ان سب پر ایمان لائے اور اس ایمان لانے سے تیری مغفرت کے مستحق ہو چکے (تو بخش دے) اپنے فضل و کرم سے (ہمارے گناہوں کو اور بچا ہم کو عذاب جہنم سے) ان اعمال سے ہم کو دور رکھ جو جہنم کی طرف یہ جانے والے ہوں، مذکورہ بالا عرض پیش کرنے والے ہیں۔

الصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِیْتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ

یہ صبر کرنے والے، اور سچ بولنے والے، اور ادب کرنے والے، اور خرچ کرنے والے،

وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ

اور بخشش مانگنے والے پچھلی رات میں •

طاعت کی تکالیف اور دکھ درد اور جنگ کے خطرات کے وقت (یہ صبر کرنے والے) اپنے اقوال و نیات و عزائم کے سچے (اور) ہر حال میں (سچ بولنے والے) طاعت پر مداومت، عبادت پر مواظبت (اور) شریعت کا (ادب کرنے والے اور) اپنے اموال کو اللہ و رسول کی خوشنودی پر (خرچ کرنے والے اور) بخشش مانگنے والے پچھلی رات میں (صبح کو تڑکے، کہ وہ دعا قبول ہونے کا وقت ہے --- یا۔۔۔ شب کے آخری تیسرے حصہ میں نوافل ادا کرنے والے --- یا۔۔۔ فجر کی نماز، جماعت سے پڑھنے والے۔

--- المختصر --- متقی وہ ہیں جو ریاضت کا بوجھ اٹھانے میں ضابطہ ہیں اور سچے ہیں ارادت کی سیدھی راہیں چلنے میں، اور فرمانبردار ہیں اللہ کی طرف چلنے اور اللہ کی راہ میں بے تصور اور بے فتور سیر کرنے میں اور قربان کر دینے والے اپنے جان و مال کو محبت کی وجہ سے اور استغفار کرنے والے ہیں، اپنے دلی اور قلبی گناہ سے۔ ان نفوس قدسیہ والوں کی نظر میں غیر خدا کی طرف توجہ بھی گناہ ہے، تو وہ اس گناہ کیلئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔
دو یہ ہودی عالم ملک شام سے مدینہ منورہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے بزرگ کلمہ اور سب سے بڑی شہادت کلام الہی میں کیا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَالْمَلٰئِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۗ

اللہ گواہ ہے کہ بے شک نہیں کوئی معبود اس کے سوا۔ اور فرشتوں نے گواہی دی اور علم والوں نے انصاف پر قائم رہ کر، کہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۰﴾

نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے، غلبہ والا حکمت والا •

(اللہ) تعالیٰ (گواہ ہے کہ بے شک نہیں) ہے (کوئی معبود اسکے سوا)، ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہونے کی شہادت اللہ تعالیٰ کی اپنی شہادت ہی ہے، جو تمام شہادتوں کی بنیاد ہے۔ اگر وہ نہ ہو

تو تمام مخلوق کی شہادتیں غیر معتبر ہوں۔۔۔ الغرض۔۔۔ شہادت وہی ہے جو خود خدا نے دی ہے (اور) پھر (فرشتوں نے گواہی دی)۔ یعنی خدا کی گواہی پر اسکی وحدانیت کا اقرار کیا۔ (اور علم والوں نے) بھی گواہی دی اور اسکی وحدانیت پر ایمان لا کر اس وحدانیت پر دلیلیں قائم کیں۔

۔۔۔ الحاصل۔۔۔ انسانوں کے نفوس میں توحید پر دلائل پیدا کرنا، یہ خدائے عزوجل کی گواہی ہے، اسکی وحدت کا اقرار کرنا یہ فرشتوں کی گواہی ہے اور اسکی وحدت کو مان کر اس پر دلائل قائم کرنا، یہ علمائے ربانین کی گواہی ہے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ اللہ تعالیٰ (انصاف پر قائم رہ کر) یعنی انصاف قائم کر کے عدل کے ساتھ نظام قائم کرنے والا ہے۔ یعنی وہ رزق واجل اور جزا و سزا دینے میں اپنے بندوں سے عدل و انصاف فرماتا ہے، بلکہ انھیں بھی عدل کا حکم فرماتا ہے۔۔۔ یا۔۔۔ جن امور سے روکتا ہے ان میں بھی عدل و انصاف ہوتا ہے تاکہ ان میں برابری رہے اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کر سکیں۔ رب تعالیٰ کی اپنی توحید کی گواہی انصاف پر مبنی ہے کیوں (کہ) فی الواقع (نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے) بے شک وہ (غلبہ والا) ہے۔ تو یہ مجال ہے کسی اور کی شہادت اسکی شہادت پر۔۔۔ یا۔۔۔ کسی اور کی تعریف اسکی خود اپنی کی ہوئی حمد پر غالب آ جائے۔

دوسرے لوگ تو صرف اسلئے گواہی دیتے ہیں اور صرف اسلئے حمد و ثنا کرتے ہیں کہ ایسا کرنے پر انھیں مامور کیا گیا۔۔۔ نیز۔۔۔ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ توحید کا اقرار کریں اور خدا کی تعریف و توصیف کرتے رہیں۔

رہ گیا اپنی شہادت اور اپنے وصف میں غالب رہنا وہ اسی رب کریم کی شان ہے جو (حکمت والا) ہے اور اپنی وحدانیت کی گواہی دینے میں دانا ہے۔

اس مقام پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تکرار توحید کی تاکید کی وجہ سے ہے، تاکہ وہ بندے اللہ تعالیٰ کی توحید کا حق ادا کریں اور شرک سے بچیں، اسلئے کہ توحید کے منکر پر اتنی زیادہ سخت سزا ہے کہ اس جیسی اور کوئی سزا نہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر جس طرح چاہتا ہے، حکم دیتا ہے، لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ اپنے غلبہ و قدرت کی وجہ سے کسی سے نا انصافی کرے۔

اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور علماء نے یہ شہادت دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ یہی توحید ہی دین حق ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے

لیکر حضرت خاتم النبیین ﷺ تک ہر ہر نبی برحق کے پیغام و ہدایت کا بنیادی حصہ رہا ہے۔ ہر دور میں دین برحق کی نسبت اس دور کے نبی کی طرف کی جاتی رہی۔۔۔ مثلاً: دین ابراہیمی، دین موسوی اور دین عیسوی وغیرہ اور اب صورت حال یہ ہے کہ حضور ﷺ کے عہد سے لیکر آج تک اسلام کے سوا اور کوئی دین توحید کا داعی نہیں ہے۔ صرف اسلام ہی ہے جسکی دعوت و ہدایت کا اصل الاصول نظر یہ توحید الہیت والوہیت ہے۔ اس سے یہ نتیجہ واضح طور پر سامنے آ گیا کہ۔۔۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ

بے شک دین اللہ کے نزدیک، اسلام ہی ہے۔۔۔ اور نہیں اختلاف کیا جن کو دی گئی ہے کتاب

الْأَمْرِ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ

مگر بعد اس کے کہ آگیا ان کو علم، باہمی چڑھاؤ اتار میں۔ اور جو انکار کرے اللہ کی آیتوں کا،

فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۰﴾

تو بے شک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے ●

(پیشک دین) برحق (اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک) دین (اسلام ہی ہے)۔ اسلام کے سوا دوسرے سارے ادیان باطل ہیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ اسلام ہی خدا کا پسندیدہ دین ہے، یہودیت اور نصرانیت نہیں۔ سننے والوں (اور) یاد رکھو کہ (نہیں اختلاف کیا) دین اسلام کے دین برحق ہونے میں اور رسول اسلام کے رسول برحق ہونے میں، ان یہود و نصاریٰ نے (جن کو دی گئی ہے کتاب) ان کے رسولوں پر نازل فرما کر (مگر بعد اس کے کہ آگیا ان کو) حقیقت امر اور صحیح صورت حال کا (علم)۔

یعنی دلائل و براہین سے انھیں پورا یقین حاصل ہو چکا تھا کہ حقیقت الامر کیا ہے؟ وہ اچھی طرح سے جان چکے تھے کہ دین اسلام اور نبوت محمدی حق ہے، جسے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پھر بھی انکار کرنا، یہ انکی انتہا درجہ کی گمراہی تھی۔ عقل و شعور اور علم و خبر رکھتے ہوئے انھیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مذکورہ بالا آیت میں اہل کتاب کے اختلاف کے مصداق کے تعلق سے مندرجہ ذیل اقوال بھی ہیں:

﴿۱۰﴾۔۔۔ اس سے مراد یہود ہیں۔ اور انکے اختلاف کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی وفات قریب ہوئی، تو انھوں نے تورات کو ستر علماء کے سپرد کیا اور ان کو تورات پر امین

بنایا اور حضرت یوشع علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کیا، پھر کئی قرن گزرنے کے بعد ان ستر علماء کی اولاد اور اولاد نے تورات کا علم رکھنے کے باوجود باہمی حسد و عناد کے باعث ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔

﴿۲۶﴾۔۔۔ اس سے مراد نصاریٰ ہیں۔ جنہوں نے باوجود انجیل کی تعلیمات کے، حضرت عیسیٰ کے متعلق اختلاف کیا اور انہیں 'عبداللہ' کے بجائے 'ابن اللہ' کہا۔

مذکورہ بالا سارے اختلافات، اختلاف کرنے والوں نے اخلاص اور حق پسندی میں نہیں کئے ہیں، بلکہ (باہمی اتار چڑھاؤ میں) کئے ہیں۔ حسد و عناد، عمارت و ریاست کی چاہت، ایک دوسرے پر برتری کی خواہش اور دنیوی مفادات کو زیادہ سے زیادہ تنہا حاصل کر لینے کا جذبہ، یہ سب تھے ان کی آپسی رسہ کشی کے اسباب۔ اب سب اچھی طرح سے سن لیں (اور) سمجھ لیں کہ (جو انکار کرے اللہ) تعالیٰ (کی آجوں کا) یعنی قرآنی ہدایات اور نبی کریم کے معجزات کا اور دلائل و براہین سمجھ لینے کے بعد دین اسلام کے خدا کا پسندیدہ دین ہونے کا، (تو) وہ اچھی طرح سے جان لے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (جلد) اسکا (حساب کرنے والا ہے) اور صرف کسی ایک فرد کا نہیں، بلکہ ساری مخلوق کا جلد تر حساب لینے والا ہے۔

یوم حساب یعنی قیامت کا دن بالکل قریب ہے۔ ہمارے اور قیامت کے درمیان اب کسی اور نبی کا زمانہ حائل نہیں۔ ایسا بھی نہیں کہ حساب لینے میں اسے کافی وقت لگے گا، بلکہ وہ بہت تھوڑی دیر میں ہی سب کا حساب لے لیگا۔ یہاں تک کہ ہر ایک کا گمان یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف میرا ہی حساب لیا ہے۔۔۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسَلْتُمْ وَجْهِي لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنَ وَقُلْ لِّلَّذِينَ

پھر اگر کٹ جھتی کی انہوں نے تو، کہہ دو کہ میں اپنا رخ جہاں کا اللہ کیلئے، اور جنہوں نے میری پیروی کی، اور کہہ دو

أَوْثُوا الْكِتَابَ وَالْأَهْلِينَ ؕ أَسَلْتُمْ ؕ فَإِنْ أَسَلْتُمْ فَقَدْ اهْتَدَوْا ؕ

اہل کتاب اور ان پڑھوں سے، کہ کیا تم نے بھی جہاں کا، پس اگر انہوں نے جہاں دیا، تو بے شک راہ پا گئے۔

وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ ۗ وَاللَّهُ بِصِيْرَتِكُمْ لَٰهْدٍ ۗ

اور اگر منہ پھیر لیا، تو تم پر بس تکلیف دینا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے •

ان تمام حقائق کو جان لینے کے بعد (پھر اگر کٹ جھتی کی انہوں نے) اس مسئلہ میں کہ پسندیدہ

دین اللہ تعالیٰ کا اسلام ہی ہے (تو) اے حبیب ان سے صاف لفظوں میں (کہہ دو کہ میں اپنا رخ) دل، دماغ اور قلب و روح سب کچھ (جھکا چکا) خالصاً لوجه اللہ، (اللہ تعالیٰ) کیلئے اور) صرف میں نے ہی نہیں، بلکہ ان سارے لوگوں نے بھی (جنہوں نے میری پیروی کی) ان سبھوں نے بھی خدا کے آگے سر تسلیم خم کر لیا ہے۔

اے محبوب ساتھ ہی ساتھ سوالیہ انداز میں فرمادو (اور کہہ دو اہل کتاب) یعنی یہود و نصاریٰ سے، (اور ان پڑھوں سے) یعنی مشرکین عرب سے جنکے پاس کوئی کتاب نہیں (کہہ کیا تم نے بھی جھکایا) یعنی۔۔۔ کیا تم بھی سر تسلیم خم کرتے ہوئے میری تابعداری کرتے ہو؟ جیسے کہ اہل ایمان نے تابعداری کی ہے۔ غور کرو کہ تمہارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جو اسکے مقضیٰ ہیں اور تم پر لازم کرتے ہیں، کہ تم مجھ پر لازماً ایمان لاؤ، تو جواب دو کہ کیا تم ایمان لائے ہو؟ اور ان دلائل کے مطابق عمل کرتے ہو؟۔۔۔ یا۔۔۔ ویسے ہی ابھی کفر پڑٹے ہوئے ہو۔

(پس اگر انھوں نے) آپ کے آگے اپنا سر تسلیم (جھکا دیا) اور پورے اخلاص کے ساتھ تمہیں مان گئے، (تو بے شک راہ پا گئے)۔ اب وہ یقیناً ہدایت کے حظ وافر سے محفوظ ہونگے اور ہلاکتوں سے محفوظ ہو جائیں گے (اور اگر منہ پھیر لیا)، یعنی آپ کی اتباع سے روگردانی کی اور اسلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، (تو) وہ اس سے آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے اسلئے کہ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ ہے اور احکام الہی پہنچا دینا ہے۔

۔۔۔ الختصر۔۔۔ اے محبوب، تم صرف رسالت کے احکام پہنچانے پر معمور ہو۔ تمہارا جو فریضہ تھا، وہ تم نے بخوبی مکمل ادا کر دیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ (تم پر بس پہنچا دینا ہے) کسی کو منوانا اور اسکی ذات میں ہدایت کی تخلیق کرنا نہیں ہے۔ (اور اللہ تعالیٰ) (اپنے بندوں) کی تصدیق اور تکذیب دونوں (کو دیکھنے والا ہے)۔ تو تصدیق کرنے والے مومنین کیلئے جزا ہے اور تکذیب کرنے والے کافروں کیلئے سزا ہے۔

اور پر دین سے اعراض کرنے والوں کا ذکر تھا، اب انکے تعلق سے فرمایا جا رہا ہے کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَيَقُولُونَ بِاللَّهِ غَيْرِ حَقِّ

بیٹک جو انکار کریں اللہ کی آیتوں کا، اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو ناحق،

وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ⑤

اور قتل کریں ان کو جو لوگوں میں انصاف کا حکم دیں، تو متوجہ کر دو ان کو دکھ دینے والا عذاب کی طرف •

(پیشک جو انکار کریں اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا)، کسی بھی ایک آیت کا انکار ساری آیتوں کا

انکار ہے، خواہ بظاہر لفظوں میں انکار نہ کیا جائے، اسلئے کہ دونوں انکار کا انجام ایک ہی ہے۔

جس طرح ساری آیتوں کا منکر کافر ہے، بالکل اسی طرح ایک آیت کا بھی منکر کافر ہی

ہے۔ تو جس نے کسی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس نے گویا ساری آیتوں کا انکار کر دیا، اسلئے

کہ ایمان کیلئے ضروری ہے کہ ہر ہر آیت کی تصدیق کی جائے، مگر کفر کیلئے یہ ضروری نہیں

ہے کہ ہر ہر آیت کی تکذیب کی جائے، تب کہیں جا کر کفر ہو۔

--- الحاصل --- جو آیات الہیہ کا انکار کرتے ہیں (اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو) یہ سمجھتے ہوئے

کہ یہ قتل (ناحق) ہے اور ظالمانہ ہے، کسی ایسی وجہ سے نہیں ہے، جس سے اس قتل کو حق شرعی قرار دیا

جائے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کر گزریں (اور قتل کریں ان کو جو لوگوں میں انصاف کا حکم دیں)

اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں۔

ان یہودیوں کی سرکشی اور زیادتی کا عالم یہ تھا کہ صرف ایک گھنٹے میں تینتالیس ۳۳ انبیاء

کرام علیہم السلام کو شہید کر ڈالا۔ اس پر بنی اسرائیل کے غلاموں جن کی تعداد ایک سو بارہ تھی،

نے انھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کہ تم نے انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کر ڈالا۔ اس

پر ان یہودیوں کو قصہ آگیا اور اسی دن کی شام کو ان سب کو بھی شہید کر دیا۔

یہ قاتلین اگرچہ حضور ﷺ کے ہم زمانہ نہ تھے بلکہ آپ کے ہم عصر اہل کتاب کے

مورثین تھے، مگر چونکہ یہ ہم عصر اپنے مورثین کے اس عمل کو صحیح سمجھنے والے ہیں، اسکی تعریف و

تحمین کرنے والے تھے اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اپنے مورثین کے عمل کی پیروی کرتے

ہوئے نبی کریم کو شہید کر دینے کی تدبیر میں بھی لگے رہتے تھے۔ غزوہ خیبر میں نبی کریم کو

نہرِ غماں سے تدبیر ہی کی ایک کڑی ہے۔

ایسے ہی مؤمنین بھی ہمیشہ انکی آنکھوں کا کنارہ ہے، لہذا سارے ایمان والوں کو شہید کر

دینے کی آرزو بھی انکے دلوں میں ہمیشہ رہی۔ اگر رب کریم اپنی عصمت اور اپنے فضل و کرم

سے انکی حفاظت نہ فرماتا، پھر تو وہ لوگ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو جاتے۔

(تو) اے محبوب (متوجہ کر دو ان) غلاموں (کو دکھ دینے والے عذاب کی طرف) اور جان لو کہ۔۔۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

یہ وہ ہیں کہ غارت ہو گئے ان کے اعمال دنیا و آخرت میں،

وَمَا لَهُمْ مِنْ نُصْرَةٍ ۝

اور نہیں ان کیلئے کوئی مددگار •

(یہ) جبکہ اوصاف قبیحہ اوپر بیان کئے گئے ہیں (وہ ہیں کہ غارت) یعنی ضائع واکارت (ہو گئے انکے اعمال دنیا و آخرت میں اور نہیں ان کیلئے کوئی مددگار) جو اللہ کے عذاب سے نجات دلانے میں مدد دے سکے دنیا میں نہ آخرت میں۔ دنیا میں نہ ان کی کوئی تعریف و توصیف کرنے والا ہوگا اور نہ ہی آخرت میں ان کے اعمال کا کوئی ثواب ملے گا۔

سابقہ آیت میں بتایا گیا کہ یہودیوں کا اسلام قبول کرنے سے انکار عناد اٹھا اور اب یہ وضاحت کی جا رہی ہے کہ انکا عناد اس درجہ کو پہنچا ہوا تھا کہ اگر انھیں خود انکی آسمانی کتابوں کی طرف عمل کی دعوت دی جائے، تو اس سے بھی اعراض کرتے ہیں۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ایک مرتبہ رسول کریم یہودیوں کے مدرسے میں گئے اور انھیں اللہ کی طرف دعوت دی، تو ان یہودیوں میں سے نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے آپ سے پوچھا، اے محمد (ﷺ) آپ کس دین پر ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت ابراہیم کے دین اور انکی ملت پر۔ انھوں نے کہا کہ، ابراہیم تو یہودی تھے۔ آپ نے فرمایا، تورات لاؤ۔ اس مسئلہ میں وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصل ہے، انھوں نے اس سے انکار کیا تو ارشاد باری ہوا۔۔۔

لَمْ تَدْرَ إِلَى الدِّينِ أَوْ تَوَلَّوْا صَيْبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ

کیا تم دیکھ نہیں چکے ان کو، جنہیں دیا گیا ایک حصہ کتاب سے، وہ بلائے جاتے ہیں اللہ کی کتاب

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ شَمًّا يَتَوَلَّى قَرِيبٌ مِّمَّهْمُ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝

کی طرف تو وہ ان میں حکمرانی کرے، پھر ان میں سے کچھ پھرتے ہیں بے رشتی کے ساتھ •

اے محبوب! (کیا تم دیکھ نہیں چکے ان) یہودیوں (کو جنہیں دیا گیا) علوم و احکام، حضور ﷺ کی شان مبارک کے قصے، اسلام کی حقیقت۔۔۔ الغرض۔۔۔ (ایک) اچھا خاصا (حصہ کتاب) تورات (سے)، اور پھر جب (وہ بلائے جاتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی کتاب کی طرف) تاکہ جب وہ آئیں (تو

وہ) کتاب (ان) کے مسائل (میں) فیصلہ کرے اور حکم کا کردار ادا کر کے اور اپنی (حکمرانی) کا مظاہرہ (کرے) تو (پھر) اس دعوت پر انکار دینا یہ ہوتا ہے کہ (ان میں سے کچھ پھر) جا (تے ہیں بے رخی کے ساتھ)، کتاب کے حکم سے اعراض کرتے ہوئے گفتگو کی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ نَسْتَنِيَ النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ

یہ اسلئے کہ وہ کہا کیے کہ نہ چھوئے گی ہم کو آگ، مگر چند دن۔

وَعَزَّوهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۳۹﴾

اور دھوکا دیا ان کو ان کے دین میں اس نے جو جھوٹ افتر کرتے تھے •

انکی (یہ) سرکشی (اسلئے) تھی (کہ وہ) اپنے گمانِ فاسد کی بنیاد پر (کہا کئے) دعویٰ کرتے رہے، (کہ نہ چھوئے گی ہم کو) جہنم کی (آگ، مگر چند دن) یعنی ہم پر صرف چالیس دن عذاب ہوگا، جتنے دنوں تک ہمارے موروثوں نے چھڑے کی پرستش کی تھی۔

کبھی وہ کہتے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے محبوب ہیں اور کبھی یہ جکتے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں، اسلئے ہم سے گناہوں کا مواخذہ نہیں ہوگا اور انبیاء کرام سفارش کر کے ہم کو بچا لینگے۔ کبھی کہتے کہ ہم حضرت یعقوب کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ انکی اولاد کو عذاب نہ ہوگا۔

--- الغرض --- بہکا دیا (اور دھوکا دیا ان کو ان کے) اپنے (دین میں) گھڑے ہوئے خود ساختہ (اس) خیال (نے جو) سراسر (جھوٹ) تھے، جکا بہتان اللہ تعالیٰ پر باندھتے تھے اور خدا کی ذات پر (افتراء کرتے تھے)۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْتَهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ وَوُعِدَتْ كُلُّ نَفْسٍ

بہیسیسا حال ہوگا جہاں ہم نے اکٹھا کر دیا انکو اس دن کہ جس میں کوئی شک نہیں۔۔۔ اور ہر پورا پورا دیا گیا ہر ایک

مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۰﴾

جو اس نے کمایا، اور وہ ظلم نہیں کیے جاتے •

تو عقل و شعور والو انور کرو، (پس کیسا حال ہوگا) انکا اس جگہ (جہاں ہم نے اکٹھا کر دیا ان کو

اس دن کہ جس دن کے واقع ہونے (میں کوئی شک نہیں)؛ مکمل انصاف کیا گیا (اور پورا پورا) اجر (دیا گیا ہر ایک) کو، اسکا (جو اس نے کمایا) یعنی ان کے اعمال کی انھیں پوری جزا ملے گی، اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی (اور وہ) یعنی میدانِ حشر میں حساب و کتاب کیلئے اکٹھا کئے جانے والے، عذاب بڑھا کر۔۔۔ یا۔۔۔ ثواب میں کمی کر کے (ظلم نہیں کئے جاتے)، بلکہ ہر ایک کو انکے اعمال کی پوری جزا ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے اگرچہ ذرہ برابر سہی۔ پس مومن کو اس کے ایمان کی جزا ملے گی اور کافر کو اس کے کفر کی سزا۔۔۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ عنقریب کفار مغلوب ہونگے اور بظاہر ایسا ہونا معلوم نہیں ہوتا تھا، کیونکہ کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دنیا کے اکثر و بیشتر ملکوں میں کافروں کی حکومت تھی، اسلئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم سے فرمایا کہ آپ یہ دعا فرماؤ۔۔۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمَلِكَ

کہو یا اللہ، ہر ملک کے مالک، تو جس کو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین

مِنْ تَشَاءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَ تُدَلِّسُ مَنْ تَشَاءُ

لے۔ اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے رسوائی دے۔

بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

تیرے ہی قبضہ ہر بھلائی ہے۔ بے شک تو ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اور (کہو یا اللہ ہر ملک کے مالک) تیرے تصرفات کا عالم یہ ہے کہ (جس کو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے اور جس کو چاہے) دنیا و آخرت میں اپنی نصرت و توفیق عطا فرما کر (عزت دے اور جسے چاہے) اسکے سر سے اپنے فضل و کرم کا سایہ ہٹا کر دونوں جہاں میں اسے (رسوائی دے)، تو مالک و مختار ہے، تیرا کوئی مانع ہے نہ مدافع، (تیرے ہی قبضہ) قدرت میں (ہر بھلائی ہے) کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جس طرح تیری مشیت کا تقاضہ ہوتا ہے، تو اسی طرح تصرف فرماتا ہے۔ اے اللہ! بیشک تو ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے) جو چاہے کرے، جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔

تَوَلَّجَ الْبَيْلَ فِي النَّهَارِ وَتَوَلَّجَ النَّهَارَ فِي الْبَيْلِ وَتَخْرُجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

تورات کو دن میں اور دن کو رات میں سادے۔ اور تو زندہ کو مردہ سے

وَتَخْرُجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

اور مردہ کو زندہ سے نکالے۔ اور جس کو چاہے ان گنت روزی دے۔

تیری قدرت کاملہ کا عالم تو یہ ہے کہ جب چاہے (تورات کو دن میں) داخل کر دے، ایسا کہ دن بڑھ کر پندرہ گھنٹے کا ہو جائے اور رات اس میں گم ہو کر، ایسا کم ہو کہ نو گھنٹے کی ہو کر رہ جائے۔ (اور) یوں ہی جب چاہے (دن کو رات میں سادے)، ایسا کہ رات پندرہ گھنٹے کی ہو جائے اور دن نو گھنٹے کا رہ جائے۔ (اور) کیا ہی عظیم ہے تیری یہ شان قدرت، کہ (تو زندہ کو مردہ سے) نکالے، خواہ مادی طور پر جیسے بیج سے درخت، نطفہ سے انسان اور انڈے سے پرندے وغیرہ وغیرہ۔۔۔ یا۔۔۔ معنوی طور پر جیسے جاہل سے عالم اور کافر سے مومن، وغیرہ وغیرہ پیدا فرمائے (اور) یونہی (مردہ کو زندہ سے نکالے) جیسے بیج کو درخت سے، نطفہ کو انسان سے، جاہل کو عالم سے اور کافر کو مومن سے پیدا فرمائے۔ (اور) جس کو چاہے ان گنت روزی دے) اور بے حساب رزق عطا فرمائے۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ اے میرے مالک الملک جب تو ان سارے حیرت انگیز امور پر قدرت رکھتا ہے، تو تجھے یہ بھی قدرت ہے کہ جمیوں سے ملک چھین کر انھیں ذلیل کر دے اور عربوں کو عنایت فرما کر انھیں معزز فرما دے۔ اور یوں ہی بنو اسرائیل سے نبوت لیکر بنو اسماعیل کو عطا فرما دے۔ یہ سارے کام تیرے نزدیک بہت ہی آسان ہیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی مالک الملک اور قادر مطلق ہے تو ایمان والوں کو چاہئے اسی کی رضا کے طالب رہیں اور اسی کے احکام کی پیروی کریں۔ لہذا مدینہ منورہ کے انصار کی ایک جماعت کا رؤسائے یہود کے ساتھ دوستی اختیار کر لینا اور آپس میں بھائی چارہ قائم کر لینا اور ایک دوسرے کا ولی بن جانا اور ان یہودیوں سے اپنا قلبی لگاؤ کا مظاہرہ کرنا، یہ سب کچھ ایک مومن کی شان کے خلاف ہے، اسلئے۔۔۔

لَا يَجِدُ الْمُؤْمِنُونَ الْكُفْرِينَ أَقْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ

نہ پائیں ایمان والے، کافروں کو دوست، ایمان والوں کو چھوڑ کر۔ اور جو ایسا کرے،

ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ ۗ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمُ تُقٰتًا ۗ

تو نہیں ہے اللہ سے وہ کسی علاقہ میں، مگر یہ کہ خوف ہو تم کو ان سے کچھ۔

وَيَحٰذِرْكُمْ اللّٰهُ نَفْسَهُ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۰﴾

اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنی ہیبت سے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

(نہ بنائیں ایمان والے کافروں کو دوست ایمان والوں کو چھوڑ کر)، یعنی صرف ایمان والوں

ہی کو دوست بنائیں، ایسا نہ ہو کہ جب دوست بنانے پر آئیں تو ایمان والوں کو نظر انداز کر دیں اور ان کی بجائے کسی کافر کو دوست بنالیں۔ کافروں کو دوست بنالینے میں اندیشہ ہے کہ کہیں جنگ کے وقت ان سے نمل جائیں۔۔۔ یا۔۔۔ انکے خلاف کسی عملی اقدام سے کنارہ کش نہ ہو جائیں۔۔۔ یا۔۔۔ امور دینیہ میں انکا ساتھ نہ دے بیٹھیں۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ 'موالات' جائز نہیں۔ البتہ ان کے ساتھ 'مواسات'، یعنی 'انسانی ہمدردی کا معاملہ'، 'مدارات'، یعنی 'گفتگو اور برتاؤ میں نرمی کا مظاہرہ' اور 'مجرد معاملہ'، یعنی 'معاشرتی برتاؤ کرنا' جائز ہے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس مقام پر جس موالات کو حرام قرار دیا گیا ہے، اس سے مراد وہ معاملات ہیں، جو انسان محبت کی بنیاد پر اپنے محبوب کے ساتھ کرتا ہے، جسے کرنا اسکی محبت کا تقاضہ ہوتا ہے۔۔۔ مثلاً: محبوب کی تعظیم و توقیر کرنا، محبوب کے حکم کو باقی احکام پر ترجیح دینا، اسکی تعریف و توصیف کرنا، اسکا بکثرت ذکر کرنا، اسکی رضا جوئی کی کوشش کرنا، دین اور عبادت کے معاملہ میں ان سے مدد حاصل کرنا۔ انکو اپنا ہمزاز بنانا، انکے ساتھ شادی بیاہ کے تعلق استوار کرنا، یہ تمام امور انکے ساتھ جائز نہیں۔

البتہ کفار کو اپنا نوکر اور غلام بنانا اور ان سے اس طرح مدد لینا جیسے مالک نوکروں سے لیتا ہے اور تفوق و برتری کے ساتھ ان سے تعلق رکھنا، یہ سب امور جائز ہیں۔ رہ گیا کسی کی طرف وہ غیر اختیاری جھکاؤ اور دلی لگاؤ جو خونی تعلق، رشتہ داری، پرانی دوستی یا نئی شناسائی کی وجہ سے ہوتی ہے، تو چونکہ اس پر کوئی اختیار نہیں، اسلئے شرعاً معاف ہے اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔۔۔ الختصر۔۔۔ کفار سے دلی محبت کی بنیاد پر کئے جانے والے دوستانہ معاملات جائز نہیں۔

(اور) اب (جو ایسا کرے) یعنی کفار سے دوستی جوڑے (تو نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (سے) وہ کسی علاقہ میں) یعنی کسی معاملہ میں جسے کہا جاسکے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کا شائبہ ہے۔

یعنی کفار سے تعلق جوڑنے والا ہر طرح سے اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے اور عقل بھی مانتی ہے کہ دوست اور اس کے دشمن کی دوستی کبھی نہیں ہو سکتی، (مگر یہ کہ خوف ہو تم کو ان سے کچھ)۔ یعنی اے مومنوں، ہر لحاظ سے اور ہر حال میں کفار کو ظاہری و باطنی دوست نہ بناؤ، مگر اس حال میں کہ تم ڈرتے ہو اور ان سے کسی قسم کا جانی، مالی، اور عزت و آبرو کے نقصان کا خطرہ ہو۔ وہاں کفار کے غلبہ کی وجہ سے --- یا --- مومن کے انکے درمیان مقیم ہونے کے سبب، اسلئے ان سے دوستی اور تعلق کے سوا چارہ کار نہیں، تو ان سے ظاہری دوستی کے اظہار میں حرج نہیں، بشرطیکہ دل کفار کے بغض و عداوت سے بھرپور ہو۔ بظاہر انکے ساتھ رہے، لیکن سیرتا اور عملاً ان سے دور رہے، اور ان سے دوستوں کی طرح خلط ملط نہ کرے اور نہ ہی انکے طور و اطوار اپنائے۔

یہ مذکورہ بالا حکم رخصت کے طور پر ہے۔ اب اگر کوئی صبر کرے یہاں تک کہ شہید ہو جائے تو بہت زیادہ اجر و ثواب پائے گا۔

(اور ڈراتا ہے تم کو اللہ) تعالیٰ (اپنی ہیبت سے) یعنی اپنی ذات مقدسہ سے --- الغرض --- اسکے دشمنوں سے دوستی کر کے اسکی ناراضگی کو چیلنج نہ کرو (اور) اچھی طرح سے ذہن نشین کر لو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف لوٹنا ہے)، یعنی تمام مخلوق کا مرجع اسکی طرف ہے۔ وہ ہر ایک کو اسکے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ تو ---

ثُمَّ لَنْ تُخَفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبَدُّوهُ يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ

کہہ دو کہ اگر چھپالو جو تمہارے سینوں میں ہے، یا ظاہر کر دو، اللہ سب کو جانتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۵﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اے محبوب (کہہ دو کہ اگر) تم (چھپالو جو تمہارے سینوں میں ہے) اپنے دل کے رازوں کو مجملہ انکے، کفار کی دوستی بھی ہے (یا ظاہر کر دو) جو تمہارے مابین ہے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اسلئے کہ نہ تمہارے چھپانے سے کوئی چیز چھپ سکتی ہے اور نہ ہی کسی راز کو عیاں کرنے کیلئے تمہارا ظاہر کرنا ضروری ہے۔ اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (سب کچھ جانتا ہے)۔ پس تمہارا مواخذہ ہو گا جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہو گے (اور) صرف تمہارے دلوں کے رازوں ہی کو نہیں بلکہ (وہ جانتا ہے جو کچھ

آسمانوں) میں ہے (اور جو کچھ زمین میں ہے) اس سے کوئی شے مخفی نہیں، اسلئے اس سے نہ تمہارا ظاہر چھپا ہوا ہے اور نہ باطن۔

اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے جو ساری معلومات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اسکے علم کے دائرے سے نہ کوئی باہر ہے اور نہ ہی باہر ہو سکتا ہے۔ (اور) صرف جملہ معلومات کا عالم ہی نہیں بلکہ (اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے)۔ اسکی قدرت بھی ذاتی ہے کوئی مقدور اسکی قدرت کے دائرے سے باہر نہیں، تو اگر تم اللہ تعالیٰ کے منہیات کے ارتکاب سے باز نہیں آؤ گے، تو اسے تمہیں سزا دینے پر بھی قدرت ہے۔ بہر صورت جزا و سزا کا دن آنے ہی والا ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمِمَّا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَذَرًا

جس دن کہ پائے گا ہر ایک جو کمائی ہے بھلائی سامنے موجود، اور جو کرکھی ہے برائی،

تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسًا

ہر ایک چاہیگا کاش برائیوں کے کمانے اور اسکی ذات کے درمیان، دور کا فیصلہ ہوتا۔ اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنی جلالت سے

وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ

اور اللہ بے حد رحمت والا ہے اپنے بندوں کیلئے •

(جس دن کہ پائیگا ہر ایک) نفس مکلفہ اپنی وہ کمائی (جو کمائی ہے) یعنی ہر شخص اپنی کمائی ہوئی

(بھلائی) کو اپنے (سامنے موجود) اپنے اعمال کے صحیفے میں۔۔۔ یا۔۔۔ انکی جزاء کی صورت میں پائیگا

(اور) یونہی (جو کرکھی ہے برائی) وہ بھی نامہ اعمال کی صورت میں سامنے ہوگی۔ جس دن انکے نامہ

ہائے اعمال، نیکیاں۔۔۔ یا۔۔۔ برائیاں یا انکی جزائیں انکے سامنے لائے جائینگے۔

اس دن (ہر ایک) یہی (چاہے گا) اور سب کے دل کی یہی آرزو ہوگی کہ اے (کاش برائیوں

کے کمانے) یعنی برے اعمال انجام دینے (اور اسکی ذات کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا)، یعنی کاش یہ

برائیاں میرے سامنے نہ ہوتیں۔۔۔ یا۔۔۔ یہ کہے گا کہ کاش میں ایسے برے عمل نہ کرتا (اور ڈراتا ہے تم

کو اللہ) تعالیٰ (اپنی جلالت سے)، اپنی عظمت و جلالت والی ذات سے، اور فرماتا ہے اے لوگو، اپنے

آپ کو مجھ سے یعنی میرے غضب سے بچو اور یہ ڈرانا بھی اسکی رحمت ورافت کا تقاضہ ہے (اور) بیشک

(اللہ) تعالیٰ (بے حد رحمت والا ہے اپنے بندوں کیلئے) جیسی انھیں ڈرانے میں مبالغہ و اصرار فرماتا ہے۔

کیونکہ جب بندے یقین کر لیں گے کہ ہمارا رب اتنی بڑی قدرت والا ہے اور اتنا زیادہ علم والا ہے، تو اس کا خوف اور اسکی خشیت انکے قلوب پر اثر انداز ہوگی، اس سے وہ اسکی رضا کی طلب کے درپے ہو جائیں گے اور اسکی ناراضگی سے بچ جائیں گے۔ تو یہ اسکا کرم نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ کہ وہ ہماری ہلاکت کے اسباب سے ہم کو دور رکھنا چاہتا ہے۔۔۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ

اعلان کر دو کہ اگر دوست رکھتے ہو اللہ کو، تو پیچھے پیچھے چلو میرے، دوست رکھے گا تم کو اللہ، اور بخش

لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

دیکھا تمہارے گناہوں کو۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے محبت اور دوستی رکھنے سے منع فرما دیا تھا اور صرف اہل اللہ کے ساتھ محبت کرنے کی اجازت دی تھی اور جبکہ بعض کفار بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتے تھے، تو ضروری تھا کہ واضح کر دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت و پیمان کیا ہے؟ چنانچہ ارشاد فرمائی ہوا کہ۔۔۔

اے محبوب (اعلان کر دو) اور سنا دو ان یہود و نصاریٰ کو جنہوں نے:

فَمَنْ آتَيْنَا اللَّهَ وَآحِبَّآؤَهُ

ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اسکے دوست ہیں

۔۔۔ کا شہرہ تمام عالم میں پھیلا رکھا ہے۔ ایسے ہی آگاہ کر دو قریش کے

ان مشرکین کو جو کہتے ہیں کہ ہم خدا سے محبت کرنے والے ہیں، ہمارا بتوں کا پوجنا خدا تک پہنچنے ہی کیلئے ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ ان سب محبت الہی کے دعویداروں سے کہہ دو (کہ اگر) واقعی طور پر تم (دوست رکھتے ہو اللہ) تعالیٰ (کو تو) صرف زبانی دعویٰ سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ اسکا عملی ثبوت پیش کرو اور میری مفلسانہ بیروی کرو۔۔۔ الغرض۔۔۔ (پیچھے پیچھے چلو میرے)، میری اتباع کا تمہیں یہ فائدہ ہوگا کہ خود دوست بنالے گا اور ہمیشہ (دوست رکھے گا تم کو اللہ) تعالیٰ (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (بخش دے گا تمہارے گناہوں کو اور) ایسا کیوں نہ ہوا، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ میری بیروی پر ثابت قدم رہنے والوں کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے اور ان پر اپنی (رحمت) خاص فرمائے (والا ہے)۔

اے محبوب! عبداللہ ابن ابی جیسے منافقین کو بھی آگاہ کر دو جنھوں نے **فَالْيَهُودِيَّةِ** والا ارشاد سنا تو بطور استہزاء کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) اپنی اطاعت، اللہ کی اطاعت کے مثل قرار دیتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت کی جائے جیسے عیسیٰ بن مریم سے کی گئی تھی۔ تو ان جیسوں سے واشگاف انداز میں کہہ دو کہ ہاں، ہاں، بیشک اللہ رسول کی اطاعت ایک ہی ہے۔ اس معنی میں کہ جو اللہ کی اطاعت ہے، وہی رسول کی اطاعت ہے اور جو رسول کی اطاعت ہے، وہی اللہ کی اطاعت ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اللہ رسول کی فرمانبرداری ایک ہی ہے۔ ان میں کسی ایک کا فرمانبردار، دوسرے کا بھی فرمانبردار ہے۔ تو۔۔۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِن اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اعلان کر دو کہ فرمانبردار ہو جاؤ اللہ اور رسول کے۔ پھر اگر انھوں نے بے رخی کی، تو بیشک اللہ نہیں دوست رکھتا نہ ماننے والوں کو۔ اے محبوب (اعلان کر دو کہ) اے لوگو! (فرمانبردار ہو جاؤ اللہ) تعالیٰ (اور) اسکے (رسول کے)، انکی طرف سے پیش کردہ اوامر و نواہی اور احکام شرع میں۔ (پھر اگر انھوں نے بے رخی کی) اور خدا و رسول کی اطاعت سے انکار کر دیا (تو) وہ سن لیں کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں دوست رکھتا نہ ماننے والوں کو) تو ایسے کافروں کو حق نہیں پہنچتا وہ خدا کی دوستی کا دعویٰ کریں اور اپنے کو خدا کا دوست بتائیں۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرٰهِيْمَ وَآلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

بیشک اللہ نے جن لیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو، سارے جہان پر۔ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت، رسولوں کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی فضیلت اور انکے درجات کی بلندی کو بیان فرمایا ہے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی دو قسمیں ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔ مکلفین ﴿۲﴾۔۔۔ غیر مکلفین

۔۔۔ اس پر اتفاق ہے کہ مکلفین غیر مکلفین سے افضل ہیں۔ رہ گئے

مکلفین یعنی ملائکہ، جن، شیطان اور انسان، تو اس پر بھی اجماع ہے کہ بشر شیطاں و جنات دونوں سے افضل ہیں۔ اب رہ گئے بشر اور ملائکہ تو اہلسنت کے نزدیک رسل ملائکہ عوام بشر سے افضل ہیں اور رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور عوام بشر، یعنی مومنین، صالحین، عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔

رہ گئے انسانوں میں کفار و فساق، تو ان سے بالاجماع ملائکہ افضل ہیں۔۔۔ اور چونکہ انسانوں میں انبیاء و مرسلین ہی وہ فضیلت یافتہ اوز بزرگ ہستیاں ہیں جنکی اتباع کرنا واجب ہے اور جن کی اتباع کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے، اسلئے انکا ذکر خیر کرتے ہوئے، ارشاد فرمایا گیا کہ۔۔۔

(پیشک اللہ) تعالیٰ (نے جن لیا آدم کو)۔ انھیں ابولبشر، بلکہ ابولا انبیاء بنایا، زمین پر اپنا خلیفہ قرار دیا۔ فرشتوں سے انکا تعظیمی سجدہ کرایا اور کائنات کے تمام اسماء اور مسمیات کا علم دیا (اور) جن لیا (نوح کو)، ان کو طویل عمر عطا فرمائی، ان کی کشتی کو سفینہ نجات بنا دیا اور انکی شریعت کو اس سے پہلے کی شریعت کا جس میں محارم سے بھی نکاح جائز تھا، ناسخ قرار دیا اور پھر اس معنی میں انھیں آدم ثانی بنا دیا، کہ آج ساری دنیا میں جو انسان ہیں وہ سب کے سب انہی کی اولاد ہیں۔

(اور) جن لیا (ابراہیم کی آل) کو، انکے دو بیٹوں یعنی حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کی نسل میں انبیاء کرام کو محبوب فرما کر، ذات سیدنا ابراہیم کو اپنی خلت کی مسند پر بٹھا کر، انکو آتش نمرود سے نجات دے کر، انکو اور انکی نسل کو سارے انسانوں کی امامت و قیادت عطا فرما کر، اور خانہ کعبہ کی بنیاد رکھنے کا شرف مرحمت فرما کر۔ (اور) جن لیا (عمران) بن ماشان بن العاد (کی آل) حضرت عیسیٰ کو کتاب و رسالت عطا فرما کر اور حضرت مریم کو پاکدامنی، طہارت اور بہت ساری کرامتوں سے نواز کر۔۔۔ المختصر۔۔۔ ان تمام مذکورہ بالا نفوس قدسیہ رکھنے والوں (کو سارے جہاں پر)، یعنی انکے ہم عہد اور ہم زمانہ سارے لوگوں پر منتخب کر لیا۔۔۔

ذُرِّيَّةٌ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

ایک خاندان کے ایک دوسرے سے۔ اور اللہ سنے والا جاننے والا ہے۔

جو (ایک) ہی (خاندان کے) ہیں۔ حضرت آدم کے سوا سب حضرت آدم ہی کی اولاد ہیں اور بزرگ باپوں کے نیک بیٹے ہیں۔۔۔ نیز۔۔۔ توحید، اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت اور اخلاص میں (ایک دوسرے) کے قبیح ہیں۔ غور (سے) سنو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے باطل اقوال اور وہابیات باتوں اور یوں اپنے سارے بندوں کے اقوال کا (سننے والا) ہے۔ اور ان باتوں سے جو انکی غرضیں تھیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ انکے ظاہری اور باطنی اعمال کو (جاننے والا ہے)۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ آیت کریمہ میں مذکور آل عمران میں، عمران سے مراد وہ عمران نہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے والد بزرگوار تھے۔ یعنی عمران بن یصہر بن فہث بن لاوی بن یعقوب۔۔۔ بلکہ۔۔۔ وہ عمران مراد ہیں جو حضرت مریم کے والد اور حضرت عیسیٰ کے نانا تھے۔ دونوں عمران کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ رہ گیا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی برگزیدگی کا ذکر تو وہ آل ابراہیم میں آئی گیا۔ لہذا ارشاد بانی میں آل عمران سے مراد حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم ہی ہیں۔

قرآن کریم کے آگے کے بیان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس مقام پر حضرت مریم ہی کا ذکر ہے جن کی والدہ محترمہ حضرت حنہ کو مدت العبر کوئی بچہ پئی پیدا نہ ہوئی، یہاں تک کہ آپ ضعیف ہو گئیں۔ ایک دن درخت کے سائے کے تلے بیٹھی تھیں، کہ ایک پرندے کو دیکھا کہ اپنے چھوٹے بچے کو دانہ وغیرہ کھلا رہا تھا تو آپ کے دل میں بچے کی آرزو پیدا ہوئی۔ اس پر دعا مانگی کہ الہ العالمین میں تیرے لئے منت مانگتی ہوں کہ اگر مجھے تو نے بچہ عنایت فرمایا، تو اسے تیرے گھر بیت المقدس کا خادم بناؤنگی۔ انکی شریعت میں اس طرح کی نذر جانتھی۔

اور یہ بھی انکی شریعت کا مسئلہ تھا کہ جب بچہ خدمت کے لائق ہو جاتا، تو اس پر والدین کی خدمت فرض ہو جاتی، ایسی صورت میں بچوں کو اپنی خدمت سے آزاد کر کے مسجد بیت المقدس کی خدمت کیلئے آزاد کر دیتے تھے۔ مگر یہ بھی قاعدہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کیلئے صرف لڑکے ہی آزاد ہوتے تھے، لڑکیاں اس خدمت کی اہل بھی نہ تھیں۔ اسلئے کہ انھیں حیض اور دیگر نسوانی عوارض لاحق ہوتے، اس بنا پر انھیں مسجد سے باہر نکل جانا ضروری ہو جاتا۔۔۔ الختصر۔۔۔ حضرت مریم کی والدہ کی دعا قبول ہو گئی اور انھیں حمل ٹھہر گیا جس سے بی بی مریم پیدا ہوئیں۔ لیکن بی بی مریم کی پیدائش سے پہلے ہی حضرت عمران کا وصال ہو گیا۔

إِذْ قَالَتْ اِهْرَآئِ عَمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحْرَرًا

جب کہ کہا عمران کی اہلیہ نے ”اے پروردگار میں نے تیری منت مان لی کہ جو میرے پیٹ میں ہے تیرے لیے آزاد رہے گا،

فَتَقَبَّلَ مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۵﴾

تو قبول فرمائے مجھ سے، بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

تو اے محبوب یاد کرو اپنے علم و اور اک میں محفوظ رہنے والے اس واقعہ کو (جبکہ کہا عمران کی اہلیہ

نے، اے پروردگار، میں نے تیری منت مان لی ہے اور اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، (کہ جو میرے پیٹ میں ہے تیرے لئے آزاد ہے گا) اس پر میرا کسی قسم کا قبضہ نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے میں اپنی کوئی خدمت کراؤنگی اور نہ کسی کام میں مشغول رکھوگی۔ وہ خالص تیرے لئے اور تیری عبادت کیلئے زندگی گزارے گا۔ دنیا کا کوئی کام نہ کرے گا یہاں تک کہ شادی بیاہ بھی، صرف عمل آخرت کیلئے وقف رہے گا۔

--- الغرض --- وہ صرف بیت المقدس کی خدمت ہی کیلئے رہے گا۔ (تو) اے رب میری یہ نذر اپنی رضا و خوشی کے ساتھ (قبول فرمائے مجھ سے)۔ یہ قبولیت کی دعا حسن طلب کا ایک شاندار مظاہرہ تھا اسلئے کہ بیت المقدس کی خدمت کیلئے لڑکی نہیں قبول کی جاتی تھی، تو اس دعا کی قبولیت زینہ اولاد عطا کرنے پر موقوف تھی، کیونکہ سابقہ سنت کے پیش نظر فرزند ہی کو بیت المقدس کی خدمت کیلئے قبول کیا جاسکتا تھا۔ (بے شک) اے میرے پروردگار (تو ہی سننے والا) ہے تمام سموعات کا اور انہی میں سے میری یہ دعا اور میرا عجز و نیاز بھی ہے۔ یوں ہی تو ہی (جاننے والا ہے) تمام معلومات کا انہی میں سے وہ بھی ہے جو میرے دل میں ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاِنَّهٗ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ

تو جب جناس کو، بولی پروردگار میں نے تو لڑکی جنی۔ اور اللہ خود ہی زیادہ جانتا ہے جو وہ جنی ہے۔

وَلٰیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْ اَعِیْذُهَا بِكَ

اور نہیں ہے اسکا مانگا لڑکا، مثل اس برگزیدہ لڑکی کے۔ اور میں نے اسکا نام مریم رکھا ہے، اور میں اسکو اور اسکی نسل کو،

وَدَّرَیْتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

تیری پناہ میں دیتی ہوں، شیطان مردود سے ۝

(تو جب جناس کو) اور اسے اپنے مطلب کے خلاف پایا اور اپنے مقصد میں بظاہر بہ گمان خویش کامیاب نہ ہوئیں، تو حسرت کے طور پر (بولی) عرض کیا (پروردگار میں نے تو لڑکی جنی، اور اللہ تعالیٰ (خود ہی زیادہ جانتا ہے جو وہ جنی ہے، اور نہیں ہے اسکا مانگا لڑکا مثل اس برگزیدہ لڑکی کے)۔ چونکہ نبی خدا اس بچی کی شان عظمت، اسکی قدر و منزلت سے ناواقف تھیں، اسلئے انہماں ٹھٹھڑ کیا اور تمکین ہوئیں۔ ان کو کیا خبر کہ بیت المقدس کی خدمت کیلئے وہ جس فرزند کی خواہشمند تھیں، وہ اس بچی کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا تھا جو وہ عطا کی گئیں۔ اسلئے کہ اس بچی کا دائرہ علم اور اسکے اقدار و

منازل بہت بلند ہیں اور اتنے وسیع کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی انھیں احاطہ نہیں کر سکتا۔

--- علاوہ ازیں --- اسکے اندر بہت بلند قدر امور ہیں --- الغرض --- یہ بی بی حنہ کے مطلوب

بچے سے بدرجہا افضل ہے اور بی بی حنہ انکے اتنے اعزاز و اکرام کو نہیں جانتیں --- المختصر --- بی بی حنہ

کو کیا معلوم کہ انھوں نے کس با عظمت اور بابرکت ہستی کو جنا، یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔

--- الغرض --- بچی کی ولادت کے بعد بی بی حنہ نے خود اسکا نام تجویز کیا (اور) عرض کیا کہ

(میں نے اسکا نام مریم رکھا ہے) اور مریم عابدہ اور خادمہ رب کو کہا جاتا ہے، تاکہ اسکے ذریعہ مجھے

قرب الہی نصیب ہو اور وہ دنیا کی غلط کاریوں سے محفوظ رہے --- الغرض --- بنیادی طور پر مجھے یہ فکر

نہیں کہ بچی کیوں پیدا ہوئی؟ --- یا --- وہ بیت المقدس کی خدمت کے لائق ہے کہ نہیں؟ --- بلکہ

--- اس بچی کے تعلق سے میری نیت یہ ہے کہ وہ بچی عابدہ صالحہ ہو۔

تو اے میرے کارساز! (اور) میرے پروردگار (میں اس) بچی (کو اور اسکی نسل کو تیری پناہ

میں دیتی ہوں)، تاکہ (شیطان مردود) کی اذیت رسانی (سے) محفوظ رہے۔ اس خصوصی دعا کی

برکت سے ساری اولاد آدم میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو یہ خصوصیت حاصل ہوگئی کہ شیطان ہر

نوزائندہ بچے کے پہلو میں جو انگلی چھوتتا ہے، وہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے پہلو میں نہیں چھو

سکا۔ ایک قول کے مطابق ان دونوں مقدس ہستیوں کے پہلو اور شیطان کی انگلیوں کے درمیان قدرتی

طور پر ایک حجاب حائل ہو گیا، چنانچہ شیطان کی انگلیاں اس حجاب سے ٹکرا کے رہ گئیں اور انکے مبارک

بدن تک نہ پہنچ سکیں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ شیطان کے انگلی چھونے کا مقصد اگرچہ بہرگانا اور گمراہ کرنا

ہی ہوتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس کو وہ انگلی چھوئے، وہ گمراہ ہی ہو جائے --- الغرض ---

اسکی اس حرکت سے انبیاء و مرسلین متاثر نہیں ہوتے۔ یہ بھی انبیاء کرام کی ایک فضیلت ہے کہ شیطان

کے انگلی چھونے کے باوجود اسکے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔

--- الحاصل --- حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو یہ شرف ملا کہ شیطان انکے پہلو میں اپنی انگلی

چھو ہی نہ سکا اور دیگر انبیاء کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ انگلی چھونے کے باوجود انکا کچھ بگاڑ نہ سکا۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ کیا سرکار رسالت مآب ﷺ کے ساتھ بھی شیطان نے یہ حرکت کی تھی تو اس سلسلے

میں انگلی چبھونے والی حدیث کے بعض شارحین کی یہ بات قرین قیاس ہے کہ جب متکلم اس قسم کا کلام کرتا ہے، تو اسکی ذات عموماً کلام سے خارج ہوتی ہے اور ذوق اور حال اسکا قرینہ ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت حند نے بی بی مریم کیلئے گڑگڑا کر دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس بچی کو چھوٹی ہونے کے باوجود، بیت المقدس کی خدمت کیلئے قبول فرمائے۔۔۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولِ حَسَنٍ وَأَدْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۖ وَكَلَّمَهَا زَكْرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ

تو اچھی طرح قبول فرمایا اسکو اسکے پروردگار نے، اور بڑھایا اسکو خوب، اور کفیل بنایا اسکا زکریا کو۔ جب جب داخل ہوئے

عَلَيْهَا زَكْرِيَّا إِلِمَ حَرَابٍ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَمْرِئُؤُنِي لَكِ هَذَا

ان پر زکریا حیرت میں، تو پایا ان کے پاس کھانے کا سامان، کہا اے مریم یہ تیرے لیے کہاں سے ہو رہا ہے۔

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُنِي مِنْ لَيْسَاءٍ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

بولی یہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بیک اللہ جسے چاہے بے حساب روزی دے۔

(تو اچھی طرح قبول فرمایا اس کو اسکے پروردگار نے) حالانکہ اس شریعت کا قانون یہ تھا کہ

بیت المقدس کی خدمت کیلئے لڑکے، عاقل اور بیت المقدس کی خدمت پر قدرت رکھنے والے ہی کو قبول کیا جاتا تھا۔ انکے سوا کو قبول کرنا جائز نہ تھا۔ مگر یہاں حضرت مریم کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس قانون کو منسوخ فرما دیا اور اپنے فضل و کرم سے حضرت مریم کو قبول فرمایا۔ (اور بڑھایا اس کو خوب) اور انکی اچھی تربیت فرمائی۔ ان کی تربیت میں، انکے ہر معاملے میں خصوصی توجہ فرمائی گئی اور شاندار طریقے پر انکا نشوونما فرمایا گیا۔

--- چنانچہ --- صدق و صفا اور خلوص و حیا میں وہ درجہ کمال تک پہنچ گئیں باوجودیکہ اس

زمانے میں بیت المقدس کی خدمت کیلئے چار ہزار لڑکے اور بھی موجود تھے، لیکن جتنی شہرت

حضرت مریم کو نصیب ہوئی، اتنی کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئی۔۔۔ المختصر۔۔۔ حضرت مریم کی

ولادت کے بعد آپکی والدہ محترمہ آپکو کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں لے آئیں۔

اس وقت وہاں حضرت ہارون کی نسل کے ستائیس علماء موجود تھے، جو سب کے سب

بیت المقدس کے نگران تھے، تو بی بی حند نے حضرت مریم کو انکے سپرد کر کے فرمایا کہ یہی ہے

منت، یعنی اسے لے لو اور تربیت کرو، اسلئے کہ یہ تمہارے صاحب قرآن کی بیٹی ہے۔ کیونکہ

ہو ماخان، ہوا سرائیل کے سردار اور انکے بادشاہ ہوتے تھے۔

ہی نہ لے۔۔۔ یا۔۔۔ ایسوں کو بھی روزی دے جسے اسکا استحقاق نہ ہو۔

جب حضرت زکریا عليه السلام نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت بی بی مریم کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا بڑا مرتبہ ہے اور وہ ایسی بڑی صاحب کرامت ہیں۔۔۔ نیز۔۔۔ انھوں نے بے فصل کے تروتازہ میوے دیکھے، تو باوجود بڑھاپے کے، انھیں آرزو ہوئی اور رغبت ہوئی کہ، انکی زوجہ ایثاع کو بھی ایسا بچہ عطا ہو، جیسے انکی بہن حنہ کو، صاحب نجات و صاحب کرامت پچی عطا ہوئی ہے، اگرچہ وہ اس وقت بانجھ اور بوڑھی ہو چکی ہیں۔ لیکن انکی بہن بھی تو بوڑھی اور بانجھ تھیں، مگر انھیں اللہ تعالیٰ نے صاحب اولاد بنا دیا۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ آپ نے یہ بھی محسوس کیا ہو کہ حضرت مریم کی وجہ سے اس جگہ اور اس محراب عبادت کے تقدس و عظمت کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ یہاں سے جو بھی دعا مانگی جائیگی، بارگاہ خداوندی میں، اسے قبولیت کا شرف حاصل ہوگا۔ چنانچہ۔۔۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً

اس عمل پر دعا کی زکریا نے اپنے رب سے۔ عرض کیا ”پروردگارا مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد دے،

إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ

بے شک تو دعا کو سننے والا ہے“

(اس عمل پر دعا کی) حضرت (زکریا نے اپنے رب سے) اور (عرض کیا پروردگارا مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد دے) جو صالح، مبارک، پرہیزگار، برگزیدہ اور گناہ کی آلائشوں سے پاک و صاف ہو۔ (بیشک تو دعا کو سننے والا ہے) یعنی اسکو قبول فرمانے والا ہے۔

اس مقام پر یہ یاد رہے کہ حضرت زکریا عليه السلام کو خدا کی قدرت کا علم، حضرت مریم کی کرامت کو دیکھ کر نہیں ہوا۔۔۔ بلکہ۔۔۔ آپ پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا علم کو جاننے ماننے اور پہچاننے والے تھے۔ ویسے بھی خدا کی بارگاہ میں اپنی دعا مقبول کرانے کیلئے انھیں اس طرح کے موقع و محل کے اہتمام کی ضرورت نہ تھی، وہ خدا کے نبی برحق تھے اور نبی کہتے ہی ہیں اسی کو جو ستیاب الدعوات ہو۔

ہر نبی کی خصوصی دعاؤں کیلئے دراجابت الہی ہر وقت کھلا رہتا ہے، مگر اب تک اس شاکر و صابر اور متوکل بندے نے اپنی زبان نہیں کھولی۔ یہ تو اچانک ایک صورت حال پیش

آگئی، کہ انھوں نے حضرت مریم کے محراب میں فضل عظیم والے کے فضل بے پایاں کی بارش دیکھی۔ ساتھ ساتھ بے موسم پھلوں اور میوؤں کا مسلسل نزول ملاحظہ فرمایا، تو انکے دل میں اچانک رغبت پیدا ہوئی کہ انہی بے موسم انعامات میں سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک گرانقدر انعام ہماری گود میں بھی آجائے تو کیا کہنا۔ چنانچہ انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں اپنی عاجزانہ درخواست پیش کر دی۔

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيحْيَىٰ

تو آواز دی اس کو فرشتوں نے، اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں، کہ بیشک اللہ خوش خبری سنا تا ہے تم کو یحییٰ کی،

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَأَحْصُوا مَنَ وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۰﴾

تصدیق کرنے والے ایک کلمہ کے، جو اللہ کی طرف سے ہے، اور سردار، اور عورتوں سے بالکل محفوظ، اور نبی نیکو کار •

(تو آواز دی اس کو فرشتوں) کے سردار حضرت جبرائیل (نے اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے

تھے محراب میں)۔۔۔ یا۔۔۔ وہ نماز کے وقت نماز کے ارادے سے بی بی مریم کی بیٹھک میں کھڑے

تھے۔ اے زکریا! (بے شک اللہ) تعالیٰ (خوش خبری سنا تا ہے تم کو یحییٰ کی) یعنی ایک بچے کی ولادت

کی جسکا نام یحییٰ ہے، جسکی برکت سے ان کے پدر بزرگوار کانیک نام اور انکا دین ہمیشہ زندہ رہے گا۔

بلکہ جو مردہ دل ہیں، ان کے وعظ سے ان کے دل بھی زندہ ہو جائیں گے۔ وہ ایمان لانے والے اور

(تصدیق کرنے والے) ہونگے، لفظ 'کن' سے پیدا ہونے والے (ایک کلمہ کے)۔ جسکا ظہور عادی

اور جاری اسباب کے تحت نہیں ہوا بلکہ (جو اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے ہے) یعنی حضرت عیسیٰ کلمۃ

اللہ پر ایمان لانے والے اور ان کی تصدیق فرمانے والے۔

چنانچہ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی تصدیق حضرت یحییٰ ہی نے فرمائی، بلکہ ایک روایت

سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ اپنی ماؤں کے شکم ہائے مبارک

میں تھے اور دونوں ماں میں جب اکٹھا ہوتی تھیں تو شکم مادر ہی میں حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ

کی طرف رخ کر کے انکا تعظیمی سجدہ کیا کرتے تھے، گویا یہ پیدائش سے پہلے ہی حضرت عیسیٰ

پر ایمان لا چکے تھے۔

(اور) صرف یہی نہیں بلکہ وہ (سردار) ہوگا، اپنی ساری قوم پر فوقیت رکھے گا اور بزرگی میں

اعلیٰ وبالا ہوگا، اور تمام لوگوں سے قطعی طور پر افضل ہوگا (اور عورتوں سے بالکل محفوظ)، ہر قسم کی قوت و

توانائی حاصل ہونے کے باوجود شہوات نفسانیہ سے محفوظ و معصوم ہونگے، تو اب اگر یہ نکاح بھی کریں تو اسکا مقصد صرف آنکھ وغیرہ کو زنا و بدکاری سے بچانا ہوگا، نہ کہ نفسانی خواہشات کو پورا کرنا۔
(اور) انکی شان یہ ہوگی کہ انھیں (نبی) بنایا جائیگا اور جب وہ اس منصب کے دور کو پہنچیں گے، تو انکی طرف وحی بھیجی جائیگی، وہ (نیکوکار) ہونگے اور نیکوکاروں ہی میں پرورش پائینگے اسلئے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی پشت سے ہیں۔

یہاں 'صلاح' ہر خیر کو شامل ہے، لہذا یہاں پر 'صلاح' کا ہر وہ اونچے سے اونچا مرتبہ مراد ہے جو منصب نبوت کے لائق ہو۔ فرشتوں نے حضرت زکریا کو فرزند کی جب خوشخبری دی تو، یا تو آپ نے ظاہری حیثیت کو مد نظر رکھا کہ بڑھاپے میں، جبکہ میری عمر نواے سال کی ہے اور میری اہلیہ کی عمر اٹھانوے سال کی ہے، بچہ پیدا ہوگا؟ چنانچہ تعجباً فرمایا۔۔۔ یا یہ کہ۔۔۔ اظہار مسرت کی بنا پر، کہ الحمد للہ بڑھاپے میں بچہ عنایت ہو رہا ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ حکمت الہی کو ظاہر کرانے کیلئے اور قدرت الہی کے مزید جلوے دکھانے کیلئے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کیا۔ اور۔۔۔

قَالَ رَبِّ اَنى يَكُون لِى عَلْمٌ بِذٰلِكَ وَقَدْ بَلَغَنِى الْكِبَرُ وَاَمْرَاتى عَاقِرٌ

کہا "پروردگارا کہاں سے ہوگا میرے لڑکا، اور مجھ تک پہنچی گیا بڑھاپا، اور میری عورت بانجھ ہے۔"

قَالَ كَذٰلِكَ اَنبٰى اللّٰهُ يَفْعَلْ مَا يَشَآءُ ﴿۳۰۹﴾

• ارشاد ہوا اسی طرح اللہ جو چاہے کرے۔

(کہا پروردگارا کہاں سے ہوگا میرے لڑکا) اسلئے کہ عادی اسباب مفقود ہو چکے ہیں (اور) مجھ تک پہنچی گیا بڑھاپا اور میری عورت بانجھ ہے) جو بچہ بننے کی اہلیت نہیں رکھتی، (ارشاد ہوا اسی طرح اللہ) تعالیٰ امور عجیبہ سے بطور خرق عادت (جو چاہے کرے)۔

اس وقت حضرت زکریا کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی علامت بتادے جسکے ظاہر ہوتے ہی ہمیں اسکا علم ہو جائے کہ واقعی میری اہلیہ حاملہ ہوگئی ہے تاکہ اس بہت بڑی نعمت کے حصول پر شکرانے کی نوافل کا سلسلہ شروع کر دوں۔ رہ گئی فرزند کی ولادت تو وہ اگر حسب دستور ہو جیسے عموماً بچے پیدا ہوتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔۔۔ چنانچہ انھوں نے:

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

عرض کیا "پروردگارا کر دے میرے لیے کوئی نشانی۔" فرمان ہوا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بولو لوگوں سے تین دن،

الْأَرَمْنَاءُ ۚ وَادْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ

مگر اشارہ سے، اور یاد کرو اپنے رب کو بہت، اور اس کی تسبیح کرو پچھلے دن میں اور صبح تڑکے

(عرض کیا پروردگارا کر دے میرے لئے کوئی نشانی)، جو مقصود کی تحقیق پر دلالت کرے۔۔۔

یا۔۔۔ اس بات پر دلالت کرے کہ واقعی میری اہلیہ حاملہ ہو گئی ہے۔ (فرمان ہوا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بولو لوگوں سے تین دن، مگر اشارہ سے) اس تین دن میں انکی تین راتیں بھی شامل ہیں۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ ان تین دنوں میں آپ کو زبان سے کلام کرنے کی قدرت بھی نہ ہوگی

اور پھر جب لوگوں سے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا، تو پھر انہی ایام میں اللہ تعالیٰ کے ذکر و

شکر کا بے فکری سے موقع مل جائیگا تاکہ وہ اس عطا کردہ نعمت کا کسی نہ کسی حد تک حق ادا

کر سکیں۔ رہ گیا ان ایام میں کلام کی جگہ اشارہ سے کام لینا تو وہ اشارہ ہاتھ، سر، یا جسم کے

کسی حصہ سے ہو یا انگلی سے، زمین پر لکھ کر ہو۔۔۔ مگر۔۔۔ زبان سے نہ ہو، یہ رمزدور اصل

کلام کے قائم مقام ہے۔ اس سے وہی مطلب ظاہر ہو سکتا ہے جو کلام سے حاصل ہو سکتا

ہے اور اس سے وہی سمجھا جاتا ہے جو کلام سے سمجھا جاتا ہے۔ ان ایام ممنوعہ عن الکلام میں

اگرچہ دیگر کلام سے ممانعت ہے، لیکن ذکر الہی سے رکاوٹ نہیں۔

تو اے زکریا ذکر کرو (اور یاد کرو اپنے رب کو بہت اور اسکی تسبیح کرو پچھلے دن میں) زوال شمس

سے لیکر غروب تک (اور صبح تڑکے) وقت طلوع فجر سے لیکر نصف النہار سے پہلے تک۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے انہی ایام میں امور دنیا سے ان کی زبان کو روکا۔ صرف

اشارہ کی اجازت بخشی، لیکن ذکر و تحمید کا حکم دیا، اسلئے کہ ان کی زبان نہایت فصیح و بلیغ تھی اور

بیان کے روشن معجزات میں سے تھا۔ اس آیت کی تفسیر میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ آیت

میں ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے، اسلئے کہ اللہ والے جب معرفت الہی کے دریا میں مستغرق

ہوتے ہیں، ان کی عادت ہوتی ہے کہ اولاً ایک مدت تک ذکر لسانی میں مصروف رہتے

ہیں، جب انکادل ذکر اللہ کے نور سے بھر جاتا ہے تو ان کی زبان ذکر سے رک جاتی ہے اور

دل جاری رہتا ہے۔

اسلئے عرفاء میں مشہور ہے کہ جو اللہ کو پہچان لیتا ہے، تو اسکی زبان گوئی ہو جاتی ہے۔

حضرت زکریا عليه السلام زبان سے بولنے سے تو روکے گئے، لیکن ذکر و معرفت میں دل کو لگانے اور اس پر مداومت کرنے پر مجبور ہوئے۔ حضرت زکریا عليه السلام کے ذکر کے بعد اب خود حضرت مریم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جنکی انھوں نے کفالت فرمائی تھی۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ۔۔۔

وَاذْقَا لَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يَسْرِيْعَانَ اَللّٰهُ اَصْطَفٰكَ وَظَهَرَكَ

اور جب کہا فرشتوں نے، اے مریم، بے شک اللہ نے جن لیا تم کو، اور خوب پاکیزہ فرمایا،

وَاصْطَفٰكَ عَلٰی نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور اپنی خصوصیت میں دنیا بھر کی عورتوں میں تم کو منتخب کیا •

(اور جب کہا فرشتوں) کے عظیم المرتبت سردار حضرت جبرائیل (نے، اے مریم بیشک اللہ)

تعالیٰ (نے جن لیا تم کو) اپنی طاعت و عبادت کے واسطے، اپنی مسجد بیت المقدس کی خدمت کے واسطے، چنانچہ آجکو حضرت زکریا کی تربیت میں دے دیا۔ جنتی غذاؤں سے نواز اور بہترین کراتیں عطا فرمائیں (اور خوب پاکیزہ فرمایا) کفر و معصیت، افعال ذمیرہ، عادات قبیحہ اور مردوں کے جماع اور حیض و نفاس سے، (اور اپنی خصوصیت میں دنیا بھر کی عورتوں میں تم کو منتخب کیا) یعنی تجھے عیسیٰ جیسا بیٹا بغیر باپ کے عطا فرمایا، اور تم دونوں ماں بیٹے کو عالمین کیلئے اپنی ربوبیت کی دلیل بنایا۔ تو۔۔۔

يَسْرِيْعَانِ اَقْنَتِي لِرَبِّكَ وَاَسْجِدِيْ وَاذْكُرِيْ مَعَ الرَّكْعِيْنَ ۝

اے مریم! باادب رہو اپنے رب کیلئے، اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ •

(اے مریم) تم بھی حسب معمول (باادب رہو اپنے رب کیلئے) اسکی فرمانبرداری کرتی رہو اور اس کو راضی رکھنے کیلئے نماز کا قیام طویل کرو (اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرو) باجماعت (رکوع کرنے والوں کے ساتھ)۔

سجدہ و رکوع میں سجدہ کا ذکر مقدم فرمایا ہے، اسلئے کہ سجدہ خشوع و خضوع کا انتہائی مقام ہے اور نماز میں اعلیٰ درجات کا حامل ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ تمام ارکان پر فضیلت رکھتا ہے، اسی لئے اسکا ذکر رکوع سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس سے نماز کی خارجی ترتیب کی تعلیم مقصود نہیں۔۔۔ اگرچہ۔۔۔ اس مقام پر یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ اگلی شریعت میں نماز کے ارکان کی ترتیب یونہی تھی کہ پہلے سجدہ پھر اس کے بعد رکوع۔۔۔ الخضر۔۔۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يُلْقُوْنَ

یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ذریعہ وحی بتاتے ہیں ہم تم کو، اور نہ تھے تم پاس ان کے، جب کہ وہ قلمیں پھینکتے تھے

اَقْلَامَهُمْ اِيْهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

کہ کون کفیل ہو مریم کا، اور نہ تھے تم ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے •

اے محبوب، (یہ) ساری باتیں جو اوپر مذکور ہوئیں، یعنی نبی بی مریم، نبی بی حنہ، حضرت عیسیٰ،

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات (غیب کی خبریں ہیں)، ان پر مشاہدہ۔۔۔ یا

۔۔۔ کسی کتاب یا کسی کتاب سے پڑھے بغیر واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہاں کسی عالم دین سے حاصل

کیا جائے۔۔۔ یا۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے۔

پہلی تینوں تو حضور سرور عالم ﷺ کیلئے ناممکن تھیں، لامحالہ چوتھی متعین ہو گئی، یعنی یہ

قصص وحی ربانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔

جس کو (کہ) بہ (ذریعہ وحی بتاتے ہیں ہم تم کو)، تاکہ آپ کی نبوت کی تصدیق ہو اور کفار پر

جہت قائم ہو جائے جو خواہ مخواہ کیلئے آپ سے جھگڑتے ہیں۔

یہ جھگڑنے والے جو حضور آریہ رحمت ﷺ کی وحی اور آپ کی نبوت کے منکر ہیں۔ اگر ذرا

بھی عقل سے کام لیتے تو خود سمجھ سکتے تھے، اسلئے کہ جب یہ مانتے ہیں کہ یہ واقعات اللہ کے

محبوب نے صحیح و صحیح بیان فرمائے ہیں، تو پھر یہ آپ کی نبوت کا انکار کیسے کر سکتے ہیں۔

ہاں اگر تم یہ حربہ استعمال کرو اور یہ دعویٰ کر بیٹھو حضور سرور عالم ان واقعات کے وقت

وہاں موجود ہونگے، تو یہ تمہارے پرلے درجے کی بیوقوفی اور کھلی گمراہی کی واضح دلیل

ہوگی۔ جو چیز روشن معجزات اور واضح دلائل و براہین سے ثابت ہو، اسکا انکار پرانکار کرتے

جاؤ اور اس کے برخلاف ایسے احتمال کو اپناؤ جو سر اسر موہوم ہے، جسکا نہ کوئی سر نہ منہ اور جسے

کوئی ذی شعور قبول کرنے کو تیار نہ ہو۔

ان بے عقلوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر یہ سارے واقعات جو اللہ کے رسول

نے بالکل صحیح صحیح بیان فرمائے ہیں، اگر یہ سب ان کو وحی کے ذریعہ حاصل نہیں ہوتے، تو پھر

کیسے حاصل ہوئے؟ تو کیا آپ وہاں موجود تھے اور سب کچھ اپنے سر کی آنکھ سے ملاحظہ فرما

رہے تھے؟ اگر ایسی بات ہے تو اس وقت وہاں پر آپ کی جسمانی موجودگی ثابت کرو اور ظاہر

ہے کہ یہ ان کیلئے عقلاً و نقلاً محال ہے۔

حقیقت تو یہی ہے کہ اے محبوب، آپ اُس عہد میں اپنی ظاہری حیات کے ساتھ نہ تھے (اور نہ ہی) تھے تم پاس ان کے (موجود) جبکہ وہ قلمیں پھینکتے تھے، جن قلموں سے وہ تورات لکھا کرتے تھے، اس کو تبرک سمجھتے ہوئے اسی سے قرعہ اندازی کی اور اتفاق رائے سے نہاردن میں ڈالا اور یہ پہلے ہی سے طے کر لیا تھا کہ جس کا قلم نہر کے پانی کے اوپر رہے گا، اسکی کفالت میں حضرت مریم کو دیا جائیگا۔۔۔ الغرض۔۔۔ انھوں نے یہ قرعہ اندازی اسلئے کی تا (کہ) وہ جان لیں (کون کفیل ہو) گا (مریم کا) اے محبوب (اور) اس وقت بھی (نہ تھے تم انکے پاس) موجود حضرت مریم کی کفالت کے واسطے (جب وہ جھگڑتے تھے)۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لِيِزِيْرَانِ اللّٰهُ يَبْسُطُ كَلِمَاتِهِ مَنّهُ اَسْمٰى الْمَسِيْحِ

جب کہا فرشتوں نے اے مریم بے شک اللہ مژدہ دیتا ہے تم کو ایک کلمہ کی اپنے پاس سے جس کا نام ہے مسیح

عِيسٰى ابْنِ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَهِيَ الْمَقْرِيْنُ

عیسیٰ، فرزند مریم، جاہ و عزت والا دنیا اور آخرت میں، اور نزدیکوں سے •

اے محبوب حضرت مریم کی ذات سے متعلق اس دوسری بات کو بھی یاد کرو کہ (جب کہا فرشتوں) کے سردار حضرت جبرائیل (نے) مریم سے، (اے مریم بیشک اللہ تعالیٰ مژدہ دیتا ہے تم کو ایک کلمہ) 'کن' کے مقدس و بابرکت ثمرہ (کی) جو اس نے (اپنے پاس سے) عطا فرمایا ہے (جس کا نام ہے مسیح عیسیٰ فرزند مریم)۔

حضرت جبرائیل نے ابن مریم کہہ کر بشارت دی، اس بشارت ہی سے ظاہر کر دیا کہ آپ بے باپ ہونگے، جیسی تو ماں کی طرف ابیت کی نسبت کی گئی ہے۔ اگر بالفرض باپ والے ہوتے تو نسبت باپ کی طرف کی جاتی۔ اس مقام پر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ عالم خلق ہو۔۔۔ یا۔۔۔ عالم امر، دونوں ہی کا عدم سے وجود میں آنا خدائے قادر مطلق کے ضابطہ کن فیکونی کے ہی ماتحت ہے، مگر عالم خلق میں وسائل و اسباب کی بھی کارکردگی ہوتی ہے، بخلاف عالم امر کے امور کے، جو ظاہری اسباب و وسائل کے بغیر صرف لفظ 'کن' سے ظہور پزیر ہو جاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کا معاملہ بھی ایک جہت سے عالم امر کی مخلوق سے ملتا جلتا ہے، چونکہ وہ بے باپ تھے اور انکی ولادت معروف و متعارف اور عادی اسباب کے تحت نہیں ہوئی۔۔۔ الغرض

--- وہ صرف کلمہ عرب، لفظ کن، کا نتیجہ ہیں اور یہی انھیں کلمۃ اللہ لقب دینے کی وجہ ہے۔
دوسرا لقب آپ کا مسیح ہے، جس کا معنی عبرانی زبان میں مبارک ہے۔

--- الخضر --- یہ فرزند مریم بڑی (جاہ و عزت والا) ہے۔ (دنیا) میں عبادت یا نبوت یا محافظت یا بے باپ پیدا ہو جانے کے سبب سے --- یا --- آسمان پر اٹھائے جانے --- یا --- آخر زمانہ میں دین محمدی پر عمل کرنے --- یا --- دجال کو قتل کر ڈالنے کی وجہ سے (اور) یونہی وہ عزت و جاہت والا ہے (آخرت میں)، شفاعت کی وجہ سے یا علو مرتبتی کے سبب سے۔ (اور) کرامت الہی سے سرفراز، خدا کے مقرب ہیں اور اسکے قریب ترین (نزدیکیوں) میں (سے) ہے۔ ---

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۹۰﴾

اور وہ کلام کرے گا لوگوں سے گہوارہ میں، اور بڑھاپے میں اور نیکوکار ہوں گے •

(اور) اسکی شان یہ ہوگی کہ (وہ کلام کرے گا لوگوں سے گہوارے میں)، یعنی اے مریم وہ بچہ، لوگوں سے تمہاری گود میں بات کرے گا۔ یہی گودا اسکے لئے گہوارہ ہوگی --- یا --- بچپن میں جب وہ گہوارے میں جٹھلانے کے قابل ہوگا، تو وہ اسی گہوارے میں بات کرے گا (اور) صرف بچپن ہی میں نہیں، بلکہ وہ لوگوں سے کلام کرے گا اپنے (بڑھاپے میں) بھی جبکہ وہ ادھیڑ ہو جائیگا اور اسکے بال کھجڑی ہو جائیں گے۔ گہوارے میں اسکی باتیں معجزہ ہوگی جس میں اسکی نبوت کا اعلان ہوگا اور اسکی مادر مہربان کی طہارت و پاکیزگی کی شہادت ہوگی اور بڑھاپے میں جو گفتگو ہوگی، وہ دعوت ہوگی، یعنی لوگوں کو راہ حق کی طرف بلائے گا (اور نیکوکار ہونگے) یعنی وہ انبیاء کرام میں سے ہونگے۔

چونکہ بشریت کی فطرت ہے کہ اگر کوئی چیز عادت کے خلاف دیکھے --- یا --- سنے، تو اسکو حیرت و استعجاب لاحق ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں اظہار عظمت کیلئے زبان سے بطور تعجب سوالیہ معروضہ نکل سکتا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَتَى بِكَ يَكُونُ لِي وَلَدًا وَلَمْ يَمْسَسْنِي بِشَرِّ قَالَ كَذَلِكِ اَللّٰهُ

بولی ”پروردگار کہاں سے میرے لڑکا ہوگا، حالانکہ نہیں چھوا مجھ کو کسی شخص نے۔“ فرمایا اسی طرح اللہ پیدا

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اِذَا قَضَىٰ اَمْرًا فَاِلَٰهًا يَفْعُولُ لَوْ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۹۰﴾

فرمادے جو چاہے۔ جب کسی امر کا حکم دیا تو بس اس کو فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے •

چونکہ حضرت مریم نے پہلی بار سنا کہ بچہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا، تو وہ (بولی پروردگارا، کہاں سے میرے لڑکا ہوگا، حالانکہ نہیں چھو اجماع کو کسی شخص نے)۔

اور یہ بات خلافِ عادت ہے کہ بے شوہر عورت لڑکا جنے۔ حضرت مریم کا یہ معروضہ بطور استفسار و استفہام بھی ہو سکتا ہے، جو اب اللہ تعالیٰ نے۔۔۔

(فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ (پیدا فرمادے جو چاہے)، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کہ عجیب و غریب انداز سے مخلوق پیدا فرمائے، تو وہ ویسے ہی پیدا فرمادیتا ہے۔۔۔ مثلاً: بچے کو باپ کے بغیر پیدا کرنا، یہ بھی اسکی مشیت میں داخل ہے اور یہ اس کیلئے کوئی مشکل کام نہیں، اسلئے کہ اسکی قدرت کاملہ کا عالم یہ ہے کہ اس نے (جب کسی امر کا حکم دیا) اور اسکے کرنے کا ارادہ فرمایا (تو بس اس کو فرمادیتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے) اور اس کی پیدائش میں کسی قسم کی تاخیر نہیں ہوتی۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ جس طرح وہ اسباب و مواد کے ساتھ اشیاء پیدا کرنے پر قادر ہے، اسی طرح بے کسی سبب اور بغیر مادے کے بھی اشیاء کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔۔۔ الخضر۔۔۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے بے باپ حضرت عیسیٰ کو پیدا فرمائے گا۔

وَيَعْلَمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْانجِيلَ ۝

اور اللہ اس کو کتاب و حکمت اور توریت و انجیل سکھائے گا

(اور) پھر (اللہ) تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے (اس کو کتاب) جو اسکے پہلے اتاری گئیں جیسے حضرت شیث اور حضرت ابراہیم کے صحیفے (و حکمت) یعنی حرام و حلال کا علم جو حکمت و شریعت ہے (اور توریت و انجیل سکھائے گا) یعنی توریت و انجیل کی تعلیم دے گا۔

آپ تعلیم تو سارے صحیفوں کی دیں گے، رہ گیا توریت و انجیل کا خصوصی طور پر ذکر، انکی فضیلت کی جہت سے ہے۔

وَرَسُولًا اِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ؕ اَتَىٰ قَدْ جِئْتَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۖ مِّن رَّبِّكُمْ اِنۡتۡى

اور رسول آئی یعقوب کی طرف کرے گا، کہ میں لایا تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے، کہ میں

اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِّنَ الطَّيْنِ كَهَيۡئَةِ الطَّيْرِ فَانفُخُوۡنَ فِيۡهٖ فَيَكُوۡنُ طَيۡرًا يَّادۡنُ اللّٰهُ

بناتا ہوں تمہارے واسطے، جیسے پرند کی صورت، پھر پھونکتا ہوں اس میں، تو وہ پرند ہی ہو جاتا ہے اللہ کے حکم سے۔

وَأَبْرِي الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُمِّي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ وَأَبْتَكُمْ بِمَا تَكُونُونَ

اور تندرست کر دیتا ہوں پیدا اُنھی اندھے اور کوڑھی کو، اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو، اللہ کے حکم سے۔ اور بتا دیتا ہوں تم کو

وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

جو کچھ تم کھاتے اور جو کچھ جمع کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں۔ بیشک اس میں ضرور نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان والوں سے ہو۔

(اور) مزید برآں ان کو رب تعالیٰ (رسول) بنا کر (آل یعقوب کی طرف) مبعوث

(کرے گا) جن سے آپ فرمائیں گے (کہ میں لایا تمہارے پاس) اپنی رسالت کی حقانیت و صداقت

کی (نشانی، تمہارے رب کے طرف سے)۔ جو پانچ نشانیاں میں لیکر آیا ہوں، اس میں پہلی یہ ہے

(کہ میں بناتا ہوں تمہارے واسطے) مٹی سے (جیسے پرند کی صورت، پھر پھونکتا ہوں اس میں، تو وہ

پرند ہی ہو جاتا ہے اللہ کے حکم سے)۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ مٹی سے چوگاڑ کی شکل کا مجسمہ بناتے اور پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ

مٹی کا جانور اڑنے لگتا تھا اور زمین و آسمان کے بیچ میں اڑا کرتا اور جب تک لوگوں کی نظروں

میں رہتا، اڑا کرتا اور جیسے ہی نظروں سے اوجھل ہو جاتا، مردہ ہو کر زمین پر گر پڑتا تھا۔

(اور) دوسری نشانی یہ کہ (تندرست کر دیتا ہوں پیدا اُنھی اندھے اور کوڑھی کو)۔

آپ کے عہد میں یہ دونوں بیماریاں لا اعلان تھیں۔ ایسا کہ انکا تندرست کر دینا خوارق

عادات میں سے تھا۔ ویسے بھی حضرت مسیح کا جو طریقہ علاج تھا، اس طریقے سے تندرست

کرنا آج بھی خرق عادت ہی ہے۔

(اور) تیسری نشانی یہ ہے کہ (زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے)، یعنی جو

کچھ میں بطور اعجاز کرتا ہوں، اس میں میری ذاتی قدرت و مشیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کہ کوئی مجھ میں

الوہیت کا گمان کرنے لگے، بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسکی مشیت و قدرت سے ہوتا ہے

۔۔۔ ہاں۔۔۔ اسکی قدرت کا ظہور میرے ذریعہ ہوتا ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ میں اسکی قدرت کا مظہر ہوں،

نہ کہ خود قادر حقیقی۔

بعض مفسرین کے بقول، حضرت عیسیٰ عليه السلام نے چودہ "مردے زندہ فرمائے، انہی

میں ایک سام بن نوح تھے، جن کو وفات پائے چار ہزار برس کے قریب گزرے تھے۔

(اور) پانچویں نشانی یہ ہے کہ (بتا دیتا ہوں تم کو جو کچھ تم کھاتے) ہو (اور جو کچھ جمع کر رکھتے

ہوا پنے گھروں میں)۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انھیں اس طعام کی خبر دیتے جو انھوں نے کل کھایا۔۔۔ یا۔۔۔ آئندہ کھا سینگے اور بچوں کو مدرسہ میں خبر دیتے کہ تمہارے گھر یہ ہو رہا ہے اور گھر میں کیا اور کہاں چھپا رکھا ہے۔ جب بچے واپس گھر لوٹتے، تو وہ اپنی منہ مانگی چیز لیتے اور اگر نہ ملتی تو روتے اور خود بتاتے کہ فلاں چیز فلاں جگہ رکھی ہوئی ہے اور فلاں شے فلاں جگہ، اس پر گھر والے بچوں کو منہ مانگی چیز دینے پر مجبور ہو جاتے اور وہ لوگ حضرت عیسیٰ کو جادوگر قرار دیتے۔

(پیشک) جس جس معجزہ کا الگ الگ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اس (اس) کے ہر ایک (میں) ضرور نشانی ہے) اور میرے دعویٰ کی سچائی کی دلیل ہے (تمہارے لئے، اگر تم ایمان والوں سے ہو) یعنی اگر تم ان امور کو معجزہ باور کرنے والے ہو۔۔۔ یا۔۔۔ مجھے پیغمبر ماننے والے ہو۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَلَا حِجْلٌ لَّكُمْ بَعْضُ الَّذِي حُرِّمَ

اور میں ہوں تصدیق کرتا اسکی جو میرے آگے ہے، توریت، اور تاکہ حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیز جو حرام کی گئی تھی

عَلَيْكُمْ وَحِجَّتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا

تم پر، اور لایا ہوں میں نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔۔۔ تو اللہ کو ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

سن لو (اور) یاد رکھو کہ (میں ہوں تصدیق کرتا اسکی جو میرے آگے ہے) یعنی (توریت) جسے میرے پہلے حضرت موسیٰ پر نازل کیا جا چکا ہے، جسکی میں تصدیق کرتا ہوں اور اسکے کلام الہی ہونے کی شہادت دیتا ہوں۔ (اور) اس تصدیق و شہادت کا سوا، میری بعثت اسلئے بھی ہے (تاکہ حلال کر دوں تمہارے لئے بعض وہ چیز جو حرام کی گئی تھی تم پر)۔۔۔ مثلاً: مچھلی، اونٹ کا گوشت، گائے بکری کی چربی اور بعض پرند (اور لایا ہوں میں نشانی تمہارے رب کی طرف سے) جو واضح برہان ہے اور میری رسالت کی صحت پر شاہد ہے (تو) رسالت کے دلائل کو قبول نہ کرنے اور اسکے مدلول سے مخالفت کرنے پر (اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو اور) ان امور میں جنکا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور جن برائیوں سے میں روکتا ہوں، ان میں (میری اطاعت کرو) اور اچھی طرح سے یقین کر لو۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ

بے شک اللہ میرا پروردگار اور تمہارا پالنہار ہے تو اسی کو پوجو۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔

(بیشک اللہ) تعالیٰ ہی (میرا پروردگار اور تمہارا پالنے والا ہے) اور پھر جب ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہے، تو پھر پوجنے کیلئے صرف اسی کی ذات ہے (تو اسی کو پوجو)، (یہ) بلکہ یہی (سیدھا راستہ ہے) جو اپنے چلنے والے کو بہشت تک پہنچاتا ہے اور ہلاکت سے بچاتا ہے، یہی وہ حق صریح ہے جس پر تمام انبیاء کرام کا اتفاق ہے اور یہ رسول یعنی حضرت عیسیٰ بھی منجملہ انہیں سے ہیں، تو یہ بھی انہیں کی طرح اللہ تعالیٰ کی واضح برہان ہیں۔

فَاِذَا أَحْسَسَ عِيْسَىٰ مِنْهُمْ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ط قَالَ الْحَوَارِيُّونَ

پس جب دیکھا عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار کو، کہا کون میرا مددگار ہے اللہ کی طرف، حواری لوگ

مَنْ أَنْصَارُ اللَّهِ أَمْثَلُ بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ بِأَنَّكُمْ مَسْلُومُونَ ﴿۳۱﴾

بولے، ”ہم مددگار ہیں اللہ کیلئے۔ ہم مان گئے اللہ کو۔ اور گواہ ہو جائیے کہ ہم بے شک مسلمان ہیں •

حضرت عیسیٰ کے تعلق سے حضرت جبرائیل نے جو بشارتیں دیں، وہ ہو کر رہیں اور پھر

جب وہ سب بالکل ہو کر کھل کر سامنے آگئیں۔۔۔ نیز۔۔۔ بعض لوگوں کی حضرت عیسیٰ کے

شہید کر دینے کی ریشہ دوانیاں بھی جاری رہیں۔

(پس جب) مکمل علم یقین حاصل ہو گیا، ایسا کہ کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہ گیا اور ایسا محسوس

کیا کہ گویا چشم سر سے (دیکھا عیسیٰ نے) اور پوری طور پر محسوس کر لیا اپنے اوپر (ان) بعض ایمان نہ

لانے والوں اور آپ کو شہید کر دینے کا پکارا ارادہ کر لینے والوں (کی طرف سے انکار کو)۔

ان بد بختوں کے سر، انکار نبوت کا جادو ایسا چڑھ گیا کہ اب انہیں عیسیٰ ﷺ کو شہید

کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ ایسی صورت حال جب سامنے آئی تو حضرت عیسیٰ

نے اپنے ان بارہ عدد مخلصین کو جنکی آپ سے محبت اور آپ کی اطاعت ہر طرح کے شک و

شبہ سے بالاتر تھی، اپنی اور دین الہی کی نصرت کیلئے دعوت دی۔ ان بارہ نفوس میں بعض

مچھلیوں کے شکاری تھے اور بعض دھوبی، بعض رنگ ریز۔

چنانچہ آپ نے دعوت دی اور (کہا کون میرا مددگار ہے، اللہ) تعالیٰ (کی طرف) کہ میرے

وہ مددگار جن کی مدد سے میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور التجا کر سکوں، یعنی اقامت دین میں تم میں سے

کون میری مدد کرے گا۔ (حواری لوگ بولے ہم مددگار ہیں، اللہ) تعالیٰ کے دین کے وجود و بقا اور

اس کے فروغ و ارتقا (کیلئے)، کیونکہ (ہم) پہلے ہی سے (مان گئے) اور مان چکے ہیں (اللہ) تعالیٰ

(کو) اور ظاہر ہے جو ایمان والا ہوگا وہی دین و رسول کی مدد کرے گا اور اسکے اولیاء کو انکے دشمنوں سے بچائے گا اور اسکے دین کے دشمنوں سے جنگ کرے گا۔

(اور) اے پیغمبر آپ بھی (گواہ ہو جائیے کہ ہم بیشک مسلمان ہیں) اور خدا اور رسول کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں اور اس سے ہمارا مقصود صرف اخروی سعادت کا حصول ہے۔ پیغمبر کی بارگاہ میں اپنے کو پیش کر دینے کے بعد اب خود بارگاہ الہی میں اپنے کو پیش کر رہے ہیں اور عرض کر رہے ہیں۔۔۔

رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۵۷﴾

پروردگار امان گئے ہم جو تو نے اتارا، اور فرماں بردار ہو گئے رسول کے، تو ہم کو حق کے گواہوں میں لکھ لے۔
(پروردگار امان گئے ہم جو تو نے) اپنے پیغمبر پر (اتارا) یعنی ہم انجیل پر ایمان لائے (اور فرمانبردار ہو گئے رسول کے) یعنی ہم حضرت عیسیٰ کے دین پر ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ وہ جو احکام ہماری طرف لائے ہیں۔۔۔ جن امور سے وہ روکتے ہیں، ہمارا ان سب پر پختہ ایمان ہے۔ تو اے پروردگار (تو ہم کو حق کے گواہوں میں لکھ لے) جو تیری وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ ان انبیاء علیہم السلام کے ساتھ لکھ دے جو اپنے تابعداروں کی گواہی دیں گے۔۔۔ یا۔۔۔ ہمیں حضرت محمد ﷺ کی امت میں لکھ دے، جو یقینی طور پر شہداء علی الناس ہیں۔

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور سب فریب کھیلے اور اللہ نے اسکا جواب دیا، اور اللہ فریبیوں کو سب سے بہتر جواب دینے والا ہے۔
حضرت عیسیٰ ﷺ کو جن یہودیوں کے کفر و سرکشی سے آگہی ہو گئی تھی، ان یہودیوں نے آپ کو انواع و اقسام کے حیلوں سے گرفتار کر لیا اور گھر میں قید کر کے رات بھر پہرہ رکھا اور صبح تڑکے اٹھا ہو کر اپنے سردار یہود کو گھر میں بھیجتا تا کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کو باہر لائے۔ اسی شب حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آسمان پر اٹھالیا تھا، چنانچہ جب یہود گھر میں گیا، تو اس نے حضرت عیسیٰ ﷺ کو نہیں پایا۔۔۔ اور۔۔۔ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی شبیہ اس پر ڈال دی، پھر جب وہ باہر نکلا اور یہ کہنا چاہا کہ عیسیٰ یہاں نہیں ہیں، تو باہر جو لوگ تھے اس سے لپٹ گئے، ہر چند وہ کبتر رہا کہ میں فلاں شخص ہوں، کسی نے کچھ خیال نہ کیا، وہ نالہ و فریاد

کرتا رہا، مگر لوگوں نے اسے سولی پر چڑھادیا اور اس پر تیر برس سانا شروع کر دیا۔ اس طرح ذلت و رسوائی کے ساتھ اسے قتل کر ڈالا۔

--- الغرض --- ان مکر کرنے والوں نے مکر کیا (اور سب فریب کھیلے، اور اللہ تعالیٰ نے) ان کے (اس) فریب (کا جواب دیا) کہ ان لوگوں نے خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے دوست کو سولی چڑھادی۔

اور پھر جب یہ غور کیا کہ جسکو ہم نے قتل کر دیا اسکا چہرہ تو حضرت عیسیٰ کے چہرے کی طرح ہے، لیکن اسکا باقی جسم ان کے اس فرستادہ کی طرح ہے جس کو حضرت عیسیٰ کو شہید کرنے کیلئے --- یا --- گھر سے باہر لانے کیلئے انھوں نے گھر میں بھیجا تھا۔ اس پر انکا آپس میں سخت جھگڑا ہوا۔

فریبیوں کو ان کے فریب کا عبرتناک بدلہ مل گیا (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ تعالیٰ فریبیوں کو سب سے بہتر جواب دینے والا ہے)۔ یہ بدطینت یہود بھلا حضرت عیسیٰ کو کیسے شہید کر سکتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ آپ کو دشمنوں سے بچانے والا ہے۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ إِنِّي فَتَىٰ ذِكْرِي وَإِنِّي مَكِينٌ ۖ فَخَرَّ سَاجِدًا ذِكْرًا لِآيَاتِي ۖ فَسَخَّرَ اللَّهُ لَهُ مَا يَشَاءُ ۚ فَأَنزَلْنَاهُ فِي مِصْرَ ۚ وَكَفَّ بِاللَّهِ عَنِ الْكُفْرَانِ ۚ وَكَفَرُوا بِآيَاتِهِ فَجَعَلْنَاهُمْ قُلُوبًا غَافِلِينَ ۚ وَكَفَرُوا بِآيَاتِهِ فَجَعَلْنَاهُمْ قُلُوبًا غَافِلِينَ ۚ وَكَفَرُوا بِآيَاتِهِ فَجَعَلْنَاهُمْ قُلُوبًا غَافِلِينَ ۚ

جبکہ فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ بیٹک میں پوری عمر دینے والا ہوں تمکو، اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، اور صاف ستمرا بچا لیا ہوں تم کو ان سے جو

کُفَرُوا وَاجْعَلِ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ قَوْمِ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

انکار کر بیٹھے ہیں، اور بلند کرنے والا ہوں ان کو جنھوں نے تمہاری پیروی کی ان پر جنھوں نے انکار کر دیا قیامت تک۔

ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَحْكُم بَيْنَكُمْ فِي مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۱۰۰﴾

پھر میری طرف ہے تمہارے لوٹنے کی جگہ، تو میں فیصلہ کروں گا تم لوگوں کا جس میں تم اختلاف رکھتے تھے •

چنانچہ اے محبوب یاد کرو اس وقت کو (جبکہ) ارشاد (فرمایا اللہ) تعالیٰ نے) حضرت عیسیٰ سے، کہ (اے عیسیٰ بے شک میں پوری عمر دینے والا ہوں تم کو)، اس میعاد تک جو میں نے تیرے لئے لکھی ہے --- الغرض --- تم اپنی طبعی موت ہی سے وفات پاؤ گے، نہ کہ کسی سے مقتول ہو کر، (اور) تمہارے اعزاز و اکرام کیلئے (اپنی طرف) یعنی اپنے فرشتوں کی قرار گاہ و طیار گاہ کی طرف (اٹھانے والا) اور آسمانوں کی بلند یوں پر پہنچانے والا (ہوں، اور صاف ستمرا بچانے والا ہوں تم کو ان) کی

گندی صحبت، بری ہمسائیگی اور خراب معاشرت (سے، جو) تمہارے قتل کا ارادہ اور تم سے مکر کر کے تم سے کفر اور تمہارا (انکار کر بیٹھے ہیں)۔۔۔ الغرض۔۔۔ میں ایسوں سے تم کو نجات دینے والا ہوں (اور بلند کرنے والا ہوں) تمہارے (ان) ایمان والوں (کو جنہوں نے تمہاری پیروی کی، ان) یہودیوں (پر جنہوں نے) تم پر ایمان لانے اور تمہاری پیروی کرنے سے (انکار کر دیا)۔ ان کی یہ برتری اور یہ غلبہ ہمیشہ یعنی (قیامت تک) رہے گا۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ کی نبوت ثابت کرنے میں دلائل و براہین کی روح سے عیسائی ہمیشہ یہودیوں پر غالب رہیں گے۔۔۔ یا۔۔۔ قیصروں کی مدد کے باعث تلوار کی رو سے نصاریٰ یہودیوں پر غالب آئے اور ہمیشہ غالب رہیں گے۔ (پھر) قیامت میں (میری) ہی (طرف ہے) تمہاری اور (تمہارے) متبعین۔۔۔ نیز۔۔۔ منکرین کے (لوٹنے کی جگہ) تو جب تم میری طرف رجوع کرو گے (تو میں فیصلہ کروں گا تم لوگوں کا) ان امور دین میں (جس میں تم اختلاف رکھتے تھے)۔

یہودی حضرت موسیٰ کو ماننے والے ہیں اور حضرت عیسیٰ کے منکر ہیں۔ نصاریٰ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ دونوں کی تصدیق کرتے ہیں، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے منکر ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ صرف مسلمان ہی ہیں جو حضرت آدم سے لیکر حضرت خاتم النبیین ﷺ تک ہر ہر نبی پر ایمان لانے والے ہیں، وہ بھی نبی آخر الزماں کی ہدایات کے مطابق۔ تو جب یہ سارے لوگ میری بارگاہ عدالت میں حاضر ہونگے تو میں صاف صاف واضح کر دوں گا کہ حق والے کون ہیں؟ اور باطل کدھر ہے؟

ویسے تو ہمارے رسول اور ہماری کتابوں نے حق و باطل کو خوب خوب واضح کر دیا ہے لیکن قیامت میں اس سچائی کو ہر ایک اپنی آنکھوں سے دیکھ لگا، ایسا کہ کسی کیلئے اسکے خلاف لب کشائی کی گنجائش ہی نہیں رہ جائیگی۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاعْزِبْ عَنْهُمْ عَذَابَ آبَائِهِمْ إِنِّي لَأَلِيمٌ وَالْآخِرَةُ

پس جنہوں نے انکار کر دیا ہے تو ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا اور آخرت میں،

وَمَا لَهُمْ مِّنْ لُّصْرَيْنِ ﴿۵۱﴾

اور نہ ہوگا ان کا کوئی مددگار

(پس) یہود و نصاریٰ بخوبی جان لیں کہ یہ خود اور ان کے سوا وہ سب (جنہوں نے انکار کر دیا

ہے) ان سب کو میری پکڑ میں آنا ہی ہے (تو) میں (ان کو سخت عذاب دوں گا، دنیا) میں مجاہدین کی تلواروں کے ذریعہ، قید و بند اور جزیہ دینے کی ذلت و رسوائی مسلط کر کے اور مختلف بیماریوں، مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا کر کے۔۔۔

خیال رہے کہ دنیاوی تکالیف و مصائب اور بیماریاں و آزاریاں کافر کیلئے سزا ہیں، لیکن مومن کے حق میں جزاء ہیں، جو مومن کیلئے دافع سینات اور رافع درجات ہوتی ہیں۔۔۔ کافروں کو سزا دنیا میں بھی دوں گا (اور آخرت میں) بھی جہنم کے عذاب میں مبتلا کر کے، (اور نہ ہوگا) میرے عذاب سے (انکا) چھڑانے والا (کوئی مددگار) اور کوئی حامی و ناصر۔

وَأَقَامَ الدِّينَ أَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ

لیکن جو مان گئے اور نیک کام کئے، تو پورا پورا دے گا ان کو ان کا اجر۔

وَاللَّهُ لَمُجِبِّ الطَّالِبِينَ ﴿۳۰﴾

اور اللہ نہیں پسند فرماتا ظالموں کو •

(لیکن) وہ لوگ (جو مان گئے اور نیک کام کئے) یعنی امت مرحومہ محمدی ﷺ، (تو پورا پورا دیگا انکو انکا اجر) و ثواب دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں درست کامی کی شکل میں۔ رہ گئے وہ لوگ جو ایمان ہی نہیں لائے اور نیک عمل انجام نہیں دئے تو وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں، تو وہ کان کھول کر سن لیں (اور) یاد رکھیں کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا ظالموں کو) اور ان سے راضی نہیں ہوتا۔

ذٰلِكَ تَتْلُوْهُ عَلٰیكَ مِنَ الْآٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۳۰﴾

یہ ہم پڑھتے ہیں تم پر کچھ آیتیں اور حکمت بھری نصیحت •

اے محبوب! (یہ) کلام جو انبیاء کرام کے قصوں میں مذکور ہوا، میرے حکم سے جبرائیل امین نے آپ کے پاس حاضر ہو کر آپ کو پڑھ کر سنایا، تو چونکہ انکا پڑھنا اور جو کچھ پڑھ کر سنایا، وہ سب میرے ہی حکم سے تھا اور اسے آپ کو سنانا میں نے ہی چاہا تھا، تو اب جبرائیل امین کی تلاوت اور انکا آپ کے رو برو پڑھنا، گویا خود میرا ہی پڑھنا ہے، تو گویا خود (ہم پڑھتے ہیں) اور تلاوت کرتے ہیں (تم پر) تمہارے رو برو (کچھ آیتیں) جو آپ کی رسالت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں، اسلئے کہ یہ

وہ علامات ہیں کہ سوائے کتاب اللہ کے قاری کے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتیں۔۔۔ یا۔۔۔ وہ جان سکتا ہے جسکی طرف یہ آیات اتریں۔ اور ظاہر ہے کہ آپ نہ لکھتے ہیں نہ کسی سے جا کر پڑھتے ہیں، تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ واقعی یہ آیات وحی ربانی ہیں۔ (اور حکمت بھری نصیحت)، یعنی قرآن ایسا محفوظ کلام ہے کہ اس میں خلل و نقصان کا شائبہ تک نہیں۔

قرآن کریم نے اگر حضرت عیسیٰ کو عبد اللہ، کلمۃ اللہ، رسول اللہ کہا ہے، تو یہ ایک سچی حقیقت ہے۔ نجران کے نصاریٰ اگر اس کو حضرت عیسیٰ کے حق میں گالی سمجھتے ہیں، تو یہ انکی پرلے درلے کی نادانی ہے۔ نجرانی نصاریٰ نے صرف اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ کے باپ نہیں تھے، انھیں خدا کا بیٹا سمجھ لیا، یہ کتنی نامعقول بات ہے کہ جو بے باپ کا ہو تو وہ خدا کا بیٹا ہو جائے۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ

بے شک عیسیٰ کی مثال، اللہ کے نزدیک، جیسے آدم کی مثال ہے،

خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۵۱﴾

پیدا فرمایا ان کو مٹی سے پھر حکم دیا اس کو کہ ہو جا فوراً ہو جاتا ہے۔

تو اے محبوب! ان نادانوں کو سنا دو کہ (بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک جیسے آدم کی مثال ہے) باپ نہ ہونے میں، یعنی دونوں کا کوئی باپ نہیں، دونوں کی تخلیق انسانوں کی تخلیق کے تعلق سے جو عادت مستمرہ ہے اس سے خارج ہے، دونوں کے پیکر انسانی کے اجزائے مادہ کو کسی انسان کی صلب کی راہ سے گزرنا نہیں پڑا اور دونوں ہی کی تخلیق لفظ 'کن' سے فرمائی گئی۔ چنانچہ (پیدا فرمایا ان کو) یعنی آدم کو (مٹی سے)، یعنی اڈلا مٹی کا ایک مجسمہ تیار کر دیا (پھر حکم دیا اس) پیکر خاکی (کو کہ ہو جا) تو اس حکم کو پا کر وہ (فوراً ہو جاتا ہے)۔۔۔ المختصر۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے خاک کو کہا آدم ہو جا، وہ آدم ہو گئی، اور ہوا سے کہا عیسیٰ ہو جا، تو وہ عیسیٰ ہو گئی۔

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا يَكْفُرُ مِنَ الْمُنْكَرِينَ ﴿۵۲﴾

بالکل حق ہے تم سب کے رب کی طرف سے تو نہ ہو شک کرنے والوں سے۔

اے محبوب اور اے دامن کرم سے وابستہ اکلے امتیوں! یہ جو حضرت عیسیٰ کے تعلق سے بات

کہی گئی ہے یہ (بالکل حق ہے تم سب کے رب کی طرف سے، تو نہ ہوشک کرنے والوں سے) اس بات میں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی مثال کی طرح ہے، تو مسلمانو، تم نصاریٰ کی طرح شک میں نہ پڑو۔ چونکہ وہ توطن و تخمین کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس تمثیل کے نور کی چمک وہ نہیں دیکھ سکے۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

تو جس نے بھی حجت نکالی ان کے بارے میں بعد اس کے کہ آچکا تم تک علم، تو کہہ دو کہ لو اب آ جاؤ، ہم بلا لیں

اِبْنَاءَنَا وَاِبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَالْأَنْفُسَ الَّتِي

اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنے اپنوں اور تمہارے اپنوں کو۔۔۔

ثُمَّ نَبْتَهَلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿۱۰﴾

پھر مہبلہ کریں، تو مانگیں اللہ کی پھنکار، جھوٹوں پر •

(تو) اے محبوب! (جس نے بھی حجت نکالی) اور کٹ جیتی کی (انکے) حضرت عیسیٰ کے

(بارے میں بعد اس کے کہ آچکا تم تک علم) حضرت عیسیٰ کے تعلق سے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور

انکے رسول ہیں۔۔۔ نیز۔۔۔ آپ کے پاس ایسے دلائل ہیں جن سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ

حق پر ہیں چونکہ ضلالت و گمراہی نے انکو اندھا کر دیا ہے اسلئے یہ حجت بازی پر تے ہوئے ہیں۔

(تو کہہ دو لو اب آ جاؤ ہم بلا لیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں

اور اپنے اپنوں اور تمہارے اپنوں کو، پھر مہبلہ کریں تو مانگیں اللہ) تعالیٰ (کی پھنکار جھوٹوں پر)۔

پھر نبی کریم میدان مہبلہ کی طرف اس شان سے نکلے کہ امام حسین آپ کی گود میں، امام

حسن آپکا ہاتھ تھامے ہوئے، حضرت فاطمہ زہراء، آپکے پیچھے اور حضرت علی انکے پیچھے۔

آپ نے سب کو ہدایت کر دی تھی کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔

جب ان نورانی چہروں پر نصرائیوں کے سردار کی نظر پڑی، وہ چیخ پڑا کہ اے میرے ساتھیو!

ان بزرگواروں کی دعائے ہلاکت سے بچو۔ قسم خدا کی میں دیکھتا ہوں کہ اگر یہ خدا سے چاہیں

تو پہاڑوں کو بھی ان جگہوں سے ہٹا دیں اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم نے انکی تجویز

منظور کر لی اور انکے ساتھ مل کر انکو دعائے ہلاکت کا موقع دے دیا اور پھر انھوں نے ہلاکت کی

دعا کر بھی دی، پھر تو تمام روئے زمین میں ایک نصرانی بھی زندہ نہ رہے گا۔

پس اگر تم اپنے دین پر قائم و دائم رہنا چاہتے ہو تو چھوڑو جھگڑا اور کروکوج اور چلوانے اپنے گھروں کو۔ اور یہ صرف نصرانیوں کے سردار کا خیال نہیں تھا۔۔۔ مگر۔۔۔ حضور آید رحمت ﷺ کا بھی ارشاد ہے، کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تباہی و بربادی اہل نجران کے سروں پر منڈلا رہی تھی، اگر وہ مہابلہ کرتے تو فوراً بندر اور خنزیر کی صورتوں میں تبدیل ہو جاتے اور انکی وادی میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور انہیں وہ تباہی نصیب ہوتی کہ نہ صرف وہ مٹ جاتے بلکہ انکے اہل و عیال کے ساتھ انکے درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں کی بھی تیخ کئی ہو جاتی اور صرف ایک سال کے اندر اندران کا ستیاناس ہو جاتا۔

ابتداءً مہابلہ کیلئے آمادگی ظاہر کر کے پھر مکر جانا، انکے تمام مذہبی اور سیاسی سربراہوں اور لوگوں کی طرف سے خود انکے اپنے باطل ہونے کا کھلا اعتراف ہے۔ اسلئے کہ اگر وہ سب اپنے دینی نظریات میں جھوٹے نہیں تھے، تو جھوٹوں کی ہلاکت کی دعا سے خوفزدہ کیوں ہو گئے اور وہ بھی ایسا خوف، بڑی ہی آسانی سے جزیہ دینا منظور کر لیا اور اسلامی حکومت کی سیاسی ماتحتی قبول کر لی۔ اور دنیا میں ذلیل و خوار ہو کر رہنے کو منظور کر لیا۔۔۔ الحاصل۔۔۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہم السلام وغیرہ کے واقعات کے تعلق سے جو بیان کیا گیا۔۔۔

إِنَّ هَذَا هُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ دُونِ اللَّهِ

بے شک یہی ہے ٹھیک بیان اور نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا،

وَلِإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰﴾

اور بیشک ضرور اللہ ہی غلبہ والا حکمت والا ہے •

(بے شک) وہ (یہی ہے) بالکل (ٹھیک) اور حق (بیان)، یہ جھوٹی اور من گھڑنت کہانیاں نہیں، جو نصاریٰ بیان کرتے ہیں۔ نصاریٰ کا تین خدا ماننا بھی انکا ایک باطل نظریہ ہے، اسلئے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے (اور نہیں ہے کوئی معبود اللہ) تعالیٰ (کے سوا اور بے شک ضرور اللہ) تعالیٰ (ہی غلبہ والا) اور (حکمت والا ہے)۔

یعنی جمع مقدمات پر قادر اور جمع معلومات کو محیط ہے، نہ کوئی اسکا قدرت میں شریک ہے اور نہ ہی حکمت میں تو پھر اسکی الوہیت میں کسی کے شریک ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَرَّانَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ يَا مُؤْمِنِينَ ۝

پھر اگر انھوں نے بے رخی کی، تو بلاشبہ اللہ فساد چانے والوں کو جاننے والا ہے۔

(پھر اگر انھوں نے بے رخی کی) تو حید اور اس حق کو قبول کرنے سے جسکے دلائل ظاہرہ اور براہین کا معائنہ بھی کر چکے ہیں اور مبالغہ کرنے سے بھی انکار کریں تو انکی مذکورہ بالا بے رخی اور انکار ہی فساد کی حقیقت ہے۔ (تو) ایسے فساد کی کان کھول کر سن لیں کہ (بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (فساد چانے والوں کو جاننے والا ہے) اور وہ ان کے قلبی ارادوں پر بھی مطلع ہے اور اسے معلوم ہے کہ انکے اغراض فاسدہ کیا ہیں اور پھر انکو سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ

کہہ دو کہ اے اہل کتاب، آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں تم میں برابر ہے، یہ کہ نہ پوجیں مگر اللہ کو،

وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۝

اور نہ شریک مانیں اس کا کسی چیز کو، اور نہ بنائے ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب، اللہ کو چھوڑ کر

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝

پھر اگر منہ پھیریں تو تم لوگ کہہ دو کہ گواہ رہو، کہ ہم سب مسلمان ہیں۔

اے محبوب یہ فساد حق کو قبول کرنے میں کتنی بھی بے رخی کا مظاہرہ کیوں نہ کرتے ہوں، مگر تم اپنا فریضہ نبوت ادا کرتے رہو اور ان کتابیوں سے صاف لفظوں میں (کہہ دو کہ اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں برابر ہے)۔

یعنی اے اہل کتاب نصرانیوں اور مدینہ کے کتابی یہودیو! آؤ ہم سب آپس میں ان نظریات پر اتفاق کر لیں جن پر ہمارے اور تمہارے پاس موجود خدا کی طرف سے نازل کردہ کتابیں متفق ہیں۔

--- الغرض --- اس نظریہ پر نہ کسی رسول کو اختلاف ہے اور نہ ہی کسی خدائی کتاب کو۔ ظاہر ہے کہ جس نظریہ کے صحیح اور درست ہونے پر سارے رسولوں اور ساری آسمانی کتابوں کا اتفاق ہو، اس نظریہ کو، اس رسول کو، اپنا رسول اور اسکی لائی ہوئی آسمانی کتاب کو اپنی کتاب ماننے والے کو لازمی طور پر قبول کر لینا چاہئے، اسلئے کہ رسول و کتاب پر ایمان لانے کے

بعد انکی ہدایت کو من و عن قبول نہ کرنا، بلکہ اسکی خلاف ورزی کرنا، یہ منافقت اور سرکشی کی بدترین صورت ہے۔

ان متفقہ نظریات میں پہلا نظریہ (یہ) ہے (کہ نہ پوچھیں مگر اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی عبادت کا مستحق سوائے اسکے اور کسی کو نہ سمجھیں۔ اس میں ہم اور تم پر خلوص ہو جائیں (اور) دوسری بات یہ ہے کہ (نہ شریک مانیں اسکا کسی چیز کو) یعنی استحقاق عبادت میں اسکا کوئی شریک نہ بنائیں (اور) تیسری بات یہ ہے کہ (نہ بنائے ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)۔۔۔ مثلاً: معاذ اللہ، یہ کہیں عزیر ابن اللہ، عیسیٰ ابن اللہ، اور نہ ہم علماء کی وہ باتیں مانیں جو انھوں نے از خود دین میں نکالی ہیں۔ اپنی مرضی سے جس کو چاہا حلال کر دیا اور جس کو چاہا حرام قرار دیا، اپنے خود ساختہ قوانین کو خدائی قوانین کی طرح ماننے اور منوانے لگے۔

(پھر اگر) وہ (اپنا منہ پھیریں) اور روگردانی کریں اس سے کہ جسکی طرف آپ انھیں بلا تے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید، ترک اشراک (تو) اے مومنین (تم لوگ کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم سب مسلمان ہیں) یعنی اب تم پر حجت قائم ہو چکی اور معترف ہو جاؤ کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ بھی عجیب تھے جن امور پر انھیں غور و فکر کرنا چاہئے، جو روش اپنانی چاہئے، اس سے پہلو تہی کرتے اور غیر ضروری مباحث و مسائل میں شعوری۔۔۔ یا۔۔۔ غیر شعوری طور پر دوسروں کو الجھانے کی کوشش کرتے، اور پھر اس سلسلہ میں ایسے احقنا نہ دعوے کر جاتے جس سے ایک عام آدمی بھی انھیں عقل و شعور سے عاری خیال کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ چنانچہ انھوں نے ایک بحث عجیب چھیڑ دی کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے۔۔۔ یا۔۔۔ نصرانی؟ یہودی انھیں یہودی بتاتے اور نصاریٰ نصرانی کہتے، حالانکہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ سے ایک ہزار برس اور حضرت عیسیٰ کے دو ہزار برس قبل تھے، اس وقت نہ توریت تھی نہ انجیل، تو پھر اس عہد والے کا موسوی۔۔۔ یا۔۔۔ عیسائی، بلفظ دیگر یہودی۔۔۔ یا۔۔۔ نصرانی ہونا چہ معنی دارد۔ اس طرح کے دعووں کے مدعی خود اپنی ہی رسوائی کا سامان فراہم کر لیتے ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَمَا اُنزِلَتْ التَّوْرَةُ

اے اہل کتاب کیوں جھٹلتے ہو ابراہیم کے بارے میں، حالانکہ تمہیں اتاری گئی توریت

وَإِنجِيلٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۵﴾

وانجیل مگر ان کے بعد، تو کیا عقل نہیں رکھتے •

تو (اے اہل کتاب) یہود و نصاریٰ! تم دونوں گروہ (کیوں) جھگڑتے ہو اور (جنتیں کرتے ہو) حضرت (ابراہیم کے) دین کے (بارے میں) کہ وہ یہودی تھے۔۔۔۔۔ یا۔۔۔ نصرانی؟ (حالانکہ) انکے عہد میں (نہیں اتاری گئی توریث)، یہود جسکی شریعت پر عمل کرنے کے مدعی ہیں (و نہ ہی نازل فرمائی گئی (انجیل) نصاریٰ جس کے حکم کی تعمیل کے دعویدار ہیں۔ بلکہ یہ کتابیں یعنی توریث و انجیل ضرور نازل فرمائی گئیں (مگر) علی الترتیب (انکے) ایک ہزار اور دو ہزار سال کے (بعد، تو) اے کتابیو! (کیا) تم تھوڑی سی بھی (عقل نہیں رکھتے)، دیکھو حق تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے۔

هَآنَتُمْ هَؤُلَاءِ جَا جَعْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ

سنو، تم وہی ہو کہ جنتیں نکالیں اس میں جس کا تم کو علم ہے، تو اس میں کیوں کٹ جنتی کرتے ہو جس کا تمہیں

بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

کچھ علم نہیں۔ اور اللہ علم رکھتا ہے اور تم سب بے علم ہو •

غور سے (سنو تم وہی ہو) جو (کہ) اپنی کٹ جنتی کی عادت سے مجبور ہو کر (جنتیں نکالیں) اور بلا وجہ کی بحثیں کریں، (اس) شے (میں جس کا تم کو علم ہے) اور وہ ہے نعت مصطفیٰ ﷺ، جو توریث و انجیل میں تم نے پڑھی تھی اور اسے پھر تم نے بدل دیا تھا۔

۔۔۔ الفرض۔۔۔ جو باتیں معلوم ہوں، اس کو چھپانا، اس میں تحریف کر دینا اور اسکے تعلق

سے عادلانہ اور منصفانہ گفتگو نہ کرنا۔۔۔ الفرض۔۔۔ جانی بوجھی باتوں کے تعلق سے تمہاری

کج بحثی تو رہتی ہی تھی، جس پر تم اپنے اہل کتاب اور صاحب علم ہونے کی دھونس جمایا کرتے

تھے۔ مگر اب تم نے ایسی باتوں کے تعلق سے بھی بحث شروع کر دی جس کا تمہاری کتابوں میں

ذکر ہی نہیں۔ غور کرو کہ حضرت ابراہیم کے یہودی۔۔۔ یا۔۔۔ نصرانی ہونے کا جب تمہاری

کتاب میں ذکر ہی نہیں، تو تمہیں کیسے علم ہوا کہ وہ کیا تھے؟

(تو اس میں کیوں کٹ جنتی کرتے ہو جس کا تمہیں کچھ علم نہیں) غور سے سنو (اور) یاد رکھو کہ

جس بات میں تم جھگڑتے ہو (اللہ) تعالیٰ ہی اس کا (علم رکھتا ہے اور) حقیقت حال محل نزاع سے (تم

سب بے علم ہو)۔ حقیقت حال یہی ہے کہ۔۔۔

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ

نہ تھے ابراہیم یہودی، اور نہ نصرانی، لیکن تھے

حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳۱﴾

حق پرست، مسلمان۔ اور نہ تھے شرکوں سے •

(نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ) ہی (نصرانی، لیکن تھے حق پرست) پاک، موحد اور برے عقائد سے منحرف (مسلمان)، خلوص رکھنے والا اور بارگاہِ الہی میں سر تسلیم خم کر دینے والا (اور نہ تھے شرکوں سے)۔

اسکے برخلاف اے کتابیو! تم حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی الوہیت کے اعتقاد کے سبب مشرک ہو گئے، تو تم سب اور تمہارے سوا دوسرے مشرکین عرب جو اپنے کو دین ابراہیمی والا کہا کرتے تھے۔ کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اپنے کو ابراہیمی۔۔۔ یا۔۔۔ دین ابراہیمی والا قرار دیں۔

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ

بے شک سب سے زیادہ حق دار ابراہیم کے وہ ہیں، جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی، اور یہ نبی

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾

اور جو ان کو مان گئے۔ اور اللہ والی ہے ایمان والوں کا •

غور سے سن لو کہ (بے شک سب سے زیادہ حق دار ابراہیم کے وہ ہیں جنہوں نے انکی پیروی کی تھی) اور ان پر ایمان لا کر ان کے حکم کی اطاعت کی تھی (اور یہ نبی) ﷺ جو ملت ابراہیمی والا ہے (اور جو انکو مان گئے) خواہ وہ اہل شرک سے رہا ہو۔۔۔ یا۔۔۔ اہل کتاب سے، پیغمبر اسلام پر ایمان لانے کے بعد، وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اپنے کو ابراہیمی قرار دے، اسلئے کہ پیغمبر اسلام اور آپ کے سارے ماننے والے امتی اصولی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احکام کے موافق ہیں۔ (اور اللہ والی ہے ایمان والوں کا)، انکا دوست اور انکا کام بنانے والا ہے اور انکے ایمان کی وجہ سے انکے نیک اعمال کی جزاء عطا فرمانے والا ہے۔

اور جب ایمان و نیک عمل والوں کا یہ مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ انکا دوست اور انکا والی و ناصر

ہے تو ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے ایمان و عمل کی حفاظت کیلئے پورے طور پر ہوشیار رہیں، اسلئے کہ ایمان کے لیرے گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ جس طرح پہلے بھی بعض کتابیوں نے حضرت حدیفہ اور حضرت عمار کو گمراہ کرنے اور اپنے دین میں لانے کی کوشش کی تھی۔ ایسے ہی ہر ایمان والوں کے تعلق سے۔۔۔

وَدَّتْ ظَالِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ

آرزو بنالیا ایک جمعیت نے اہل کتاب سے، کہ کاش تم لوگوں کو گمراہ کر دیں۔ اور نہیں گمراہ کرتے

إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۰﴾

مگر خود کو، اور ناسمجھ ہیں •

(آرزو بنالیا ایک جمعیت نے اہل کتاب سے) جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، (کہ کاش تم لوگوں کو گمراہ کر دیں) راہِ راست سے ہٹا کر، اسلام سے برگشتہ کر دیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہیں بھٹکتے (اور نہیں گمراہ کرتے مگر خود کو)، اسلئے کہ گمراہ گری کا وبال خود انہی کی طرف لوٹے گا۔ انکے جہنم کے عذاب میں اضافہ ہوگا۔ لیکن یہ اسقدر نادان (اور ناسمجھ ہیں) کہ سمجھتے ہی نہیں کہ وہ وبال اور عذاب اور ان کے کردار کا ضرر الٹا ان کے گلے پڑے گا۔ دوسروں کو گمراہ کرنے کی آرزو رکھنے والو، خود کو ہدایت سے کیوں دور کر رکھا ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَسْهَدُونَ ﴿۳۱﴾

اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا، حالانکہ تم خود مشاہدہ کر رہے ہو •

جواب دو (اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا) جن پر تورات و انجیل شاہد ہیں اور جو نبوت محمدی پر دلالت کرتی ہیں (حالانکہ تم خود مشاہدہ کر رہے ہو) اور تم اس پر شاہد ہو کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾

اے اہل کتاب، کیوں ملاتے ہو حق کو باطل سے، اور چھپاتے ہو حق کو، جان بوجھ کر •

اور (اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو حق کو باطل سے، اور چھپاتے ہو حق کو جان بوجھ کر)۔

کتنی بڑی زیادتی اور گمراہی کی بات ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر نازل ہونے والی کتابوں میں تحریف کر کے، اپنے باطل کو ان کتابوں کے حق کے ساتھ ملا دیتے ہو اور اس طرح حق و باطل کو گڈمڈ کر دیتے ہو، اور اپنی خود غرضی سے جو جو تحریفات کی ہیں، اس باطل کو حق کے رنگ میں پیش کرتے ہو۔

--- الغرض --- آسمانی کتابوں کے حق کے ساتھ اپنے گڑھے ہوئے باطل کو ایسا غلط ملط کر دیا کہ حقیقت و سچائی حجاب اندر حجاب ہو گئی۔ یہ جانتے ہوئے کہ حضور نبی کریم کی نبوت اور آپ کی نعت اور خوبیاں سب حق ہیں اور اسکا ذکر تمہاری کتابوں میں بھی ہے۔۔۔ الختصر۔۔۔ اے کتابیو، جان بوجھ کر تمہاری یہ حرکتیں تمہاری دنیا و آخرت کی رسوائیوں کا سبب ہیں۔

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَيْنَا عَلَى الَّذِينَ

اور کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے کہ مان لیا کرو اس کو جو اتارا گیا ہے

آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَالْأَعْمَاءِ الْآخِرَةَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۰﴾

ایمان والوں پر صبح سویرے اور مرتد ہو جاؤ اس سے شام کو، شاید مسلمان لوگ بھی مرتد ہو جائیں •

اے کتابیو! تم نے مکر و فریب کی بھی حد کر دی۔ چنانچہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے تم نے ایک نرالی چال چلی (اور کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے)، اور وہ بارہ آدمی تھے (کہ مان لیا کرو اس کو جو اتارا گیا ہے ایمان والوں پر صبح سویرے) (اور مرتد ہو جاؤ اس سے شام کو، شاید مسلمان لوگ بھی مرتد ہو جائیں)۔ کتابیوں نے یہ کتنا بڑا چال پھیلا دیا تھا کہ پہلے ایمان لانے کا ڈھونگ رچائیں، پھر یہ کہہ کر کہ ایمان لانے میں ہم سے بھول ہو گئی، بعد میں ہم نے تحقیق کی اور اپنے علماء سے بحث و تمحیص کیا، تو یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ہماری کتابوں میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے، وہ محمد عربی ﷺ نہیں ہیں۔ ہم کو جو نشانیاں بتائی گئی ہیں، وہ سب ان میں نہیں پائی جا رہی ہیں، اسلئے ہم اپنے دین پر واپس آگئے اور انکے دین کو چھوڑ دیا۔

یہ سب کچھ انھوں نے اس خیال سے کیا کہ شاید کچھ لوگ اس سے متاثر ہو جائیں اور وہ بھی کھل کر مرتد ہو جائیں۔۔۔ یا۔۔۔ کم از کم دین اسلام کی حقانیت سے مشکوک ہو جائیں۔

وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ

اور تم لوگ نہ مانو مگر اس کو، جس نے تمہارے دین کی پیروی کر لی۔ کہہ دو کہ بیشک ہدایت اللہ کی ہدایت ہے۔ اور یہ کہ کوئی دیا

أَحَدًا مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ

جائے ویسا جو تم کو دیا گیا، یا دوسرے لوگ تم سے جیت جائیں تمہارے پروردگار کے پاس۔ کہہ دو بیشک فضل

بِیَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

اللہ کے قبضہ میں ہے جس کو چاہے اس کو دے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

جن لوگوں کو اس کام کیلئے تیار کیا تھا کہ صبح کو ایمان لانا اور رات کو انکار کر دینا، ان کو یہ ہدایت

بھی کر دی تھی کہ یہ ایمان لانا محض دکھاوے کیلئے ہو، (اور تم لوگ) پر لازم ہے کہ دل سے (نہ مانو مگر

اس کو جس نے تمہارے دین کی پیروی کر لی) یعنی ظاہری طور پر رسول عربی پر ایمان کا مظاہرہ کرنا، لیکن

قلبی طور پر صرف اپنے دین والوں کو ماننا، نہ کہ حضور کے ماننے والوں کو۔

لیڈروں نے یہ بھی ہدایت کر دی تھی کہ ہماری آپس کی ان ساری باتوں کو صیغہء راز میں

رکھنا کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔

اے محبوب (کہہ دو کہ بے شک ہدایت اللہ) تعالیٰ (کی ہدایت ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے

بندہ اور رسول سیدنا محمد ﷺ پر جو آیات نازل کی ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو انکی طرف ہدایت دینا چاہے،

اسے کوئی روکنے والا نہیں اور اسلام اور رسول عربی کے خلاف تمہاری ساری سازشیں۔ مکر و فریب،

دجل و تلمیس کوئی اثر نہیں کر سکتا۔

یہودیوں کے سرداروں نے اپنوں کے سوا کسی کو نہ ماننے کی ہدایت کے ساتھ یہ بھی کہا کہ تم

اپنوں کے سوا کسی کی نہ مانو (اور یہ) بھی نہ مانو (کہ کوئی دیا جائے) گا (ویسا جو تم کو دیا گیا) ہے (یا

دوسرے لوگ تم سے جیت جائیں گے تمہارے پروردگار کے پاس) قیامت میں، یعنی قیامت میں

حجت قائم کر کے تمہارے اوپر غالب ہو جائینگے۔ اسلئے کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے

اسے حق پہنچتا ہے کہ اپنے مخالفین کے خلاف اللہ تعالیٰ کے ہاں حجت قائم کرے۔

--- الغرض --- تمہیں جو علم و فضل دیا گیا، وہ اور کسی کو نہیں دیا جائیگا، اور یونہی تمہارے

رب کے پاس تمہارے خلاف کوئی حجت بھی نہ پیش کرے گا کہ تم کو وہاں کوئی شرمندگی اٹھانی

پڑے۔۔۔ الغرض۔۔۔ مکر و فریب اور گمراہ گری کے ہر طریقے کو بروئے کار لایا گیا۔

اے محبوب ان کی خام خیالیوں کے جواب میں (کہہ دو بیشک فضل اللہ) تعالیٰ (کے قبضہ) قدرت (میں ہے، جس کو چاہے اسکو دے اور اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) بہت رحمت والا ہے اور (علم والا ہے) اور مستحقین پر فضل فرمانے والا ہے۔

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۷۰﴾

مخصوص فرمائے اپنی رحمت سے جسے چاہے۔ اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے •

(مخصوص فرمائے اپنی رحمت) اسلام، قرآن، نبوت (سے جسے چاہے اور اللہ) تعالیٰ (بہت

بڑے فضل والا ہے) مومنوں پر۔

--- الفرض --- فضل یعنی ہدایت و توفیق اور علم و کتاب کی عطا اللہ تعالیٰ کی قدرت و

مشیت میں ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس پر

فضل فرماتا چاہتا ہے، اسے اپنے محبوب کے قریب کر دیتا ہے اور اسے اپنے محبوب کی مخلصانہ

غلامی عطا فرمادیتا ہے۔ اپنی نئی زندگی میں بھی وہ امانت و دیانت کا پیکر ہو جاتا ہے۔ اب

اگر وہ پہلے اہل کتاب ہی کا ایک فرد رہا ہو، لیکن اسلام قبول کر لینے کے بعد اس میں شان

اسلام صاف نظر آنے لگتی ہے۔

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدُّهُ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ

اور کوئی کتابی وہ ہے کہ اگر امین بناؤ اس کو ایک انبار کا، تو اس کو ادا کر دے تمہارے پاس، اور کوئی وہ ہے کہ

إِنْ تَأْمَنَهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدُّهُ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا

اگر امین بناؤ اس کو محض ایک اشرفی کا، تو اس کو ادا نہ کرے تمہارے پاس، مگر جبکہ ہمیشہ اس پر ڈئے کھڑے رہو،

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينِ سَبِيلٌ

یہ اس سبب سے کہ ان لوگوں کا قول ہے کہ امی لوگوں کے بارے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں۔

وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِّبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۱﴾

اور لگاتے ہیں اللہ پر جھوٹ، دیدہ و دانستہ •

(اور) اے محبوب تم تو بخوبی واقف ہو کہ (کوئی کتابی وہ ہے کہ اگر امین بناؤ اس کو ایک انبار

کا)، یعنی اسکے پاس بطور امانت کثیر مال رکھ دو (تو) وہ (اسکو) حسب وعدہ تمہیں (ادا کر دے) گا اور

(تمہارے پاس) بخوشی پہنچا دے گا، جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام جنکے پاس کسی قریشی نے ایک ہزار دو سو اوقیہ سونا بطور امانت رکھا اور پھر جب قریشی نے طلب کیا تو آپ نے ادا کر دیئے۔

(اور) انکے برعکس (کوئی) کتابی (وہ) بھی (ہے) کہ اگر امین بناؤ اس کو محض ایک اشرفی کا (تو) طلب کرنے پر (اس کو) بھی (ادانہ کرے تمہارے پاس) باسانی خوشی خوشی۔ ہاں (مگر جبکہ ہمیشہ اس پر ڈٹے ٹھٹھے رہو) تقاضے پر تقاضہ کرتے رہو۔ ایسا مسلط ہو جاؤ کہ وہ بھی تنگ آجائے، مگر اتنا کچھ کرنے کے بعد ضروری نہیں کہ وہ تم کو امانت دے ہی دے، جیسا کہ کعب بن اشرف نے کہا جسکے پاس ایک قریشی نے صرف ایک دینار امانت رکھا تو، کعب بن اشرف نے اسے مانگنے پر واپس نہ دیا بلکہ سرے سے منکر ہو گیا۔

کتابیوں میں (یہ) بددیانتی اور خیانت (اس سبب سے) آگئی (کہ ان لوگوں کا قول ہے کہ امی لوگوں کے بارے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں)، یعنی ہم پر آخرت میں کوئی عذاب ہوگا اور نہ ہی کوئی گناہ۔ ان کے اس اعتقاد کی بنیاد دراصل انکا یہ خیال تھا کہ جو کوئی تورات نہ جانے، وہ امی ہے اور امیوں کا مال وہ اپنے واسطے حلال جانتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ تورات نے ہمارے لئے یہ امر درست کر دیا ہے کہ ہم اپنے دین کے مخالفوں کے ساتھ خیانت کریں (اور) یہ کیسے جری و بے باک ہیں کہ (لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ) (پر جھوٹ) اور وہ بھی (دیدہ و دانستہ)۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ خیانت حرام ہے اور تمام شریعتوں اور سب ملتوں میں امانت ادا کرنے کا حکم ہے۔

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۹۰﴾

ہاں جس نے پورا کر دیا اپنے عہد کو اور پرہیزگار ہا تو، بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو۔

(ہاں ہاں) یہ کس خام خیالی میں ہیں، یقیناً عرب سے بھی خیانت کرنے میں ان کی گرفت ہوگی۔ ہاں بے شک اس کی گرفت نہیں ہوگی (جس نے پورا کر دیا اپنے عہد کو) جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا اور یہ تھا کہ اے اہل کتاب تم محمد ﷺ پر ایمان لانا اور امانتیں ادا کرنا (اور) جو (پرہیزگار رہا) شرک و خیانت سے، (تو بیشک اللہ تعالیٰ) (دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو) جو دھوکا کرنے، خیانت اور عہد شکنی سے ڈرتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَأَخْلَاقُ

بیٹک جو لیتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنے قسموں کے بدلے بے حقیقت چیز قیمت، وہ ہیں کہ نہیں کوئی حصہ

لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكْرَهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

انکے لیے آخرت میں، اور نہ ان سے کلام فرمائے اللہ، اور نہ نظر کرے انکی جانب قیامت کے دن،

وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

● اور نہ پاک فرمائے ان کو، اور انکے لیے عذاب ہے دکھ والا

ان کے برعکس (بے شک جو لیتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے بے

حقیقت چیز) بطور (قیمت)، اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ کتاب میں ان سے عہد لے لیا تھا کہ یہ

رسول پاک پر ایمان لائیں گے اور امانتوں کو ادا کرتے رہیں گے اور انھوں نے بھی قسم کھا کر کہا تھا کہ

ہم ان پر ایمان لائیں گے اور انکی مدد کریں گے۔

ان میں سے جو لوگ اس عہد کو پورا نہیں کرتے اور وہ جھوٹی قسمیں کھا کر لوگوں کا مال

کھاتے ہیں اور اس عہد شکنی اور جھوٹی قسموں کے ذریعہ دنیا کا تھوڑا حقیر مال خریدتے ہیں۔

ایک طرف تو انھوں نے رسول عربی پر ایمان نہ لاکر عہد شکنی کی، دوسری طرف رسول عربی

کے جو اوصاف انکی کتابوں میں مذکور ہیں، انکو چھپا لیا، اور ان کتابوں میں بیان کردہ جو

خدائی احکام ہیں، انکو بدل ڈالا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی طرف سے قوانین گڑھ کے

اسکو اپنی کتاب میں شامل کر لیا اور پھر مزید شرمناک جرأت و جسارت کا مظاہرہ کیا اور قسمیں

کھا کھا کر لوگوں کو باور کرانے لگے کہ ہم جو کہہ رہے ہیں وہ ہی صحیح ہے اور ہم پر نازل فرمودہ

کتابوں کی ہدایات کے مطابق ہے۔

یہ سب کچھ کرنے کے بدلے میں کسی سے ایک صاع جو لے لیا اور کسی سے چند گز کپڑے

حاصل کر لئے۔ کعب بن اشرف اور اس جیسے یہ سودا بازی کرتے رہے۔

یہ جن کے اوصاف قبیحہ اوپر بیان کئے جا چکے ہیں (وہ ہیں کہ نہیں کوئی حصہ انکے لئے

آخرت میں) جو ان کے کام آسکے، انکی قسمت میں نہ تو آخرت کا ثواب ہے اور نہ ہی آخرت کی

نعیمتیں (اور) ان سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس پر اللہ تعالیٰ کے غضب کا عالم یہ ہوگا کہ (نہ ان

سے کلام فرمائے) گا (اللہ) تعالیٰ (اور نہ) ہی (نظر) رحمت (کرے) گا (انکی جانب، قیامت

کے دن اور نہ پاک فرمائے) گا گناہوں اور ان کی بد اعمالیوں کی آلائشوں سے (ان کو، اور)

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (ان کیلئے عذاب ہے دکھ والا)، جسکا دکھ دائمی ہے جو کبھی کاٹنے سے نہ کٹے۔
قیامت میں انکی سخت اہانت کی جائیگی۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونُ أَسْنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ

اور بیشک ان میں ایک جماعت ہے کہ توڑ موڑ کرتے ہیں اپنی زبان کو کتاب میں، تاکہ تم لوگوں کو خیال ہو کہ یہ کتاب ہی کا جز ہے،

وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

حالانکہ وہ کتاب سے نہیں، اور بک دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے۔

وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۳۳۶﴾

اور افتراء کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ، جان بوجھ کر •

(اور بیشک ان) توریت میں تحریف کرنے والوں، حضور نبی پاک کی نعت بدل ڈالنے والوں

اور ان باتوں کو انجام دینے کیلئے رشوت لینے والوں (میں) کعب بن اشرف اور اس جیسے اس کے

ساتھیوں کی (ایک جماعت ہے کہ توڑ موڑ کرتے ہیں اپنی زبان کو کتاب) پڑھنے کی صورت (میں)،

اور اپنی زبانوں کو نازل کردہ حکم سے محرف کی طرف پھیرتے ہیں، یعنی اصل جو کتاب کا نازل فرمودہ

حکم ہے، اس کو بدل لیتے ہیں۔ اور اسکی جگہ خود اپنا تحریف کردہ حکم پڑھ کر سنا دیتے ہیں اور یہ بددیانتی بلا

تکلف ایک جھٹکے میں کر جاتے ہیں (تاکہ تم لوگوں کو خیال ہو، یہ کتاب ہی کا جز ہے۔ حالانکہ وہ

کتاب سے نہیں) ہے۔

(اور) اس پر انکی بے شرمی کا عالم یہ ہے کہ وہ (بک دیتے ہیں کہ یہ اللہ) تعالیٰ (کی طرف

سے) نازل فرمودہ کتاب توریت سے (ہے)۔ (اور) حقیقت حال یہ ہے کہ (وہ اللہ) تعالیٰ (کی

جانب سے) نازل کردہ کتاب تورات سے (نہیں ہے)۔ توجب صورت حال یہ ہے کہ انکا تحریف

کردہ خدا کا کلام نہیں (اور) یہ اسے خدا کا کلام باور کرانا چاہتے ہیں تو انکا اس کلام کو خدا کا کلام قرار دینا

جو فی الواقع خدا کا کلام نہیں ہے، تو اپنے اس طرز عمل سے یہ (افتراء کرتے ہیں اللہ) تعالیٰ (پر

جھوٹ)، یعنی گڑھ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کر رہے ہیں جو قطعاً جھوٹ ہیں اور یہ کام

کچھ نادانی اور لاعلمی میں نہیں کر رہے ہیں بلکہ دیدہ و دانستہ (جان بوجھ کر) کر رہے ہیں۔ انھیں خوب

معلوم ہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے اور انھیں اس بات کی بھی بخوبی خبر ہے کہ خیانت حرام ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ وَالنَّبُوءَةَ شَاءَ يَقُولُ

کسی بشر کو حق نہیں کہ اللہ تو اس کو دے کتاب، اور حکم، اور پیغمبری، پھر وہ لوگوں سے یہ کہے

لِلنَّاسِ كُتُوبًا عِبَادًا إِلَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُوْنُوا رَبِّينَ

کہ ہو جاؤ تم میرے ہی بندے اللہ کو چھوڑ کر، لیکن کہے گا، کہ ہو جاؤ اللہ والے،

بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿۳۰﴾

کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے رہے اور خود پڑھتے رہے •

سابقہ آیات میں یہودیوں کے افتراء کا ذکر تھا اور اب آگے نصاریٰ کے افتراء کا ذکر فرمایا

جا رہا ہے، جو انھوں نے انبیاء علیہم السلام پر تراشا۔ نجران کے نصاریٰ کہتے تھے کہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام

نے حکم فرمایا تھا کہ ہم انکو اپنا رب سمجھیں، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے افتراء سے پاک تھے، نہ

انھوں نے خدائی کا دعویٰ کیا اور نہ ہی اپنی عبادت کا حکم دیا اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ۔۔۔

(کسی بشر کو) خواہ وہ عیسیٰ ہی کیوں نہ ہوں (حق نہیں)، اور اسے لائق نہیں (کہ اللہ تعالیٰ

(اس کو دے کتاب)۔۔۔ مثلاً: انجیل (اور حکم) یعنی قضیوں کے فیصلے اور معاملات کو حل کرنے کی سمجھ،

(اور پیغمبری) یعنی نبوت و رسالت کی ذمہ داری، تو وہ خدا کی طرف دعوت دینے کی بجائے خود اپنی

طرف دعوت دینے لگے اور خدا سے بے نیاز کر کے اپنا نیاز مند بنا لے۔

اور جب یہ سب نعمتیں اسے مل جائیں (پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ ہو جاؤ تم میرے ہی

بندے، اللہ تعالیٰ (کو چھوڑ کر)۔

نبی بندے کو رب سے چھڑانے نہیں آتا۔ وہ بندوں کو اپنا غلام اگر بناتا ہے تو اپنی عبادت

کرانے کیلئے نہیں، بلکہ خدا ہی کی عبادت کرانے کیلئے۔ نبی پر ایمان کے بغیر خدا پر ایمان،

نبی کی اطاعت کے بغیر خدا کی اطاعت، نبی کی غلامی کے بغیر خدا کی بندگی، اور نبی کی محبت

کے بغیر خدا کی محبت چونکہ ناممکن ہے، اسلئے نبی سب کو اپنے قریب کرتا ہے اور جب قوم

ایمان و عمل کے لحاظ سے نبی کے قریب ہو جاتی ہے، تو پھر حقیقی معنوں میں خدا کی عبادت

گزار ہو کر خدا والی ہو جاتی ہے۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ نبی کبھی بھی نہیں کہے گا کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے ہو جاؤ (لیکن) یہ ضرور

(کہے گا کہ) مجھ پر ایمان لا کر اور میرے اطاعت شعار بن کر (ہو جاؤ اللہ تعالیٰ) (والے) اور اللہ والا

ہونا ہی تمہاری شایان شان ہے کسی غیر خدا کو اپنا معبود اور اپنا رب بنا لینے سے۔ کیوں (کہ تم) اپنے نبی پر نازل شدہ (کتاب کی تعلیم دیتے رہے اور خود) بھی اسے (پڑھتے) پڑھاتے (رہے)۔

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَدْيَابًا أَيَأْمُرُكُمْ

اور نہ حکم دے گا تم کو کہ بنا لوفرشتوں اور پیغمبروں کو رب۔ کیا حکم دے گا تم کو

بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۗ

کفر کا؟ اس کے بعد کہ تم مسلمان ہو •

(اور) یونہی (نہ حکم دے گا) وہ کتاب و نبوت والا (تم کو، کہ بنا لوفرشتوں اور پیغمبروں کو رب)، بھلا وہ اس طرح کا حکم کیسے دے سکتا ہے؟ اور اس طرح کا حکم دینا اس سے کیسے ممکن ہے؟ (کیا) وہ (حکم دے گا تم کو کفر کا، اسکے بعد کہ تم مسلمان ہو؟) جس کا کام کفر و شرک کی ظلمتوں سے نکالنا ہو، جو ہر طرح کی گمراہیوں کے دلدل سے نکالنے کیلئے مبعوث کیا جاتا ہو، اسکی طرف ایسی باتوں کو منسوب کرنا جس سے کفر و شرک کی دعوت دیتا ہوا نظر آئے، کہاں کا انصاف ہے؟ بلکہ یہ افتراء کی بدترین شکل ہے۔

اب اگر بعض مشرکوں نے فرشتوں کی عبادت کی اور یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کی عبادت کی، تو یہ سب کچھ کسی نبی برحق کی ہدایات سے نہیں کی ہے، بلکہ اپنے طاغوتوں کی اطاعت میں کیا ہے۔۔۔ انحصار۔۔۔ نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ پر یہ الزام لگانا کہ انھوں نے حکم دیا کہ انھیں رب اور معبود بنا لیا جائے سراسر باطل ہے۔

یہ یہود و نصاریٰ بھی عداوت و حسد میں حد سے گزر گئے تھے۔ انکی کتابوں نے ان پر خوب واضح کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عالم ارواح میں۔۔۔ یا۔۔۔ بذریعہ وحی یہ عہد لے لیا ہے کہ، اگر ان کے زمانے میں سیدنا محمد ﷺ مبعوث ہو گئے تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی نصرت کریں گے اور سارے نبیوں کو یہ ہدایت بھی کر دی گئی کہ وہ اپنے امتیوں سے یہ عہد لیتے رہیں گے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس عہد میں ہر نبی کا امتی اپنے اپنے نبی کا تابع ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ

اور جبکہ لیا اللہ نے پیغمبروں کا حقی وعدہ، کہ جب میں نے دے دیا ہوں تم کو کتاب و حکمت،

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَكِنْتُمْ كَافِرَاتٍ

پھر آ گیا تمہارے پاس رسول سچ بتاتا ہوا، جو تمہارے پاس ہے، تو ضرور اس کو مان جانا اور اسکی ضرور مدد کرنا،

قَالَ أَأَقْرَبْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَيَّ دِينُكُمْ اِصْرِي قَالُوا أَفَرَرْنَا

فرمایا کہ تم لوگوں نے کیا اقرار کیا، اور اپنے اس اقرار پر میری بھاری ذمہ داری لی، سب بولے ہم نے اقرار کیا۔

قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۱۱﴾

فرمایا تو سب گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں •

چنانچہ اے محبوب ﷺ اپنی نگاہ علم و ادراک سے دیکھو (اور) یاد کرو اس عظمت والے واقعہ کو

(جبکہ) لے (لیا اللہ) تعالیٰ (نے پیغمبروں کا) ان کی امت کو انکا تابع رکھتے ہوئے ایسا عہد، جو ٹل نہ سکے یعنی (حتی و وعدہ) اس وقت (کہ جب میں نے دے دیا ہو تم کو کتاب و حکمت) یعنی حلال و حرام کے احکام اور حدود کے بیانات۔۔۔ الغرض۔۔۔ کتاب بھی اور اسکی سمجھ بھی، (پھر آ گیا تمہارے پاس) میرا عظیم (رسول) محمد ﷺ (سچ بتاتا ہوا) اور تصدیق کرتا ہوا اس کتاب و حکمت کی (جو تمہارے پاس ہے، تو ضرور) بالضرور (اس کو مان جانا)، دل کی سچائی کے ساتھ اس پر ایمان لانا، (اور اسکی ضرور مدد کرنا)۔

اور اگر تمہارے زمانے میں نہ آئے تو اسکی صفتیں اور نعمتیں بیان کر کے اپنی اپنی امتوں کو اسکی یاری اور مددگاری کا حکم کرتے رہنا اور سب سے ان پر ایمان اور ان کی نصرت کا عہد لیتے رہنا۔

پھر (فرمایا) رب تعالیٰ نے (کہ تم لوگوں نے کیا اقرار کیا، اور اپنے اس اقرار پر میری بھاری ذمہ داری لی)۔ مودبا (سب بولے ہم نے اقرار کیا) پھر (فرمایا) رب تعالیٰ نے (تو سب گواہ ہو جاؤ) انبیاء کے اقرار پر (اور میں خود) بھی (تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں) انکے اس اقرار پر۔

فَمَنْ كُفِيَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۱۲﴾

تو پھر جو پھر اس کے بعد، تو وہی نافرمانوں سے ہے •

(تو پھر جو پھر) یعنی منہ پھیر لیا اس رسول پر ایمان لانے سے اور اسکی مدد کرنے سے، (اس)

عہد و پیمان (کے بعد، تو) بیشک (وہی نافرمانوں سے ہے)۔ یعنی فرمان اور ایمان۔۔۔ نیز۔۔۔ عہد و

پیمان کے دائرے سے باہر نکل جانے والوں میں سے ہے۔۔۔

جس میثاق کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ میثاق اہل کتاب کی کتابوں میں مذکور تھا اور وہ اسے بخوبی جانتے تھے اور انھیں یقین تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ اپنی نبوت کے دعوے میں سچے ہیں، انکے کافر ہونے کا کوئی سبب ہی نہیں تھا سوائے عداوت و حسد کے، تو وہ شیطان کی طرح حسد میں مبتلا ہو کر کفر کے مرتکب ہوئے۔ پس انھیں اللہ تعالیٰ نے جتلیا کہ جب اہل دنیا اس منہج کو پہنچ جائیں گے تو سمجھ لینا کہ وہ ایسے دین کو طلب کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کا غیر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔۔۔

اَفَعَيِّرْ دِیْنَ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تو کیا اللہ کے دین کے سوا چاہتے ہیں؟ حالانکہ اسی کیلئے سر ڈال دیا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے

طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّالِیْہِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾

خوشی خوشی اور دباؤ سے، اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے •

(تو کیا) یہ نافرمان اور حق سے انحراف کرنے والے عہد شکن لوگ (اللہ) تعالیٰ (کے دین کے سوا) کوئی دوسرا دین (چاہتے ہیں) اور کسی اور کے آگے سر تسلیم خم کرنا چاہتے ہیں (حالانکہ) ساری کائنات اسی کے آگے سرنگوں ہے اور (اسی کیلئے سر ڈال دیا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے)۔ اس میں اہل آسمان رغبت سے (خوشی خوشی، اور) اہل زمین کی اکثریت کراہت سے اور (دباؤ سے) مجبور ہو کر، یا جن وانس کے سوا ساری مخلوق رغبت سے خوشی خوشی اور جن وانس کی اکثریت کراہت سے مجبور ہو کر، بارگاہِ خداوندی میں یہ سرنگوں ہونے والے کیوں نہ سر جھکائیں، اسلئے کہ انھیں بخوبی پتہ ہے (اور) معلوم ہے کہ زمین اور آسمان کے اندر رہنے والے سب (اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے)۔

یعنی جو آج اللہ تعالیٰ کی خلاف ورزی کرتا ہے تو آخر اسے بھی اسکے حضور پیش ہونا ہے اور پھر سب کو معلوم ہے کہ اسکے سوا ذاتی طور پر نفع و نقصان کا کوئی مالک نہیں۔ اس میں دین حق کے مخالف کیلئے بہت بڑی سخت و عید ہے۔

اس آیت سے متصل پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں؟ اس میں اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرنے کی مذمت فرمائی گئی، تو پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اللہ کا دین کون سا ہے؟ اور کون سا دین اختیار کیا جائے؟

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ

اور جو چاہے اسلام کے سوا کسی دین کو، تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۰﴾

اور وہ آخرت میں ٹوٹے والوں سے ہے۔

(اور) اب اسلام کی موجودگی میں (جو چاہے اسلام کے سوا کسی دین کو، تو اس سے ہرگز قبول

نہ کیا جائیگا)۔ اسکا اپنا ہوا دین، (اور وہ) دین اسلام ترک کرنے کی وجہ سے (آخرت میں ٹوٹے والوں سے ہے)، آخرت میں اسکے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔

یہ ارشاد انکے لئے جو دین اسلام کے سوا اور کسی دین کے طالب ہیں تہدید ہے۔ جو

لوگ دین اسلام کی دولت سے مشرف ہو کر اسکے دامن کو چھوڑ دیتے ہیں اور مرتد ہو جاتے ہیں، انکے تعلق سے ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ۔۔۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرًا وَّابْعَدًا اِيْمَانِهِمْ وَشٰهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ

کس طرح ہدایت بخشے اللہ ایسی قوم کو جس نے انکار کیا مان جانے کے بعد، اور گواہی دے چکے تھے کہ رسول

حَقٌّ وَّجَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاَللّٰهُ لَآيْهٰدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾

حق ہے اور آپکی تیس ان کے پاس روشن نشانیاں۔ اور اللہ ہدایت نہیں بخشتا ظالم قوم کو

(کس طرح ہدایت بخشے اللہ تعالیٰ (ایسی قوم کو جس نے انکار کیا مان جانے کے بعد اور)

اسکے بعد کہ (گواہی دے چکے تھے کہ رسول) بر (حق ہے اور)۔۔۔ نیز۔۔۔ اسکے بعد کہ (آچکی تھیں انکے پاس روشن نشانیاں) قرآن کریم اور نبی کریم کے معجزات۔

یہ بارہ آدمی تھے کہ دین اسلام سے منہ موڑ کر پھر کافروں میں مل گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ

ایسے لوگ جو حق اور ہدایت کے بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہونے اور پھر اسکو قبول کر لینے کے

بعد مرتد ہو جاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کو اگر اللہ تعالیٰ بطور سزا از خود ہدایت نہیں دیتا اور پھر اگر

وہ ارتداد پر نادم اور تائب ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ انکی توبہ کو قبول فرمالتا ہے۔ تو یہ سب بڑے

ہی عدل و فضل کے فیصلے ہیں۔

جو لوگ اسلام کی حقانیت کو دلائل اور کھلی کھلی نشانوں سے جان چکے اور پھر اس کو مان بھی

چکے، اسکے بعد وہ کسی باطل غرض کی بنا پر مرتد ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ انکو جبراً ہدایت نہیں دیتا کہ

انکو بزور طاقت اسلام میں داخل کر دے۔۔۔ ہاں۔۔۔ جواز خود نام اور تائب ہو اور اسلام کی طرف پلٹ آئے، تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اسکی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔۔۔
 --- الغرض۔۔۔ جان بوجھ کر اپنے کفر پر ڈٹے اور اڑے رہنے والے ہدایت خداوندی کے مستحق نہیں۔ اور اگر وہ کفر ہی پر مر گئے، پھر تو انھیں جنت کے راستے کی ہدایت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔ تو۔۔۔ جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہدایت نہیں بخشا ظالم قوم کو) یعنی ان لوگوں کو جنہوں نے اپنی نظر کی کوتاہی سے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، کہ ایمان کی بجائے کفر کو اختیار کیا۔ جب وہ ایسے ظالم سے محبت نہیں کرتا تو پھر اس سے کیسے محبت کرے گا جو ایمان لا کر پھر کافر ہو جائے، یعنی مرتد ہو جائے۔

أُولَٰئِكَ جَزَاءُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ وَآيَاتِ رُسُلِهِۦٓ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَفِيٌّ ۝۱۰۰

• وہ ہیں جن کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی

ایمان لا کر کافر ہو جانے والے لوگ (وہ ہیں، جنکا بدلہ یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ) تعالیٰ کی وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رہیں گے (اور فرشتوں) کی، یعنی فرشتے ہمیشہ ان سے بیزار رہیں گے اور دعا کرتے رہیں گے، کہ رب تعالیٰ انھیں اپنی رحمت سے دور رکھے (اور سب لوگوں کی)، یعنی سب مومن لوگ انکی مذمت کرتے رہیں گے اور انکے لئے رحمت الہی سے دور رہنے کی دعا مانگتے رہیں گے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُوْنَ ۝۱۰۱

• اس میں ہمیشہ رہنے والے، نہ تخفیف کی جائے گی ان سے عذاب کی، اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے

وہ (اس) لعنت اور اسکے اثر یعنی عذاب الہی (میں) ہمیشہ رہنے والے ہیں) نیز (نہ تخفیف کی جائیگی) دوزخ میں (ان سے عذاب کی)، وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے، اس سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ دوزخ کے عذاب میں تو فرق ہو سکتا ہے، مگر رہیں گے وہ دوزخ ہی کے عذاب میں، اور جسکے لئے جو عذاب مقدر کیا جا چکا ہے اسکو ہلکانہ کیا جائے گا (اور نہ) ہی (وہ مہلت دئے جائیں گے) کہ وہ دنیا کی طرف رجوع کر سکیں۔۔۔ یا۔۔۔ ایک وقت سے دوسرے وقت تک کیلئے عذاب میں تاخیر کر دی جائے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰﴾

مگر جو تائب ہو چکے اس کے بعد، اور اپنی اصلاح کر لی۔ تو بے شک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے •

(مگر) وہ لوگ جناب احدیت اور حضرت ربوبیت میں (جو تائب ہو چکے اسکے بعد)، یعنی حق سے انحراف کے بعد (اور اپنی اصلاح کر لی) یعنی عقائد و اعمال میں جو خرابی پیدا کر لی تھی اسے درست کر لیا، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) ہے گنہگاروں کا اور (رحمت والا ہے) سیہ کاروں کیلئے۔ جب حارث بن سوید جو مرتد ہونے والے بارہ افراد میں سے ایک تھا، کے بھائی نے ایک شخص کے بدست یہ آیت اپنے بھائی حارث کے پاس بھیجی۔ حارث نے آیت پڑھ کر اس آدمی سے کہا کہ میں نے ہرگز کبھی تجھ سے جھوٹ نہیں سنا اور میرا بھائی بھی رسول خدا پر افتراء نہیں کرتا اور رسول بھی خدا پر جھوٹ نہیں جوڑتا اور خدا سب سے زیادہ سچا ہے، پس میں کیوں نا امید ہوں۔

--- الختصر --- وہ تو بہ کرتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوا اور رجوع کرتے وقت یہی آیت، ان گیارہ آدمیوں پر پڑھی۔ انھوں نے توبہ سے انکار کر کے جواب دیا کہ اب تو ہم مکہ میں رہتے ہیں اور راہ دیکھتے ہیں کہ محمد ﷺ اور انکے یار و مددگار مغلوب ہو جائیں۔ اگر ہمارا یہ مطلب حاصل ہو گیا، تو یہی ہماری مراد ہے ورنہ ہم جب چاہیں گے دین اسلام کی طرف رجوع کر لیں گے اور ہماری توبہ بھی ہو جائیگی۔ ایسوں کیلئے ارشاد ہوتا ہے کہ ---

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَدَّوْا كُفْرًا لَنْ نُقْبَلَ تَوْبَتَهُمْ

بے شک جنھوں نے کفر کیا ایمان لانے کے بعد، پھر بڑھے کفر میں، تو نہ میسر ہوگی ان کو مقبول توبہ،

وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿۱۱﴾

اور وہی گمراہ لوگ ہیں •

(بیشک جنھوں نے کفر کیا) خدا اور رسول کے ساتھ ان پر (ایمان لانے کے بعد، پھر بڑھے کفر میں) اپنے کفر پر ثابت قدم رہ کر --- نیز --- اس توبہ کی آیت کا بھی انکار کر کے، (تو نہ میسر ہوگی انکو مقبول توبہ)۔ ان سے ایسی توبہ کی توفیق ہی چھین لی جائیگی جو بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو (اور وہی) کفر پر قائم رہنے والے لوگ (گمراہ لوگ ہیں) جو راہ ہدایت سے ہٹے ہوئے ہیں اور بدبختی کے میدان میں ہلاک ہونے والے ہیں۔

اس مقام پر کافروں کو اس خام خیالی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ جب وقت آئیگا تو ہم
ندیدہ دیکر اپنے کو عذاب سے بچالیں گے اسلئے کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوا وَمَا لُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ

بے شک جنھوں نے کفر کیا، اور مرے اس حال میں کہ وہ کافر ہیں، تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ان میں سے کسی سے

مِلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوْ اَفْتَدٰی بِهٖٓ اَوْلٰیكَ لَمْ يَكُنْ عَذَابٌ

زمین بھر سونا، گو اس کو وہ اپنی رہائی کیلئے دے۔ وہ ہیں جن کے لیے دکھ دینے والا عذاب،

اِلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصْرِیْنَ ﴿۱۰﴾

اور نہیں ہے ان کا کوئی مددگار •

(پیشک جنھوں نے کفر کیا اور مرے اس حال میں کہ وہ کافر ہیں) یعنی مرنے سے پہلے اپنے
کفر سے توبہ نہیں کی (تو ہرگز قبول نہ کیا جائیگا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا) یعنی اس قدر سونا جس
سے مشرق سے مغرب تک تمام سطح زمین بھر جائے، اگر کوئی کافر عذاب جہنم سے چھوٹنے کے واسطے بطور
ندیدہ دے، تو اس سے ہرگز نہ قبول کیا جائیگا (گو اس کو وہ اپنی رہائی کیلئے دے)۔ یہ کافر ہو کر مرنے
والے لوگ (وہ ہیں جنکے لئے دکھ دینے والا عذاب) ہے، جس میں بے حساب رنج و الم ہے (اور نہیں
ہے انکا کوئی مددگار) جو عذاب سے بچانے میں انکی مدد کرے۔



اس پارہ کی تفسیر مجمہ تعالیٰ آج ۱۰ جلد اول / ۱۳۲۹ھ / ۱۶ مئی ۲۰۰۸ء کو مکمل ہوئی

گلوبل اسلامک مشن کی دیگر مطبوعات

اردو ترجمہ قرآن نام معارف القرآن
مترجم: مخدوم الملتہ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

’مسئلہ قیام و سلام اور محفل میلاد‘ ﴿۶۳ صفحات﴾
تالیف: مخدوم الملتہ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

’الاربعین الاشرافی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ‘ ﴿۳۰۷ صفحات﴾
شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’محبت رسول ﷺ روح ایمان‘ ﴿۹۵ صفحات﴾
(حدیث محبت کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)
شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’تعلیم دین و تصدیق جبرائیل امین‘ ﴿۱۱۰ صفحات﴾
(حدیث جبرائیل کی فاضلانہ تشریح)
شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’مقالات شیخ الاسلام‘ ﴿۱۴۰ صفحات﴾
تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’انما الأعمال بالنیات‘ ﴿۳۲ صفحات﴾
(حدیث نیت کی محققانہ تشریح)
شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’نظریہ ختم نبوت اور تحذیر الناس‘ ﴿۳۶ صفحات﴾
مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’فریضہ دعوت و تبلیغ‘ ﴿۳۶ صفحات﴾
مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’دین کامل‘ ﴿۳۲ صفحات﴾
مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’درو و تاج‘ (قرآن وحدیث کی روشنی میں) ﴿۵۸ صفحات﴾
’فتح مبین‘ ﴿۵۸ صفحات﴾ --- ’تعظیم کتاب اللہ‘ ﴿۱۸ صفحات﴾
مصنف: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ

’Decisive Decision‘ (185 pgs.)

A Brief Study of the Dispute between Wahabis / Deobandis
and Sunnis in the Indian Subcontinent

Translated by:

Mohammad Masood Ahmed (Suharwardy, Ashrafi)

’Essentials of Islam‘ (208 pgs.)

The Least We Should Know

Written by:

Mohammad Masood Ahmed (Suharwardy, Ashrafi)

’G.I.M.’s Quranic Primer‘ (100 pgs.)

Teaching & Learning the Holy Qur’an Made Easy

Compiled by:

Mohammad Masood Ahmed (Suharwardy, Ashrafi)



تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، ایک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلداول﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً بحرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دوران طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اس کا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔ علاوہ ازیں۔۔۔ کتاب ہذا میں کوئی مضمون ملک و ملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

سید محمد عظیم علی

REGISTRATION OFFICER
AQUA GOVT OF SINDH
KARACHI

سید محمد عظیم علی

ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(مکملہ اوقاف، سندھ) کراچی





ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان